ینی اصلاحی ماہوار رسا

شمارہ نمبر ۱ جنوری ۱۹۹۵ء جلد نمبر ۱۸

حامل مضامین تصوف و عرفان • افاداتِ وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیرِ سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۱- رجب المرجب ۱۴۱۵ھ مطابق جنوری ۱۹۹۵ء جلد ۱۸

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ سالانہ زرِ تعاون ساٹھ روپیہ ششماہی پینتیس روپیہ

سالانہ بدلِ اشتراک: پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۵/۲۳- بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر- پبلشر:- صغیر حسن۔ :- اسرار کریمی پریس۔ جانسین گنج الہ آباد

SV02

170699
16.10.92

گذارش رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں!

انتباہ ابھی تک بعض احباب نے سال رواں ۱۹۹۲ء کا زرِ تعاون ارسال نہیں فرمایا ہے۔ اس طرف توجہ فرما کر ادارہ کی اعانت فرمائیے۔

حادثے ایک دم نہیں ہوتے

لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّ لَا ذِمَّةً وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝

یہ لوگ کسی مومن کے حق میں نہ قرابت کا پاس رکھتے ہیں اور نہ عہد کا اور یہی لوگ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں۔

مشہور بین الاقوامی دینی درسگاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ پر جو بہیمانہ شب خون مارا گیا اور وہاں پر موجود اساتذہ و طلبار کے ساتھ جو ظالمانہ اور توہین آمیز سلوک کیا گیا یہ کوئی اتفاقی حادثہ یا غلط اطلاع کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ ایک سوچی سمجھی سازش کا حصہ ہے ؎

وقت کرتا ہے پرورش برسوں　　حادثے ایک دم نہیں ہوتے

آزادی کے بعد سے مسلسل ہر طرح سے مسلمانوں کو مجروح و شکستہ کرنے کی تدبیریں ہو رہی ہیں تعلیمی اور معاشی اعتبار سے کمزور اور پست کیا جا رہا ہے حتیٰ کہ اب ہمارے تمدن و تہذیب اور پرسنل لا پر اور عقائد و معتقدات پر بھی حملے ہو رہے ہیں، سرکاری نصاب تعلیم اور ذرائع ابلاغ نے مسلمانوں کو دینی و تاریخی معلومات، تہذیبی و تمدنی اقدار، اسلامی اخلاق و تعلیمات سے یکسر محروم کر دیا ہے۔ فی زمانہ ہم مہابھارت۔ رامائن۔ چانکیہ کے واقعات اور کرداروں سے خوب واقف ہیں مگر صد افسوس کہ بدر و احد، حنین و خیبر، احزاب و صلح حدیبیہ، فتح مکہ اور تبوک سے بالکل ناواقف ہیں انکے اہم واقعات اور اور کرداروں سے قطعی ناآشنا ہیں۔

یہ صورت حال نہایت تشویشناک پہلے بھی تھی اور اب بھی ہے کہیں ماضی کے ورثہ سے بالکل تہی دامن ہو کر دینی نقوش مٹ جانے کے بعد اپنی شناخت بھی ہم کھو نہ بیٹھیں اور اسی خطرے کے سد باب کے لئے ہمارے اسلاف نے خالص دینی اور اسلامی اداروں کی بنیاد ڈالی، حکومت کے تعاون و امداد

سے بے نیاز ہوکر مسلمانوں کے اپنے ہی تعاون سے یہ ادارے قائم کیے گئے ان دینی اداروں کے قیام کا اولین مقصد یہی تھا کہ یہاں کے فارغین گو دنیاوی امور میں کورے اور خام سہی مگر امور دین میں پختہ اور تمام ہوں تاکہ مسلمانوں کا تشخص باقی رہے، انکی دینی علامات زندہ رہیں، اسلامی کردار و تہذیب کے نمونے موجود رہیں، انکی تربیت اس انداز کی ہو کہ عسرت اور تنگ دستی کے باوجود خدمت دین کو اپنا فریضہ سمجھیں، طعن و تشنیع، مضحکہ اور استہزار سے بے نیاز ہوکر، اسلامی وضع قطع کے پابند رہیں، خدا کا شکر ہے کہ ہمارے اسلاف اپنی اس کوشش میں صد فی صد کامیاب رہے۔ اسکا فائدہ افسوس کہ موجودہ دور میں ہم خود ہی حقیر اور کم سمجھ رہے ہیں مگر اغیار کی نگاہوں میں بہت بڑا ہے۔ اغیار اپنے حق میں سب سے زیادہ مضر اور اپنے ناجائز مقاصد میں سب سے زیادہ مانع انھیں اداروں کو سمجھ رہے ہیں۔ اہل مدارس کی دینی حالت بہت بلند نہ سہی، کردار و عمل معیاری نہ سہی، عادات و اخلاق مثالی نہ سہی، انکا وجود بزعم خود روشن خیالوں کی نگاہ میں بے اثر سہی، حالات سے بے خبر زمانہ سے بے آہنگ سہی، ماضی پراگندہ، حال افسردہ، اور مستقبل ناپائدار ہی سہی مگر مذہبی اور دیندار ہونے کی ایک علامت اور نمونہ تو ہیں۔ اگر خدانخواستہ یہ نہ ہوتے تو مذہبی شکل و صورت اختیار کرنے والوں کے لئے تقلید اور نقل کے لئے کبھی کوئی صورت اور مثال نہ ملتی۔ دنیا پر نگاہ ڈالئے وہ ممالک اسلامیہ جہاں غیروں کے تسلط کے بعد نظام مدارس اور اشخاص دین کو ختم کر دیا گیا وہاں کے لوگ رفتہ رفتہ مذہب کی بنیادی مطالبات اور اساسی معلومات سے کبھی نابلد ہو گئے اپنا تفرد زائل اور تشخص فراموش کر بیٹھے۔ اللہ کا فضل ہے کہ یہ صورت اس ملک میں نہیں ہے۔ جگہ جگہ اسلامی ماحول، دینی فضا، مذہبی مزاج اور اسلامی ذوق یہ سب انھیں مدارس اسلامیہ کی برکات ہیں۔ آج اغیار پر یہ بات اچھی طرح واضح ہو گئی ہے کہ مسلمانوں میں مذہبی مزاج پیدا کرنے والے، ان کے اندر

دینی رجحان کو تقویت دینے والے یہی مذہبی ادارے ہیں لہٰذا انکے مٹانے اور ختم کرنے کی سازشیں شروع ہوگئیں اولاً سرکاری اداروں اور محکموں میں اس کی سند ناقابل قبول قرار دیدی گئی گویا مدارس اسلامیہ کا پڑھا ہوا حکومت کی نگاہ میں جاہل محض ہے اور مدارس کا تعلیم یافتہ کسی منصب اور عہدہ کا اہل نہیں ہے۔

اس طرح ملت کے ایک بڑے طبقہ کو اس علم کی تحصیل سے روک دیا گیا محض سرکاری نوکریوں سے رشتہ ختم ہونے کی بنا پر ہمارے ذہنوں نے بھی تسلیم کرلیا ہے کہ دینی تعلیم یا مدارس کا تعلیم یافتہ اسکول کے پڑھے ہوئے سے حقیر اور کم درجہ ہے بلکہ مدارس کے نکلے پڑھے ملک و ملت پر ایک بوجھ ہیں انکا وجود بے کار اور فضول ہے۔

ان سب کے باوجود دینی مدارس کا وجود باقی رہا، انکے بام و در آباد رہے، انکی محفلیں سونی اور ویران نہیں ہوئیں۔ تو اب دینی مدارس کی نشو و نما کو روکنے کے لئے، انکے فروغ کو ختم کرنے کے لئے براہ راست مداخلت کی ابتداء کی گئی ہے۔ ایک منظم سازش کے تحت ان مدارس کو دہشت گردی کا اڈہ، آئی۔ ایس آئی کا ٹھکانہ کہکر اسکے وجود کو مشکوک بنایا جارہا ہے۔ بے وجہ حملہ کرکے اور تلاشیاں لیکر اسکے احترام کو ختم کرنا ہے اور اسکے وجود کو مٹانا ہے تاکہ مسلمانوں کا جو رشتہ مذہب سے ہے اور جو تعلق اپنے دین سے ہے اور جو جذباتی وابستگی اپنے عقائد سے ہے وہ منقطع ہوجائے۔ اور اکثریت اقلیت کو دین و عقیدہ اور رسم و رواج میں بھی اپنا ہم رنگ بنالے، ہر معاملہ اور ہر حیثیت سے مغلوب کردے۔ بابری مسجد کی شہادت، ندوۃ العلماء پر حملہ اور دیگر مدارس کی تلاشیاں انھیں ناپاک مقاصد کا ایک حصہ ہیں۔ زبان سے تسلی آمیز کلمات بھی کہے جاتے ہیں، رنج و افسوس کا اظہار بھی ہوتا ہے، تحقیقاتی کمیشن

بھی مقرر ہو جاتا ہے اور اسی درمیان اگلا ہدف اور نشانہ بھی متعین ہو جاتا ہے جبکی ضرب پہلی چوٹ سے بھی زیادہ شدید ہوتی ہے بس اب اسے سہلائیے اور پہلی کو بھول جائیے۔
مشرکین اپنی عادت اور مزاج میں ہمیشہ متحد رہے ہیں اور انکا فریب اور حیلہ بھی یکساں رہا ہے انکے قول وعمل میں تضاد بھی ہمیشہ رہا ہے۔

كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ　ان سے وفاء عہد کی کیسے امید کی جائے جبکہ حال
لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً يُرْضُونَكُمْ　یہ ہے کہ یہ اگر تم پر غالب ہو جائیں تو تمھارے بارے میں نہ ہی قرابت کا
بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَى قُلُوبُهُمْ وَأَكْثَرُهُمْ　لحاظ رکھیں گے اور نہ کسی عہد کا تمھیں پرچار ہے ہیں صرف اپنی زبانی
فَاسِقُونَ۔　باتوں سے اور انکے دل انکار کئے جارہے ہیں اور ان میں زیادہ تر عمل بدعہدی ہیں!

آیت کریمہ کی صداقت کا مشاہدہ ہی نہیں بلکہ بار بار تجربہ بھی ہو رہا ہے، مسلمانوں کے ساتھ انکے معاملات انکے بغض کینہ اور انکی خواہش وتمنا کو متعدد جگہ بیان کیا گیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے:-

إِنْ يَثْقَفُوكُمْ يَكُونُوا لَكُمْ أَعْدَاءً　اگر انھیں تم پر دسترس مل جائے تو اظہار عداوت کرنے لگیں اور
وَيَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ وَأَلْسِنَتَهُمْ　تم پر برائی کے ساتھ دست درازی اور زبان درازی کرنے لگیں
بِالسُّوءِ وَوَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ　اور وہ تو یہ چاہتے ہی ہیں کہ تم کافر ہو جاؤ۔

قرآن کریم نے ہر طرح سے ہماری رہنمائی کی ہے لیکن ہم قرآنی تعلیمات سے غفلت کے نتیجہ میں احکام اسلام سے بیگانگی کی بنا پر ذلت ورسوائی کی زندگی گذارنے پر مجبور ہوئے لہٰذا ہمیں اسلامی تعلیمات سے اپنا رشتہ مضبوط کرنا ہوگا۔ مدارس پر جو نئی یورش ہے ٹھنڈے ذہن ودماغ سے اسکے دفاع کی تدبیر کرنی ہوگی۔ اور ساتھ ہی ساتھ خدا کے حضور میں توبہ واستغفار، الحاح وزاری اور استعانت و مدد کی درخواست بھی کرنا ہوگی۔

إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ　اگر اللہ تمھارا ساتھ دے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا
وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ　اور اگر وہ تمھارا ساتھ چھوڑ دے تو کون ایسا ہے جو اسکے بعد
بَعْدِهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ　تمھارا ساتھ دے اور ایمان کو تو چاہئے کہ صرف اللہ پر بھروسہ رکھیں

احوال الصادقین

ترجمہ تنبیہ المغترین مولفہ قطب ربانی علامہ عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ میں ہے۔ منجملہ ان کے اخلاق کے ایک یہ ہے۔ کہ جو شخص انکو بچپن میں قرآن کی ایک سورت یا ایک آیت پڑھا دیتا ہے۔ اسکا وہ نہایت ادب کرتے ہیں۔ پس جو شخص انکو ایک سورۃ یا ایک آیت یا کسی علم کا ایک باب پڑھا دیتا ہے۔ انکی وہ اسقدر تعظیم کرتے ہیں کہ اسکے پاس سے سوار ہوکر نہیں نکل سکتے اور نہ اسکی مطلقہ بیوی سے شادی کرسکتے ہیں۔ اگرچہ وہ شیخ الاسلام یا شیخ طریق ہوجاویں اور جن آداب کو وہ اسکے ساتھ برتتے ہیں۔ ان میں سے یہ بھی ہے کہ حسب مقدار انکو ہدایا دیتے رہتے ہیں اور ان کے اور ان کے گھر کے لوگوں اور انکے متعلقین کیلئے کپڑے بناتے رہتے ہیں۔ اور یہ سب انکی خاطر کیلئے کرتے ہیں۔ علیٰ ھذا ان کے اخلاق میں سے یہ بھی ہے کہ جو معلم ان کے بچوں کو قرآن پڑھاتا ہے اس سے بخل نہیں کرتے اور جو کچھ اسکو دیتے ہیں اسکو زیادہ نہیں سمجھتے۔

ابو زید یزدانی صاحب رسالہ کی حکایت ہے کہ جب ان کے بچہ کو معلم نے ایک منزل قرآن پڑھا دیا تو اسے سو دینار دیئے اس نے لینے سے عذر کیا اور کہا کہ میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جس پر میں اتنی بڑی رقم کا مستحق ہوں تو انھوں نے اپنے بچہ کو اس کے پاس سے ہٹا کر دوسرے معلم کے سپرد کردیا اور یہ فرمایا کہ یہ شخص قرآن کو حقیر سمجھتا ہے میں کہتا ہوں کہ میں نے بھی اپنے معلم شیخ حسن علی کے ساتھ اسی خلق کے مطابق برتاؤ کیا ہے۔ چنانچہ میں انکے انتقال تک انکے لئے اور ان کے بال بچوں کیلئے کپڑے بنا کر تیار رہا۔ اور باایں ہمہ میں سمجھتا ہوں کہ میں نے انکا حق واجب ادا نہیں کیا اور ۹۱۸ھ کا واقعہ ہے کہ میں ایک روز شیخ شمس الدین میاطی کے ساتھ جا رہا تھا۔ اس اثنا میں انھوں نے ایک نابینا شخص کو دیکھا جسکو اسکی لڑکی لئے جا رہی تھی اسکو دیکھ کر وہ گھوڑے سے اتر پڑے اور اسکے ہاتھ چومے اور دور تک اسکے ساتھ ساتھ پیدل گئے جب وہ لوٹے تو میں نے ان سے اسی شخص کے بارے میں سوال کیا کہ وہ کون صاحب تھے تو انھوں نے فرمایا کہ یہ وہ شخص ہیں جن سے میں نے بچپن میں کچھ قرآن پڑھا تھا اور مجھ سے نہیں ہوسکتا کہ میں سوار ہوکر انکے پاس سے نکلوں (یہ حالت تھی ان کے ادب کی) حالانکہ شیخ شمس الدین مذکور کو جاہ و عقیدت علم و صلاح سلاطین اور ان سے کم درجہ کے لوگوں کے یہاں حاصل ہے ہم نے نہیں دیکھا کہ وہ جاہ و عقیدت وغیرہ ان کے معصران میں کسی کو بھی حاصل ہو حتیٰ کہ ایک نے ایک روز دو نفیر اں کے درمیان انکو اس حالت میں دیکھا کہ لوگ ہاتھ چومنے کیلئے ان پر ہجوم کئے ہوئے ہیں۔ اور جو ان تک نہیں پہونچ سکتے وہ اپنی چادر کھولکر ان پر پھینکتے ہیں تاکہ وہ شیخ کے کپڑوں سے چھو جائے اور اسکو چومتے ہیں جس طرح لوگ قاہرہ سے گذرتے وقت غلاف کعبہ کے ساتھ کرتے ہیں۔ پس تم اسکو خوب سمجھ لو۔ اور اہل ادب کی اقتدا کرو۔

خدا اہل ادب سے راضی ہو (یہ ہماری دعا ہے) والحمد للہ رب العالمین۔

آدابِ دعوت

فرمایا کہ۔ دعوت میں داعی کا مقصد یہ امور ہونے چاہئیں:۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سنت کی پیروی در بارۂ اطعام طعام۔
۲۔ اخوان اور احباء کے قلوب کا میلان طلب کرنا دعوت اور اطعام کے ذریعہ سے
۳۔ سرور وخوشی داخل کرنے کا قصد مومنین ومسلمین کے قلوب میں۔
۴۔ یعنی دعوت میں انھیں تینوں چیزوں کی نیت کرے تاکہ اجر وثواب حاصل ہو۔

دیکھئے ۲، ۳ بھی مقاصد شرعیہ سے ہیں اور تالیف قلوب کے اہم ذرائع سے ہیں۔ اسی سے یہ معلوم ہوگیا کہ اس کے علاوہ اور نیات صحیح ومعتبر نہیں۔ علماء شریعت اپنے الفاظ میں ان کو مباہات وتفاخر سے تعبیر کرتے ہیں۔ میں ذرا ان کے مفہوم کو اور واضح کرتا ہوں۔ سنئے!

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا إِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ (اور خوب کھاؤ اور پیؤ اور حد سے مت نکلو۔ بیشک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے حد سے نکل جانے والوں کو)

جب اپنے اکل وشرب کے متعلق اسراف سے نہی اور ممانعت ہے۔ تو دوسروں کے اطعام میں بھی ضرور اسراف ممنوع ہوگا۔ اور آیت إِذَآ أَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا ۔ بھی اس پر دال ہے اور میرے نزدیک غالبًا مباہات وتفاخر علماء ایسے ہی مواقع پر لاتے ہیں اس کا مفہوم، افراط کے ساتھ خرچ اپنی اظہار شان وشوکت کے لئے مراد ہے۔ یہ ذی استطاعت اصحاب کے لئے ہے۔ اور قرض لیکر خرچ کرنا بھی اسراف میں داخل ہے۔

(حاشیہ) ناقل عرض کرتا ہے کہ حضرت والا مدظلہ العالی نے دعوت کے جو مقاصد شرعیہ (جنکی رعایت کرنے کی وجہ سے دعوت سنت اور شریعت کے مطابق ہوتی ہے) بیان فرمائے وہ امام غزالیؒ کی کتاب احیاء العلوم سے مقتبس ہیں تتمیمًا للفائدہ ہم اور چند امور اسی کے مناسب اس مقام (ماخوذ)

سے نقل کرتے ہیں۔ امام فرماتے ہیں کہ ضیافت اور اطعام کی فضیلت میں اخبار و روایات بیشمار ہیں۔ اس لئے ہم یہاں صرف اس کے آداب ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ بعض ان میں سے داعی سے متعلق ہیں۔ اور بعض اجابت دعوت سے۔

(۱) داعی کو چاہیئے کہ اپنی دعوت میں اتقیاء کا قصد کرے نہ کہ فساق کا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دعا دیتے ہوئے جس نے آپ کی دعوت کی تھی یہ فرمایا تھا کہ اَکَلَ طَعَامَکَ الْاَبْرَارُ یعنی تمہارا کھانا نیک لوگ کھائیں۔ نیز آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ لَا تَاکُلُ اِلَّا طَعَامَ تَقِیٍّ وَلَا یَاکُلُ طَعَامَکَ اِلَّا تَقِیٌّ۔ یعنی تم جب کھانا کھاؤ تو کسی متقی ہی کا کھاؤ اور تمہارا کھانا جو کھائے تو کوئی متقی ہی کھائے۔

(توضیح) یہ جو فرمایا کہ دعوت میں قصد اتقیاء (پرہیزگاروں) کا کرے ـــــ تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اہل فسق یا اہل کفر کو مدعو کرنا جائز ہی نہیں ہے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ دعوت سے مقصود اہل صلاح و اہل تقوی ہوں۔ یوں دوسرے لوگ بھی شریک کئے جاسکتے ہیں۔

علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اکرام جس طرح سے ضیف (مہمان) کا مامور بہ ہے اسی طرح جار (یعنی پڑوسی) کا بھی ہے۔ چنانچہ اس تعلق کا یہ تقاضا ہے کہ اگر کبھی ہم ان کو مدعو کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ جس طرح سے کہ ان کی دعوت قبول کر سکتے ہیں۔ بلکہ جب علت جوار ہوئی تو جس طرح سے وہ ہمارے جار ہیں ہم بھی ان کے جار ہوئے۔ اور اہل اسلام حسن خلق اور کرائم اخلاق کے برتنے کے دوسروں سے کہیں زیادہ مستحق ہیں۔

چنانچہ عالمگیری میں تو یہ جزئیہ بھی موجود ہے کہ وفی الملتقط لَابَاسَ بِاَنْ یُّضِیْفَ کَافِرًا لِقَرَابَۃٍ اَوْ لِحَاجَۃٍ امتنہ ج د) یعنی کافر کی مہمانی بوجہ قرابت کے یا ضرورت کے کی جا سکتی ہے اور ظاہر ہے کہ حق جوار کی ادائیگی بھی شرعاً مامور بہ ہے۔

(۲) نیز داعی کو چاہیئے کہ غرباء کو بھی مدعو کرے ایسا نہ کرے کہ صرف اغنیاء ہی کو بلائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بدترین کھانا وہ دعوت ولیمہ ہے کہ جس میں صرف اغنیاء کو مدعو کیا جائے اسی طرح داعی کے لئے کچھ اور آداب ہیں جنکی رعایت ضروری ہے۔ مثلاً یہ کہ۔

(۱) اپنے عزیز و قریب کو دعوت سے محروم نہ رکھے اس لئے کہ دوسروں کی دعوت کرنا اور اپنے عزیزوں کو چھوڑ دینا اس میں قطع رحم بھی ہے اور ان کے لئے سبب ایحاش (وحشت) بھی۔

(۲) اپنے دوستوں اور جان پہچان والے لوگوں میں باہم ترتیب کا لحاظ رکھے یعنی اَلْاَقْدَمُ فَالْاَقْدَمُ

پر عمل کرے کیونکہ بعض کو لینے میں باقی لوگوں کے قلوب کا ایحاش ہے۔ اس لئے اس سے بچنا اور بچانا ضروری ہے۔ اور اسکی صورت یہ ہے کہ دعوت تو سب کی کرے لیکن مجمع کثیر ہوجانے کی وجہ سے اگر یک وقت ممکن نہ ہو تو مختلف اوقات میں کچھ کچھ لوگوں کی دعوت کرے لیکن اس میں بھی ترتیب کا لحاظ رکھئے۔

(۳) اپنی دعوت سے مقصود فخر و مباہات نہ ہو بلکہ وہی امور ثلثہ ہوں جو اوپر مذکور ہوئے ہیں۔

اب اسکے بعد یہ سمجھئے کہ ہر دعوت کی اجابت ضروری نہیں ہے بلکہ اسکے بھی کچھ آداب و شرائط ہیں۔

(۱) امیر و غریب میں تفریق نہ کرے یعنی یہ کہ اغنیا کی دعوت کو قبول کرے اور فقراء کی نہ کرے اسلئے کہ یہ تکبر منھی عنہ ہے۔ چنانچہ اسی اندیشہ کی وجہ سے بعض اسلاف کسی کی بھی دعوت قبول نہیں کرتے تھے۔ اور یہ فرماتے تھے کہ سالن کے انتظار میں رہنا ذلت کی بات ہے۔ ایک دوسرے بزرگ فرماتے ہیں کہ جب اپنا ہاتھ کسی دوسرے کے پیالے میں رکھ دوں تو گویا میں نے اپنی گردن کو اس کے آگے جھکا دیا یعنی اپنے کو ذلیل اور اس کے تابع کر دیا اور بہت سے متکبرین ایسے گذرے ہیں جو اغنیاء کی دعوت قبول کرتے تھے اور فقراء کی نہیں تو یہ خلاف سنت ہے۔ اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبد (غلام) کی اور مسکین کی سب کی دعوت قبول فرماتے تھے۔

بہرحال لوگوں کا یہ کہنا کہ میں نے جس کے پیالے میں ہاتھ ڈال دیا اس کے تابع اور ذلیل ہوگیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں یہ کہنا خلاف سنت ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس لئے کہ جس دعوت کے قبول کرنے سے داعی خوش نہ ہوتا ہو اور جس کی دعوت کرکے داعی ممنون نہ ہوتا ہو بلکہ اپنی اس دعوت کو دعوت قبول کرنے والے پر احسان شمار کرتا ہے تو بلا شبہ یہ ذلت ہی ہے۔ باقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو ہر شخص کی دعوت قبول فرما لیتے تھے تو اس لئے کہ آپ یہ سمجھتے تھے کہ میرے قبول کرنے پر داعی خود ممنون ہوگا۔ اور میری اجابت کو باعث شرف اور فخر اور دنیا و آخرت کا ذخیرہ سمجھے گا۔ اس لئے اختلاف حال سے حکم مختلف ہو سکتا ہے۔

لہذا اب جس کے متعلق یہ گمان ہو کہ دعوت کرنا اس پر بار ہے یعنی وہ اخلاص اور محبت کیوجہ سے دعوت نہیں کر رہا ہے بلکہ مباہاۃ و تکلف کر رہا ہے تو اس دعوت کا قبول کرنا سنت نہ ہوگا۔ بلکہ مناسب یہ ہے کہ اپنی شرکت کو لطیف حیلہ سے ٹال دیوے۔ اسی لئے بعض صوفیہ کا ارشاد ہے کہ دعوت میں مت جاؤ۔ مگر اس شخص کی جو یہ سمجھتا ہے کہ تم اپنا ہی رزق کھا رہے ہو اور یہ کہ اس نے تمہاری امانت جو اس کے پاس تھی تمہارے حوالہ کر دیا۔ اور یہ کہ تمہارے دعوت قبول کرنے پر تمہارا منت شار ہو

ے۔ وحشت پیدا کرنا

ہو تم پر احسان نہ رکھے۔

(۲) اجابت کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ محض بُعد مسافت کی بنا پر اس کو رد نہ کرے جسطرح سے محض فقیر ہونے کی وجہ سے رد کرنا جائز نہیں۔

(۳) ایک ادب یہ ہے کہ اجابت نہ کرے اگر طعام مشتبہ ہو یا فرش فروش وغیرہ ناجائز آمدنی سے ہوں یا وہاں کوئی منکر چیز ہے مثلاً مخمل کا فرش ہو یا چاندی کے برتن ہوں یا چھت یا دیوار وغیرہ پر کسی جاندار کی تصویر ہو یا گانا بجانا ہو یا اور کوئی لہو لعب ہو یا غیبت، نمیمہ (چغلی) کذب بہتان وغیرہ کی وہاں گفتگو ہو رہی ہو اسی طرح اسوقت بھی دعوت قبول نہ کرے جبکہ داعی ظالم یا مبتدع یا فاسق یا شریر یا فخر ومباہات کا طالب ہو یعنی متکلف ہو۔

(۴) اجابت سے مقصود قضا شہوت بطن (یعنی محض پیٹ بھرنا) نہ ہو کیونکہ اس صورت میں یہ تو دنیا کی چیز ہو جائیگی۔ بلکہ اپنی نیت اچھی رکھے تاکہ قبول دعوت پر اس کو آخرت کا اجر ملے اور وہ یہ کہ اس کی نیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سنت کی اقتدا ہو کیونکہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ اگر پائے کی جانب بھی مجھے کوئی دعوت دیگا تو میں اس کی اجابت کرونگا۔ اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کے معصیت سے بچنے کی نیت کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے داعی کی اجابت نہ کی اس نے اللہ و رسول کی نافرمانی کی۔ اسی طرح سے اپنے مومن بھائی کے اکرام کی نیت کرے اسلئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے اپنے بھائی مومن کا اکرام کیا تو گویا اس نے اللہ تعالیٰ کا اکرام کیا۔ اسطرح سے اجابت دعوت سے یہ نیت ہونی چاہئے کہ اپنے مومن بھائی کے قلب میں سرور داخل کرے اسلئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جس نے کسی مومن کو خوش کیا اس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا اور نیز یہ نیت کرے کہ مومن کی زیارت کریگا تاکہ مُتَحَابِّیْنَ فِی اللہ[1] میں سے ہو جاوے اسلئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں تزاور اور تَبَاذُلْ لِلّٰہ[2] کو شرط فرمایا ہے۔ پس ایک جانب سے تو بذل (خرچ) حاصل ہی ہے لہذا دوسری جانب سے زیارت بھی حاصل ہونی چاہیئے۔ نیز یہ نیت کرے کہ اپنے آپ کو بدگمانی سے بچائیگا کیونکہ نہ جانے کی صورت میں ہو سکتا ہے کہ کسی کو اس کے اندر تکبر کا خیال ہو یا سوء خلق کا یا استحقار مسلمین کا گمان ہو اور اجابت کے بعد ان سب کا سدباب ہو جائیگا۔

---

[1] یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرنے والوں میں سے ہو جائے۔ [2] اللہ تعالیٰ کیلئے زیارت کرنا اور اللہ ہی کے لئے خرچ کرنا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سب سے بڑا واعظ قرآن ہے

قَالَ اللہُ تَبَارَكَ وَتَعَالیٰ: یٰاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ وَ هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۝

اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے لوگو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز آئی ہے جو نصیحت ہے اور دلوں میں جو روگ ہیں ان کے لئے شفا ہے اور رہنمائی کرنے والی ہے اور رحمت ہے ایمان والوں کے لئے۔

سنیئے! —— —— اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یاایھا الناس سے عامۃ الناس کو خطاب فرمایا ہے کہ اے عوام الناس تمہارے پاس ایک ایسی کتاب آئی ہے جو تمہارے رب کے مواعظ میں سے ایک موعظت (نصیحت) ہے۔ یہ موعظت بھی تمہاری تربیت ہے تمہارے رب کی جانب سے مربی ہو کر آئی ہے۔ سب سے بڑا ہادی و مرشد اور سب سے بڑا مذکر و واعظ قرآن ہی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ خود وعظ فرما رہے ہیں تو اس سے بڑھ کر اور اس سے بہتر اور کون سا وعظ ہو سکتا ہے۔ دیکھئے اسی ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے کیسے زبردست مضامین جمع فرمائے ہیں۔ اور قرآن کے کیا کیا اوصاف بیان فرمائے کہ یہ قرآن واعظ بھی ہے اور سینوں کی بیماریوں کے لئے شافی بھی۔ مرشد اور ہادی بھی ہے اور مقام قرب وقبول تک موصل بھی اور یہ مفسرین اس کا کیسا کیسا مطلب بیان فرما رہے ہیں واقعی یہی حضرات اللہ تعالیٰ کی مراد تک پہنچتے ہیں۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ آیت کی مراد اور اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے رب کے پاس سے ایک ایسی کتاب آئی ہے جو ان فوائد کی جامع اور ان منافع پر مشتمل ہے اور تمام اعمال سیئہ وحسنہ کے احوال کو خوب کھول کھول کر بیان کرنے والی اور حسنات کی طرف رغبت دلانے والی اور سیئات سے روکنے والی ہے معارف حقہ کو بیان کرنے والی شکوک وشبہات کی بیماریوں کو دور کرنے والی۔ اور اعتقاد کی بدمزاجی کو درست کر دینے والی ہے۔ نیز طریق حق ویقین کی جانب ہدایت کرنے والی۔ اور دلائل آفاقی وانفسی کے ذریعہ استدلال کی مرشد ہے۔ اور مومنین کے لئے رحمت ہے۔ اس لئے کہ اسی کے ذریعہ سے وہ کفر وضلالت کی تاریکیوں سے نجات پاکر نور ایمان تک پہنچے اور اسی کی وجہ سے نار جہنم کے طبقات سے خلاصی پائی اور جنت کے

درجات عالیہ تک پہنچے۔ الحاصل قرآن واعظ تو اس لئے ہے کہ اس میں ترغیب و ترہیب اور معاصی سے زجر ہے اور شافی اس لئے ہے کہ لوگوں کے سینوں میں جو مہلک بیماریاں ہیں مثلاً جہل وشک اور شرک ونفاق وغیرہ ان کی شفا اسی سے ہوتی ہے۔ اور مرشد اس لئے کہ ہے کہ اس نے مناسب اور نامناسب۔ جائز وناجائز حلال وحرام کو بیان کر کے راہ حق کو بالکل واضح کر دیا اور مقام قرب و قبول تک موصل اس لئے ہے کہ فوز ونجات اسی کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ اور نعیم جنت تک رسائی اسی سے ہوتی ہے۔

اس کے بعد صاحب روح المعانی بعض محققین کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ آیت میں اس بات کی جانب اشارہ ہے کہ نفس انسانی کے کمال کے چند مراتب ہیں۔ جو شخص قرآن پاک سے تمسک کرتا ہے وہ ان مراتب پر فائز ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ نامناسب افعال سے ظاہر کی تہذیب ہو۔ مَوْعِظَةٌ (نصیحت) میں اسی کی جانب اشارہ ہے اس لئے کہ اس میں معاصی سے زجر اور ترہیب ہے۔ یعنی جو کچھ ہاتھ اور پیر سے نہیں کرنا چاہیئے اور آنکھ وزبان وغیرہ سے نہیں کرنا چاہیئے ان سب کے متعلق ارشادات قرآن میں ہیں۔ اور جو مومن ہوتا ہے وہ ان سے منزجر ہوتا ہے اور ان سب کو ترک کر دیتا ہے جس سے اس کا ظاہر مہذب ہو جاتا ہے۔ اور یہ بھی تقوی کا ایک درجہ ہے۔

اور دوسرے یہ کہ عقائد فاسدہ اور ملکات رذیلہ سے باطن کی تہذیب ہو شِفَاءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اور تیسرے یہ کہ عقائد حقہ واخلاق فاضلہ سے نفس کی تحلی ہو (آراستگی) اور یہ بدون ہدایت کے حاصل نہیں ہوسکتی پس هُدًى میں اس کی طرف اشارہ ہوا۔ اور چوتھے رحمت الہیہ کے انوار کی تجلی ہے جس کا ذکر وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ میں ہے۔ اور یہ ان نفوس کاملہ کے ساتھ مختص ہے جو کہ کمال ظاہری وباطنی حاصل کر لینے کے بعد اس کے لئے مستعد ہوں۔ الغرض قرآن پاک نفس انسانی کے جملہ مراتب کمال کو حاوی ہے۔

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ مَوْعِظَةٌ میں مخلوق کے ظواہر کی نامناسب افعال سے پاکی کی طرف اشارہ ہے اور اس کا نام شریعت ہے اس لئے کہ یَنْبَغِیْ اور لَا یَنْبَغِیْ جائز وناجائز حلال و حرام کا بیان اسی میں کیا گیا ہے اور شفاء میں عقائد فاسدہ اور اخلاق ذمیمہ سے ارواح کے تطہیر کی جانب اشارہ ہے اور اس کو طریقت کہتے ہیں۔ اور ھدی اشارہ ہے صدیقین کے قلوب میں ظہور حق کی طرف یعنی جو شخص صدیقیت کے مرتبہ کو پہنچتا ہے اس کے قلب میں حق کا ظہور ہوتا ہے اور یہی حقیقت ہے۔ اور رحمت میں اس طرف اشارہ ہے کہ کمال واشراق کے

ایسے مرتبہ میں پہنچ گیا کہ دوسروں کو کامل بنادے اور ان کو اپنا فیض پہنچادے اور یہ مقام نبوت وخلافت ہے۔ مراد اس سے مقبولیت ہے جو معرفت سے وابستہ ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں کہ آیت سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ جس طرح امراض قلبیہ کے لئے قرآن شفا ہے اسی طرح امراض بدنیہ وجسمانیہ کے لئے بھی ہے۔ چنانچہ حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے سینہ میں تکلیف ہے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اِقْرَءِ الْقُرْآنَ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى شِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ یعنی قرآن کی تلاوت کرو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ سینوں میں جو بیماریاں ہیں ان کے لئے قرآن شفا ہے۔ نیز ایک دوسری روایت میں ہے ایک شخص نے حضور کی خدمت میں اپنے حلق کے درد کی شکایت کی تو آپ نے اس سے فرمایا عَلَيْكَ بِقِرَاءَةِ الْقُرْآنِ یعنی تلاوت قرآن کا التزام کرو ــــــ

اس کو نقل کر کے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کی برکت کا تو ہم انکار نہیں کر سکتے اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے امراض اور اوجاع کو دور فرمادیں مگر اس آیت سے استدلال کرنا کہ امراض بدنیہ کے لئے قرآن شفا ہے یہ صحیح نہیں ہے اور حدیث مذکور کی تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی یہ اطلاع ہو گئی ہوگی کہ اس شخص کے سینے میں کوئی معنوی وقلبی مرض ہے اور وہی اس مرض حسی بدنی کا سبب بن گیا ہے اس بنا پر آپ نے اس شخص کو قرات قرآن کا امر فرمایا تاکہ اس کے قلبی مرض کا ازالہ ہو جائے اور پھر بدنی مرض جو اسی پر مبنی ہے وہ بھی دور ہو جائے اور یہ کچھ مستبعد امر نہیں کہ بعض امراض قلبیہ سبب ہو جائیں بعض امراض بدنیہ کا۔ اس لئے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ حسد وحقد اس کا سبب ہو جاتے ہیں چنانچہ عرب کا مقولہ ہے لِلّٰهِ تَعَالٰى دَرُّ الْحَسَدِ مَا أَعْدَلَهُ بَدَأَ بِصَاحِبِهٖ فَقَتَلَهٗ حسد کا بھی عجب تعجب خیز حال ہے کس قدر منصف ہے کہ اپنے صاحب یعنی حاسد ہی سے اپنا کام شروع کرتا اور اسے قتل کر ڈالتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حسد ایسا مہلک ہے کہ آدمی کی جان تک لے لیتا ہے

میں اس کی ایک اور مثال دیتا ہوں وہ یہ کہ ایک صاحب مجھ سے کہنے لگے کہ مجھ کو ضعف دماغ کی وجہ سے غصہ ہے۔ میں نے کہا نہیں بلکہ غصہ کی وجہ سے ضعف دماغ ہے یعنی اتنا غصہ کیا ہے کہ دماغ ضعیف ہو گیا اس لئے کہ غصہ ایک آگ ہے۔ جب زیادہ ہوتا ہے تو نہ کھانا کھایا جاتا ہے نہ پانی پیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بدن الگ کمزور ہو جاتا ہے اور قلب ودماغ الگ ضعیف ہو جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے طرح طرح کی جسمانی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔

اور صاحب روح المعانی نے جلال الدین سیوطیؒ کا جو جواب دیا ہے اس کے علاوہ میں ایک دوسرا جواب دیتا ہوں وہ یہ کہ ہو سکتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں قرآن پاک سے امراض بدنیہ کی شفا ہو جاتی ہو اور اب نہ ہوتی ہو۔

اس کی ایک مثال سنئے:۔

حضرت مولانا قدس سرہٗ کی خدمت میں ایک صاحب آئے اور کسی حدیث کے متعلق یہ سوال کیا کہ سمجھ میں نہیں آئی وہ صاحب ذی علم تھے۔ حضرت مولانا نے ان سے فرمایا کہ اس میں کیا بات سمجھ میں نہیں آئی۔ حدیث کا مطلب نہیں سمجھے یا اس کی علت۔ تو کہنے لگے کہ علت سمجھ میں نہیں آئی۔ اس پر مولانا نے فرمایا کہ بہت سے ایسے احکام آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جو آپ کو معلوم ہوں گے مگر ان کی علت نہ معلوم ہوگی۔ پس اسی میں اسکو بھی رہنے دیجئے تو کہنے لگے لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي[1] حضرت مولاناؒ نے برجستہ فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ جو چیز حضرت ابراہیمؑ کے لئے اطمینان قلب کا سبب رہی ہو وہ آپ کے لئے نہ ہو۔ اس پر وہ خاموش ہو گئے۔

اسی طرح میں نے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے کہ جو چیز حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں شفا رہی ہو وہ اب نہ ہو۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ۔　　آپ ان سے کہہ دیجئے کہ (جب قرآن ایسی چیز ہے) پس لوگوں کو خدا کے اس انعام اور رحمت پر خوش ہونا چاہیئے وہ اس دنیا سے بدرجہا بہتر ہے جس کو جمع کر رہے ہیں۔

اس سے پہلے عام خطاب تھا اب یہاں سے خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کلام کا رُخ موڑا۔ اور آپؐ کی جانب خطاب کو متوجہ فرمایا تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو اس بات کا حکم فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو فضل و رحمت قرآن عظیم میں ہے اس کو غنیمت سمجھیں اور اگر کسی چیز سے خوش ہونا ہو تو اسی سے خوش ہوں کسی دوسری چیز سے فرح و خوشی نہ کریں۔

صاحب روح المعانی نے فضل و رحمت کی متعدد تفسیریں نقل کی ہیں۔ چنانچہ حضرت مجاہدؒ سے مروی ہے اَلْمُرَادُ بِالْفَضْلِ وَالرَّحْمَةِ الْقُرْاٰنُ یعنی فضل و رحمت سے مراد قرآن ہے اور حضرت انسؓ سے روایت ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضْلُ اللّٰهِ الْقُرْاٰنُ وَرَحْمَتُهٗ اَنْ جَعَلَكُمْ مِنْ اَهْلِهٖ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فضل قرآن ہے اور اس کی رحمت یہ ہے کہ تم کو

---

[1] تاکہ میرے قلب کو اطمینان ہو جائے۔

اس کا اہل بنایا۔ وَجَاءَ عَنْ جَمْعٍ جَمٍّ اَنَّ الْفَضْلَ الْقُرْاٰنُ وَرَحْمَتُهُ الْاِسْلَامُ یعنی ایک جم غفیر سے مروی ہے کہ فضل سے مراد قرآن ہے اور رحمت سے اسلام ہے وَعَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہما اَنَّ الْفَضْلَ الْعِلْمُ وَالرَّحْمَةُ مُحَمَّدٌ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ فضل سے مراد علم اور رحمت ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ مِنَ الْاَمْوَالِ وَالْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ وَسَائِرِ حُطَامِ الدُّنْيَا فَاِنَّهَا سَائِرَةٌ اِلَى الزَّوَالِ مُشْرِفَةٌ عَلَيْهِ یعنی وہ اموال اور کھیتی اور چوپائے جانور اور تمام حطام دنیا سے جن کو لوگ جمع کرتے ہیں ان سب سے بہتر ہے اس لئے کہ یہ دنیا اور حطام دنیا زائل اور فانی ہونیوالی چیز ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو باقی اور لازال ہے اور ظاہر ہے کہ فانی و باقی میں نسبت ہی کیا ہے۔

اب سنئے اللہ تعالیٰ تو یہ فرما رہے ہیں کہ ان کے فضل ورحمت سے فرح و مسرت حاصل کرنا چاہیئے اور دنیا و مافیہا سے افضل و بہتر اسی کو سمجھنا چاہیئے مگر جو لوگ ہمارے پاس آتے ہیں ان کے دلوں میں ایسا روگ ہے کہ خدائے تعالیٰ کی نصیحت بھی ان پر اثر نہیں کرتی اور قرآن سے ان کو ذرا حظ نہیں آتا اور اس پر کبھی وجد نہیں کرتے اور جب خوش الحانی سے اشعار پڑھے جاتے ہیں تو خوب وجد کرنے لگتے ہیں۔ یہ لوگ ہر چیز میں حظ نفس ہی چاہتے ہیں۔ میں سچ کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات نہایت ناپسند ہے اس لئے کہ وہ دیکھتے ہیں کہ میں نے ان پر اپنا کلام نازل کیا مگر ان کو میرے کلام سے وجد نہیں آتا اور اس کو تبرک نہیں بناتے اور اس کے ذریعہ اپنے ظاہر و باطن کی پاکی نہیں حاصل کرتے اور مخلوق کے کلام پر خوب وجد کرتے ہیں۔

بڑے افسوس کی بات ہے کہ خدا کی کتاب موجود اور پھر اس قدر گمراہی اور اس کی طرف سے ایسی بے اعتنائی۔ اسی کو کہا کرتا ہوں ؎

کعبہ بھی گئے پر نہ گیا عشق بتوں کا　　زمزم بھی پیا پر نہ بجھی آگ جگر کی

یعنی جس طرح کعبہ جاکے بھی عشق بتوں کا باقی رہ جائے اسی طرح قرآن پاک کے ہوتے ہوئے بھی انکے ذریعہ سے عقائد و اخلاق کی پاکی اور خیالات کی پاکی اور نفس کی تمام منکات رذیلہ سے پاکی حاصل نہیں کی اور تلاوت قرآن کی حلاوت نہیں چکھی اور اس پر وجد و سرور نہیں کیا تو اس پر میں یہ شعر پڑھتا ہوں ؎

کعبہ بھی گئے پر نہ گیا عشق بتوں کا　　زمزم بھی پیا پر نہ بجھی آگ جگر کی

اہل اللہ نے سب سے زیادہ سرور و وجد خدا ہی کے کلام سے کیا ہے اور سب سے زیادہ اعتقاد اسی سے رکھا ہے اور سب سے بڑھ کر فلاح دارین کا موجب اسی کو سمجھا ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے ان کو آخرت میں جو برکات و ثمرات اور درجات عالیہ ملیں گے وہ تو ملیں گے ہی، علاوہ اسکے اس دار دنیا میں بھی ان کو حیات طیبہ نصیب ہوتی ہے۔

بدعت

ایک سنگین گناہ

○

شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

○

بدعت کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ آدمی خود دین کا موجد بن جاتا ہے حالانکہ دین کا موجد صرف اللہ تعالیٰ ہے اور بدعت کرنے والا درپردہ اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ جو میں کہوں، وہ دین ہے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ دین کو جانتا ہوں اور صحابہ کرام سے بڑھکر میں دیندار ہوں۔ یہ شریعت کی اتباع نہیں ہے بلکہ اپنی خواہش نفس کی اتباع ہے۔

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہٗ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یھدہ اللہ فلا مضل لہٗ ومن یضللہ فلا ھادی لہٗ ونشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہ، ونشھد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمداً عبدہٗ ورسولہٗ۔ اَمّا بعد!

عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا خطب احمرت عیناہ وعلا صوتہ واشتد غضبہ حتیٰ کانہٗ منذر جیش۔ یقول صبحکم ومساکم، ویقول: بعثت انا والساعۃ کھاتین، ویقرن بین اصبعیہ السبابۃ والوسطیٰ، ویقول اَمّا بعد: فان خیر الحدیث کتاب اللہ، وخیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم وشر الامور محدثاتھا، وکل بدعۃ ضلالۃ، ثم یقول: انا اولیٰ بکل مؤمن من نفسہ من ترک مالاً فلاھلہ، ومن ترک دیناً او ضیاعاً فالی وعلی۔ (صحیح مسلم، کتاب الجمعۃ، باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ۔ حدیث نمبر ۸۶)

لفظ "جابر" اور "جبار" کے معنی

یہ حدیث حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے، یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص صحابہ کرام میں سے ہیں، اور انصاری صحابی ہیں، مدینہ طیبہ کے رہنے والے تھے، ان کا نام "جابر" ہے، بعض لوگوں کو شبہ ہوتا ہے کہ "جابر" تو ظالم آدمی کو کہتے ہیں، تو پھر ان صحابی کا نام "جابر" کیسے رکھ دیا گیا؟ اور اللہ تعالیٰ کے نام گرامی "جبار" کے بارے میں بھی یہی شبہ ہوتا ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسماء حسنیٰ میں سے ایک نام "جبار" بھی ہے اور اردو میں جبار کے معنی ہیں بہت ظلم کرنے والا، اس لئے عام طور پر لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے "جبار" کا لفظ کیسے استعمال کیا گیا؟

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ عربی زبان میں "جابر" کے وہ معنی نہیں ہیں جو اردو میں ہیں، اردو میں "جابر" کے معنی ظالم کے آتے ہیں، لیکن عربی میں "جابر" کہتے ہیں ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑنے والا، ٹوٹی ہڈی جوڑنے کو "جبر" کہتے ہیں، اور جو شخص ٹوٹی

ہڈی کو جوڑے اس کو "جابر" کہتے ہیں تو "جابر" کے معنی ہوئے ٹوٹی ہوئی چیز کو جوڑنے والا، اور یہ کوئی غلط معنی نہیں ہیں، بلکہ بہت اچھے معنی ہیں۔ اسی طرح "جبّار" کے معنی ہوئے بہت زیادہ ٹوٹی ہوئی چیزوں کو جوڑنے والا، تو اللہ تعالیٰ کا جو نام "جبار" ہے اس کے معنی معاذ اللہ۔ ظلم کرنے والے یا عذاب دینے والے کے نہیں ہیں، بلکہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ جو چیز ٹوٹ گئی ہو، اس کو اللہ تعالیٰ جوڑنے والے ہیں۔

ٹوٹی ہڈی جوڑنے والی ذات صرف ایک ہے

اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بہت سی دعائیں تلقین فرمائی ہیں، ان میں سے ایک میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس نام سے پکارا گیا ہے کہ: "یَاجَابِرَ الْعَظْمِ الْکَسِیْرِ" "اے ٹوٹی ہوئی ہڈی کو جوڑنے والے" (الحزب الاعظم لملا علی قاری ص ۲۲)

اس نام سے خاص طور پر اس لئے پکارا کہ دنیا کے تمام اطباء، معالج اور ڈاکٹر اس بات پر متفق ہیں کہ اگر ہڈی ٹوٹ جائے تو کوئی دوا اور کوئی علاج ایسا نہیں ہے جو اس کو جوڑ سکے، انسان کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ ٹوٹی ہوئی ہڈی کو اس کی صحیح پوزیشن پر رکھ دے لیکن کوئی مرہم اور کوئی لوشن، کوئی دوا، کوئی معجون ایسی نہیں ہے جو ٹوٹی ہڈی پر لگا دی جائے اور وہ جڑ جائے، جوڑنے والی ذات تو صرف وہی ہے، اس معنی میں اللہ تعالیٰ کو "جبار" کہا جاتا ہے، نہ کہ اس معنی میں جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں۔

لفظ "قہار" کے معنی

اسی طرح باری تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں ایک نام "قہار" ہے، اردو کی اصطلاح میں "قہار" اس کو کہتے ہیں جو لوگوں پر بہت قہر کرے، غصہ کرے، اور لوگوں کو بہت تکلیف پہنچائے۔ لیکن باری تعالیٰ کے اسمائے گرامی میں جو لفظ "قہار" ہے وہ عربی زبان والا قہار ہے، اردو زبان کا نہیں ہے، اور عربی زبان میں "قہار" کے معنی ہیں غلبہ پانے والا، غالب، جو ہر چیز پر غالب ہو، اس کو "قہار" کہتے ہیں، یعنی وہ ذات جس کے سامنے ہر چیز مغلوب ہے، اور وہ سب پر غالب ہے۔

اللہ تعالیٰ کا کوئی نام عذاب پر دلالت نہیں کرتا

بلکہ باری تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں کوئی ایسا نام نہیں ہے ہے جو عذاب پر دلالت کرتا ہو، سارے اسمائے گرامی یا رحمت پر دلالت کرتے ہیں۔ یا ربوبیت پر دلالت کرتے ہیں۔ یا قدرت پر دلالت کرتے ہیں لیکن ـــــ جہاں تک مجھے یاد ہے ـ اسماء حسنیٰ میں سے کوئی نام ایسا نہیں ہے جو عذاب پر دلالت کرنے والا ہو، اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی اصل صفت رحمت کی ہے۔ وہ اپنے بندوں پر رحیم ہے، وہ رحمٰن ہے۔ وہ کریم ہے۔ ہاں؛ جب بندے حد سے گزر جائیں تو پھر بے شک اس کا غضب بھی نازل ہوتا ہے، اس کا عذاب بھی برحق ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم کی بہت سی آیات میں بیان ہوا ہے لیکن باری تعالیٰ کی جو صفات بیان کی گئی ہیں اور جن اسماءِ حسنیٰ سے موسوم ہیں ان میں عذاب کا ذکر صراحۃً موجود نہیں ہے۔

خطبہ کے وقت آپ کی کیفیت

بہرحال، حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وَسَلَّمْ اِذَا خَطَبَ احْمَرَّتْ عَیْنَاہُ وَعَلَا صَوْتُہٗ، وَاشْتَدَّ غَضَبُہٗ۔ ”جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام سے خطاب فرماتے تھے تو بکثرت آپؐ کی مبارک آنکھیں سرخ ہو جاتی تھیں، اور آواز بلند ہو جاتی تھی، یہ اس لئے ہوتا تھا کہ جو بات کہتے تھے وہ دل کی آواز تھی، اور دل میں یہ جذبہ تھا کہ کسی طرح سننے والے کے دل میں اتر جائے، اور اس کو سمجھ لے، اور اس پر عمل کرنا شروع کر دے، اس جذبہ کے تحت کبھی کبھی آپؐ کی مبارک آنکھیں سرخ ہو جاتیں، اور آپؐ کی آواز بلند ہو جاتی اور آپ کا جوش زیادہ ہو جاتا تھا“

آپ کا اندازِ تبلیغ

حَتّٰی کَاَنَّہٗ مُنْذِرُ جَیْشٍ یَقُوْلُ صَبَّحَکُمْ وَمَسَّاکُمْ۔ بعض اوقات ایسا لگتا تھا کہ آپ لوگوں کو کسی آنے والے لشکر سے ڈرا رہے ہیں کہ بھائی تمہارے اوپر دشمن کا لشکر حملہ آور ہونے والا ہے، خدا کے لئے اس سے بچنے کا کوئی سامان کرو، اور یہ فرماتے تھے کہ وہ لشکر صبح پہنچا یا شام پہنچا، یعنی وہ لشکر عنقریب پہنچنے والا ہے، اس کے پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں ہے لہٰذا تم اس لشکر سے بچاؤ کا

سامان کرو۔

اس لشکر سے مراد ہے قیامت کا دن اور حساب وکتاب، اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے سامنے جواب دہی، اور اس جواب دہی کے نتیجے میں عذاب جہنم ــــ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔ اس سے ڈراتے تھے کہ یہ وقت صبح وشام کسی بھی وقت آسکتا ہے۔ اس سے ڈرو، اور اس سے بچنے کی کوشش کرو۔

آپ حضرات نے سنا ہوگا کہ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کو جبل صفا پر چڑھ کر دین کی دعوت دی، جتنے خاندان مکہ میں تھے، ان سب کا نام لے کر پکارا، اور ان کو جمع کیا اور ان سے پوچھا کہ اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر چھپا بیٹھا ہے، اور وہ تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔ تو کیا تم میری اس بات کی تصدیق کروگے یا نہیں؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ اے محمد! ہم آپ کی اس بات کی تصدیق کریں گے، اس لئے کہ آپ نے اپنی زندگی میں کبھی کوئی غلط بات نہیں کہی، اور کبھی جھوٹ نہیں بولا، آپ "صادق" اور "امین" کی حیثیت سے مشہور ہیں، اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں خبر دیتا ہوں کہ آخرت میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت سخت عذاب تمہارا انتظار کر رہا ہے، اس عذاب سے اگر بچنا چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لاؤ۔

(صحیح بخاری، کتاب التفسیر، باب وانذر عشیرتک الاقربین۔ حدیث نمبر ۴۷۷۰)

اہل عرب کا مانوس عنوان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبات میں یہ تصور بکثرت پایا جاتا ہے، میں تمکو دشمن کے لشکر سے ڈرانے والا ہوں جو تم پر حملہ آور ہونے والا ہے۔ ڈرانے کیلئے یہ تعبیر اور یہ عنوان اہل عرب کے لئے بڑا مانوس تھا۔ کیونکہ عرب لوگ آپس میں ہر وقت لڑتے جھگڑتے رہتے تھے، ایک قبیلہ دوسرے پر حملہ کر رہا ہے، دوسرا تیسرے پر حملہ کر رہا ہے، دن رات یہی سلسلہ رہتا تھا۔ جو شخص ان کو آکر یہ بتا دے کہ فلاں دشمن تمہاری گھات میں ہے، اور تمہارے اوپر حملہ کرنے والا ہے، وہ خبر دینے والا بڑا ہمدرد سمجھا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی مثال دیتے ہوئے فرمایا کہ جیسے تم کو کوئی شخص دشمن کے لشکر سے باخبر کرتا ہے۔ ایسے ہی میں تم کو باخبر کر رہا ہوں کہ ایک بہت

بڑا عذاب تمہارا انتظار کر رہا ہے، وہ عذاب صبح پہنچا یا شام۔

آپ کی بعثت اور قرب قیامت

پھر آگے فرمایا: بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ وَيَقْرِنُ بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ السَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى۔ میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں جیسے شہادت کی انگلی اور بیچ کی انگلی اور دونوں انگلیاں اٹھا کر آپ نے فرمایا کہ جس طرح ان دونوں انگلیوں کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں، بلکہ دونوں ملی ملی ہیں، اسی طرح میں اور قیامت بھیجے گئے ہیں کہ دونوں کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں، وہ قیامت بہت جلد آنے والی ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں ان کو انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام قیامت سے ڈراتے تھے تو قیامت کی ایک بہت بڑی علامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ذکر فرماتے تھے، کہ قیامت کی ایک علامت یہ ہے کہ آخری دور میں نبی کریم سرور عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والے ہیں۔

(اخرجه ابن ابی حاتم عن الحسن رضی الله عنه فی قوله "قد جاء اشراطها" قال محمد صلی الله علیه وسلم عن اشراطها۔ تفسیر الدر المنثور للسیوطی، آیت: فهل ینظرون الا الساعة ج ۶ ص ۵۰)

ایک اشکال کا جواب

اب لوگوں کو اشکال ہوتا ہے کہ چودہ سو سال تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو گزر گئے اب تک تو قیامت آئی نہیں، بات دراصل یہ ہے کہ ساری دنیا کی عمر کے لحاظ سے اگر دیکھو گے، اور جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے، اس کا لحاظ کر کے اگر دیکھو گے تو ہزار دو ہزار سال کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، اسی لئے آپ نے فرمایا کہ میرے اور قیامت کے دوران کوئی زیادہ فاصلہ نہیں ہے، وہ قیامت بہت قریب آنے والی ہے۔

ہر انسان کی موت اس کی قیامت ہے

اور ساری دنیا کی جو مجموعی قیامت آنے والی ہے وہ خواہ کتنی ہی دور ہو، لیکن ہر انسان کی قیامت تو قریب ہے، کیونکہ! مَنْ مَاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهُ

(رواہ الدیلمی عن انس مرفوعًا بلفظہ: اذا مات احدکم فقد قامت قیامتہٗ
المقاصد الحسنۃ للسخاوی۔ ص ۴۲۸)

جو مرگیا، اور جس کو موت آگئی، اس کی قیامت تو اسی دن قائم ہوگئی، اس واسطے
جب قیامت آنے والی ہے، خواہ وہ مجموعی قیامت ہو، یا انفرادی، اور اس کے بعد خدا جانے
کیا معاملہ ہونے والا ہے، اس لئے میں تم کو ڈرا رہا ہوں کہ وہ وقت آنے سے پہلے تیاری
کرلو، اور اس وقت کے آنے سے پہلے ہوشیار ہوجاؤ۔ اور اپنے آپ کو عذاب جہنم اور عذاب
قبر سے بچالو۔

بہترین کلام اور بہتر طرز زندگی

پھر فرمایا کہ: فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ، وَخَیْرُ الْھَدْیِ ھَدْیُ
مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔ اس روئے زمین پر بہترین کلام اور سب سے اچھا کلام اللہ
کی کتاب ہے۔ اس سے بڑھکر، اس سے اعلیٰ، اس سے زیادہ افضل، اس سے زیادہ بہتر
کلام کوئی نہیں۔ اور زندگی گزارنے کے جتنے طریقے ہیں جتنے طرز زندگی ہیں۔ ان میں سب
سے بہترین طرز زندگی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز زندگی ہے۔ یہ بات حضور صلی اللہ
علیہ وسلم اپنے بارے میں خود فرمارہے ہیں۔ کوئی بھی شخص اپنے بارے میں یہ نہیں کہتا
کہ میرا طریقہ سب سے اعلیٰ ہے، مجھ سے زیادہ بہتر کوئی نہیں، لیکن چونکہ اللہ تبارک
وتعالیٰ نے آپ کو بھیجا ہی اس لئے ہے کہ لوگوں کے لئے آپ نمونہ ہوں، زندگی
گزارنی ہے تو اس طرح گزارو، اگر زندگی گزارنے کا طریقہ اختیار کرنا ہے تو یہ
طریقہ اختیار کرو، اس واسطے دعوت وتبلیغ کی ضرورت کے تحت ارشاد فرمارہے
ہیں تو بہتر طریقہ وہ ہے جو جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے واسطے
چھوڑا ہے۔ اٹھنے بیٹھنے میں، کھانے پینے میں، سونے جاگنے میں، دوسروں سے
ساتھ معاملات کرنے میں، اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرنے میں جو طریقہ
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اس سے بہتر کوئی اور طریقہ
نہیں ہوسکتا۔

بدعت بدترین گناہ ہے

پھر آگے جن چیزوں سے گمراہی کے امکان ہو سکتے تھے ان کی جڑیں بتا دیں، فرمایا کہ شَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ۔ اس روئے زمین پر بدترین کام وہ ہے جو نئے طریقے دین میں ایجاد کئے جائیں، حدیث میں "بدترین کام" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ بدعت ایک ایسی چیز ہے۔ جو ایک لحاظ سے ظاہری گناہوں سے بھی بدتر ہے، اس لئے کہ ظاہری فسق و فجور اور گناہ وہ ہیں کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر ایمان ہوگا وہ ان کو برا سمجھے گا، کوئی مسلمان اگر کسی گناہ میں مبتلا ہے، مثلاً شراب پیتا ہے، بدکاری کرتا ہے، جھوٹ بولتا ہے، غیبت کرتا ہے، اس سے اگر پوچھا جائے کہ یہ کام تمہارے خیال میں کیسے ہیں؟ جواب میں یہی کہے گا یہ کام ہیں تو برے، لیکن میں کیا کروں، میں مبتلا ہو گیا۔ لہٰذا ان برائیوں کو کرنے والا برا سمجھے گا، اور جب برا سمجھے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو کبھی نہ کبھی توبہ کی توفیق بھی عطا فرما دیں گے۔

لیکن بدعت، یعنی جو چیزیں دین میں نئی ایجاد کی گئی ہے، اس کی خاصیت یہ ہے کہ حقیقت میں تو وہ گناہ ہوتی ہے، لیکن جو شخص اس بدعت کو کر رہا ہوتا ہے، وہ اس کو برا نہیں سمجھتا، وہ تو یہ سمجھتا ہے کہ یہ تو بہت اچھا عمل ہے اور دوسرا کوئی اگر اس سے یہ کہے کہ یہ بری بات ہے تو بحث کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، اور اس سے مناظرہ کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، کہ اس میں کیا خرابی اور کیا حرج ہے۔ اور جب ایک شخص گناہ کو گناہ سمجھتا ہی نہیں، اور برائی کو برائی سمجھتا ہی نہیں ہے تو اس کے نتیجے میں وہ گمراہی میں اور زیادہ پختہ ہوتا جاتا ہے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "شَرُّ الْاُمُوْرِ" جس کے معنی یہ ہیں کہ جتنے برے کام ہیں ان میں سب سے بدترین کام بدعت ہے، جو دین میں ایسا نیا طریقہ ایجاد کرے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے طریقے سے مختلف ہو، اور پھر آگے اس کی وجہ بھی بتا دی کہ ہر بدعت گمراہی ہے، لہٰذا جو شخص کسی بدعت کے اندر مبتلا ہے، وہ لازماً گمراہی کے اندر مبتلا ہے۔

(جاری ہے)

اوجِ قنوج

قسط ۹

دیکھئے حکام کی نظر بھری ہوئی دیکھ کر اہل کاروں پر کیا گذر جاتی ہے اور محب خدا ہر مسلمان ہے خواہ وہ کیسا ہی عاصی اور گناہ گار کیوں نہ ہو۔ اس محبت کا ظہور عوام سے بھی جانبازی کے وقت ہوتا ہے کہ خواص سے بھی زیادہ کام کر جاتے ہیں تو مسلمان کے لئے لا یحب انتہائی لفظ ہے کیا بلاغت ہے اور ہر مسلمان کو جو میں نے محب خدا کہا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ اول حق تعالیٰ کو عبد سے محبت ہوتی ہے پھر اس کا یہ اثر ہوتا ہے کہ عبد کو حق تعالیٰ سے محبت ہو جاتی ہے۔ اور اس اولیت کی دو دلیلیں ہوتی ہیں۔ ایک نقلی اور ایک عقلی۔ نقلی تو یہ ارشاد وَمَا تَشَاءُونَ اِلَّا اَنْ یَشَاءَ اللّٰہُ (تم نہیں چاہ سکتے مگر جو اللہ چاہیں) تو اول ادھر سے توجہ ہوئی۔ اور عقلی اسطرح کہ محبت موقوف ہے معرفت پر اور معرفت تامہ حق تعالیٰ کی ہو نہیں سکتی کیوں کہ وہ مرئی نہیں نہ اس کا کوئی نمونہ ہے لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ (اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے) اور آثار سے پتہ چلتا ہے کہ انسان میں محبتِ خدا ضرور ہے تو ضرور وہ بارادہ و توجہ باری تعالیٰ ہوئی۔ یہاں سے اہل ظاہر کا بھی جواب ہو گیا۔ انھوں نے محبتِ خدا کا انکار کیا ہے بدلیل مذکور یعنی وہ مرئی نہیں نہ اس کا کوئی مماثل و مشابہ ہے نیز اس واسطے کہ محبت نام ہے خاص تعلق کا جو موقوف ہے طرفین کی مناسبت پر اور ممکن اور واجب میں مناسبت نہیں تو ان کی محبت کیسے ہو سکتی ہے۔ جواب یہ ہوا کہ محبت محال جب ہی ہے کہ بندہ کی طرف سے مانی جاوے اور جب کہ حق تعالیٰ کی طرف سے مانی جاوے تو محال نہیں کہ قدرتِ حق کے سامنے کوئی چیز محال نہیں اور حق تعالیٰ کی تو بڑی شان ہے اہل اللہ سے محبت بھی انہی کی طرف سے شروع ہوتی ہے اس کا شاہد یہ ہے کہ مرید کو اتنا تعلق نہیں ہوتا جتنا ان کو ہوتا ہے غرض محبتِ حق بندہ کی غذا ہے تو اس کی ضد یعنی بغض تو

بہت دور ہے بندہ کے مر جانے کیلئے تو عدم محبت ہی کافی ہے جو ترجمہ ہے لایحب کا جیسے مرنے
کے لئے یہی ضروری نہیں کہ زہر کھایا جائے بلکہ منع غذا بھی قاتل ہے یہ بیان ہے لایحب
کے انتہائی لفظ ہونے کا۔ پس جب کہ کبر مبغوض ہو تو اس کی ضد یعنی تواضع محبوب اور محمود
ہوئی۔ نیز تواضع علاج بھی ہے کبر کا اس وجہ سے بھی ضروری ہے مگر تواضع کے معنی سے
لوگ علی العموم ناواقف ہیں! جہلا تو خاطر داری کو کہتے ہیں اور نئے تعلیم یافتہ اکثر تو لفظ
تک بھی صحیح نہیں جانتے اور جو جانتے بھی ہیں وہ تصنع اور جھک جھک کر سلام کرنے کو
سمجھتے ہیں۔ حالانکہ تصنع تواضع نہیں بلکہ درحقیقت تکبر ہے جو ضد ہے تواضع کی۔ تواضع
کے حقیقی معنی پستی اور انکسار اختیار کرنا، نہ صرف ظاہراً بلکہ قلب سے اسی لئے متواضعین
جھک جھک کر سلام نہیں کرتے بلکہ کوئی ان کی مدح کرے تو اس پر بھی انکار نہیں کرتے
تاکہ وہ خود ان کو نخس یا ضرور سمجھے کہ خاموش ہو جائے نہ نئے مذاق والوں کی طرح
کہ مدح کرنے پر شکریہ ادا کیا جاتا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ایسے ہی مدح کیا کرو۔ اور
میں اسی کا مستحق ہوں مولانا محمد یعقوب صاحب کا یہی معمول تھا کہ مادح کے مدح پر
خاموش ہو جاتے گویا متکبر ہیں کہ مدح پر انکار نہیں۔ مگر تکبر کا نام و نشان نہ تھا ایک بار
آموں کو دعوت میں سے سر پر رکھ کر بے تکلف لے آئے۔ مگر اب تکبر کا نام وضع داری
رکھا ہے جو حدود شرعیہ کے اندر مستحسن ہے لیکن اکثر اوضاع کی بنا پر اس وقت کبر
پر ہے تاوقتیکہ مولانا کی طرح اصلاح نہ کر لی گئی ہو۔ مگر آجکل خود اصلاح اخلاق
ہی کی طرف توجہ نہیں ہے، حالانکہ بزرگوں نے اس کا بڑا اہتمام کیا ہے مولانا مظفر حسین
صاحب کرایہ کی بہلی میں سے صرف اس لئے اتر پڑے کہ وہ رنڈی کی تھی۔ لیکن دل شکنی
کے خیال سے اس کو واپس نہ کیا اور کرایہ پورا دیا یہ ہے حقیق دین! باقی کتابوں سے
صرف ضابطہ کا دین آتا ہے! اور ایسا حقیق دین محض جوتیاں سیدھی کرنے بلکہ جوتیاں
کھانے سے آتا ہے چنانچہ اہل اللہ تمام اخلاق کی تکمیل کرتے ہیں تقویٰ کے ساتھ دل شکنی
بھی نہیں کرتے نیز نرمی کے ساتھ کام لیتے ہیں مگر جب کہ اصلاح بغیر سختی کے نہ ہو سکے۔
اس وقت سختی بھی کرتے ہیں ان ہی میں مولانا مظفر حسین صاحب نے نرمی سے ایک

پہلوان کو نمازی بنا دیا' ان ہی بزرگ نے ایک رئیس کو بے وضو نماز کی صورۃً اجازت دی مگر وہ ان کی برکت سے باوضو پڑھنے لگا تو غیروں پر سختی نہ کرنا چاہئے ہاں جس پر حکومت ہو اس پر بضرورت مضائقہ نہیں یہی اخلاق ہیں جن سے اسلام پھیلا ہے نہ بزور شمشیر کیونکہ شمشیر زنی کے لئے شمشیر زن کہاں سے آئے تھے۔ اسی اخلاق سے۔ واقعات اس کے شاہد ہیں جن سے اسلام پھیلا ان کی یہ حالت تھی کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کافر بادشاہ کی تصویر کی آنکھ کے بدلے صلح کی بناء پر اپنی آنکھ پھوڑ ڈالنے کیلئے تیار ہو گئے۔ حالانکہ کفار پر غالب تھے بس ان اخلاق سے اسلام پھیلا ہے نیز شمشیر سے دفع شر ظاہر ہوتا ہے۔ نہ کہ اصلاح قلبی اور اسلام نے اصلاح کی ہے نیز اگر اسلام بزور شمشیر کسی سے قبول بھی کرا لیا جائے تو اس کو بقا کس چیز سے ہو سکتی ہے سوائے حقانیت کے وہ حقانیت اخلاق ہی سے قلب میں گھستی ہے ان ہی مولانا کی تواضع کی یہ حالت تھی کہ ایک بڈھے کا بوجھ اپنے سر پر رکھ کر گاؤں تک پہنچا دیا۔ اور ایک بنئے کی سختی پر صبر کر لیا جس نے ایک شبہ میں سختی کی تھی' اور باوجود قدرتِ انتقام کے کچھ بھی نہ کہا بلکہ خوش ہوئے کہ اب مجھ میں مصافحہ میں ہاتھ چومے جانے کے وقت عجب پیدا نہ ہوگا۔ اسی سختی کو یاد کر لوں گا۔ غرض تواضع ایک صفتِ حسنہ ہے جو کبر کا مقابل ہے اس کی تحصیل کی تدبیر کرنی چاہئے۔ بازار سے خود سودا خرید لایا کرو۔ اور نفس کو عار ہو تو سر پر لادو۔ امیروں کی طرح اپاہج مت ہو تاکہ تکبر نہ پیدا ہو' اور اس سے دنیوی مضرت بھی تو ہے چنانچہ تکبر کے آثار میں سے ایک یہ بھی ہے کہ خرچ بڑھتا ہے اور مال حرام کمانے کی ضرورت پڑتی ہے جو دنیا میں بھی مضر ہے اور تواضع کی جو تدبیر اوپر بتلائی گئی ہے کہ بازار سے سودا لے آیا کریں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور اس پر اعتراض کفار کا کام ہے قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ (یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس رسول کو کیا ہوا کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے) اور ان باتوں میں کفار کی تقلید کرنا صرف صورتِ معاشرت ہی نہیں بلکہ ان کے ساتھ محبت کی دلیل ہے اور بموجب حدیث اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ " آدمی انھیں لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے

محبت رکھے گا" قیامت میں کفار کے ساتھ ہونے کا اندیشہ ہے غرض کبر کے احتمال سے بھی بچے خواہ وہ ظاہر میں چھوٹی سی بات ہو۔ بعض چھوٹی بات کا منشا بھی کبر ہوتا ہے، مولانا محمد مظہر صاحب خط بنوانے کیلئے پائنتی سے سرہانے کو نہ بیٹھے آخر حجام نے اسی طرح بنایا اگر ہم سے یہ نہ ہو سکے، تو حدودِ شرعیہ کے اندر رہنا چاہئے۔ اور کبر کے سبب ان باتوں میں تو فرق نہ کرنا چاہئے جن میں شریعت نے چھوٹے بڑے کو برابر رکھا ہے جیسے لفظ سلام یا جماعت ہاں لہجہ میں فرق ہونا چاہئے کہ چھوٹے نیازمندی کے لہجہ سے سلام کریں اور بڑے ان کو حقیر نہ سمجھیں لیکن ان کی مصلحت سے ان کو ان کی حد سے بھی نہ بڑھا دیں: چنانچہ چھوٹوں کو بعض وقت سرہانے بٹھلانے میں ان کی دنیاوی اور دینی مضرت ہے، دنیوی تو یہ کہ کہیں پٹ جائیں گے اور دینی یہ کہ وہ متکبر ہو جائیں گے، غرض تکبر نہایت سخت مرض ہے اور علاج اس کا تواضع ہے۔ تواضع کی تفصیلی تدابیر کی ہمت نہ ہو تو یہ مشترک علاج کرے کہ اپنے کو کسی محقق کے سپرد کردے۔ اللہ والوں نے اسکے علاج کیلئے بڑے بڑے مجاہدے کئے ہیں مولانا محمد اسماعیل صاحب شہیدؒ مسافروں کے پیر دباتے تھے۔ ایک دفعہ ایک مسجد میں باوجود دھکے کھانے کے پڑے رہے اور فرمایا کہ یہ مادۂ کبر کا مسہل تھا۔ اور مبتلا کو تو علاج ضروری ہی ہے غیر مبتلا کو بھی بطور حفظِ صحت کبر کا علاج کرنا چاہئے۔ حضرت عمرؓ نے اسی کے لئے مشک بھرکے پانی پلایا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اسی لئے کرتہ کی آستین پھاڑ دی اور حدیث من تواضع للہ رفعہ اللہ" جو اللہ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بلندی عطا فرما دیتے ہیں" میں بجائے صیغہ امر کے بطور اخبار و وعدہ کے حکم کیا گیا ہے کیوں کہ ایسے وعدہ سے ہمت ہوتی ہے اور رفعتِ موعودہ تواضع کا لازمی نتیجہ ہے سو اگر کسی کو رفعت ہی مطلوب ہو "اس کے حصول کے لئے بھی تواضع چاہئے مگر للہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے) کی قید بھی یاد رہے! اور حدیث میں وعدۂ رفعت کیساتھ دنیا یا آخرت کی قید نہیں اس سے مفہوم ہوتا ہے کہ دونوں جگہ رفعت ہوگی۔ اور مشاہدہ بھی ہے کہ متواضع سے ہر شخص کو محبت ہوتی ہے اور اس کا کوئی مخالف نہیں ہوتا! تو اس کی زندگی بہت اچھی ہوتی ہے؛

دستور سہارنپور

مجدد الملۃ حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب قدس سرہٗ

سہارنپور دار الطلبہ میں تکبر و تذلل سے اجتناب کے عنوان سے ۸ ربیع الاول ۱۳۳۵ھ کو یہ وعظ ہوا۔ سامعین کی تعداد تقریباً ۱۰۰ کے قریب تھی جن میں سے اکثریت اہل علم کی تھی، اس وعظ کو مولانا اسعد اللہ صاحبؒ مدرس مظاہر علوم سہارنپور نے قلمبند کیا۔

خطبۂ ماثورہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنُؤۡمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیۡہِ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّاٰتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنۡ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَنَشۡھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ اَمَّا بَعۡدُ فَقَدۡ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰٓی اٰلِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ:

مَنۡ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ!

(جو اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے بلندی عطا فرما دیتے ہیں)

تمہید! یہ ایک مختصر و جامع حدیث ہے جس میں جناب رسولِ مقبول علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے دو مضمون ارشاد فرمائے ہیں یعنی بصیغۂ ترغیب دو باتوں کا امر ہے اور دو باتوں سے جو امرین مذکورین کی ضد ہیں نہی "ممانعت" نہیں ہے ہر چند کہ اس حدیث شریف کا بیان اس سفر میں ایک جگہ ہو چکا ہے لیکن چونکہ اس مرض میں جس کا علاج اس [illegible] عام [illegible] اور ہر مقام

پر اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ اس کو بیان کیا جائے کیونکہ شاذ و نادر ہی کوئی خدا کا بندہ ایسا ہوگا کہ اس وبائے عام میں مبتلا نہ ہو، اور اس مرض سے محفوظ ہو، صرف زاہد متقی متورع خالص مخلص مخلص اس مرض جانکاہ سے سالم رہ سکتا ہے ورنہ کس کی مجال ہے کہ اس سے بچا رہے بغالب احوال ہر شخص کم و بیش اس مرض روحانی میں ضرور مبتلا ہے اس لئے اس کے بیان کی بار بار حاجت ہے، اور اس کی ضرورت تا اختتام عمر ختم نہ ہوگی کیوں کہ امراض جب عمر بھر ساتھ نہ چھوڑیں گے تو ان کے معالجات کی بھی عمر بھر ہی ضرورت و حاجت ہوگی: اور چونکہ ایک بیان و تقریر کے مکرر ہونے کے مختلف اسباب و مختلف وجوہ ہوا کرتے ہیں، اس لئے اس کو تکرار محض نہ کہا جائے گا۔ اور اگر چشم حقیقت بین سے دیکھا جائے تو تکرار بھی مضر نہیں غرض یہاں اول تو تکرار ہی نہیں اور اگر تسلیم بھی کرلیں تو کوئی نقصان نہیں کیوں کہ عبث وہ تکرار ہے جس میں کچھ نفع مقصود نہ ہو کسی قسم کا نیا فائدہ حاصل نہ ہو، اور یہ تکرار ایسا نہیں ہے، کیوں کہ اس سے تاکید مزید حاصل ہوتی ہے تکرار علی اللسان سے تقرر فی القلب ہوتا ہے (یعنی بار بار کسی بات کے زبان سے کہنے سے وہ بات دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے)

آیات کا تکرار قرآن شریف میں غور و تامل کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر مقامات پر تھوڑے تفاوت "فرق" سے بعض آیات کو مکرر بیان فرمایا ہے اور بعض مواضع میں تو مضمون واحد کو بعبارتہ "یعنی انھیں لفظوں میں،" مکرر نقل فرمادیا ہے: اور حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اس کی علت بھی بیان فرمائی ہے کہ مضامین کو کیوں مکرر بیان کیا جاتا ہے۔ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هٰذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا۔ (اور ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے بیان کیا ہے تاکہ لوگ اچھی طرح سے سمجھ لیں) یعنی تاکہ تم اس سے عبرت حاصل کرو، اس کو قلب میں جگہ دو اس کو اپنا پیشوا اور رہنما بناؤ نصیحت حاصل کرو، اوامر کو بجالاؤ نواہی سے پرہیز کرو: البتہ یہ طرز مصنفین کا نہیں ہے: ان کو تو ایک مضمون کے مکرر بیان کرنے سے عار آتی ہے وہ تکرار سے اپنی شان تصنیف کی ہتک سمجھتے ہیں۔ اسی لئے جدید اور نئے مضامین تجویز کرتے ہیں، نئی نئی عبارتوں میں مطالب ادا کرتے ہیں ایک مضمون کو

دوبارہ کبھی نہیں بیان کرتے اور کسی مقام پر سہواً یا عمداً ایسا ہو جائے تو اس طبقہ میں
وہ موجب اعتراض ہو جاتا ہے چونکہ مقصود مصنفین کا امر آخر ہوتا ہے اس لئے تصنیف
طرز قرآن کے طرز سے مختلف ہو گیا، مصنفین کا مقصود محض ضبط مسائل ہے یہ مقصود
نہیں کہ مخاطب کے ذہن میں یہ مضامین جم جائیں، اور ظاہر ہے کہ تکرار اس مقصد کے
نزدیک منافی ہے، اور حق تعالیٰ کا مقصود تنزیلِ قرآن سے محض ضبط مسائل یا واقعات
جمع کرنا نہیں ہے بلکہ ان کا مقصود بندوں کی اصلاح ہے اور اصلاح جب ہی ہوتی
ہے کہ مخاطب کے ذہن میں نصیحت کے مضامین خوب جم جائیں اور بعض بات ذہن میں
یک دفعہ کہنے سے نہیں جمتی بلکہ بار بار کہنے سے جمتی ہے، اس لئے قرآن میں تکرار واقع
ہوا۔ اب سمجھ میں آگیا ہوگا۔ کہ حق تعالیٰ نے جو بعض جگہ تکرار فرمایا ہے یا احادیث
میں تکرر جملے واقع ہوئے ہیں اس کا منشا محض عطوفت و شفقت ہے کہ مخاطب کے
ذہن میں مضمون اچھی طرح جم جائے دل میں بالکل اتر جائے کوئی خدشہ نہ رہے۔
مصنفین اس شفقت سے کانے کوسوں دور ہو جاتے ہیں۔ ان کو اس کی پروا نہیں
ہوتی: اس لئے وہ تکرار سے بچتے ہیں اور فی الحقیقت قرآن اور حدیث کا یہ تکرار
محض صورۃً ہی ہے کیوں کہ جب اس سے مزید تاکید حاصل ہو گئی تو ایک نیا نفع حاصل
ہوا اور جس کلام سے نیا فائدہ حاصل ہو، وہ تکرار محض سے منزہ ہے گویا اس میں
دو پہلو ہیں ایک تاسیس کا کہ وہ باعتبار زیادت تاکید و زیادت نفع کے ہیں
دوسرا تاکید کا کیوں کہ یہ مضمون لفظاً تو مضمون اوّل ہی ہے لہٰذا یہ صورت جامع
تاکید محض و تاسیس محض دونوں سے اولیٰ ہے کیوں کہ یہ دونوں باتوں کے لئے
جامع ہے اور ظاہر ہے کہ مجموعۂ امرین امر واحد سے اولیٰ و انفع ہوتا ہے اور اگر
اس تکرار صوری میں مضامین بھی کچھ بدل جائیں اور مطالب و مآرب بھی مختلف
ہو جائیں تب تو وہ تکرار صوری بھی نہیں رہتا اس وقت میرے بیان کی یہی
شان ہوگی کہ متن مضمون تو وہی ہوگا جو پہلے بیان ہو چکا ہے مگر اس کی شرح
و تفصیل میں مضامین سابقہ کا بعینہ اعادہ نہ ہوگا بلکہ طرز بیان بھی جداگانہ ہوگا

اور انشاء اللہ مضامین بھی بہت سے نئے ہوں گے پس یہ تکرار محض سے اس طرح بھی نکل گیا گو مضامین سابقہ کے بعینہ اعادہ سے بھی تکرار محض نہ ہوتا کیوں کہ اس وقت تاکید محض کا فائدہ حاصل ہوتا! مگر اب تو بالکل تکرار نہ رہا صرف آیت یا حدیث کی تلاوت کا تکرار رہ جاتا ہے جو کسی درجہ میں بھی موجب حرج نہیں کیوں کہ یہ محض چند الفاظ و کلمات و حروف کا تکرار ہے مضمون کا نہیں! لہٰذا بیان سابق اس بیان لاحق کے لئے مانع نہ ہوا نیز میں سفر دور دراز کی وجہ سے مضمحل بھی ہو رہا ہوں بدن پر تکان بہت ہے اس حدیث کے بیان کرنے میں آسانی و سہولت بھی ہو گی کچھ تکلف نہ کرنا پڑا اور نہ بتکلف سوچنا پڑا۔ کہ کس مضمون کو بیان کروں کون سی آیت یا حدیث کے متعلق وعظ کہوں لیکن باوجود اتحاد حدیث کے مضمون بالکل نیا ہو گا! وہ پہلا وعظ بھی قلمبند ہو چکا ہے بعد طبع کے موازنہ و مقابلہ سے معلوم ہو جائے گا کہ اس کے مضامین اس کے مضامین سے بالکل جدا و ممتاز ہیں، صرف تلاوتِ حدیث ہی کا تکرار ہے جو کہ علاوہ فوائد مذکورہ کے موجب خیر و برکت بھی ہے۔

امراض ظاہری و باطنی

اس حدیث شریف میں امراض عامہ کو بتایا گیا ہے۔ اور ان کے معالجہ کی تعلیم فرمائی گئی ہے، خلاصہ یہ ہے کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بظاہر تو ایک ہی بات کی ترغیب فرمائی ہے لیکن اگر فکر سے کام لیا جائے اور عقل پر زور دیا جائے تو دو باتوں کی ترغیب معلوم ہوتی ہے اسی طرح مقابلہ میں بظاہر ایک امر سے ترہیب معلوم ہوتی ہے لیکن نظر تعمق و خوض سے دو امر مرہوب عنہ معلوم ہوتے ہیں! امر ترغیبی ایک تو تواضع میں مصرح اور دوسری کا انکشاف للہ کی قید سے ہوتا ہے پس مَن تَوَاضَعَ سے تو تواضع کا محمود و مرغوب ہونا اور اس کا واجب العمل اور مامور بہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور للہ سے اس میں اخلاص کی طلب معلوم ہوتی ہے

(جاری)

(۹۶۷) فرمایا کہ حساب کتاب میں بڑے تیقظ کی ضرورت ہے۔ میں اپنے آپ کو بڑا بیدار مغز سمجھتا تھا لیکن پچیس روپیہ ڈنڈ دینا ہی پڑ گیا (مدرسہ کے حساب میں پچیس روپے کے نوٹ کے بابت شبہہ پڑ گیا حضرت نے محض شبہہ کی بنا پر بغرض احتیاط پچیس روپیہ اپنی طرف سے مدرسہ میں داخل کر کے تحویل ایک دوسرے صاحب کے متعلق اور حساب تیسرے صاحب کے متعلق کر دیا۔ اور فرمایا کہ ایک ہی شخص کے پاس حساب اور تحویل دونوں کا رہنا مناسب نہیں ہوتا۔ یہ خلاف ہے اصول کے)

(۹۶۸) فرمایا کہ عشق صورۃً بھی عذاب ہے۔ خصوص عشق امارد یہ بڑا سخت مرض ہے ایک بزرگ کہتے ہیں کہ جب کسی کو مردود کرنا منظور ہوتا ہے تو حق تعالیٰ اس کو عشق امارد میں مبتلا کرتے ہیں۔ پس یہ عشق صورۃً گویا علامت ہے مردودیت کی۔ تصوف کا مسئلہ ہے کہ امردوں سے اختلاط نہ کرے اور عورتوں سے نرم باتیں نہ کرے حق تعالیٰ کا بھی ارشاد ہے لَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ (تم بولنے میں نزاکت مت کرو) اس سے بھی تائید ظاہر ہے۔ پھر فرمایا کہ عشق مجازی ظاہر میں تو ایک نہایت مصیبت اور کلفت کی چیز ہے برخلاف عشق حقیقی کے کہ اس میں سراسر راحت اور اطمینان ہے اور اس میں جو کچھ ظاہری کلفت معلوم ہوتی ہے اس میں بھی ایک نور ہوتا ہے پریشانی مطلق نہیں ہوتی۔

(۹۶۹) فرمایا کہ آجکل تو شرافت اور ریاست کا وہ خلاصہ رہ گیا ہے جو میرے سب سے چھوٹے ماموں صاحب نے اس شعر میں دکھلایا ہے ؎

ہے شرافت تو کہاں بس شر و آفت ہے فقط
ست ریاست سے گیا صرف ریا باقی ہے

(۹۷۰) فرمایا کہ ایک پیر صاحب پر ان کے مرید کا سایہ پڑ گیا تو نہایت ہی خفا ہوئے اور جرمانہ کیا (یعنی اس کو خلاف تعظیم و توقیر سمجھا) بس میرا تو اس باب میں یہ مسلک ہے کہ محبت کے متعلق جو آداب ہیں وہ تو ضروری ہیں۔ ان کے تو دقائق کی بھی رعایت چاہیئے۔ باقی تعظیم و تکریم کے متعلق جو آداب ہیں وہ سب بیکار۔ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم محبت کے آداب کا بہت لحاظ رکھتے تھے۔ تکریم و تعظیم کا ان کو اہتمام نہ تھا۔

(۹۱) فرمایا کہ بزرگوں نے کہا ہے کہ گربۂ زندہ بہ از شیر مردہ (مردہ شیر سے تو زندہ لومڑی بھی بہتر ہے) یعنی زندہ شیخ سے جو فیوض و برکات حاصل ہو سکتے ہیں وہ مردہ شیوخ سے نہیں ہو سکتے۔ ایک موٹی بات ہے کہ اس طریق میں سخت ضرورت تعلیم کی ہوتی ہے اور عادۃً تعلیم مردوں سے نہیں ہو سکتی گو وہ برزخ میں احیاء سے بڑھ کر متصف بالحیوۃ ہوں ہاں تقویت نسبت ہو سکتی ہے۔ لیکن نری تقویت نسبت سے کیا ہوتا ہے۔ کوئی ہزار پہلوانی کا زور رکھتا ہو لیکن داؤ نہ جانتا ہو تو وہ کچھ بھی نہیں۔ داؤ جاننے والا ایک بچہ اس کو چت کر دے گا۔ نری تقویت سے کیا ہوتا ہے صنعت بھی تو چاہیئے۔ روایت کا سلسلہ آخر عبث تھوڑا ہی ہے۔ مرغی بے مرغ کے بھی انڈے دیتی ہے۔ لیکن حاکی انڈے سے بچے نہیں نکلتے۔ اسی طرح گو وہ خود کچھ ہو بھی جاوے لیکن ایسے شخص سے دوسرے کو نفع نہیں پہونچ سکتا۔ اوّل تو خود اسی کے منتفع ہونے میں کلام ہے کیونکہ ایسے شخص کو جو مدعی ہے نسبت اویسیہ کا اگر کوئی عقبہ پیش آوے تو وہ کس سے پوچھے گا بھی نہیں کیوں کہ لوگوں کے نزدیک اس کی نسبت اویسیہ قطع ہو جاوے گی۔ اس کو سبکی ہونے کا خیال ہوگا پھر فرمایا کہ نسبت اویسیہ ہوتی ہے لیکن میرے نزدیک کافی نہیں ایسے شخص سے غلطیاں واقع ہو سکتی ہیں کیونکہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ہر جزئی کی تحقیق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کر سکے اور اگر ہو بھی تو احتمال ہے کشف کے غلط ہونے کا۔ محض روحانی طور پر فیض ہونے سے نسبت میں تو قوت ہو جاتی ہے لیکن حقیقت طریق معلوم نہیں ہو سکتی۔

(۹۲) عرض کیا گیا کہ فروع الایمان میں لکھا ہے کہ شیخ کا ایک ادب یہ ہے کہ مرید اپنا سایہ شیخ پر نہ پڑنے دے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر شیخ کوئی کام کر رہا ہو تو مرید اس کا خیال رکھے کہ اس پر سایہ نہ پڑنے پاوے ورنہ پرچھائیں پڑنے اور اس میں حرکت ہونے سے اس کی یکسوئی میں فرق آ کر کام میں خلل پڑے گا۔ غرض اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا ہمیشہ خیال رکھے کہ شیخ کو کوئی کلفت یا کدورت نہ ہونے پاوے۔

(۹۳) ایک صاحب نے استفسار کیا کہ محبت کے آداب کیا ہیں۔ فرمایا کہ جب محبت ہوگی خود بخود آداب معلوم ہو جائیں گے۔ جیسے لڑکا جب بالغ ہوتا ہے خود بخود اس کو شہوت ہونے لگتی ہے۔ نابالغ بچہ کو کس طرح سمجھایا جاوے کہ جماع اس طرح ہوتا ہے۔ محبت پیدا کرے پھر خود

بخود آداب قلب میں آنے لگیں گے۔ محبت کے آداب کی کوئی فہرست تھوڑا ہی تیار ہو سکتی ہے۔ اور تکلف کے ساتھ محبت بھی نہ کرے اگر کھینچ تان کر اور آداب کی فہرست معلوم کرکے محبت بھی کی تو اس سے کیا ہوتا ہے جتنی محبت ہو بس اتنا ہی ظاہر کرے تکلف اور تصنع نہ کرے یہ تو خواہ مخواہ شیخ کو دھوکا دینا ہے۔

(۹۷۴) فرمایا کہ میں نے کبھی بزرگوں کے پاؤں نہیں دابے نہ کبھی اس کا جوش اٹھا۔ ایسی حالت میں اگر کبھی دابتا تو تصنع سے ہوتا جب جی میں نہیں تھا نہیں کیا کہ کون بناوٹ کرے بزرگوں سے۔ بہت سے لوگ تو اس کو ذریعہ تقرب سمجھتے ہیں البتہ جب جوش ہو تو مضائقہ نہیں۔ اور صاحب کیا بزرگوں کو معلوم نہیں ہو جاتا جوش چھپا نہیں رہتا۔ آدمی جس کو شیخ بناتا ہے۔ وہ بہر حال اس کو اپنے سے تو زیادہ ہی عقلمند اور صاحب بصیرت سمجھتا ہے پھر اس کے ساتھ تصنع کیوں کرے۔ میں بزرگوں کے معاملہ میں کیا بناوٹ کرتا اپنے عیوب بھی ان سے کبھی نہیں چھپائے۔ صاف کہہ دیا کہ مجھ میں یہ عیوب ہیں اور یہ مرض ہیں۔ خیر وہ مرض تو گئے نہیں لیکن اس سے علاج تو ہر مرض کا معلوم ہوگیا ورنہ لوگ بلی کے گو کی طرح اپنے عیوب کو چھپاتے ہیں۔ گو معصیت کا اظہار نہیں چاہئے لیکن جب اس کی اصلاح اپنے اختیار سے خارج ہو جاوے تب اظہار بھی ضروری ہے۔ گو تفصیل کی ضرورت نہیں۔ کیوں کہ آخر شیخ کو تعلق ہوتا ہے اس کو سُن کر افسوس ہوتا ہے ہاں جب مرض بڑھنے لگے تب اظہار ضروری ہے جیسے کسی کو سوزاک ہو جاوے تو اگر معمولی تدابیر سے اچھا نہ ہو تو ضرور ہے کہ باپ سے ظاہر کردے۔

(۹۷۵) ایک ذاکر صاحب سے فرمایا کہ نیند کا اگر بار بار غلبہ ہو تو سو جانا چاہئے جب نیند بھر جائے تب پھر اٹھ کر ذکر کو پورا کرے۔ کیوں کہ نشاط کے ساتھ ہو تو ذوق و شوق ہوتا ہے ورنہ تو عدد ہی کا پورا کرنا ہوتا ہے۔

(۹۷۶) ایک ذاکر صاحب کچھ قیام کرکے واپس جا رہے تھے عرض کیا کہ پہلے دیکھا ہے کہ حضور کے فراق میں سخت تکلیف ہوتی ہے اور گریہ طاری رہا کرتا ہے۔ فرمایا کہ اب انشاء اللہ ایسا نہ ہوگا۔ کیونکہ ذکر سے بفضلہ تعالیٰ مناسبت پیدا ہو گئی ہے سرمایۂ تسلی پاس ہے۔

(۹۷۷) ایک مرید نے کہا کہ لوگ حضرت کو بُرا بھلا کہتے ہیں تو میرے دل کو تکلیف ہوتی ہے فرمایا کہ سیکڑوں لوگ خدا کو بُرا بھلا کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہتے ہیں۔ مجتہدین کو برا بھلا کہتے ہیں آپ نے اس کا کچھ انسداد کیا۔ مگر نہیں کیا تو بس ایک نالائق اشرف علی ہی کے بُرا بھلا کہنے سے آپ کو تکلیف ہوتی ہے جو اس کے انسداد کی فکر ہوئی۔ کچھ بھی نہیں آپ میں مادہ کبر کا ہے۔ آپ کو اس لئے ناگوار ہوتا ہے کہ ہمارے اکابر کو بُرا بھلا کہنے میں ہماری ذلت وخواری ہے یہ ہے کید نفس کا۔ پھر فرمایا کہ خیر اگر تکبر بھی نہ سہی لیکن میں یہ پوچھتا ہوں کہ آخر آپ کو اس کی فکر ہی کیوں ہوئی کہ کوئی بُرا نہ کہے بھلا نہ کہے اس میں کیا بگڑ گیا آپ کا۔ اگر مقصود پر نظر ہوتی تو ایسے فضول قصوں کے پیچھے پڑنے کی آپ کو فرصت ہی کب ہوتی سہ

گر ایں مدعی دوست بشناختے　　　به پیکار دشمن نه پرداختے

(اگر یہ مدعی محبت دوست کو پہچان لیتا تو دشمن سے لڑنے میں مشغول نہ ہوتا)

(۹۷۸) فرمایا کہ حضرت خضر علیہ السلام حضرت ابراہیم بن ادھم سے ملنے آئے سلام ومصافحہ کے بعد حضرت ابراہیم بن ادھم پھر ذکر اللہ میں مشغول ہو گئے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے بڑا تعجب کیا کہ یہ تو بڑے بے فکر ہیں۔ فرمایا کہ بھائی تم بڑے بے فکر ہو لوگ تو برسوں میرے ملنے کی تمنا میں رہتے ہیں لیکن ملنا نصیب نہیں ہوتا تم سے میں خود ملنے آیا لیکن تم نے میری طرف توجہ بھی نہ کی۔ حضرت ابراہیم بن ادہم نے فرمایا کہ جسے خدا سے ملنے سے فرصت ہو وہ آپ سے ملنے کی تمنا کرے۔

(۹۷۹) حضرت خواجہ صاحب قلم دوات اور کاغذات رکھ کر چلے گئے۔ پنکھے کی ہوا سے کاغذات اڑتے تھے اور دوات ایسی جگہ رکھی تھی کہ اٹھنے سے ٹھوکر لگ کر فرش پر کسی قدر روشنائی گر گئی فرمایا کہ اپنی چیز کو اس طرح رکھ کر جانا چاہیئے کہ کہ دوسروں کو حفاظت نہ کرنی پڑے۔

(۹۸۰) فرمایا کہ امراء کی عادت سخت تکلیف دہ ہے۔ اس لئے مجھے سفر کا تحمل نہیں ہوتا ویسے سفر تفریح کی چیز ہے لیکن چونکہ اس میں امراء ہوتا ہے نیز انضباط اوقات بھی نہیں ہوتا اس لیے نہایت تکلیف ہوتی ہے۔ نیز ہجوم سے بھی طبیعت پریشان

تی ہے اور اپنی راحت کیلئے پہرہ بٹھانا اوّل تو بزرگوں کے وضع کے خلاف ہے دوسرے
وتیں پیدا ہو جاتیں ہیں۔

(۹۸۱) فرمایا کہ مشہور تو یہ ہے کہ تَعَامَلُوْا کَالْاَجَانِبِ وَتَعَاشَرُوْا کَالْاِ
اَنَ۔ یعنی معاملہ کرو مثل اجنبیوں کے اور معاشرت کرو مثل بھائیوں کے لیکن چونکہ آجکل
مکل ہے کہ اخوان کے ساتھ معاملہ تو ہو مگر ہو اجانب کا سا اس لئے میں نے ترمیم کی ہے
ی تَعَامَلُوْا مَعَ الْاَجَانِبِ وَتَعَاشَرُوْا مَعَ الْاِخْوَانِ یعنی معاملہ کرو اجنبیوں کے
تھ اور معاشرت کرو بھائیوں کے ساتھ یعنی اخوان کے ساتھ معاملہ بھی نہ کرو اکثر دیکھا
کہ اپنوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں خراب ہوتی ہے اور نقصان بھی اٹھانا پڑتا ہے۔

(۹۸۲) فرمایا کہ عورتیں تھوڑی چیز بھیجنے میں یا تو اپنی شان کے خلاف سمجھتی ہیں
یری شان کے خلاف سمجھتی۔ محبت میں شان کیسی۔ یہ تو دین نہیں محض دنیا ہے۔ دنیا
اروں میں دیکھا ہے کہ دوستوں سے بھی تکلف اور تصنع سے ملتے ہیں۔ ایک کو دوسرے
ے ساتھ شان کا بہت خیال رہتا ہے۔

(۹۸۳) فرمایا کہ اکابر کو اس کا قصد ہی نہ ہوتا تھا کہ اپنے اوپر سے طعن کو ہٹا دیں
ر پڑے پڑنے دیتے تھے ؎

خلق می گوید کہ خسرو بت پرستی می کند   آرے آرے می کند با خلق عالم کار نیست

دنیا کے لوگ کہتے ہیں کہ خسرو بت پرستی کرتا ہے۔ ہاں ہاں کرتا ہے دنیا کے لوگوں سے اسکو
ئی سروکار نہیں ہے (کہتے ہیں کہنے دو مجھے اسکی پرواہ نہیں) بات یہ ہے کہ وہ اپنی
ظر میں سب سے ذلیل ہوتے ہیں یہ بالکل وجدانی امر ہو جاتا ہے کسی مدح کا اپنے کو مستحق
نہیں سمجھتے بلکہ بجائے تعجب ہوتا ہے کہ لوگ ہمارے معتقد کیوں ہیں باوجود اتنے عیوب کے۔
اور بعضے تو اس قدر مغلوب ہوتے ہیں کہ اپنے عیوب کو کھولنے لگتے ہیں تاکہ لوگ معتقد نہ
ہیں لیکن مقتدا کو ایسا نہ چاہیئے۔ اس میں عوام کا ضرر ہے۔

(۹۸۴) ایک دیہاتی شخص اپنے باپ کی شرکت میں رہتا تھا۔ چاشت کی نماز
ی اجازت چاہی فرمایا کہ باپ تمہارے گالیاں دیں گے کہ مفت کی روٹیاں کھاتا ہے۔

کیونکہ وہی وقت کام کا ہوتا ہے۔ بات وہ کرے جس میں کوئی برائی نہ آوے۔ لڑائی دنگے سے کیا تو کس کام کا۔ ہدیہ کے متعلق بھی فرمایا کہ جب تک باپ کے شریک ہو ایسی حرکت مت کرو۔ اگر ہدیہ دینا ہے باپ سے الگ ہو جاؤ۔ اس نے کہا کہ اں باپ کی نافرمانی نہ ہوگی۔ فرمایا نافرمانی اس کو کہتے ہیں جس میں ان کو تکلیف ہو۔ کیا تمہارے الگ ہو جانے میں ان کو تکلیف ہوگی اس نے کہا میں ان کی روٹیاں پکاتا ہوں ضرور تکلیف ہوگی فرمایا کہ روٹیاں پکا دیا کرو۔ لیکن اپنی آمدنی الگ رکھ سکتے ہو۔ کھانا شرکت میں رکھ سکتے ہو یہ نافرمانی نہیں ہے۔

(۹۸۵) فرمایا کہ آجکل متعارف اخلاق یہ ہیں کہ خواہ دل میں کدورت ہو لیکن ظاہر میں خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آوے لیکن مجھے یہ نہیں آتا کہ دل میں کچھ ہو اور زبان پہ کچھ۔ اگر کچھ ناگواری ہوتی ہے کہہ سن کر دل صاف کر لیتا ہوں اچھا ہے صاف کر لینا چاہئے دل کو تاکہ پھر وہی محبت پیدا ہو جاوے۔ اگر کرتا میلا ہو جائے تو ایک تو یہ صورت ہے کہ اور اجلا کرتا اوپر سے پہن لیا اندر وہی سڑا ہن رہی۔ ایک یہ ہے کہ دھوبی کے یہاں بھیج دیا اس نے پیٹ کوٹ کر پھر صاف کر دیا۔ پھر دیکھ لیجئے کون سی صورت اچھی ہے۔ ہم تو اسی کو اچھا سمجھتے ہیں۔

(۹۸۶) عسر کی شکایت پر فرمایا کہ یہ انبیاء کی سنت ہے۔ رزق جتنا مقدر میں ہوتا ہے اتنا ہی ملتا ہے۔ اس کا کوئی خاص وظیفہ نہیں۔ ہاں دعا کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ سکون دیویں گے۔ جب اللہ تعالیٰ سے تعلق بڑھ جاتا ہے پھر پریشانی نہیں ہوتی اور تعلق پیدا کرنے کی سب سے بڑی ترکیب یہ ہے کہ خوب مانگا کرے۔

(۹۸۷) فرمایا کہ اَلصُّوْفِیُّ لَامَذْھَبَ لَہٗ (صوفی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا) کے معنی یہ ہیں کہ چاروں مذہبوں میں سے جس مذہب میں احتیاط دیکھتے ہیں اسی پر عمل کرتے ہیں۔ بخلاف ان کے جو تارک تقلید ہیں وہ تو اس کو کرتے ہیں جس میں رخصت دیکھتے ہیں۔ رعایت خلافیات کی اچھی ہے بشرطیکہ اپنے مذہب کا مکروہ لازم نہ آوے۔ مثلاً حنفی وضو میں فصد کے ذریعہ سے خون بھی نہ نکلوائے کیوں کہ وہ حنفیہ کے نزدیک ناقض وضو ہے اور مس امرأۃ "عورت کو چھونے" سے بھی احتیاط رکھے۔

طرح مس ذکر سے جو کہ شافعیہ کے نزدیک ناقض وضو ہے (گو حنفیہ کے نزدیک نہیں) اور جس پیچھے مختلف مذاہب کے اشخاص نماز پڑھتے ہوں اس کو تو رعایت ضروری ہے۔ یوں بھی افضل ہے کہ اختلاف میں بھی احتیاط رکھے۔

(۹۸۸) فرمایا کہ دین میں محنت تو کم ہے اور ثمرہ زیادہ۔ برخلاف اس کے دنیا محنت تو زیادہ ہے اور ثمرہ کم۔ اس کی میں یہ مثال دیا کرتا ہوں کہ کبوتر کے شکار میں بہت کم مشقت ہے اگر ہوائی بندوق بھی لیکر کوئی چلا جاوے تو دو چار کبوتر تو لے ہی ے گا کم از کم شام کے لئے سالن تو ہو ہی گیا۔ برخلاف اس کے اگر سور کا شکار کیا۔ کارتوس کے کارتوس خراب کئے اور ملا کیا! سور۔ نہ کھانے کا نہ پکانے کا دین میں سی حال میں نقصان نہیں۔ یہ سب حق تعالیٰ کی برکت ہے۔

(۹۸۹) ایک انگریز نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں سب سے زیادہ حیرت انگیز بات ں نے یہ دیکھی کہ اجمیر میں ایک مردہ کو دیکھا کہ اجمیر میں پڑا ہوا سارے ہندوستان پر سلطنت رہا ہے۔ واقعی خواجہ صاحب کے ساتھ لوگوں کو بالخصوص ریاست کے امراء کو بہت ہی عقیدت ہے۔ ان حضرات نے اللہ کی اطاعت کی تھی پھر دیکھئے کیا رنگ ظاہر ہو رہا ہے۔ حضرت خواجہ زیز الحسن صاحب نے عرض کیا کہ جب فائدہ ہوتا ہوگا تب ہی تو اس قدر عقیدت ہے۔ زمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جیسا ظن ہو ویسا ہی معاملہ فرماتے ہیں اس طرح تو بت پرستوں بت پرستی میں بھی فائدہ ہوتا ہے یہ کوئی دلیل تھوڑا ہی ہے۔ دلیل ہے شریعت۔

(۹۹۰) ایک اہلکار نے حافظ صاحب سے فرمایا کہ رمضان میں قرآن سنانا بڑی رکت کی چیز ہے تجربہ کی بات ہے کہ سال بھر کا بھولا ہوا اس سے پھر یاد ہو جاتا ہے۔

(۹۹۱) فرمایا کہ بڑی چیز تو یہ ہے کہ آدمی اپنے ہر فعل کو شریعت پر منطبق کرے کہ ون فعل میرا شریعت کے موافق ہے اور کون خلاف۔ اور حضرت کسی کے ساتھ اعتقاد رکھنا ضروری نہیں۔ ہاں بدگمانی اور بدزبانی بلا ضرورت کسی کے ساتھ جائز نہیں اگر بدگمانی نہ کی تو کیا نقصان ہوا۔ پھر فرمایا کہ اس کا منشا کئی چیزیں ہیں اور ان سب کا منشا کبر ہے۔ اگر سب سے کمتر اپنے آپ کو سمجھے گا تو جس وقت بدگمانی ہونے لگے گی فوراً عیب

اپنا پیش نظر ہو جائے گا اور سوچے گا کہ ہم تو اس سے بھی زیادہ نالائق ہیں پھر کبھی اس کی نوبت نہ آئے گی۔ لہٰذا کبر کا علاج کسی کامل شخص کے پاس رہ کر کرانا ضروری ہے۔

(۹۹۲) فرمایا کہ مجاہدہ کا ثمرہ اونچا رہنا ہے اور ناز و نعم کا ثمرہ نیچا رہنا ہے اس کی توضیح میں یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک بزرگ درویش تھے یعنی عالم پورے نہ تھے گو بے علم بھی نہ تھے۔ وعظ میں سیدھی سیدھی باتیں فرما رہے تھے۔ اور لوگ تڑپ رہے تھے۔ اس مجلس میں ایک علامہ بھی حاضر تھے ان کے دل میں خیال گذرا کہ یہ عجیب بات ہے کہ ہم اتنے بڑے عالم لیکن ہمارے وعظ میں اثر نہیں اور یہ کم علم مضامین بھی عالی اور دقیق نہیں لیکن ان کے وعظ میں لوگوں کی یہ حالت ہے۔ ان بزرگ کو ان کا یہ خیال مکشوف ہو گیا۔ فرمایا کہ ایک گلاس میں تیل پانی اور بتی تھی۔ ایسی صورت میں تیل اوپر رہتا ہے اور پانی نیچے۔ کیوں کہ پانی وزنی زیادہ ہوتا ہے۔ پانی نے تیل سے شکایت کی اور پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ میں نیچے رہتا ہوں اور تو اوپر حالانکہ میں پانی ہوں اور پانی کی یہ صفت ہے کہ وہ صاف شفاف خود طاہر مطہر۔ روشن خوبصورت خوب سیرت ہے۔ غرض ساری صفتیں موجود ہیں اور تو (یعنی تیل) خود بھی میلا اور جس پر گرے اس کو بھی میلا کر دے۔ کوئی چیز تجھ سے دھوئی نہیں جا سکتی۔ چاہیے یہ تھا کہ تو نیچے ہوتا اور میں اوپر۔ مگر معاملہ برعکس ہے کہ میں نیچے ہوں اور تو اوپر تیل نے جواب دیا کہ ہاں یہ سب کچھ ہے لیکن تم نے کوئی مجاہدہ نہیں کیا۔ ہمیشہ ناز و نعم ہی میں رہے بچپن سے اب تک بچپن میں فرشتے آسمان سے اتار کر بڑے اکرام سے تم کو لائے۔ پھر جس نے دیکھا عزت کے ساتھ برتنوں میں لیا۔ بڑی رغبت سے نوش کیا تمہاری دھوپ سے حفاظت کی جاتی ہے۔ میل کچیل گرد و غبار سے بچایا جاتا ہے گو اپنے مطلب کو سہی۔ غرض ہمیشہ عزت ہی عزت اور ناز ہی ناز دیکھا اور ہم نے جب سے ہماری ابتدا ہوئی ہے ہمیشہ مصیبتیں ہی مصیبتیں جھیلی ہیں۔

(جاری)

(بقیہ مکتوب نمبر ۸۳۸)

حال : میں ان کو ایک چٹھی لکھتا ہوں دیکھ لے۔ اس چٹھی کو بھیجدینگے چنانچہ چٹھی انھوں نے لکھی
"کہ محمود تو واقعی اپنے اصول کے پیش نظر شرکت نہیں کرسکتا اس کا فیصلہ صحیح ہے تاہم میری رکھا
رکھی میرے ساتھ وہاں آجائے گا آپ ہمیں جلد بارہ بجے فراغت کر کے رخصت کردیں"
میں نے کہا کہ یہ تو بچوں کو بہلانے اور پھسلانے کی جیسی بات ہوگئی میں تو عرصہ سے
ان اصولوں پر بحمد اللہ چل رہا ہوں کبھی اس کے خلاف نہیں کرتا تو انھوں نے یہ سنکر
بے اختیار کہا کہ (حضرت والا کا نام لیکر) مولانا نے خوب گھول کر پلادی ہے میں نے
کہا الحمدللہ نقل ارشادات مرشدی کنم۔ آنچہ مردم می کند بوزینہ ہم " اپنے مرشد کے
ارشادات نقل کرتا ہوں کہ بندر بھی آدمیوں جیسی حرکات کیا کرتا ہے"، بظاہر
ناگواری ان کو نہیں ہوئی اور کہنے لگے کہ بڑے بڑے لوگوں کے یہاں گیا ہوں
رہا ہوں لیکن اپنے اصول پر مضبوط نہ پایا۔

حضرت والا نے اس ناکارہ کو جس والانامہ میں اجازت مرحمت فرمائی تھی وہ
دیکھنے کا ارادہ ظاہر کیا میں نے دکھایا تو اس سے بہت متاثر ہوئے کہنے لگے کہ یوں
معلوم ہوتا ہے کہ اس ذمہ داری کو سپرد کرتے ہوئے خود بھی کانپ رہے ہیں اور مجھے
بھی بار بار اس کا احساس دلا رہے ہیں۔ میں نے کہا کہ اجازت کا والانامہ پہونچنے کے
ایک دو دن قبل خواب دیکھا کہ حضرت تھانویؒ نے ایک خط دیا حضرتؒ کے چہرہ پر
ہیبت و فکر کے آثار معلوم ہو رہے تھے۔ میں نے اس کی اطلاع بھی حضرت والا کو
اس وقت حضرتؒ کا اجازت نامہ پہونچنے کے بعد کردی تھی تو تحریر فرمایا تھا کہ
"اب اطمینان ہوا"، کبھی کسی سلسلہ کلام میں کہہ دیا تھا کہ حضرت تھانویؒ کے چند
مکتوبات بھی میرے نام کے میرے پاس ہیں۔ تو ان کو دیکھنے کی بھی خواہش ظاہر
کی دیکھکر کہا کہ اگر مولانا کی خدمت میں ان خطوط کو بھی بھیجدیا ہوتا تو ان کو بہت
خوشی ہوتی اور مزید اطمینان ہوتا۔ میں نے جواب دیا کہ نہیں یہ بے موقع حرکت ہوتی
مجھے تو یقین کامل بحمد اللہ ہے کہ حضرت والا نے میرے پہلے ہی خط سے میرے متعلق

جو رائے قائم فرمائی تو یا میری پوری حقیقت و حالات کا کما حقہٗ جائزہ لے لیا اگر چہ میں نے کچھ زیادہ اپنے حالات کی تفصیل بھی نہیں لکھی تھی۔ میں اس وقت سے کہتا رہتا ہوں کہ حضرت والا ایک آدھ خط سے ہی آدمیوں کا دور سے پوری طرح اندازہ فرمالیا کرتے ہیں۔ جناب یہ سب شکر بار بار کہتے رہے کہ بعینہٖ حضرتؒ کا اصول ہے اور طرز تحریر و تربیت و تعلیم ہو بہو وہی ہے۔ یہ بات آجکل نایاب ہے الحمد للہ حضرت والا کی برکت سے حق تعالیٰ کی فضل و ستاری کا برابر ظہور رہا۔ ؎ شکر ایزد کہ نمردیم و رسیدیم بدوست۔ "خدا کا شکر ہے کہ ہم مرے نہیں اور دوست (یعنی خدا) تک پہونچ گئے۔
تحقیق:۔ بہت محظوظ ہوا۔ اللہ تعالیٰ پختگی عطا فرمائے سنو سہ در نیابد حال پختہ ہیچ خام "یعنی کامل شخص کا حال ناقص آدمی نہیں سمجھ سکتا"

مکتوب نمبر ۸۳۹

حال:۔ حضور والا میں نے جو خط لکھا واقعی بیوقوفی پر مبنی ہے۔ تحقیق: بیوقوفی بری چیز کب ہے!

حال:۔ ایک خط دو مضمون کا ایک شخص کے پاس لکھنا میری حماقت ہے۔

تحقیق: دو مضمون کا کیا مطلب ہے۔ حال: مجھ سے ایسے وثوق کے ساتھ

تحقیق:۔ اب تو آپ کو معلوم ہوا کہ وہ وثوق بے بنیاد تھا۔ آپ اعتبار کرنے والے ایسے اور بیان کرنے والا ایسا کہ میرے ساتھ ہی حج بیت اللہ کے لئے بیٹھے تھے ہیں حالانکہ میں یہاں ہوں ان نیک لوگوں کو کیا کہا جائے کہ ذرا ڈرتے نہیں یہ وہاں کی عادت ہے اور سب اس میں شریک ہیں کوئی بیان کرتا ہے اور دوسرا اس کی تصدیق کرتے ہیں اس سے طرح طرح کے فساد رونما ہوتے ہیں۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

حال:۔ حضرت کے جانے کو بیان کیا گیا کہ حضرت کے ہر جگہ آدمی ہیں انتظام کرنا کیا مشکل ہے اور میں ہوں کہ بغیر تحقیق خط لکھ - اشرو ۱۲۔ ا۔

تحقیق :۔ جو اس نے کیا دہی آپ نے کیا کسی سمجھدار آدمی سے پوچھیے کہ آپ کو کیا کرنا چاہیئے تھا۔

حال :۔ تو خیال ہوا کہ حضرت تو ہیں نہیں۔ خیال دوسری طرف تحقیق کی طرف چلا گیا نہ خیال ہوا کہ اگر حضرت ہوں کیا کہیں گے بس بیوقوفی ہوگئی مجھ سے یہ حماقت ہوئی سزا کا مستحق ہوں اور نادم ہوں ایسا کر گذرا اب سوائے اس کے کیا کروں کہ دست بستہ معافی مانگ رہا ہوں میں اب انشاء اللہ ایسا کبھی نہ کروں گا۔ اور کسی کا اعتبار نہ کروں گا۔ میں نے ناحق ایسے شخص کو جو دین کا کام کر رہا ہو بیٹھے بیٹھائے تکلیف پہونچائی واہ رے بیوقوفی بالکل خبط الحواس ہوگیا۔ میری بیوقوفی کی اصلاح ہوگئی۔ تحقیق :۔ بیوقوفی کی اصلاح بڑی مشکل سے ہوتی ہے۔

(مکتوب نمبر ۸۴)

حال :۔ حضرت والا سے چند دن قبل خط روانہ کر کے جواب حاصل کیا تھا درمیان میں کچھ تاخیر ہوگئی اس سبب سے شرمندگی سے تاخیر ہوتی چلی گئی جس کے سبب سے پریشانی ہے یہ فقط میری کم فہمی اور بے توجہی ہے کہ بار بار اس قسم سے تاخیر ہو جاتی ہے نفس و شیطان کے پوشیدہ مکروں میں پھنس کر خط روانہ کرنے میں تاخیر ہوگئی رات دن دل یہی چاہتا ہے کہ حضرت والا سے تعلق کا سلسلہ بلاناغہ رکھا جائے لیکن درمیان میں کچھ تاخیر ہو جانے سے ایک قسم کی ہیبت اور شرمندگی ہو کر ناغہ ہو جاتے ہیں یہ فقط میری کم فہمی ہے اس سبب سے بہت پریشان ہوں کیوں کہ جس وقت حضرت سے خط کا سلسلہ رہتا ہے دل کو ہر طرح کا سکون چین و اطمینان رہتا ہے لیکن نفس کے اندر قسم قسم کے امراض پیدا ہونے سے بے اختیار ناغے ہو جاتے ہیں باوجودیکہ دل میں حضرت والا کے ساتھ محبت و عقیدت ہر آن موجود ہے حضرت والا کے مضامین اور مبارک کتابیں ہر وقت مطالعہ کرتا ہوں۔ تحقیق :۔ الحمد للہ

حال :۔ اور حضرت والا سے ملنے کا شوق دل میں رہتا ہے۔ تحقیق :۔ الحمد للہ

حال :۔ لیکن میری بدبختی سے دل کی حالت ناگفتہ بہ ہوگئی ہے۔ حضرت استاذ المحترم مدظلہ

فرماتے تھے کہ بہت سے لوگ حضرت تھانویؒ کو ان کے زمانے میں قطب الوقت حکیم الامت کہتے تھے لیکن حضرتؒ سے کچھ حاصل نہیں کئے۔ بس قطب الوقت کہتے کہتے زندگی ختم کر دیئے اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ **تحقیق:۔** بالکل صحیح ہے۔

حال:۔ واقعی میرے اندر یہ لاپرواہی ہے جس کے سبب سے بہت پریشان ہوں کہ خط و کتابت میں مداومت نہیں رہتی۔ **تحقیق:۔** تعلق کم ہے۔

حال:۔ نفاق و کبر عجب دل میں زیادہ ہو جانے سے احساس اڑ گیا ہے جس طریقے سے اہل اللہ کے ساتھ تعلق رکھنا ہے اس قسم سے نہیں ہو رہا ہے جس کے سبب سے بہت شرمندہ اور پریشان ہوں۔

حضرت والا! یہ ناکارہ بہت ہی دردمندانہ درخواست کرتا ہے کہ مجھ پر حضرت والا کرم اور توجہ فرمادیں۔ **تحقیق:۔** آپ توجہ فرمایئے۔

حال:۔ اور حضرت والا میری حالت کی تبدیلی کے لئے دعا فرمادیں۔ **تحقیق:۔** دعا کرتا ہوں۔

حال:۔ میں بھی پوری کوشش کرتا ہوں کہ حضرت والا کی توجہ اور دعا کے بغیر میری حالت کی اصلاح ناممکن ہے حضرت والا سے نہایت عاجزانہ درخواست ہے کہ مجھ پر نظر کرم فرمادیں۔

اہل اللہ کو ماں باپ سے بڑھ کر محبت ہے اسی محبت کے واسطے سے حضرت سے التماس ہے کہ مجھ نالائق کی حالت پر رحم فرما کر توجہ فرمائیں۔

اہل اللہ سے تعلق رکھنے کے بعد پھر پیچھے ہٹ جانا ادبار ہے اسی سبب سے دل میں ایک قسم کی وحشت رہتی ہے۔ حضرت والا بار بار اس قسم کے وعدے کرتے کرتے بہت نادم ہوں لیکن حضرت والا کی کرم پر امید رکھتے ہوئے صد بار اگر توبہ شکستی باز آ پر عمل کرتے ہوئے حضرت والا کے ساتھ پوری امید لئے ہوئے لکھ رہا ہوں امید ہے کہ حضرت والا ذرہ نوازی فرمائیں گے۔ **تحقیق:۔** میں نے لکھ دیا۔

حال:۔ حضرت والا! واقعی میں بہت نالائق ہوں کہ حضرت والا جیسی شخصیت اور شیخ وقت کی قدر کو صحیح طریقے سے نہیں پہچانا دنیا کے تعلقات اور فتنوں میں مبتلا ہو کر

اہل اللہ سے علاقہ ٹھیک نہیں۔ برسوں گذر گئے لیکن اپنی حالت پر افسوس کرتا ہوں اب سوائے حضرت والا کی دستگیری کے میرے لئے کوئی چارہ کار نہیں۔ اب پورے طریقہ سے دل سے سمجھ میں آگیا کہ اہل اللہ کے ساتھ جب تک کامل تعلق نہ ہو ہمارے دین اور دنیا دونوں سنور نہیں سکتے اس کے بغیر پڑھنا پڑھانا سب ایک نفسانی کھیل بن جائے گا۔ **تحقیق:** اور کیا۔

حال: اب حضرت والا سے ہمہ تن متوجہ ہو کر نادم ہو کر آیا ہوں میرے حق میں توجہ اور دعا فرمادیں۔ **تحقیق:** دعا کرتا ہوں۔

(مکتوب نمبر ۸۴۱)

حال: حضرت کے گرامی نامہ سے بڑی تسکین ہوگئی تھی۔ حالات سابق بدستور ہیں ادھر کوئی نئی بات نہیں ہوئی ہے۔ دعا فرمائیں کہ مجھ کمزور کو اللہ تعالیٰ آزمائشوں سے محفوظ رکھے اور ایمان کی سلامتی کے ساتھ اس دنیا سے اٹھائے۔ ہر وقت اپنے بارے میں زیغ کا خطرہ لگا رہتا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ حضرت کی دعا و صحبت کی برکت سے اس ناگواری اور اختلاف کے زمانے میں اپنی دانست میں کوئی بات خلاف شریعت نہیں ہوئی اور نہ کسی کی طرف سے دل میں کوئی کدورت ہے۔ جب کسی بات سے بہت زیادہ تکلیف ہوتی ہے تو خدائے تعالیٰ سے ان الفاظ میں دعا کرتا ہوں اَللّٰھُمَّ اَشْکُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْ اِلَیْکَ۔ یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ بِرَحْمَتِکَ اَسْتَغِیْثُ۔ البتہ اب پہلے سے زیادہ چوکنا رہنے کی کوشش کرتا ہوں تاکہ کوئی موقع شکایت کا نہ ملے۔ مجھے یہ ڈر بھی ہر وقت لگا رہتا ہے کہ میرے کس طرز عمل کی وجہ سے حضرت کو کوئی کچھ نہ کہے خدا تعالیٰ تمام شرور سے محفوظ رکھے۔

مجھے سب سے بڑا قلق اس کا رہا کرتا ہے کہ میں تین سال سے حضرت سے ارادت کا تعلق رکھتا ہوں۔ مگر شدید خواہش کے باوجود اب تک اس کا موقع نہ مل سکا کہ کچھ دن بالکل یکسو ہو کر حضرت کی خدمت گرامی میں رہوں اور کسب فیض

کروں معلوم نہیں کس وقت موت آجائے اور میں محروم چلا جاؤں۔ حضرت کا خط آجاتا ہے تو قدرے تسکین ہو جاتی ہے مگر تکلیف کے خیال سے زیادہ خط لکھنے میں رکاوٹ ہوتی ہے۔

میں حضرت کو اطلاع نہیں دے سکا کہ میں رمضان المبارک میں کافی بیمار ہو گیا تھا اٹھارہ روزے قضا ہو گئے تھے اور تمام معمولات چھوٹ گئے زندگی میں یہ دوسری بار روزے قضا ہوئے ہیں ابھی اس بیماری سے پورے طور پر صحت یاب نہیں ہو سکا تھا کہ پھر بخار کا حملہ ہو گیا۔ جس کی وجہ سے کافی ضعف ہو گیا ہے۔ حضرت سے درخواست ہے کہ میری صحت کیلئے دعا فرمئیں۔ دوسری آزمائشوں کے ساتھ اس آزمائش نے دل و دماغ کو بالکل منتشر کر دیا ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ مدرسہ بخیر و خوبی چل رہا ہے۔ ادھر کچھ دنوں سے تبتل کا طبیعت پر غلبہ ہوتا جا رہا ہے کسی سے ملنے کو کم جی چاہتا ہے۔

تحقیق:۔ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ حالات بدستور ہیں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اللہ تعالیٰ آزمائشوں سے محفوظ رکھے۔ اور ایمان کے ساتھ دنیا سے اٹھائے۔ خطرہ مومن کو برابر لگا رہتا ہے۔ یہ آپ نے خوب لکھا کہ میرے طرز عمل سے تم کو کوئی کچھ نہ کہے۔ کیا لوگ آپ کی وجہ سے مجھے کہنے لگے ہیں! آپ نے قلق کا اظہار فرمایا ہے کہ شدید خواہش کے باوجود اس کا موقع نہ مل سکا کہ کچھ دن یکسو ہو کر خدمت میں رہوں۔ یکسوئی کا انتظار بیکار ہے کام آنے پر موقوف نہیں آپ کا حال اچھا ہے طلب ہے اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کو محروم نہیں رکھتے صحت کیلئے دعا کرتا ہوں۔ مدرسہ کے ترقی کے لئے دعا کرتا ہوں۔ اخیر میں جو لکھا ہے کہ کسی سے ملنے کو جی نہیں چاہتا یہ مبارک حال ہے اللہ تعالیٰ اور حالات عطا فرمائے۔ والسلام

(مکتوب نمبر ۴۲۸)

حال:۔ کام بفضلہ تعالیٰ کئے جا رہا ہوں۔ تحقیق الحمدللہ۔

حال:۔ بہت کوشش کرتا ہوں کہ کسی وقت بھی غفلت نہ طاری ہونے پائے۔ تحقیق: یہ کافی ہے۔
حال:۔ مگر اس میں حسب منشاء کامیابی نہیں ہوتی۔ جس کے باعث قدرے الجھن میں پھنس جاتا ہوں کہ یہ غفلت تو موت کے مترادف ہے۔ تحقیق: اس کی کیا ضرورت ہے۔ استغفار کافی ہے الجھن سے مقصود میں خلل ہوتا ہے۔
حال:۔ بلکہ حضرت نے تو ملا علی قاری کے حوالہ سے فرمایا اور دکھایا تھا۔ بَلْ یَعُدُّ الْعَارِفُوْنَ الْغَفْلَۃَ مِنْ اَنْوَاعِ الرِّدَّۃِ وَلَوْ خَطْرَۃً عَلٰی سَبِیْلِ الْمُبَالَغَۃِ کَمَا قَالَ ”بلکہ اہل معرفت بطور مبالغہ غفلت کو ارتداد کی ایک قسم سمجھتے ہیں۔ اگرچہ بطور خطرہ اور خیال ہی کے ہو۔
وَلَوْ خَطَرَتْ لِیْ فِیْ سِوَاکَ اِرَادَۃٌ ★ عَلٰی خَاطِرِیْ سَھْوًا حَکَمْتُ بِرِدَّتِیْ (مرقاۃ ج ۱۳)
تحقیق:۔ یہ صحیح ہے۔ در نیابد حال پختہ ہیچ خام۔ پس سخن کوتاہ باید والسلام۔
حال:۔ اب رہا کہ نفس غفلت کلی مشکک کے درجہ میں ہے نیز امور اضافیہ میں سے ہے۔ اس کے افراد کثیر بلکہ غیر محصور ہیں اور اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی امر کسی کے لئے تو غفلت ہو اور دوسرے کے لئے نہ ہو۔ تحقیق:۔ ہاں ہاں یہ امور باعث تشویش ہوتے ہیں۔
حال:۔ لہٰذا گزارش ہے کہ غفلت کی ایسی جامع اور مانع حد بیان فرما دی جائے۔
تحقیق:۔ لکھ دیا اوپر کے شعر میں غور فرمایئے۔
حال:۔ جس سے ہم جیسے کم علم اور ضعیف کیلئے باعث رشد و ہدایت و موجب احتیاط ہو۔ اپنی حالت یہ ہے کہ دنیا اور اس کی ہر شئی میں ہر دم فنائیت نظر آتی رہتی ہے اور اس کے حسن خرفات سے قلب کو ایک دم کھینچ لیا گیا ہے بلکہ جس قدر جاذب قلب و نظر چیز سامنے آتی ہے اسی قدر اس سے نفرت اور فرار کی طرف طبیعت مائل ہونے لگتی ہے۔ تحقیق: الحمد للہ۔
حال:۔ اور طبیعت کا اقتضاء یہ ہوتا ہے کہ ہر وقت انابت الی اللہ اور اشتغال باللہ رہے۔ تحقیق:۔ خیر الحمد للہ۔

حال :۔ اس میں جب کچھ بھی خلل ہونے لگتا ہے بس طبیعت بے چین ہو جاتی ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راستہ سے ہٹ گیا ہے اس کیلئے احتیاط کی ترکیب بتلادیں۔

تحقیق :۔ در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست بر صراط مستقیم اے دل کسے گمراہ نیست۔

"راہ طریقت میں جو کچھ بھی سالک کو پیش آتا ہے اس میں اس کے لئے خیر ہی خیر ہے اے دل صراط مستقیم پر قائم رہتے ہوئے کوئی گمراہ نہیں ہوتا"

حال :۔ کہ ان امور سے وقایہ رہے۔ اور انشراح کے ساتھ کام میں لگا رہے۔

تحقیق :۔ لکھدیا اور اس شعر بالا کا ر کھئے۔

(مکتوب نمبر ۸۴۳)

حال :۔ حضرت! نفس نے مجھے یہ پٹی پڑھادیا تھا کہ تم کچھ ہوگئے ہو۔ مگر آنجناب کی دل پسند باتوں سے اپنے خیال پر بہت ندامت ہوئی۔ تحقیق۔ الحمدللہ۔

حال :۔ اپنے خیالات پر بہت ندامت ہوئی۔ تحقیق۔ الحمدللہ۔

حال :۔ اور یہ سفر نہایت ہی کامیاب رہا۔ تحقیق۔ الحمدللہ

حال :۔ جو بات سالہا سال ریاضت سے نصیب نہ ہوئی۔ آنجناب کی چند دنوں کی صحبت میں نصیب ہوئی۔ تحقیق۔ الحمدللہ۔

حال :۔ اب مزاج میں عاجزی و انکساری ہے۔ الحمدللہ۔

حال :۔ رفتہ رفتہ طبیعت میں بہت تبدیلی ہوتی جارہی ہے۔ تحقیق۔ الحمدللہ۔

حال :۔ عقل و شعور میں بھی اضافہ معلوم ہوتا ہے۔ تحقیق۔ الحمدللہ۔

حال :۔ عقل و فہم کے لئے دعاء فرمائیے۔ دین و دنیا کی بھلائی اس پر موقوف ہے۔ تحقیق۔ دعاء کرتا ہوں۔

حامل مضامین تصوف وعرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مُدیر:- احمد مکین

شمارہ ۲-۳ شعبان، رمضان ۱۴۱۵ھ مطابق فروری، مارچ ۱۹۹۵ء جلد ۱۸

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ سالانہ زر تعاون ساٹھ روپیہ ششماہی پینتیس روپیہ

سالانہ بدلِ اشتراک : پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۵/۲۳- بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳

فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر- پبلشر:- صغیر حسن۔ :- اسرار کریمی پریس- جانسین گنج الہ آباد

ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ: عارف باللہ حضرت اقدس مصلح الامۃ علیہ الرحمۃ کے ایک وعظ کا قدرے خلاصہ پیش خدمت ہے ارشاد فرماتے ہیں: بخاری شریف میں سب سے پہلی حدیث جو امام بخاری نے بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِیٍٔ مَّا نَوٰی فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُھَا اَوْ اِلٰی امْرَأَۃٍ یَنْکِحُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ یعنی اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر انسان کے لئے وہی چیز ہے جسکی وہ نیت کرے پس جس کی نیت دنیا حاصل کرنے کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہے تو اسکی ہجرت اسی کے لئے ہے جس کے لئے اس نے ہجرت کی ہے۔ یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں بھی ہے لیکن وہاں کچھ الفاظ زائد ہیں اِنَّمَا لِکُلِّ امْرِیٍٔ مَّا نَوٰی کے بعد آئیں یہ ہے کہ فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اس میں یہ جز زائد ہے کہ "جسکی ہجرت اللہ اور رسول کے لئے تو اسکی ہجرت اللہ ورسول کے لئے ہے" یعنی جس کی نیت اور قصد اپنی ہجرت سے اللہ ورسول کی رضا ہے تو اسکی ہجرت صحیح اور مقبول ہے اور صحیح معنوں میں یہی شخص مہاجر الی اللہ ہے اور اپنی ہجرت میں مخلص ہے۔

مشکوٰۃ کے الفاظ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں پوری بات بیان کی گئی ہے۔ پہلے یہ فرمایا کہ "اعمال کا دارومدار نیت پر ہے" جیسی نیت ویسی برکت، جو شخص جیسی نیت کرے گا ویسا ہی پھل پائے گا، اسی کو آگے بیان فرمادیا کہ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِیٍٔ مَّا نَوٰی پھر آگے اس اجمال کی تفصیل فرمائی کہ جس کی نیت اپنی ہجرت سے خیر کی ہوگی تو اسکی ہجرت مقبول اور درست ہوگی اور وہ شخص مخلص سمجھا جائے گا برخلاف اسکے جس کی نیت اپنی ہجرت سے کسی دنیوی غرض کی تحصیل ہوگی یا کسی عورت سے نکاح وغیرہ مقصود ہوگا تو اسکی ہجرت انہی اغراض کی خاطر سمجھی جائے گی اور اللہ ورسول سے اسے کچھ تعلق نہ ہوگا۔

حضرت امام بخاریؒ نے حدیث کا پہلا جملہ فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ الخ حذف کردیا بعض علماء نے اسکی یہ تاویل کی کہ امام صاحبؒ سے

سہو ہوگیا، حضرت مصلح الامۃؒ فرماتے ہیں :۔

" امام بخاریؒ بھولے نہیں ہیں کتنے بھولے ہوؤں کو تو انھوں نے راستہ بتایا ہے اور خود ہی بھول جائیں گے وہ بھی کتاب شروع کرتے پہلی ہی حدیث میں ؟ یہ نہیں ہوا بلکہ انھوں نے اپنے نفس کو مخاطب کرکے اخلاص فی النیۃ کی جانب متوجہ کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جمع کرنے کا مسئلہ ایک عظیم الشان مسئلہ ہے اسمیں بھی نیت درست کرنے کی سخت ضرورت ہے ۔ میری نیت اس فعل سے اللہ ورسول کی رضا ہے اسکا دعویٰ آسان نہیں ہے، جس چیز سے اظہار ہوتا تھا اسکو حذف کردیا اور تنبیہ نفس کے لئے غیر اخلاص والی شق بیان کی تاکہ یہی سامنے رہے اور اپنے کو بچانے کی فکر رہے "

" میں کہتا ہوں امام بخاریؒ نے طلبۂ علم پر یہ احسان عظیم فرمایا کہ ابتدا ہی میں تصحیح نیت پر انکو تنبیہ فرمادی اور یہ بتادیا کہ آدمی کو دعویٰ اور اپنا تزکیہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ نفس کی جانب سے ہروقت ڈرتے رہنا چاہئے اور اسکو متہم ہی سمجھنا چاہئے یہی راہ اعتدال ہے " (معرفت حق شعبان ۱۳۹۶ھ)

رمضان کا مہینہ ایک مبارک مہینہ ہے، طاعت وعبادت کے لئے نہایت سازگار ہے اسکا صلہ اور جزا بے شمار ہے اللہ رب العزت کا یہ فضل عظیم ہے کہ اس مبارک مہینہ میں ایک ایسی عبادت مقرر فرمادی کہ انسان معاشی، فطری اور تعلیمی حاجتوں کو پورا کرتے ہوئے بھی عبادت میں مشغول رہتا ہے نہ کسی جگہ کی شرط ہے نہ قبلہ کی ضرورت ۔ نہ قرأت کی قید، نہ خموشی لازم ، نہ تجارت ممنوع ، نہ سفر پر پابندی، نہ آمدورفت پر بندش ۔ نہ قیام و قعدہ لازمی ، نہ سونا ضروری نہ جاگنا لازم، تیس ساٹھ دنوں میں صرف تیس دن اور ان دنوں میں صرف چند گھنٹے شریعت کے مطابق کھانا پینا ترک کردیا خواہشات پر قابو پالیا اس پر یہ انعام یہ نوازشیں ۔ یہ صلہ اور یہ عنایتیں اکرم الاکرمین

الملین خود وعدہ فرماتے ہیں کہ اس عبادت کا صلہ میں خود دونگا اسکو انعام سے میں نوازونگا، سچ ہے
ت حق بہا' می جوید بہانہ می جوید"
ق اپنے خدا پہ جاؤں یہ پیار آتا ہے مجھکو انکا ادہر سے ایسے گناہ پیہم، اُدہر سے یہ دمبدم عنایت
ن کا فرض ہے کہ جس عبادت کی اتنی اہمیت ہے کہ جسکا صلہ حضرت حق جل مجدہٗ خود عنایت فرمائیں گے
حقوق کما حقہٗ ادا کرنے کی کوشش کرے اسکو ظاہر و باطن ہر طرح کی برائیوں کی آلودگی سے بچائے
مومن کذب، نیمہ اور غیبت جو روزے کی خوبیوں پر اثر انداز ہوتے ہیں ان سے بالالتزام احتراز کرے۔ اس
ر کو سنت کے مطابق ظاہری و باطنی خوبیوں سے آراستہ کرے نیز اس ماہ میں دیگر عبادتوں کو بھی
ص اور حسن نیت سے آراستہ و پیراستہ رکھے، صدقات کی کثرت، نوافل کی زیادتی، عبادتوں کا اہتمام
روزوں کے التزام کو عُجب و ریا سے محفوظ رکھے۔ حضرت مصلح الامۃ قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں" انسان کو
ان اور مومن کو اخلاص سے جو چیز روکنے والی ہے وہ اسکا نفس ہے، چنانچہ ریاکار مخلص نہیں ہوتا
ر کا مقصود اپنی ریا سے شہرت اور نام آوری ہوتی ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کو
اخلاص کی برکت سے یہ سب امور کہیں زیادہ عطا فرماتے ہیں۔" ــــــ اللہ رب العزت
اص اور حسن کے ساتھ عبادتوں کی توفیق عطا فرمائے، عجب، ریا اور شہرت کے جذبوں سے محفوظ رکھے۔

ماہ شعبان مدارس اسلامیہ کے تعلیمی مشاغل اور مصروفیت کے اختتام کا ہوتا ہے اور تمام
یمی و تدریسی سرگرمیاں رمضان المبارک میں موقوف رہتی ہیں۔ ادارہ کا معمول رہا ہے کہ اس تعلیمی سال
لے اختتام پر ناظرین رسالہ اور حضرت مصلح الامۃ قدس سرہٗ کی خانقاہ و مدرسہ سے تعلق خاطر رکھنے والوں کو
کے احوال و کوائف سے مطلع کرتا ہے۔ جہاں تک رسالہ وصیۃ العرفان کا تعلق ہے عیاں را چہ بیاں
بماہ آپکی خدمت میں پہنچتا رہا ہے اسکی افادیت اور نفع رسانی پر احباب کرام کے خطوط موصول ہوتے
ہے جس سے کارکنان ادارہ کے حوصلے بلند، دلچسپی و دلجمعی فزوں تر ہوتی گئی۔ رسالہ کی توسیع اشاعت
بعض احباب نے خصوصی دلچسپی لی جن میں خصوصیت سے قابل ذکر محترم جناب قاری الیاس صاحب دہلوی
بگڈھ، جناب بھائی امیر الدین صاحب گورکھپور ہیں۔ انہوں نے اپنی جد و جہد اور خلوص سے کم وقتوں میں
پر تعداد میں خریداران رسالہ کا اضافہ کرایا۔ اللہ تبارک تعالیٰ انکی مساعی جمیلہ کو ثواب اخروی کا سبب

بنائے اور انکے عمل کو دوسروں کیلئے تقلید کا نمونہ بنائے (آمین)

باوجود روز افزوں گرانی کے رسالہ اپنی سابقہ قیمت پر برقرار رکھا گیا ہے ادارہ نے فیصلہ کیا ہے کہ جہاں تک تحمل ہو سکے یہ بوجھ ادارہ خود ہی برداشت کرے احباب کو شریک غم نہ کرے دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ ہمارے ناتواں بازوؤں میں اتنی قوت عطا فرمائیں کہ ہم اس فیصلہ پر قائم رہیں، تاہم ان احباب سے گذارش ہے کہ جنہوں نے ابھی تک اپنا زر تعاون ارسال نہیں کیا ہے وہ اولین فرصت میں بقایا رقم ارسال فرما کر ادارہ کا تعاون فرمائیں اور اپنے فریضہ سے بھی سبکدوش ہوں۔

خانقاہ: حضرت اقدس قبلہ محترم جناب قاری صاحب مدظلہ العالی کا قیام بمبئی سے مراجعت کے بعد الٰہ آباد ہی میں رہا گاہ بگاہ کوپا، مئو، گورکھپور، لکھنؤ کے مختصر اسفار ہوئے، الٰہ آباد میں اقامت پذیر ہونے کی بنا پر واردین و صادرین کی آمد رہی، الحمد للہ مجموعی اعتبار سے صحت اچھی ہے ویسے پیروں میں تکلیف بتدریج تخفیف کے ساتھ موجود ہے قارئین گرامی سے مزید صحت و عافیت کے لیے درخواست دعا ہے۔

مدرسہ: خدا کا شکر ہے کہ تعلیمی سرگرمیاں بحسن و خوبی اختتام پذیر ہوئیں، صوبۂ یو۔ پی بالخصوص الٰہ آباد میں حالات سازگار ہونے کی بنا پر سلسلۂ تدریس بغیر کسی رخنہ کے جاری رہا حفظ و قرأت اور مکتب سے لیکر عربی ہفتم تک کی جماعتیں مشغول تعلیم رہی ہیں۔

تعمیرات: گذشتہ سالوں میں بعض جدید تعمیریں ہوئی تھیں پایۂ تکمیل تک پہنچنے سے قبل ہی تعمیرات کا سلسلہ موقوف ہو گیا تھا اب بحمد اللہ یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہوا ہے اب وہ عمارتیں تکمیل کے مرحلے تک پہنچ رہی ہیں آئندہ سال مسجد کے مقابل ایک زمین کی خرید کا ذکر کیا تھا بحمد اللہ وہ زمین مدرسہ نے حاصل کر لی اب اسمیں طلبہ و اساتذہ کی رہائش اور درسگاہ کی تعمیر کا منصوبہ ہے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب مدظلہ کے ارادوں اور منصوبوں کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں، بآسانی و بسہولت تمام یہ مقاصد خیر انجام پذیر ہوں۔

مسجد: مدرسہ وصیۃ العلوم سے متصل مسجد جو حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمۃ کے نام سے شہر میں متعارف ہے مخصوص اور نمایاں خصوصیات کی وجہ سے ممتاز ہے۔ اطراف و جوانب کے علاوہ دور دراز کے لوگ اس مسجد میں جماعت کی شرکت کو باعث سعادت و مسرت گمان کرتے ہیں۔ یہاں نماز ادا کرنے والوں کو جو سکون و طمانینت کا احساس ہوتا ہے اسکا تعلق صرف محسوسات سے ہے بیان سے باہر ہے اس بنا پر جمعہ و عیدین میں مصلیوں کی کثرت کی بنا پر جگہ میں قلت ہو جاتی ہے لوگوں کو سڑک

(بقیہ ص ۹۹ پر)

غناءِ قلبی کا سبب

مشکوٰۃ شریف باب الریاء والسمعہ کی فصل ثانی میں یہ روایت ہے :-

ن انسؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
ل من کانت نیتہ طلب الآخرۃ
عل اللہ غناہ فی قلبہ وجمع لہ
لہ واتتہ الدنیا وھی راغمۃ۔
ن کانت نیتہ طلب الدنیا جعل
نہ فقرہ بین عینیہ وشتت علیہ
رہ ولا یاتیہ منہا الا ما کتب لہٗ
رواہ الترمذی ورواہ احمد
لدارمی عن ابان عن زید
ن ثابت۔

(مشکوٰۃ شریف صـ۴۴۰ جـ۲)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کی نیت (اپنے علم و عمل میں) طلب آخرت کی ہو تو اللہ تعالیٰ اسکے قلب میں غناء عطا فرما دیتے ہیں اور اسکے پراگندہ امور کو جمع فرما دیتے ہیں اور دنیا اسکے پاس ناک رگڑتی ہوئی آتی ہے۔ اور جسکی نیت (اپنے علم و عمل سے) دنیا طلبی کی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے فقر کو اسکی آنکھوں کے سامنے کر دیتے ہیں اور اسکے تمام امور کو منتشر اور پارہ پارہ فرما دیتے ہیں اور دنیا تو اسی قدر ملتی ہے جتنی مقدر ہوتی ہے۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے نیز احمدؒ و دارمی نے ابان کے واسطے سے حضرت زید بن ثابت سے بھی روایت کیا ہے۔

فـ: اسی مضمون کو صاحب مرقاتؒ نے ان لفظوں میں بیان کیا ہے اور اس میں شک نہیں کہ خوب ادا کیا ہے فرماتے ہیں کہ ان صاحب ھذہ الحالۃ مستریح النفس ساکن البال مجتمع الشمل فارغ القلب من تعب الدنیا متوحد الوجہۃ فھو بذالک طیب العیش یعنی بلا شبہ جو اس صفت کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے اسے نفس کی راحت، دل کا سکون اور دل جمعی، فارغ البالی، دنیا کی مشقتوں سے نجات حاصل ہو جاتی ہے اور وہ یکسو ہو جاتا ہے اور اسکا ایک ہی مقصد ہوتا ہے اور اسکی توجہ کا مرکز ذات واحد ہوتی ہے یعنی خدائے تعالیٰ اور اسی وجہ سے اسکی زندگی خوشگوار ہو جاتی ہے۔

سبحان اللہ کیا مضمون ہے۔ دنیا کو کونے میں بھر دیا ہے۔ نیت طلب آخرت پر کیسی ترغیب۔ اور اس پر دنیاوی فوائد کیسے مرتب فرمائے ہیں۔ غنائے قلب اور دلجمعی اور دنیا کا ذلیل بنکر آنا۔ ان امور بڑھکر دنیا کی کیا چیزیں ہوسکتی ہیں۔ پھر طالب آخرت کیا خسارہ میں ہے؟ اور طالب دنیا کے لئے جسکی نیت طلب دنیا کی ہے فقر اس کی آنکھوں کے سامنے اور امور میں غیر دلجمعی اور دنیا جو مقسوم میں ہوتی ہے اتنی ملتی ہے۔ یہ امور مزید بر آں ہیں۔

اسی طرح ابن ماجہ کی حدیث میں بھی یہی مضمون ہے چنانچہ باب الھم بالدنیا میں یہ حدیث لائے:

قال عبد اللہ من جعل الھموم ھما واحداً ھم المعاد کفاہ اللہ ھم دنیاہ ومن تشعبت بہ الھموم احوال الدنیا لم یبال اللہ فی ای اودیتہ ھلک۔

حضرت عبد اللہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اپنے سارے ہموم کو ایک ہم اور وہ غم آخرت ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے دنیا کے تفکرات کی کفایت فرماتے ہیں اور جس شخص کے خیالات دنیا ہی کے حالات میں منتشر رہے تو اللہ تعالیٰ کو کچھ پرواہ نہیں کہ اپنے وادیوں میں سے کسی وادی میں ہلاک ہوا۔

عن ابی ھریرۃ قال یقول اللہ سبحانہ یا ابن آدم تفرغ لعبادتی املأ صدرک غنا واسد فقرک وان لم تفعل ملأت صدرک شغلاً ولم اسد فقرک۔

اور حضرت ابوہریرہ سے حدیث قدسی میں مروی ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ابن آدم تو میری عبادت کیلئے فارغ ہوجا میں تیرے سینے کو غنا سے بھر دوں گا اور تیرے فقر کا (دروازہ) بند کردونگا اور اگر تونے ایسا نہ کیا تو میں تیرے سینے کو مشاغل اور تفکرات سے بھر دونگا اور تیرے فقر کے دروازے کو بھی بند نہ کروں گا۔

(ابن ماجہ ص ۳۱۲)

سبحان اللہ کیا عمدہ مضمون ہے کہ جو شخص صرف آخرت کا غم اپنے اوپر سوار کرے تو اللہ تعالیٰ تمام ہموم وغموم کی کفایت فرماتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے اپنے کو فارغ کرلیتا ہے اسکے سینے کو غنا سے بھر دیتے ہیں اور فقر کے دروازوں کو بند فرما دیتے ہیں۔ یہ کیا کچھ کم ہے؟

یہ حدیث شریف ہمارے مضمون میں صریح تھی اس لئے ہم نے اسکو اختیار کیا ورنہ حضرت جعفر صادق سے آیۃ مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً کی تفسیر اسی طرح آرہی ہے۔

قال تعالیٰ من عمل صالحاً من ذکر او انثیٰ وھو مومن فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ و روی عن جعفر الصادقؒ انہ قال

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص کوئی نیک کام کریگا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحب ایمان ہو تو ہم اس شخص کو بالطف زندگی دینگے۔ جعفر صادق سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ حیات طیبہ نام ہے معرفت

حیوۃ طیبۃ ھی المعرفۃ باللہ و
صدق المقام مع اللہ وصدق الوقوف
مراد اللہ وقال ابن عطا العیش مع اللہ
والاعراض عن ما سوی اللہ۔
(الموافقات صـــ ج ۱)

کا دیں کہتا ہوں کہ حضرت کی مراد اس سے صرف معرفت ہی نہیں ہے بلکہ محبت قرب اور انس باللہ سب ہمیں داخل ہے اور یہ مجموعہ معرفت باللہ ہے) اور نام ہے صدق مقام مع اللہ اور صدق وقوف علی امر اللہ کا۔ (ظاہر ہے کہ یہ حیات حقیقیہ طیبہ ہے ع ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما) اور حضرت ابن عطا فرماتے ہیں کہ حیات طیبہ نام ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ زندگی گذارنے اور اس کے ماسوا سے اعراض کرنے کا۔

حیات طیبہ کی جو تفسیر ابن عطا نے فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ بے شک یہ مقام مومن مخلص ہی کو مل سکتا ہے روح اس کا اصل سبب ہے۔ رہا منافق تو وہ اس مقام سے قطعی محروم رہتا ہے اسلئے کہ اس کے پیش نظر اوامر کا صرف ظاہر ہی ہوتا ہے اور وہ انھیں محض اپنی گلو خلاصی اور دفع الوقتی کے لئے اختیار کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی کام کو ان اغراض کے لئے کرنا اور تَعَبُّدً لِلّٰہِ اور وُقُوْفٌ عَلٰی قَدَمِ الْخِدْمَتِ کے طور پر کرنا ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ بلکہ تضاد ہے (اس لئے کہ ایک تو خدا کا اعلیٰ درجہ کا ولی ہے اور دوسرا نار کے درک اسفل میں ہے) علامہ شاطبی نے موافقات میں ایک مقام پر اس کو بہت ہی عمدہ بیان کیا ہے چنانچہ آیۃ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَھُمْ (اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار اگر توبہ کرلیں اور اقامت صلوٰۃ اور زکوٰۃ دینا اختیار کرلیں تو ان کا سبیل چھوڑ دیں) کے تحت صاحب موافقات فرماتے ہیں کہ منافق نے محض ظاہر امر کو سمجھا کہ جس میں (راستہ) ایمان داخل ہوئے ہیں اس میں دخول موجب تخلیہ سبیل ہے اسلئے دنیاوی منافع کے پالینے کے لئے عمل کیا اسلام کا اظہار کیا اور ان اعمال کے جو حقیقی مقاصد تھے انھیں سمجھا ہی نہیں۔ اور وہ مقاصد وہی ہیں جن کو قرآن نے بیان فرمایا ہے یعنی تَعَبُّدً لِلّٰہِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبودیت کے لئے کوئی کام کرنا۔ اور وُقُوْفٌ عَلٰی قَدَمِ الْخِدْمَۃِ یعنی اعمال کو مالک حقیقی کی خدمت اور اس کا حق جان کر اس پر جما رہنا۔

(موافقات صـ ۳۸۹ ج ۲)

مقامات سنیہ مثلاً توکل، تفویض، صبر اور شکر وغیرہ یہ سب اخلاص سے ملتے ہیں۔ اور اخلاص صرف نظر عن المسبب و قصر نظر علی السبب سے حاصل ہوتا ہے۔ یعنی یہ کہ عابد مثلاً اپنی نظر کو سبب اور عبادت ہی پر محدود رکھے اور مسبب سے نظر کو پھیرے رکھے۔ کہ وہ اس کے اختیار میں نہیں۔ وہ اس کا فاعل نہیں لہذا اسپر نظر رکھنا بیکار ہے بلکہ مضر ہے کیونکہ مسبب پر نظر کرے گا تو سبب کبھی نتیجہ بخش ہوتا ہے اور کبھی نہیں۔ جب نتیجہ مرتب ہوگا تب تو یہ خوش ہوگا اور جب مرتب نہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی تقسیم اور قضاء پر راضی نہ ہوگا اور سبب کو

[illegible]

بیکار سمجھ بیٹھے گا اور ملول ہو کر اور اکتا کر چھوڑ بیٹھے گا اور یہ اس مذمت میں مبتلا ہوگا۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللهَ عَلٰى حَرْفٍ اور جو لوگ عادت کے طور پر کرتے ہیں یا ریا کرتے ہیں وہ بھی قریب انہی کے ہیں۔ بخلاف مخلص کے کہ وہ عبودیت کے ماتحت عبادت کر رہا ہے۔ وہ ہر حال میں کریگا۔ اور بزرگان دین کے احوال سنیہ میں جو غور کریگا تو ان کو اسی کے ماتحت پائے گا۔ اور صاحب موافقات نے اس کی ایک عجیب کی مثال دی ہے کہ ایک شخص نے یہ حدیث سنی کہ مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا ظَهَرَتْ يَنَابِيْعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهٖ عَلٰى لِسَانِهٖ یعنی جو شخص خالص اللہ تعالیٰ کے لئے چالیس دن عبادت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب سے حکمت کے چشمے اس کی زبان پر جاری فرما دیتے ہیں۔ پس اس نے اخلاص کا (گمان) زعم کر کے عمل شروع کر دیا اور چالیس دن کے بعد جب یہ فتوح نہ پایا تو کسی سے سوال کیا۔ اس نے جواب دیا کہ تم نے اللہ کے لئے نہ کیا بلکہ حکمت کے لئے کیا اس لئے اخلاص فوت ہو گیا اور حرمان لازم حال رہا۔

(اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا کا ذکر فرمایا ہے مشائخ کے یہاں چلے کا جو معمول ہے یہی ارشاد اس کا ماخذ ہے اور یہیں سے اسکی مسنونیت ثابت ہوئی۔ ورنہ فتوح کے لئے چالیس یوم کی شرط نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کسی کو اس سے کم ہی میں بلکہ ایک ہی دن میں ہو جائے۔ یا اس سے زائد میں بھی نہ ہو۔ کیونکہ اصل مدار اخلاص پر ہے۔ اللہ تعالیٰ نیت ہی کو دیکھتے ہیں جسکو مخلص پاتے ہیں اس پر فتوح فرما دیتے ہیں)

اسی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ جب اللہ تعالیٰ کریم ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جو شخص ان کے عبودیت کی چوکھٹ کو لازم پکڑے اسکو ضائع فرما دیں! چنانچہ نص قرآنی ہے۔ اِنَّ اللهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۔

اور اس مثال کے بعد صاحب موافقات نے فرمایا ہے:—

وھذا واقع کثیرا فی ملاحظات المسببات فی الاسباب۔ وربما غطت ملاحظتھا وحالت بین المسبب وبین مراعات الاسباب وبذالک یصیر العابد مستکبرا لعبادتہ والعالم مغترا بعلمہ۔

اور یہ چیز یعنی اسباب اختیار کرنے کے وقت مسببات و نتائج کا لحاظ کرنا کثیر الوقوع ہے چنانچہ بسا اوقات مسبب کا ملاحظہ نتائج اور اس کے اسباب کی رعایت میں حائل ہو جاتا ہے یعنی جس طرح اسباب کو اختیار کرنا چاہیئے تھا اس میں اخلال ہو جاتا ہے اور اسی کی وجہ سے عابد اپنی عبادت میں تکبر کرتا ہے اور عالم اپنے علم کے غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

چنانچہ آپ کے سامنے عابد متکبر کی مثال بیان کرتا ہوں وہ یہ کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت فرماتے ہیں تو جبرئیل علیہ السلام کو بلا کر فرماتے ہیں کہ میں فلاں بندے

ے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو۔ تو جبرئیل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر آسمان میں منادی کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت فرماتے ہیں، تم لوگ بھی اس سے محبت کرو چنانچہ اہل آسمان بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر اس کے لئے قبول اہل ارض کے قلوب میں بھی اتار دیا جاتا ہے۔ پس تقرب بالنوافل چونکہ اللہ تعالیٰ اور اہل آسمان و اہل زمین کے محبت (محبوبیت) کرنے کا سبب بنتا ہے۔ اس لئے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ عابد کی توجہ نوافل کے اختیار کرنے میں اسی سبب کی جانب ہوتی ہے اور وہ اسکو جلد سے جلد حاصل کرنا چاہتا ہے لہذا اپنے ذمہ ایسی چیز کو بھی لازم کر لیتا ہے جو اس کے اختیار میں نہیں۔ پس سبب کو منافع و نتائج کی تحصیل کی خاطر اختیار کرتا ہے جو کہ خالص ریا ہے۔ وَكَفٰى بِذٰلِكَ فَسَادًا۔

صدق وخلوص۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:-

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِۨاطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِۨانْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ۔ (پ۱۷)

اور بعض آدمی اللہ کی عبادت (ایسے طور پر) کرتا ہے (جیسے کوئی کسی چیز کے) کنارہ پر (کھڑا ہو اور موقع پاکر چلدینے پر تیار ہو) پھر اگر اسکو کوئی نفع پہنچ گیا تو اسکی وجہ سے قرار پا لیا اور اگر اس پر کچھ آزمائش ہوگئی تو منہ اٹھا کر چلدیا دنیا وآخرت دونوں کو کھو بیٹھا یہی کھلا ہوا نقصان ہے۔

حسب تفسیر ظاہر مفسرین یہ مُذَبذَبین اور شاکّین کے بارے میں نازل ہوئی ہے بعض حالات میں جو ان کی غرض کے موافق اسلام میں ہوتے تھے اسلام پر باقی رہتے تھے اور ان کا اسلام پر باقی رہنا اسلام کی حقانیت کی وجہ سے نہ ہوتا تھا بلکہ اپنی اغراض کی تحصیل وحصول کی وجہ سے تھا۔ مثلاً عورت کے لڑکا پیدا ہوا مال زیادہ ہوگیا۔ گھوڑی نے بچھڑا جنا وعلیٰ ہذا القیاس۔ لہذا یہ بقا بھی خلوص کی بنا پر نہ تھا اسلئے یہ حالت بھی قابل انکار و مذمت تھی۔ اس خبث نیت و طویّت کی وجہ سے۔ اسی کا ذکر اِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِۨاطْمَاَنَّ بِهٖ میں ہے۔ خیر سے مراد خیر دنیوی ہے جسکی وہ خواہش رکھتا ہے۔ جیسا کہ روح المعانی میں ہے۔ وَالْمُرَادُ مِنَ الْخَيْرِ الْخَيْرُ الدُّنْيَوِيُّ كَالرَّخَاءِ وَالْعَافِيَةِ وَالْوَلَدِ۔ اور اطمینان سے مراد اپنی پہلی حالت پر ثابت قدم رہنا۔ جیسا کہ روح المعانی میں ہے اطْمَاَنَّ بِهٖ اَيْ ثَبَتَ عَلٰى مَا كَانَ عَلَيْهِ ظَاهِرًا لَا اَنَّهٗ اطْمَاَنَّ بِهٖ اطْمِيْنَانَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ لَا يَزَحْزِحُهُمْ عَاصِفٌ وَلَا يَثْنِيْهِمْ عَاطِفٌ یعنی مومنین کا اطمینان ایسا ہوتا ہے کہ ان کو کوئی تند و تیز ہوا نہیں ہلا سکتی اور کوئی موڑنے والی چیز ان کو نہیں موڑ سکتی۔ اسی اطمینان کی وجہ سے مومن کا نفس مطمئنہ کہلاتا ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْۤ اِلٰى

رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً اور یہی اطمینان کی دعا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں ہے۔
اللّٰهم انی اسئلك نفسا بك مطمئنة تؤمن بلقائك وترضى بقضائك وتقنع بعطائك اسی
اطمینان کو اہل اللہ یوں فرماتے ہیں ؎

پس از سی سال این معنی محقق شد بہ خاقانی — کہ یک دم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

(خاقانی پر تیس سال کے بعد یہ راز کھلا کہ ایک ساعت خدا کے ساتھ مشغول ہنا سلطنت سلیمانی سے کہیں بہتر ہے)

اور[1]
بفراغ دل زمانے نظرے بہ ماہ رُوئے — بہ ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہائے ہوئے

یہ اطمینان اخلاص کا ثمرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنین مخلصین کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ أُكُلُهَا دَائِمٌ وَظِلُّهَا تِلْكَ عُقْبَى الَّذِينَ اتَّقَوْا وَعُقْبَى الْكَافِرِينَ النَّارُ ۝

جس جنت کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس کے نیچے سے نہریں جاری ہونگی۔ اس کا پھل اور اس کا سایہ دائم رہے گا۔ یہ تو انجام ہوگا متقیوں کا۔ اور کافروں کا انجام دوزخ ہوگا۔

(پ ۱۳)

اور دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ۝ أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ۝

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اچھے کام کئے تو ہم ایسوں کا اجر ضائع نہ کرینگے۔ جو اچھی طرح کام کرے۔ ایسے لوگوں کے لئے ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں ان کے نیچے نہریں بہتی ہونگی ان کو وہاں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ اور سبز رنگ کے کپڑے باریک اور دبیز ریشم کے پہنیں گے۔ وہاں مسہریوں پر تکئے لگائے بیٹھے ہوں گے۔ کیا ہی اچھا صلہ ہے اور کیا ہی اچھی جگہ ہے۔

(پ ۱۵)

مقامات علیہ جنت وغیرہ دار آخرت میں ملتے ہیں اس کا سرور و حال دنیا ہی میں ملتا ہے۔
اور دوسری حالت فتنہ کی تھی جس کا ذکر اِنْ أَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ انْقَلَبَ عَلَىٰ وَجْهِهِ میں کیا گیا ہے اس میں تو صاف مرتد ہو جاتے تھے اور اسلام پر اعتراض کرتے تھے کہ اس میں خیر نہیں دیکھا اور خیر نہیں پہنچا اور یہ بُرا دین ہے جیسا کہ پہلی حالت میں کہتے تھے کہ اچھا دین ہے۔ یہ مفسرین کے کلام

---

[1] اے اطمینان والی روح چل اپنے پروردگار کی طرف اس طرح کہ وہ تجھ سے خوش اور تو اس سے خوش۔
[illegible]

ؐلب ہے اور حضرات اکابر طریق اس آیت کو ان لوگوں کے لئے بھی کہتے ہیں، جو ایک حالت میں عبادت اختیار
تے ہیں اور دوسری حالت میں بالکل چھوڑ بیٹھتے ہیں جیساکہ ابنائے زمان کا حال ہے اور اکثر متصوفہ بھی سی
ں مبتلا پائے جاتے ہیں ؎

یہ تیلی کے کھو بیل سے کم نہیں ہیں　　پھرے رات بھر پھر جہاں تھے وہیں ہیں

علامہ شاطبیؒ ایک مسئلہ پر کلام فرماتے ہوئے اپنی کتاب موافقات میں صفحہ ۲۰۴ ج ۲ پر اسی آیت
ے تحت تحریر فرماتے ہیں:۔

وان وصل الی ما طلب فرح به وصار هو قصده من التعبد فقوی فی نفسه مقصودہ
ضعفت العبادة وان لم يفعل رمی بالعبادة وربما كذب بنتائج الاعمال التی يهبها الله تعالى
ده للمخلصين وقد روى ان بعض الناس سمع الحديث "من اخلص لله اربعين صباحا
ت ينابيع الحكمة من قلبه على لسانه" فتعرض لذالك لينال الحكمة فلم يفتح له نابها
نت قصته بعض الفضلاء فقال هذا اخلص للحكمة ولم يخلص لله ...

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر عابد اپنے مقصود کو عبادت میں پہونچ گیا تو اس سے اسکو فرح ہوتا ہے
ہے فرح بطر ہی ہو اور تعبد سے یہی اس کا قصد تھا۔ پس اس کا مقصود اس کے جی میں اور قوی ہو جاتا
اور عبادت ضعیف ہو جاتی ہے (یعنی اسکی وقعت اس مقصود کے مقابلے میں ضعیف ہوتی ہے)
ر مقصود کو نہیں پہنچتا تو عبادت کو رمی یعنی ترک کر دیتا ہے اور یہاں تک نوبت پہنچ جاتی ہے کہ وہ
ئج اعمال کی جن کو اللہ تعالیٰ اپنے مخلصین بندوں کو ہبہ کرتا ہے تکذیب کر بیٹھتا ہے کہ کسی کو کچھ نہیں
ہے اور اس زمانے میں اکثر لوگوں کا یہی حال ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جیساکہ بعض نے یہ
یث کہ "جو شخص چالیس دن اللہ تعالیٰ کے لئے خالص عبادت کرے چشمے حکمت کے اس کے قلب سے
ی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں" سنکر عبادت اتنے دن حکمت پانے کے لئے کی بس باب اسکے لئے
ر نہ ہوا۔ یہ قصہ بعض فضلاء کو پہنچا انھوں نے فرمایا هٰذَا اَخْلَصَ لِلْحِكْمَةِ وَلَمْ يُخْلِصْ لِلّٰهِ اس
یث کا مطلب یہ تھا کہ جو اخلاص اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ حکمت اس کے قلب پر نازل فرماتے ہیں
وہ زبان سے تکلم کرنے لگتا ہے جس طرح وہ نازل فرماتے ہیں اسی طرح بہت لوگوں کے لئے نازل نہیں
تے یہ نزول اور عدم نزول انہیں کی طرف راجع ہے نہ کہ عبادت کی طرف۔

ایک بات اور سنئے بزرگوں کا کلام بہ نیت فاسد و بغرض حطام دنیا [illegible] نیت [illegible]
نہیں سے ہے۔ حضرت رومیؒ فرماتے ہیں ؎

حرفِ درویشاں بدزدد مردِ دوں[۱] تا بہ پیشِ جاہلاں خواند فسوں

آگے ارشادات اکابر طریق کے جو ثمرہ ہے اخلاص کا نقل کرتا ہوں۔

قال بعض العارفين قلما يكون صادق متمسك بعروة الاخلاص ذو قلب عامر الا ويرزق الجاه وقبول الخلق حتى قال بعضهم اريد الجاه وقبال الخلق لا لتبتغ نفسي حظها من الهوى حتى لا ابالي قبلوه او ردوا لكون قبول الخلق علامة صلاحية الحال۔

بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ صادق و مخلص جو خلوص کے رشتہ کو مضبوط پکڑے ہوئے ہے اور قلب اس کا محبت و معرفت سے پُر ہے جاہ و قبول منجانب اللہ دیئے جاتے ہیں حتیٰ کہ بعض نے کہا ہے کہ میں جاہ و قبول کا ارادہ کرتا ہوں اس لئے نہیں کہ حظ نفس حاصل کروں کیونکہ مجھکو پرواہ نہیں ہے کہ لوگ قبول کریں یا رد کریں بلکہ اس لئے کہ یہ علامت ہے صحت حال عند اللہ کی۔

عجیب مضمون ہے صدق و خلوص عجب چیز ہے۔

روى عن النبي عليه السلام ان عبداً لو عمل لله من وراء سبعين حجاباً لاظهره الله ذلك على السنة الناس وكذلك المعصية. وروى ان الله اوحى الى موسى عليه السلام قل لبني اسرائيل يخفوا لي اعمالهم وعلى ان اظهرها۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ اگر کوئی شخص ستر حجاب کے اندر اطاعت کرے اللہ تعالیٰ لوگوں کی زبانوں پر اسکو ظاہر کردینگے (لوگ اسکا چرچا کریں گے یہ علامت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسکی قبولیت ہے) اور معصیت کا بھی یہی حال ہے۔ دوسری حدیث یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ بنی اسرائیل سے کہہ دیجئے کہ میرے لئے اپنے اعمال کو اخفا کرکے کریں (یعنی اخلاص سے) اور میرے ذمہ ہے ان کا اظہار۔

سبحان اللہ رب کریم کے نزدیک اخلاص کی یہ قدر ہے اور ہم ہیں کہ اخلاص کو جانتے ہی نہیں کہ کیا چیز ہے اور پھر مرتبہ چاہتے ہیں۔

اس کے بعد اقتضائے وقت سے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک آیت اور اس کی تفسیر اور اس کے احکام بیان کردوں تاکہ شریعت مقدسہ کی تیسیر و یسر اور اس کی وسعت کا صحیح اندازہ ہو کر اس کی قدر ہو۔ آیت یہ ہے۔

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ۔

جو شخص ایمان لائے پیچھے اللہ کے ساتھ کفر کرے۔ مگر جس شخص کو زبردستی کیجائے بشرطیکہ اس کا قلب ایمان پر مطمئن ہو۔

اس میں ایمان کے بعد کفر یعنی ارتداد کی سزا بیان کی گئی ہے مگر اکراہ جس میں قلب ایمان کے ساتھ مطمئن ہو اس کو وعید سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ اس کا شان نزول سنئے۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ:۔

---

[۱] درویشوں کی باتیں (اہل اللہ کے علوم و معارف) کمینہ آدمی چرالیتا ہے تاکہ جاہلوں کے سامنے منتر کی طرح پڑھے

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ آیت عمارؓ ابن یاسرؓ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جس کا واقعہ یوں ہے کہ مشرکین نے ان کو اور ان کے باپ حضرت یاسرؓ اور ان کی ماں سمیہؓ کو اسی طرح حضرت صہیبؓ حضرت بلالؓ وحضرت خبیبؓ وحضرت سالمؓ کو پکڑ لیا اور ان حضرات کو سخت تکالیف میں مبتلا کیا۔ پھر حضرت سمیہ کو دو اونٹوں کے درمیان (ظالموں نے) باندھ دیا اور ان کی شرمگاہ پر حربہ سے مارا جس کی وجہ سے وہ شہید ہوگئیں۔ اسی طرح ان کے شوہر حضرت یاسرؓ بھی قتل کردیئے گئے اور یہ دونوں اسلام میں اول مقتول ہیں۔ بہرحال حضرت عمارؓ نے مشرکین کے اکراہ کی وجہ سے جو کچھ ان سبھوں نے چاہا اسکو زبان سے کہہ دیا۔

اور حضرت قتادہ نے فرمایا ہے کہ بنو مغیرہ نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو پکڑ لیا اور بیر میمون میں غوطہ دیا۔ اور کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرو تو ان کی اتباع کرلی حالانکہ ان کا دل اس کو بہت ناپسند کر رہا تھا اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ عمارؓ کافر ہوگئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمارؓ سرتاپا ایمان سے بھرے ہیں اور ایمان ان کے گوشت اور خون میں پیوست ہوگیا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمارؓ روتے ہوئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا بات ہوئی؟ تو کہا یا رسول اللہ بہت ہی برا ہوا۔ آپ کا میں نے برائی سے ذکر کیا اور ان کے آلہہ کا خیر کے ساتھ ذکر کیا۔ تو فرمایا کہ تم اس وقت اپنے قلب کو کیسا پاتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ اس وقت میرا قلب ایمان کے ساتھ مطمئن تھا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں کو خود اپنے دست مبارک سے پونچھتے ہوئے یہ فرمایا کہ اگر وہ مشرکین پھر اس طرح اکراہ وجبر کریں تو تم بھی اس طرح کہہ دینا (اور اپنی جان کو بچا لینا) پس یہ آیت نازل ہوئی۔

قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ قلت وھو دلیل علی جواز التکلم بالکفر عند الاکراہ وان کان الافضل ان یجتنب عنہ اعزاز الدین کما فعلہ ابواہ یعنی اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ اکراہ وجبر کے وقت تکلم بالکفر جائز ہے اگرچہ افضل یہ ہے کہ اس سے احتراز کرے اعزاز دین کے واسطے جیسا کہ حضرت عمارؓ کے والدین نے کیا۔

مکرہ کے لئے افضل یہی ہے کہ اکراہ کے وقت کلمہ کفر زبان سے بھی نہ کہے مگر صاحب مرقات فرماتے ہیں کہ جس کی موت سے اسلام میں وھن وضعف پیدا ہوتا ہو جیسے عالم وشجاع اس کے لئے افضل تکلم کرنا ہے گو ترک بھی جائز ہے۔ اس لئے کہ وہ دو بلاؤں میں مبتلا ہے ایک تو یہ کہ کلمہ کفر زبان پر لاوے اور دوسرے یہ کہ نہ کہنے کی صورت میں قتل کردیا جائے گا تو چونکہ اس کے قتل سے اسلام میں ضعف پیدا

ہوگا جو نہایت اہم اور اشد ہے اس لئے کلمہ کفر کے کہنے کو گوارا کر لیا جائے گا کیونکہ اس سے یہ اخف ہے اور اس کی شرعاً اجازت بھی ہے۔

مشکوۃ شریف میں یہ حدیث ہے کہ

عن معاذ رضی اللہ عنہ قال اوصانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعشر کلمات قال لا تشرک باللہ شیئا وان قتلت وحرقت۔

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو دس باتوں کی وصیت فرمائی (ان میں سے ایک یہ فرمایا) کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک مت کرو۔ اگرچہ تم قتل کردیئے جاؤ یا جلا دیئے جاؤ۔

(مشکوٰۃ)

اس حدیث شریف کی شرح مرقات سے نقل کرتا ہوں:۔

قال ابن حجر شرط للمبالغة باعتبار الاکمل من صبر المکرہ علی الکفر علی ما ھدد بہ علیہ وھذا فی من لم یحصل بموتہ وھن الاسلام والا کعالم وشجاع یحصل بموتہ ذالک فالاولی لہ ان یاتی بما اکرہ علیہ ولا یصبر علی ما ھدد بہ رعایتہ لاخف المفسدتین واما باعتبار اصل الجواز فیجوز لہ ان یتلفظ وان یفعل ما یقتضی الکفر کسب الاسلام وسجود الصنم اذا ھدد ولو بنحو ضرب شدید واخذ مال لہ وقع۔ کما افاد ذالک قولہ تعالیٰ من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ (وَاِنْ قُتِلْتَ وَحُرِقْتَ) کی شرط مبالغہ کیلئے ہے کہ جس کو دھمکا کر کفر پر مجبور کیا جائے اسکو صبر کر لینا اور کلمہ کفر نہ کہنا افضل واکمل ہے مگر یہ حکم مطلق نہیں ہے بلکہ اس شخص کیلئے ہے جسکی موت سے اسلام میں ضعف نہ آتا ہو ورنہ عالم و شجاع کہ جسکی موت سے اسلام میں ضعف پیدا ہو جائے اسکے لئے اولیٰ یہی ہے کہ جس چیز پر مجبور کیا جائے اسکو کہہ لے یا کرلے اور اپنی جان بچا لے اسلئے کہ اس میں دو خرابیوں میں سے اخف کی رعایت ہے بہر حال اصل جواز کے اعتبار سے تو اسکو تلفظ کر لینا اور ایسا کام کرنا جو موجب کفر جائز ہے جیسے اسلام کو گالی دینا اور بت کو سجدہ کرنا جبکہ اسکو ضرب شدید کی یا معتد بہ مال کھوئے جانے کی دھمکی دی جائے (اور یہ معلوم ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس حالت میں قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ فرما رہے ہیں پس اس کا پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہوگا) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ الآیۃ (یعنی: شخص ایمان لائے پیچھے اللہ کے ساتھ کفر کرے مگر جس شخص پر زبردستی کیجائے بشرطیکہ اس کا قلب ایمان پر مطمئن ہو) سے واضح ہے۔

(مرقات ص۱۱۱ ج۱)

قاضی صاحبؒ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ کی تفسیر میں فرماتے ہیں ای ساکنٌ بِهٖ لَمْ تَتَغَيَّرْ عَقِيْدَتُهٗ

اس کا قلب ساکن ہو۔ اس کے عقیدے میں ذرا بھی تغیر نہ پیدا ہو یعنی کسی قسم کا شک وشبہ نہ عارض ہو جیسا کہ حضرت عمارؓ کی حالت تھی۔ قلب کی حالت کا اعتبار کر کے زبان سے جو کفر بوجہ اکراہ کے صادر ہو رہا ہے معاف کر دیا گیا۔ جیسا کہ منافقین کے دل میں کفر تھا اسی کا اعتبار کر کے ان کے زبان سے کلمہ ایمان تلفظ کو قبول نہیں کیا گیا اور ان کو کافر کہا گیا۔ اسی کو حضرت رومیؒ فرماتے ہیں ؎

ہرچہ گیرد علتی علت شود　　　کفر گیرد کاملے ملت شود

دوسرا مصرع حضرت عمارؓ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور پہلا مصرع منافقین کی طرف مشیر ہے۔

اتنی بات قابل غور ہے کہ اکراہ کی آیت نہایت ضرورت میں نازل ہوئی ہے اور اسلام میں اس کی بہت اہمیت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت اور وسعت کرم اور بندوں کے ضعف پر کس قدر نظر ہے اس سے شریعت مطہرہ کا یُسر نظر آتا ہے ؎

تصدق اپنے خدا کے جاؤں یہ پیار آتا ہے مجھ کو اخترؔ　　　ادھر سے ایسے گناہ پیہم اُدھر سے یہ دمبدم عنایت

ضرورت وقتی کے لحاظ سے میں نے اس پر کلام کر دیا ہے۔ فلیحفظ[۵]

اعتدالِ شریعت

فرمایا کہ شریعت مطہرہ اسہل بھی ہے اور افضل بھی اس لئے کہ اسلام کی ساری تعلیمات خواہ وہ اوامر کی قبیل سے ہوں یا نواہی کے، عبادات ہوں یا اخلاق، سب منجانب اللہ ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت کے تمام احکام کا حُسن جس طرح شرعی ہے عقلی بھی ہے۔ مومنین جس طرح اہل ایمان ہیں اُولُوالنُّہٰی اُولُوالْاَلْبَاب بھی ہیں۔ اگر کوئی شخص ان کو ترک یا ان کا ارتکاب بلا جھجک کرے اور اس کا عادی ہو جائے اور اس کو برا نہ سمجھے تو جس طرح وہ دین سے خارج ہے عقل سے بھی خارج ہے۔

اب سنئے۔ بِرّ و احسان، صلہ رحمی۔ صدق و صداقت ان کا استحسان سب عقلاء کے نزدیک مسلم ہے۔ اسی طرح کذب، ظلم، قطع رحم اور عداوت یہ سب ایسے قبائح ہیں جنکا قبح ہر عاقل کے نزدیک اور ہر دین میں مسلم ہے۔

اب جھوٹ کو لیجئے کہ یہ ان عیوب میں سے ہے جو ہر دین میں اور ہر شخص کے نزدیک برا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے۔ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ جھوٹ بولنے والوں پر خدا کی لعنت ہو۔ اس کے برخلاف صدق یعنی سچ تمام ادیان میں محمود رہا ہے اور سچے صادق اپنے صدق کی وجہ سے ممدوح رہتا ہے۔ اگر ساری قوم اس کو ترک کرے گی تو بے اعتبار ہو جائے گی۔ صدق

---

[۵] تنبیہہ۔ بوقت ضرورت اکراہ کے مسائل علماء سے معلوم کر لئے جائیں۔ ۱۲ — گمراہ آدمی جو کچھ بھی اختیار کرتا ہے وہ گمراہی بن جاتا ہے مرد کامل (بغیر بلا اجازت شرع) کفر بھی اختیار کرتا ہے تو وہی ملت اور دین کا ایک مسئلہ ہو جاتا ہے۔ ۱۲

وصفا جماعت صالحین کا طغرائے امتیاز ہے۔

علی ھذا ظلم بھی انھیں قبائح میں سے ہے جسکے قبح پر سب کا اتفاق ہے۔ظالم سب عقلاء اور تمام ادیان کے نزدیک بُرا ہے اور مظلوم سب کے نزدیک قابل رحم ہے۔اگر سب لوگ ظلم پر اُتارو ہو جائیں تو عالم کی تباہی اور ویرانی لازم ہے۔اس کے بالمقابل عدل ہے۔عالم کا قیام اسی پر ہے اگر اہل عالم اس کے ساتھ متصف نہ رہیں گے تباہی اس کے یعنی عالم کے لازم حال رہے گی۔

اسی طرح سے صلہ رحمی اور احسان اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور تمام انبیاء کے نزدیک نیز سب اہل ادیان اور عقلاء کے نزدیک پسندیدہ چیز ہے۔اسی پر بنی نوع انسان کا قیام ہے۔

چنانچہ سیر کبیر میں ہے کہ:۔

(باب صلۃ المشرک)

عن ابن مروان الخزاعی قال قلت لمجاھد رجل من اھل الشرک بینی وبینہ قرابۃ ولی علیہ مال ادعہ لہ قال نعم وصلہ۔ وبہ ناخذ فنقول لا باس بان یصل المسلم الرجل المشرک قریبا او بعیدا محاربا کان او ذمیا لحدیث مسلمۃ بن الاکوع قال صلیت الصبح مع النبی صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم فوجدت مس کف بین کتفی فالتفت فاذا ھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال اھل انت واھب لی ابنۃ ام قرفۃ قلت نعم فوھبت لہ فبعث بھا الی خالہ حزن ابن ابی وھب وھو مشرک وھی مشرکۃ۔ وبعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خمس مأۃ

(مشرک کے ساتھ صلہ واحسان کا بیان)

ابن مروان خزاعی کہتے ہیں کہ میں نے مجاہد سے کہا کہ ایک مشرک سے میری رشتہ داری ہے اور میرا اس کے ذمہ کچھ قرض بھی ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے اسکو معاف کردوں؟ فرمایا کہ ہاں ہاں ضرور،اور اس کے ساتھ احسان کرو اسی پر ہمارا عمل ہے چنانچہ ہم کہتے ہیں کہ مضائقہ نہیں ہے کہ کوئی مسلم اپنے کسی قریبی یا دوری رشتہ دار مشرک کے ساتھ کچھ احسان وسلوک کرے خواہ وہ حربی ہو یا ذمی اس لئے کہ مسلمہ بن اکوع کی حدیث ہے کہ میں نے فجر کی نماز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی۔ مجھے ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کسی نے میری پشت پر ہاتھ رکھا۔میں نے پلٹ کر جو دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے۔آپ نے فرمایا کہ کیا تم مجھے ام قرفہ کی بیٹی ھبہ کرسکتے ہو میں نے عرض کیا ہاں اور میں نے آپ کو ھبہ کردیا۔ آپ نے اس کو اس کے ماموں حزن بن ابی وھب کے پاس بھیجدیا جو کہ مشرک تھا اور یہ لڑکی مشرکہ تھی۔

اسی طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچسو دینار

دینار الی مکۃ حین قحطوا وامر بدفع ذلک الی ابی سفیان ابن حرب و صفوان ابن امیہ لیفرق علی فقراء اھل مکۃ فقبل ذلک ابو سفیان وابی صفوان وقال ما یرید محمد بھذا الا ان یخدع شباننا لان صلۃ الرحم مندکل عاقل وفی کل دین والاھداء الی الغیر من مکارم الاخلاق وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔

دینار بوقت قحط کے مکہ بھیجا اور یہ فرمایا کہ اس کو ابو سفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ کو دیدیا جائے تاکہ وہ لوگ اہل مکہ کے غرباء پر اس کو تقسیم کردیں ابو سفیان نے تو اس کو قبول کر لیا مگر صفوان (بن امیہ) نے انکار کیا اور یہ کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس سے محض یہ ہے کہ ہمارے نوجوانوں کو بہکالیں۔ غرض شرک کے ساتھ صلہ اس لئے ہے کہ صلہ رحمی ہر عاقل کے نزدیک اچھی چیز ہے اور ہر مذہب میں پسندیدہ شے ہے۔ نیز دوسروں کو ہدیہ دینا مکارم اخلاق میں سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں اسی لئے مبعوث ہوا ہوں کہ مکارم اخلاق کی تکمیل کروں۔

میں کہتا ہوں کہ اسی طرح سے انفاق اور اطعام بھی مکارم اخلاق میں سے ہے۔ باقی یہ بھی اسلامی تعلیمات کا کمال اور اس کا اعتدال ہے کہ مظلوم کو اس امر کی بھی اجازت دیدی کہ وہ اپنے ظلم کا مساوی بدلہ ظالم سے لے سکتا ہے چنانچہ ارشاد فرمایا کہ

وَالَّذِيْنَ اِذَا اَصَابَهُمُ الْبَغْيُ هُمْ يَنْتَصِرُوْنَ۔

جو ایسے لوگ ہیں کہ جب ان پر ظلم واقع ہوتا ہے تو وہ برابر کا بدلہ لیتے ہیں۔

اس کے بعد ہی اصول کلی کے طور پر فرماتے ہیں کہ

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ۔

برائی کا بدلہ برائی ہے ویسی ہی پھر جو شخص معاف کردے اور اصلاح کرے تو اس کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ واقعی اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔

یہاں یہ سمجھ لیجئے کہ یہ جو فرمایا کہ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا یعنی برائی کا بدلہ اسی کے مثل برائی ہے تو یہ ہر جگہ کے لئے عام نہیں ہے بلکہ برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی سے وہیں دیا جا سکتا ہے جہاں وہ فعل فی نفسہ قبیح نہ ہو اور شریعت میں اس کی ممانعت نہ آئی ہو۔ لیکن اگر وہ فعل شرعاً قبیح ہو تو پھر بدلہ میں بھی اسے کرنا جائز نہیں مثلاً کسی شخص نے کسی کی جیب سے دس روپیہ نکال لئے یا اس کے دانت توڑ ڈالے تو اس کا عوض روپیہ اور دانت سے دیا جا سکتا ہے لیکن کسی شخص نے مثلاً زنا کیا تو اس کے بدلہ میں زنا کا ارتکاب جائز نہیں ہوگا اس لئے کہ یہ شرعاً حرام اور قبیح ہے۔

اسی طرح سے یہ سمجھئے کہ یہ سیئہ کا بدلہ سیئہ سے لینا محض جائز ہی ہے۔ حق تعالیٰ نے انکی اجازت جذبات بشریہ کے تحت فرمادی ہے ورنہ تو عفو اور درگذر کردینا ہی زیادہ پسندیدہ سمجھا گیا ہے چنانچہ اس کے بعد عفو کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهِ فَأُولَٰئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِنْ سَبِيلٍ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَظْلِمُونَ النَّاسَ وَيَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ إِنَّ ذَٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ۝

اور جو اپنے اوپر ظلم ہو چکنے کے بعد برابر کا بدلہ لے سو ایسے لوگوں پر کوئی الزام نہیں۔ الزام صرف ان لوگوں پر جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اور ناحق دنیا میں سرکشی کرتے ہیں ایسے کے لئے دردناک عذاب ہے اور جو شخص صبر کرے اور معاف کردے یہ البتہ بڑی ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

اسی طرح ایک اور جگہ بدلہ میں مساوات کرنے اور صبر و معافی کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ ۝ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللَّهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِمَّا يَمْكُرُونَ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوْا وَالَّذِينَ هُمْ مُحْسِنُونَ۔

اور اگر بدلہ لینے لگو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمھارے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے اور اگر صبر کرو تو صبر کرنیوالوں کے حق میں بہت اچھی بات ہے اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا خاص خدا ہی کی توفیق سے ہے۔ اور جو کچھ یہ تدبیریں کیا کرتے ہیں اس سے تنگدل نہ ہوجئے اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کیساتھ ہوتا ہے جو پرہیزگار ہوتے ہیں اور جو نیک کردار ہوتے ہیں۔

(پارہ ربما ختم)

ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ۔

کسی خاص گروہ کی عداوت تم کو اس پر باعث نہ ہو جائے کہ تم عدل نہ کرو۔ عدل کیا کرو وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سب اعمال کی پوری اطلاع ہے۔

ان تصریحات سے معلوم ہوا کہ مظلوم انتقام تو لے سکتا ہے مگر اس کو بھی اپنے ظالم پر ظلم کرنا روا نہیں کہ یہ تجاوز عن الحد ہے۔

چنانچہ سیر کبیر میں ہے :-

لمظلوم ان یدفع الظلم عن نفسہ بقدر علیہ لکن لیس للمظلوم ان یظلم غیرہ	مظلوم اپنے نفس سے ظلم کو بقدر طاقت دفع کر سکتا ہے لیکن دوسرے پر وہ بھی ظلم نہیں کر سکتا اگرچہ وہ ظالم ہی ہو۔

یہ اس لئے کہ حد سے تجاوز عداوت میں بھی جائز نہیں ہے۔ اور جس طرح سے عوام کے لئے آپس کے معاملات میں جائز نہیں ہے اسی طرح حاکم کو محکوم پر بھی ظلم روا نہیں ہے ان سے اس کی باز پرس ہوگی۔

غرض صداقت ہو یا عداوت اسلام میں ہر ایک کی حدود ہیں اپنی حد سے گذر کر عداوت بالکل درندگی بہیمیت ہو جاتی ہے۔ اگر عداوت میں حدود کا لحاظ نہیں کیا جاتا تو یہ ظلم بن جاتی ہے۔

آج جس طرح سے ہمارے اور تمام امور بے اصولے ہو کر رہ گئے ہیں اسی طرح دوستی اور دشمنی بھی پر باقی نہیں رہ گئی ہے۔

صداقت کے بھی اصول ہیں اور عداوت کے بھی۔ اگر عداوت کے اصول وحدود نہ رہیں تو پھر زندگی دوبھر ہو جائے گی اور مرنے سے پہلے موت ہو جائیگی جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔

سن لیجئے کہ عداوت نہایت ہی شنیع چیز ہے یہ انسان کو حد پر قائم نہیں رہنے دیتی اسی لئے اسلام میں اس کے حدود قائم فرمائے گئے ہیں۔

افسوس کہ جس چیز کو عقل و شرع ہر دو نے ناپسند کیا تھا گویا کہ اس کے قبیح ہونے پر سب کا اتفاق تھا۔ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ آج اسی کے بلا تکلف شکار ہو رہے ہیں عوام تو خیر عوام ہیں اچھے خاصے سمجھدار علم و عقل رکھنے والے لوگ بھی اس میں مبتلا ہیں جن کے متعلق یہ کہنا تو مشکل ہے کہ ان کو عقل نہیں ہے۔ البتہ یہ ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ان پر نفسانیت غالب ہے جس کی وجہ سے علم و عقل سب مغلوب و مفلوج ہو کر رہ گئے ہیں کیونکہ جس طرح سے علم کے مثمر ہونے کے لئے عقل کی ضرورت ہے جیسا کہ مشہور مقولہ ہے کہ یک من علم را دہ من عقل باید[1]۔ اسی طرح عقل بھی نکمی اور ناقص ہی رہتی ہے۔ جب تک اس کے ساتھ حسن خلق بھی نہیں پایا جاتا۔ چنانچہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ :-

فینبغی ان یکون فیمن تؤثر صحبتہ خمس خصال ان یکون عاقلا حسن الخلق غیر فاسق ولا مبتدع ولا حریص	تاثیر صحبت کے لئے صاحب صحبت میں پانچ خصلتوں کا ہونا ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ عاقل ہو۔ دوسرے یہ کہ حسن الخلق ہو۔ تیسرے یہ کہ فاسق نہ ہو چوتھے یہ کہ مبتدع نہ ہو۔ پانچویں یہ کہ

---

[1] ایک من علم کے لئے دس من عقل درکار ہے۔

علی الدنیا۔

اما العقل فھو رأس المال وھو الاصل فلا خیر فی صحبة الاحمق فالی الوحشة والقطیعة ترجع عاقبتھا وان طالت کیف والاحمق قد یضرك وھو یرید نفعك و اعانتك من حیث لا یدری وقیل مقاطعة الاحمق قربان الی اللہ تعالیٰ وقال ثوریؒ النظر الی وجہ الاحمق خطیئة مکتوبة ونعنی بالعاقل الذی یفھم الامور علی ما ھی علیہ اما بنفسہ او اما اذا فھم۔

واما حسن الخلق فلا بد منہ اذ رب عاقل یدرك الاشیاء علی ما ھی علیہ ولکن اذا غلبہ غضب او شھوة او بخل او جبن اطاع ھواہ وخالف ما ھو المعلوم عندہ لعجزہ عن قھر صفاتہ وتقویم اخلاقہ فلا خیر فی صحبتہ واما الفاسق المصر علی الفسق فلا فائدة فی صحبتہ لان من یخاف اللہ لا یصر علی کبیرة ومن لا یخاف اللہ لا یؤمن غائلتہ لا یوثق بصداقتہ بل یتغیر بتغیر الاعراض۔

واما المبتدع فصحبتہ خطر

دنیا کا حریص نہ ہو۔

بہرحال عقل سو یہ تو رأس المال ہی ہے اور اصل ہے۔ چنانچہ احمق کی صحبت میں کچھ بھی خیر نہیں ہے۔ بلکہ ان دونوں (یعنی احمق اور اس کے مصاحب) کا انجام وحشت اور جدائی ہی ہے۔ اگرچہ یہ صحبت کتنی طویل کیوں نہ ہو اور ایسا کیوں نہ ہوگا۔ درآنحالیکہ احمق تم کو فائدہ اور نفع بھی پہونچانا چاہے گا تو نقصان پہنچا دے گا، اور اس غریب کو پتہ بھی نہ ہوگا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ احمق سے قطع تعلق ہی حق تعالیٰ کا قرب ہے۔ حضرت ثوریؒ فرماتے ہیں کہ احمق کی صورت کا دیکھنا ایسی خطا ہے جو لکھی جاتی ہے۔ اور ہماری مراد عاقل سے وہ شخص ہے جو امور کو ان کے طریقے پر سمجھتا ہو۔ خواہ خود یا دوسرے کے سمجھانے سے۔

اور حسنِ خلق کی اس لئے ضرورت ہے کہ بعض دفعہ ایک شخص عاقل ہوتا ہے اور چیزوں کو ان کے درجہ کے موافق سمجھتا ہے مگر جب اس پر غصہ یا شہوت یا بخل یا جبن وغیرہ کا غلبہ ہوتا ہے تو اپنے ہوی کی اتباع کرلیتا ہے اور اپنے معلومات کے خلاف عمل کرتا ہے اس لئے کہ اپنے ان صفات بد (رذائل نفس) کے مقہور کرنے سے عاجز ہوتا ہے اور تقویم اخلاق پر قادر نہیں ہوتا تو ظاہر ہے کہ اسکی صحبت میں کیا خیر ہوگی۔ اور رہا فاسق جو کہ اپنے فسق پر مصر ہو اسکی صحبت قطعی مفید نہیں اسلئے کہ جو شخص خدا سے ڈرتا ہوگا وہ کبیرہ پر اصرار کبھی نہ کریگا اور جسے خدا ہی کا خوف نہ ہو تو اسکے گزند سے کیسے مامون ہوا جا سکتا ہے اور اسکی دوستی پر بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ وہ اغراض کے بدلنے سے بدلتی رہے گی۔

اور مبتدع کی صحبت تو خطرناک ہی ہے اس لئے کہ

سرية البدعة وتعدى شومها اليه فالمبتدع مستحق للهجر والمقاطعة فكيف تؤثر صحبته +

بدعت اس کے اندر سرایت کئے ہوئے ہے اور اسکی نحوست اس تک پہنچ چکی ہے لہٰذا مبتدع تو مستحق زجر اور مقاطعہ ہے پھر بھلا اس کی صحبت کیا خاک اثر کریگی۔

بس یہاں مجھے اس وقت یہی بتلانا مقصود ہے کہ عام طور پر یہ جو سمجھا جاتا ہے کہ عقل تنہا تمام امور میں اصلاح کے لئے کافی ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان سے معلوم ہوا کہ عاقل کی صحبت نافع ضرور ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ جو شخص عاقل ہو وہ اخلاق بھی اچھے رکھتا ہو۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو عقل بیچاری نفس کی اسیر ہو جائے گی۔

دیکھئے اس عبارت میں امام غزالیؒ نے احمق کی صحبت کو تو مطلقاً مضر ہی قرار دیا ہے لیکن عاقل کے متعلق یہ فرمایا ہے کہ اسکی صحبت اس وقت مفید ہے جبکہ وہ حسن اخلق بھی ہو اور وجہ اس کی یہ بیان فرمائی ہے کہ بہت سے عقلاء ایسے ہیں کہ وہ اشیاء کو صحیح صحیح جانتے ہیں لیکن جب ان پر غضب شہوت بخل، حب دنیا وغیرہ کا غلبہ ہوتا ہے تو اسی کا ارتکاب کر لیتے ہیں ان چیزوں کو اپنے علم کے خلاف سمجھتے ہیں پھر اپنی ان صفات بد کی اصلاح پر قادر نہیں ہوتے اور اس کا ازالہ نہیں کر سکتے۔ اسی سے عاقل کی تعریف بھی معلوم ہوگئی کہ وہ اشیاء کی حقیقت کو جیسی کہ وہ شئے ہے سمجھتا ہے اسی طرح سے احمق کی بھی تعریف معلوم ہوگئی کہ وہ چیزوں کو سمجھتا ہی نہیں۔ غرض جب عاقل کی صحبت بدون حسن خلق کے کافی نہیں ہے تو پھر احمق کی صحبت جو کہ بات کو سمجھتا تک نہیں بھلا کیا مفید ہو سکتی ہے اور اس پر کیونکر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

امام نے جو حال صحبت کا بیان فرمایا یہی حال نظم و انتظام کا بھی ہے کہ اس کے لئے محض عاقل ہونا کافی نہیں ہے بلکہ ضرورت ہے کہ خلق حسن کے ساتھ بھی وہ متصف ہو اسلئے کہ اس کے ساتھ اتصاف کے بغیر عقل کا بھی اعتبار نہیں ایسی حالت میں اہم سے اہم معاملہ کے متعلق بھی انسان کا علم بدل جاتا ہے چنانچہ وہ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھنے لگتا ہے اور اپنی جانی اور سمجھی ہوئی بات کے خلاف اپنے رضا و اختیار سے عمل کرنے لگتا ہے۔ کچھ بے محل نہ ہوگا۔ اگر میں اس جگہ رستم کا واقعہ بیان کر دوں قصہ طویل ہے خلاصہ یہ کہ سفراء اسلام نے اوں اسے نرمی سے سمجھایا مگر رستم پر اس واضح اور کھلی ہوئی گفتگو کا کچھ اثر نہ ہوا بلکہ یہ کہا کہ اب لڑائی ہوگی۔ فریقین جنگ کی تیاری میں مشغول ہوگئے لیکن شب ہی کو رستم نے خواب دیکھا کہ ایک فرشتہ آسمان سے اترا اور اس نے لشکر فارس کی سب کمانیں لیکر ان پر مہر لگا دی اور آسمان پر لے گیا۔

رستم اس خواب کو دیکھ کر سخت مغموم ہوا۔ صبح ہی اپنے خواص اور مصاحبین کو بلا کر کہا کہ اللہ تعالیٰ بار بار ہم کو متنبہ کرتا اور سمجھاتا ہے مگر ہم نہیں سمجھتے اس کے بعد رستم نے دو زرہیں پہنیں اور خود پہنا تمام ہتھیار لگائے اور اچھل کر گھوڑے پر سوار ہوا اور کہا غداً ندقھم۔ یعنی کل ہم ان کو پیس ڈالیں گے۔ ایک صاحب نے کہا انشاء اللہ تعالیٰ۔ رستم نے کہا اگر وہ نہ چاہے گا تب بھی ہم پیس ڈالیں گے۔

(اشاعت اسلام ص۲۰۱)

بس مجھے یہاں یہی بتلانا مقصود تھا کہ دیکھئے باوجودیکہ رستم عاقل شخص تھا اور قرائن قویہ سے یہ سمجھ چکا تھا کہ تائید ایزدی ہمارے ساتھ نہیں ہے لیکن منکر تھا اس لئے جہاں قوم نے اسکو ابھارا تو پھر لڑنے کے لئے تیار ہو گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محض عقل فلاح کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے اخلاق کی درستگی بھی ضروری ہے۔ اشاعت اسلام میں حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت عمدہ تقریر لکھی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسکو بعینہ نقل کردوں۔

فرماتے ہیں کہ:۔

"رستم کے اس فقرہ پر تعجب معلوم ہوتا ہے اسکو تو اسلام کے حق ہونے اور مسلمانوں کے غالب ہونے کا یقین تھا۔ پھر اس کی زبان سے ایسا فقرہ کیونکر نکلا؟

مورخین اس کی تاویل کرتے ہیں کہ دل میں اس کے تو وہی مضمون تھا اور وہ اپنے خواص مصاحبین سے بار بار ظاہر بھی کر چکا تھا مگر اہل فارس کی ہمت بڑھانے کے لئے اور لڑائی کے واسطے مستعد اور آمادہ کرنے کے لئے شجاعت کا اظہار کیا مگر میرا خیال اس کے بالکل خلاف ہے رستم کا خیال واقعی وہی تھا کہ اسلام حق ہے مسلمانوں سے مقابلہ بے سود۔ وہ ضرور غالب آویںگے۔ مگر بدبختی اس پر سوار تھی۔ آدمی کو ایک بات کا علم ہوتا ہے مگر غصہ کی حالت میں اس کا علم بدل جاتا ہے۔ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھنے لگتا ہے۔ وہ اس کے خلاف اپنے اختیار اور رضا سے کرتا ہے"

روزہ

ہم سے کیا مطالبہ کرتا ہے

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن به و نتوکل علیه و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل له و من یضلله فلا ھادی له و اشھد ان لا اله الا اللہ وحدہ لاشریك له و اشھد ان سیدنا ونبینا و مولانا محمداً عبدہ ورسوله صلی اللہ تعالیٰ علیه وعلیٰ آله واصحابه و بارك وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً ۔ اما بعد۔

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْکُمُ الشَّهْرَ فَلْیَصُمْهُ (سورہ بقرہ ۱۸۵)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسوله النبی الکریم ونحن علیٰ ذلك من الشاھدین والشاکرین والحمد للہ رب العالمین

برکت والا مہینہ انشاء اللہ چند روز کے بعد رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہونے والا ہے اور کون مسلمان ایسا ہوگا جو اس مہینہ کی برکت اور عظمت سے واقف نہ ہو؟ اللہ تعالیٰ نے یہ مہینہ اپنی عبادت کے لئے بنایا ہے اور نہ معلوم کیا کیا رحمتیں اللہ تعالےٰ اس مہینہ میں اپنے بندوں کی طرف مبذول فرماتے ہیں، ہم اور آپ ان رحمتوں کا تصور کبھی نہیں کر سکتے۔

اس مہینہ کے اندر بعض اعمال ایسے ہیں جنکو ہر مسلمان جانتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے، مثلاً اس ماہ میں روزے فرض ہیں الحمد للہ مسلمانوں کو روزہ رکھنے

ی توفیق ہو جاتی ہے اور تراویح کے بارے میں معلوم ہے کہ یہ سنت ہے اور
مسلمانوں کو اس میں شرکت کی سعادت حاصل ہو جاتی ہے، لیکن اس وقت
یک اور پہلو کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ رمضان المبارک کی خصوصیت صرف یہ ہے
کہ اس میں روزے رکھے جاتے ہیں اور رات کے وقت تراویح
پڑھی جاتی ہے اور بس، اسکے علاوہ اور کوئی خصوصیت نہیں اس میں تو
کوئی شک نہیں ہے کہ یہ دونوں عبادتیں اس مہینے کی بڑی اہم عبادات
میں سے ہیں لیکن بات صرف یہاں تک ختم نہیں ہوتی بلکہ درحقیقت رمضان
المبارک ہم سے اس سے زیادہ کا مطالبہ کرتا ہے اور قرآن کریم میں اللہ جل شانہٗ
نے ارشاد فرمایا کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ : سورۃ الذاریات
یعنی میں نے جنات اور انسانوں کو صرف ایک کام کے لئے پیدا کیا وہ یہ کہ میری
عبادت کریں۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالےٰ نے انسان کی تخلیق کا بنیادی
مقصد یہ بتایا کہ وہ اللہ کی عبادت کرے

کیا فرشتے کافی نہیں تھے یہاں بعض لوگوں کو خاص کر نئی روشنی کے
لوگوں کو یہ شبہ ہوتا ہے کہ اگر انسان کی تخلیق
کا مقصد صرف عبادت تھا تو اس کام کے لئے انسان کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت
تھی یہ کام تو فرشتے پہلے سے بہت اچھی طرح انجام دے رہے تھے اور وہ
اللہ کی عبادت تسبیح و تقدیس میں لگے ہوئے تھے، یہی وجہ ہے کہ جب اللہ تعالےٰ
نے حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق فرمانے کا ارادہ کیا اور فرشتوں کو بتایا کہ
میں اس طرح کا ایک انسان پیدا کرنے والا ہوں تو فرشتوں نے بیساختہ یہ کہا کہ
آپ ایک ایسے انسان کو پیدا کر رہے ہیں جو زمین میں فساد مچائے گا اور خونریزی
کرے گا اور عبادت، تسبیح، تقدیس ہم انجام دے رہے ہیں۔ اسی طرح آج
بھی اعتراض کرنے والے یہ اعتراض کر رہے ہیں کہ اگر انسان کی تخلیق کا مقصد

صرف عبادت ہوتا تو اسکے لئے انسان کو پیدا کرنے کی ضرورت نہیں تھی یہ کام تو فرشتے پہلے ہی سے انجام دے رہے ہیں۔

فرشتوں کا کوئی کمال نہیں

بیشک اللہ تعالیٰ کے فرشتے اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے تھے لیکن انکی عبادت بالکل مختلف نوعیت کی تھی اور انسان کے سپرد جو عبادت کی گئی وہ بالکل مختلف نوعیت کی تھی اس لئے کہ فرشتے جو عبادت کر رہے تھے ان کے مزاج میں اسکے خلاف کرنے کا امکان ہی نہیں تھا وہ اگر چاہیں کہ عبادت نہ کریں تو انکے اندر عبادت چھوڑنے کی صلاحیت نہیں اللہ تعالیٰ نے انکے اندر سے گناہ کرنے کا امکان ہی ختم فرما دیا، اور نہ انھیں بھوک لگتی ہے اور نہ انکو پیاس لگتی ہے اور نہ انکے اندر شہوانی تقاضہ پیدا ہوتا ہے حتیٰ کہ انکے دل میں گناہ کا وسوسہ بھی نہیں گزرتا گناہ کی خواہش اور گناہ پر اقدام تو دور کی بات ہے، اسلئے اللہ تعالیٰ نے انکی عبادت پر کوئی اجر و ثواب بھی نہیں رکھا کیونکہ اگر فرشتے گناہ نہیں کر رہے ہیں تو اس میں انکا کوئی کمال نہیں، تو پھر جنت والا اجر و ثواب بھی مرتب نہیں ہوگا۔

نابینا کا بچنا کمال نہیں

مثلاً ایک شخص بینائی سے محروم ہے جسکی وجہ سے ساری عمر اس نے نہ کبھی فلم دیکھی نہ کبھی ٹی۔ وی دیکھا نہ کبھی غیر محرم پر نگاہ ڈالی، بتائیے کہ ان گناہوں کے نکرنے میں اسکا کیا کمال ظاہر ہوا اسلئے کہ اسکے اندر ان گناہوں کے کرنے کی صلاحیت ہی نہیں، لیکن ایک دوسرا شخص جسکی بینائی بالکل ٹھیک ہے جو چیز چاہے دیکھ سکتا ہے لیکن دیکھنے کی صلاحیت موجود ہونے کے باوجود جب کسی غیر محرم کی طرف دیکھنے کا تقاضہ دل میں پیدا ہوتا ہے وہ فوراً صرف اللہ تعالیٰ کے خوف سے نگاہ نیچے کر لیتا ہے۔ اب بظاہر دونوں گناہوں سے بچ رہے ہیں لیکن دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے پہلا شخص بھی گناہ سے بچ رہا ہے

اور دوسرا شخص بھی گناہ سے بچ رہا ہے لیکن پہلے شخص کا گناہ سے بچنا کوئی کمال نہیں اور دوسرے شخص کا گناہ سے بچنا کمال ہے۔

یہ عبادت فرشتوں کے بس میں نہیں ہے

لہٰذا اگر ملائکہ صبح سے شام تک کھانا نہ کھائیں تو یہ کوئی کمال نہیں اسلئے کہ انھیں بھوک ہی نہیں لگتی اور انھیں کھانے کی حاجت ہی نہیں لہٰذا انکے نہ کھانے پر کوئی اجر و ثواب بھی نہیں لیکن انسان ان تمام حاجتوں کو لیکر پیدا ہوا ہے لہٰذا کوئی انسان کتنے ہی بڑے سے بڑے مقام تک پہونچ جائے حتیٰ کہ سب سے اعلیٰ مقام یعنی نبوت پر پہنچ جائے تب بھی وہ کھانے پینے سے مستغنی نہیں ہو سکتا چنانچہ کفار نے انبیاء پر یہی اعتراض کیا کہ مَالِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِىْ فِى الْاَسْوَاقِ ، سورۃ الفرقان:۷) یعنی یہ رسول کیسے ہیں جو کھانا بھی کھاتے ہیں اور بازاروں میں چلتے پھرتے ہیں۔ تو کھانے کا تقاضا انبیاء کے ساتھ بھی لگا ہوا ہے اب اگر انسان کو بھوک لگ رہی ہے لیکن اللہ کے حکم کی وجہ سے کھانا نہیں کھا رہا ہے تو یہ کمال کی بات ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں ایک ایسی مخلوق پیدا کر رہا ہوں جس کو بھوک بھی لگے گی پیاس بھی لگے گی اور اس کے اندر شہوانی تقاضے بھی پیدا ہونگے اور گناہ کرنے کے داعیے بھی انکے اندر پیدا ہوں گے لیکن جب گناہ کا داعیہ پیدا ہوگا اسوقت وہ مجھے یاد کرلے گا اور مجھے یاد کرکے اپنے نفس کو اس گناہ سے بچالے گا، اسکی یہ عبادت اور گناہ سے بچنا ہمارے یہاں قدر و قیمت رکھتا ہے اور جس کا اجر و ثواب اور بدلہ دینے کے سلئے ہم نے ایسی جنت تیار کر رکھی ہے جسکی صفت عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ[۵] ہے اسلئے کہ اسکے دل میں داعیہ اور تقاضا ہو رہا ہے اور خواہشات پیدا ہو رہی ہیں اور گناہ کے محرکات سامنے آرہے ہیں لیکن یہ انسان ہمارے

۵۔ اسکی وسعت ایسی (تو) ہے (ہی) جیسے سب آسمان و زمین۔

خوف اور ہماری عظمت کے تصور سے اپنی آنکھ کو گناہ سے بچا لیتا ہے اپنے کان کو گناہ سے بچا لیتا ہے، اپنی زبان کو گناہ سے بچا لیتا ہے اور گناہوں کی طرف اٹھتے ہوئے قدموں کو روک لیتا ہے تاکہ میرا اللہ مجھ سے ناراض نہ ہو جائے یہ عبادت فرشتوں کے بس میں نہیں تھی اس عبادت کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا کمال

حضرت یوسف علیہ السلام کو جو فتنہ زلیخا کے مقابلے میں پیش آیا

کون مسلمان ایسا ہے جو اس کو نہیں جانتا، قرآن کریم کہتا ہے کہ زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو گناہ کی دعوت دی اس وقت زلیخا کے دل میں بھی گناہ کا خیال پیدا ہوا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے دل میں بھی گناہ کا خیال آ گیا عام لوگ تو اس سے حضرت یوسف علیہ السلام پر اعتراض اور انکی تنقیص بیان کرتے ہیں حالانکہ قرآن کریم یہ بتلانا چاہتا ہے کہ گناہ کا خیال آ جانے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے خوف اور انکی عظمت کے استحضار سے اس گناہ کے خیال پر عمل نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر لیا، لیکن اگر گناہ کا خیال بھی دل میں آتا اور گناہ کرنے کی صلاحیت ہی نہ ہوتی اور گناہ کا تقاضہ ہی پیدا نہ ہوتا تو پھر ہزار مرتبہ زلیخا گناہ کی دعوت دے پھر تو کمال کی تو کوئی بات نہیں تھی۔ کمال تو یہی تھا کہ گناہ کی دعوت دی جا رہی ہے اور ماحول بھی موجود، حالات بھی سازگار اور دل میں خیال بھی آ رہا ہے لیکن ان سب چیزوں کے باوجود اللہ کے حکم کے آگے سر تسلیم خم کر کے فرمایا کہ "معاذ اللہ" کہ میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں، یہ عبادت ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا فرمایا (سورۂ یوسف: ۲۴)

ہماری جانوں کا سودا ہو چکا ہے

جب انسان کا مقصدِ تخلیق عبادت ہے تو اس کا تقاضہ

یہ تھا کہ جب انسان دنیا میں آئے تو صبح سے لیکر شام تک عبادت۔

سکے علاوہ کوئی اور کام نہ کرے اور اسکو دوسرے کام کرنے کی اجا
نہ ہونی چاہئے چنانچہ دوسری جگہ قرآن کریم نے فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِن
الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَہُمْ وَاَمْوَالَہُمْ بِاَنَّ لَہُمُ الْجَنَّۃَ (سورۃ التوبہ : ۱۱۱)
اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے انکی جانیں اور انکے مال خرید لئے اور اسکا معاوضہ
مقرر فرمایا کہ آخرت میں انکو جنت ملے گی۔ جب ہماری جانیں بک چکی ہیں
جانیں جو ہم لئے بیٹھے ہیں وہ ہماری نہیں ہیں بلکہ بکا ہوا مال ہے اسکی ق
لگ چکی ہے۔ جب یہ جان اپنی نہیں ہے تو اسکا تقاضہ یہ تھا کہ انس
اور جسم کو سوائے اللہ کی عبادت کے دوسرے کام میں نہ لگایا جائے
اگر ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تمھیں صبح سے شام د
کام کرنے کی اجازت نہیں، بس صرف سجدے میں پڑے رہا کرو اور اللہ ا
دوسرے کاموں کی اجازت نہیں نہ کمانے کی اجازت ہے نہ کھانے کی ا
تو یہ حکم انصاف کے خلاف نہ ہوتا اسلئے کہ پیدا ہی عبادت کے لئے کیا گیا

ایسے خریدار پر قربان جایئے

لیکن قربان جایئے خریدار پر کہ اللہ ت
نے ہماری جان و مال کو خرید بھی لیا اور اسکی قیمت بھی پوری
یعنی جنت، پھر وہ جان و مال ہمیں واپس بھی لوٹا دیا کہ یہ جا
مال تم اپنے پاس رکھ لو اور ہمیں اس بات کی اجازت دیدی
پیو، کماؤ اور دنیا کے کاروبار کرو، بس پانچ وقت کی نماز پڑھ
اور فلاں فلاں چیزوں سے پرہیز کرو باقی جس طرح چاہو کرو، یہ ا
کی عظیم رحمت اور عنایت ہے۔

اس ماہ میں اصل مقصد کی طرف آجاؤ

لیکن جائز کرنے کے
کیا ہوتا ہے؟ اللہ
بھی جانتے تھے کہ جب یہ انسان دنیا کے کاروبار اور کام دھندوں میں لگے گا تو رفتہ

سکے دل پر غفلت کے پردے پڑجایا کریں گے اور دنیا کے کاروبار اور دھندوں میں کھو جائے گا تو اس غفلت کو دور کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً کچھ اوقات مقرر فرما دئیے ہیں ان میں سے ایک رمضان المبارک کا مہینہ ہے اس لئے کہ سال کے گیارہ مہینے تو آپ تجارت میں زراعت میں مزدوری میں اور دنیا کے کاروبار اور دھندوں میں کھانے کمانے اور ہنسنے بولنے میں لگے رہے اور س کے نتیجے میں دلوں پر غفلت کا پردہ پڑنے لگتا ہے اسلئے ایک مہینہ ...نہ تعالے نے اس کام کے لئے مقرر فرما دیا کہ اس مہینے میں تم اپنے اصل مقصد تخلیق یعنی عبادت کی طرف لوٹ آؤ جس کے لئے دنیا میں تمھیں بھیجا گیا اور جس کے لیے تمھیں پیدا کیا گیا۔ اس ماہ میں اللہ کی عبادت میں لگو اور گیارہ مہینے تک تم سے جو گناہ سرزد ہوئے ہیں انکو بخشواؤ اور دل کی صلاحیتوں پر جو میل آچکا ہے اس کو دھلواؤ اور دل پر جو غفلت کے پردے پڑ چکے ہیں انکو اٹھواؤ س کام کے لئے ہم نے یہ مہینہ مقرر کیا ہے۔

رمضان کے معنی

لفظ "رَمْضان" میم کے سکون کے ساتھ ہم غلط استعمال کرتے ہیں صحیح لفظ "رَمَضَان" میم کے زبر کے ساتھ ہے۔ اور رمضان کے لوگوں نے بہت سے معنی بیان کئے ہیں لیکن اصل عربی زبان میں "رمضان کے معنی ہیں" جھلسا دینے والا، جلا دینے والا" اور س ماہ کا یہ نام اس لئے رکھا گیا کہ سب سے پہلے جب اس ماہ کا نام رکھا جا رہا تھا اس سال یہ مہینہ شدید جھلسا دینے والی گرمی میں آیا تھا اس لئے وگوں نے اسکا نام "رمضان" رکھدیا۔

اپنے گناہوں کو بخشوالو

لیکن علماء نے فرمایا کہ اس ماہ کو رمضان اسلئے کہا جاتا ہے کہ اس مہینہ میں اللہ تعالےٰ اپنی رحمت سے اپنے فضل و کرم سے بندوں کے گناہوں کو جھلسا دیتے ہیں ور جلا دیتے ہیں اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ مہینہ مقرر فرمایا۔

گیارہ مہینے دنیا وی کاروبار، دنیاوی دھندوں میں لگے رہنے کے نتیجے میں غفلتیں دل پر چھا گئیں اور اس عرصہ میں جن گناہوں اور خطاؤں کا ارتکاب ہوا انکو اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہوکر انہیں بخشوالو اور غفلت کے پردوں کو دل سے اٹھا دو تاکہ زندگی کا ایک نیا دور شروع ہو جائے۔ اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (سورۃ البقرۃ: ۱۸۳) یعنی یہ روزے تم پر اسلئے فرض کئے گئے تاکہ تمھارے اندر تقویٰ پیدا ہو جائے۔ تو رمضان کے مہینے کا اصل مقصد یہ ہے کہ سال بھر کے گناہوں کو بخشوانا اور غفلت کے حجاب دل سے اٹھانا اور دلوں میں تقویٰ پیدا کرنا جیسے کسی مشین کو جب کچھ عرصہ استعمال کیا جائے تو اس کے بعد اسکی سروس کرانی پڑتی ہے اسکی صفائی کرانی ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسان کی سروس اور اوور ہالنگ کے لئے یہ رمضان المبارک کا مہینہ مقرر فرمایا ہے تاکہ اس مہینے میں اپنی صفائی کراؤ اور اپنی زندگی کو ایک نئی شکل دو۔

اس ماہ کو فارغ کرلیں

لہٰذا صرف روزہ رکھنے اور تراویح پڑھنے کی حد تک بات ختم نہیں ہوتی بلکہ اس مہینہ کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنے آپ کو اس مہینے میں دوسرے کاموں سے فارغ کرلے اسلئے کہ گیارہ مہینے تک زندگی کے دوسرے کام دھندوں میں لگے رہے لیکن یہ مہینہ انسان کے لئے اسکی اصل مقصد تخلیق کی طرف لوٹنے کا مہینہ ہے اسلئے اس مہینہ کے تمام اوقات ورنہ کم از کم اکثر اوقات یا جتنا زیادہ سے زیادہ ہوسکے اللہ کی عبادت میں صرف کرے اور اسکے لئے انسان کو پہلے سے تیار ہونا چاہیے اور اس کا پہلے سے پروگرام بنانا چاہیے۔

استقبال رمضان کا صحیح طریقہ

آجکل عالم اسلام میں ایک بات چل پڑی ہے جسکی ابتدا عرب

ممالک خاص کر مصر و شام سے ہوئی اور پھر دوسرے ملکوں میں کبھی رائج ہوگئی اور ہمارے یہاں کبھی آگئی ہے اور وہ یہ ہے کہ رمضان شروع ہونے سے پہلے کچھ محفلیں منعقد ہوتی ہیں جس کا نام "محفلِ استقبالِ رمضان" رکھا جاتا ہے جس میں رمضان سے ایک دو دن پہلے ایک اجتماع منعقد کیا جاتا ہے اور اس میں قرآن کریم اور تقریر اور وعظ رکھا جاتا ہے جس کا مقصد لوگوں کو یہ بتلانا ہوتا ہے کہ ہم رمضان المبارک کا استقبال کر رہے ہیں اور اس کو "خوش آمدید" کہہ رہے ہیں۔ رمضان المبارک کے استقبال کا یہ جذبہ بہت اچھا ہے لیکن یہی اچھا جذبہ جب آگے بڑھتا ہے تو کچھ عرصے کے بعد بدعت کی شکل اختیار کر لیتا ہے، چنانچہ بعض جگہوں پر اس استقبال کی محفل نے بدعت کی شکل اختیار کرلی۔ لیکن رمضان المبارک کا اصل استقبال یہ ہے کہ رمضان آنے سے پہلے اپنے نظام الاوقات بدل کر ایسا بنانے کی کوشش کرو کہ اس میں زیادہ سے زیادہ وقت اللہ جل شانہ کی عبادت میں صرف ہو۔

رمضان کا مہینہ آنے سے پہلے یہ سوچو کہ یہ مہینہ آرہا ہے کس طرح میں اپنی مصروفیات کم کر سکتا ہوں، اس مہینہ میں اگر کوئی شخص اپنے آپکو بالکلیہ عبادت کے لئے فارغ کرلے تو سبحان اللہ اور اگر کوئی شخص بالکلیہ اپنے آپ کو فارغ نہیں کر سکتا تو پھر یہ دیکھے کہ کون کون سے کام ایک ماہ کے لئے چھوڑ سکتا ہوں ان کو چھوڑے اور کن مصروفیات کو کم کر سکتا ہوں انکو کم کرے اور جن کاموں کو رمضان کے بعد تک مؤخر کر سکتا ہے انکو مؤخر کرے اور رمضان کے زیادہ سے زیادہ اوقات کو عبادت میں لگانے کی فکر کرے۔ میرے نزدیک استقبال رمضان کا صحیح طریقہ یہی ہے اگر یہ کام کرلیا تو انشاءاللہ رمضان المبارک کی صحیح روح اور اسکے انوار و برکات حاصل ہوں گے ــــ ورنہ یہ ہوگا کہ رمضان المبارک آئیگا اور چلا جائیگا

اور اس سے صحیح طور سے فائدہ ہم نہیں اٹھا سکیں گے۔

روزہ اور تراویح سے ایک قدم آگے

جب رمضان المبارک کو دوسرے مشاغل سے فارغ کرلیا تو اب اس فارغ وقت کو کس کام میں صرف کرے؛ جہاں تک روزوں کا تعلق ہے ہر شخص جانتا ہے کہ روزہ رکھنا فرض ہے اور جہاں تک تراویح کا معاملہ ہے اس سے بھی ہر شخص واقف ہے لیکن ایک پہلو کیطرف خاص طور پر متوجہ کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ الحمد للہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہے اسکے دل میں رمضان المبارک کا ایک احترام اور اس کا تقدس ہوتا ہے جسکی وجہ سے اسکی کوشش یہ ہوتی ہے کہ اس ماہ مبارک میں اللہ کی عبادت کچھ زیادہ کرے اور کچھ نوافل زیادہ پڑھے جو لوگ عام دنوں میں پانچ وقت کی نماز ادا کرنے کے لئے مسجد میں آنے سے کتراتے ہیں وہ لوگ بھی تراویح جیسی لمبی نماز میں بھی روزانہ شریک ہوتے ہیں یہ سب الحمد للہ اس ماہ کی برکت ہے کہ لوگ عبادت میں نماز میں ذکر واذکار اور تلاوت قرآن میں مشغول ہوتے ہیں۔

ایک مہینہ اس طرح گزارلو

لیکن ان سب نفلی نمازوں، نفلی عبادات، نفلی ذکر واذکار اور نفلی تلاوت قرآن کریم سے زیادہ مقدم ایک اور چیز ہے جس کی طرف توجہ نہیں دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ اس مہینے کو گناہوں سے پاک کرکے گزارتا کہ اس ماہ میں ہم سے کوئی گناہ سرزد نہو، اس مبارک مہینے میں آنکھ نہ بہکے، نظر غلط جگہ پر نہ پڑے، کان غلط چیز نہ سنیں، زبان سے کوئی کلمہ غلط نہ نکلے اور اللہ تبارک تعالیٰ کی معصیت سے مکمل اجتناب ہو، یہ مبارک مہینہ اگر اسطرح گزارلیا پھر چاہے ایک نفلی رکعت نہ پڑھی ہو اور تلاوت زیادہ نہ کی ہو اور نہ ذکر واذکار کیا ہو لیکن گناہوں سے بچتے ہوئے، اللہ کی معصیت اور

نافرمانی سے بچتے ہوئے یہ مہینہ گزار دیا تو آپ قابل مبارکباد ہیں اور یہ مہینہ آپ کے لئے مبارک ہے۔ گیارہ مہینے تک ہر قسم کے کام میں مبتلا رہتے ہیں اور یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ایک مہینہ آرہا ہے کم از کم اسکو تو گناہوں سے پاک کرلو اس میں تو اللہ کی نافرمانی نہ کرو، اس میں تو کم از کم جھوٹ نہ بولو، اس میں تو غیبت نہ کرو، اس میں تو بدنگاہی کے اندر مبتلا نہ ہو، اس مبارک مہینے میں تو کانوں کو غلط جگہ پر استعمال نہ کرو، اس میں تو رشوت نہ کھاؤ، اس میں تو سود نہ کھاؤ، کم از کم یہ ایک مہینہ اس طرح گزار لو۔

یہ کیسا روزہ ہوا؟

اس لئے کہ آپ روزے تو ماشاء اللہ بڑے ذوق و شوق سے رکھ رہے ہیں لیکن روزے کے کیا معنی ہیں؟ روزے کے معنی یہ ہیں کہ کھانے سے اجتناب کرنا، پینے سے اجتناب اور نفسانی خواہشات کی تکمیل سے اجتناب کرنا۔ روزے میں ان تینوں چیزوں سے اجتناب ضروری ہے۔ اب یہ دیکھیں کہ تینوں چیزیں ایسی ہیں جو فی نفسہ حلال ہیں، کھانا حلال، پینا حلال، اور جائز طریقے سے زوجین کا نفسانی خواہشات کی تکمیل کرنا حلال، اب روزے کے دوران آپ ان حلال چیزوں سے تو پرہیز کر رہے ہیں نہ کھا رہے ہیں نہ پی رہے ہیں لیکن جو چیزیں پہلے سے حرام تھیں مثلاً جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، بدنگاہی کرنا جو ہر حال میں حرام تھیں روزے میں یہ سب چیزیں ہو رہی ہیں اب روزہ رکھا ہوا ہے اور جھوٹ بول رہے ہیں، روزہ رکھا ہوا ہے اور غیبت کر رہے ہیں، روزہ رکھا ہوا ہے اور بدنگاہی کر رہے ہیں اور روزہ رکھا ہوا ہے لیکن وقت پاس کرنے کے لئے گندی گندی فلمیں دیکھ رہے ہیں یہ کیا روزہ ہوا؟ کہ حلال چیز تو چھوڑ دی اور حرام چیز نہیں چھوڑی! اس لئے حدیث شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو شخص روزے کی حالت میں جھوٹ بولنا نہ چھوڑے تو مجھے اسکے بھوکا

پیاسا رہنے کی کوئی حاجت نہیں۔ اسلئے جب جھوٹ بولنا نہیں چھوڑا جو پہلے حرام تھا تو کھانا چھوڑ کر اس نے کونسا بڑا عمل کیا؟

روزہ کا ثواب ملیامیٹ ہوگیا

اگرچہ فقہی اعتبار سے روزہ درست ہوگیا اگر کسی مفتی سے پوچھوگے کہ میں نے روزہ بھی رکھا تھا اور جھوٹ بھی بولا تھا تو وہ مفتی یہی جواب دیگا کہ روزہ درست ہوگیا اسکی قضا واجب نہیں لیکن اسکی قضا واجب نہ ہونے کے باوجود اس روزے کا ثواب اور برکات ملیامیٹ ہوگئیں اس واسطے کہ تم نے اس روزے کی روح حاصل نہیں کی۔

روزے کا مقصد تقویٰ کی شمع روشن کرنا

میں نے آپ کے سامنے جو یہ آیت تلاوت کی

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (اے ایمان والو! تم پر تمہارے فرض کئے گئے جیسے پچھلی امتوں پر فرض کئے گئے۔ کیوں روزے فرض کئے گئے؟ تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو یعنی روزہ اصل میں اسلئے تمہارے ذمہ مشروع کیا گیا تاکہ اسکے ذریعہ تمہارے دل میں تقویٰ کی شمع روشن ہو۔ روزے سے تقویٰ کس طرح پیدا ہوتا ہے؟

روزہ تقوے کی سیڑھی ہے

بعض علماء کرام نے فرمایا کہ روزے سے تقویٰ اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ روزہ انسان کی قوت حیوانیہ اور قوت بہیمیہ کو توڑتا ہے جب آدمی بھوکا رہیگا تو اسکی وجہ سے اسکی حیوانی خواہشات اور حیوانی تقاضے کچلے جائیں جس کے نتیجہ میں گناہوں پر اقدام کرنے کا داعیہ اور جذبہ سست پڑ جائے گا۔

لیکن ہمارے حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ اللہ تعالیٰ انکے درجات بلند فرمائے، آمین —— نے فرمایا کہ صرف قوت بہیمیہ توڑنے کی بات نہیں ہے بلکہ بات دراصل یہ ہے کہ جب آدمی صحیح طریقے سے

روزہ رکھے گا تو یہ روزہ خود تقویٰ کی عظیم الشان سیڑھی ہے۔ اسلئے کہ تقوے کے کیا معنی ہیں؟ تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ جل جلالہ کی عظمت کے استحضار سے اسکے گناہوں سے بچنا یعنی یہ سوچ کر کہ میں اللہ تعالیٰ بندہ ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو کر مجھے جواب دینا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ اس تصور کے بعد جب انسان گناہوں کو چھوڑتا ہے تو اسی کا نام تقویٰ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى (سورۃ النازعات: ۴۰) یعنی جو شخص اس بات سے ڈرتا ہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونا ہے اور کھڑا ہونا ہے اور اسکے نتیجے میں وہ اپنے آپ کو ہوائے نفس اور خواہشات سے روکتا ہے، یہی تقویٰ ہے۔

میرا مالک مجھے دیکھ رہا ہے

لہٰذا "روزہ" حصول تقویٰ کے لئے بہترین ٹریننگ اور بہترین تربیت ہے

جب روزہ رکھ لیا تو آدمی پھر کیسا ہی گنہگار، خطاکار اور فاسق و فاجر ہو جیسا بھی ہو لیکن روزہ رکھنے کے بعد اسکی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ سخت گرمی کا دن ہے اور سخت پیاس لگی ہوئی ہے اور کمرہ میں اکیلا ہے کوئی دوسرا پاس موجود نہیں اور دروازے پر کنڈی لگی ہوئی ہے اور کمرہ میں فرج موجود ہے اور اس فرج میں ٹھنڈا پانی موجود ہے اس وقت انسان کا نفس یہ تقاضا کرتا ہے کہ اس شدید گرمی کے عالم میں ٹھنڈا پانی پی لوں لیکن کیا وہ شخص فرج سے ٹھنڈا پانی نکال کر پی لے گا؟ ہرگز نہیں پیئے گا۔ حالانکہ اگر وہ پانی پی لے تو کسی بھی انسان کو کانوں کان خبر نہ ہوگی کوئی لعنت اور ملامت کرنے والا نہیں ہوگا اور دنیا والوں کے سامنے وہ روزہ دار ہی رہیگا اور شام کو باہر نکل کر آرام سے لوگوں کے ساتھ افطاری کھالے تو کسی شخص کو بھی پتہ نہیں چلے گا کہ اس نے روزہ توڑ دیا ہے، لیکن اسکے باوجود وہ پانی نہیں پیتا ہے

کیوں نہیں پیتا؟ پانی نہ پینے کی اسکے علاوہ کوئی اور وجہ نہیں ہے کہ وہ یہ سوچتا ہے کہ اگرچہ کوئی مجھے نہیں دیکھ رہا ہے لیکن میرا مالک جس کے لئے میں نے روزہ رکھا ہے وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔

میں ہی اسکا بدلہ دوں گا

اسی لئے اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اُجْزِیْ بِہٖ (ترمذی: کتاب الصوم باب ما جاء فی فضل الصوم حدیث نمبر ۷۶۴) یعنی روزہ میرے لئے ہے لہٰذا میں ہی اسکی جزاء دونگا۔ اور اعمال کے بارے میں تو یہ فرمایا کہ کسی عمل کا دس گنا اجر، کسی عمل کا ستر گنا اجر اور کسی عمل کا سو گنا اجر ہے، حتیٰ کہ صدقہ کا اجر سات سو گنا ہے لیکن روزے کے بارے میں فرمایا کہ روزے کا اجر میں دوں گا کیونکہ روزہ اس نے صرف میرے لئے رکھا تھا اس لئے کہ شدید گرمی کی وجہ سے جب حلق میں کانٹے لگ رہے ہیں اور زبان پیاس سے خشک ہے اور فرج میں ٹھنڈا پانی موجود ہے اور تنہائی ہے اور کوئی دیکھنے والا بھی نہیں ہے اس کے باوجود میرا بندہ صرف اس لئے پانی نہیں پی رہا ہے کہ اسکے دل میں میرے سامنے کھڑا ہونے اور جواب دہی کا ڈر۔ اور احساس ہے اسی احساس کا نام تقویٰ ہے اگر یہ احساس پیدا ہوگیا تو تقویٰ بھی پیدا ہوگیا لہٰذا روزہ تقوے کی ایک شکل بھی ہے اور اسکے حصول کی ایک سیڑھی بھی ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے روزے اسلئے فرض کئے تاکہ تقویٰ کی عملی تربیت دیں۔

ورنہ یہ تربیتی کورس مکمل نہیں ہوگا

اور جب تم روزے کے ذریعہ یہ عملی تربیت حاصل کر رہے ہو تو پھر اسکو اور ترقی دو اور آگے بڑھاؤ لہٰذا جس طرح روزے کی حالت میں شدت پیاس کے باوجود پانی پینے سے رک گئے تھے اور اللہ کے خوف سے کھانا کھانے سے رک گئے تھے اسی طرح جب کاروبار زندگی میں نکلو اور وہاں پر اللہ کی معصیت

فرمانی کا تقاضہ اور داعیہ پیدا ہو رہا ہو تو بھی اللہ کے خوف سے اس معصیت سے
باؤ۔ لہٰذا ایک مہینے کے لئے ہم تمہیں ایک تربیتی کورس سے گذار رہے
ور یہ تربیتی کورس اس وقت مکمل ہوگا جب کاروبار زندگی میں ہر موقع
پر عمل کرو ورنہ اس طرح یہ تربیتی کورس مکمل نہیں ہوگا کہ اللہ کے
سے پانی پینے سے تو رک گئے اور جب کاروبار زندگی میں نکلے تو پھر آنکھ
بگہ پر پڑ رہی ہے، کان بھی غلط باتیں سن رہے ہیں، زبان سے بھی
باتیں نکل رہی ہیں اس طرح تو یہ کورس مکمل نہیں ہوگا۔

ہ کا ایئر کنڈیشنر لگا دیا لیکن؟

جس طرح علاج ضروری ہے اسی طرح پرہیز بھی ضروری ہے اللہ تعالیٰ
روزہ اسلئے رکھوایا تاکہ تمہارے اندر تقویٰ پیدا ہو لیکن تقویٰ اس وقت
ہوگا جب اللہ کی نافرمانیوں اور معصیتوں سے پرہیز کرو گے مثلاً کمرہ کو ٹھنڈا
نے کے لئے آپ نے اس میں ایئر کنڈیشنر لگایا اور ایئر کنڈیشنر کا تقاضہ یہ ہے
رے کمرہ کو ٹھنڈا کر دے اب آپ نے اسکو اون کر دیا لیکن ساتھ ہی اس
ے کی کھڑکیاں اور دروازے کھول دیئے، ادھر سے ٹھنڈک آ رہی
، اور ادھر سے نکل رہی ہے لہٰذا کمرہ ٹھنڈا نہیں ہوگا بالکل اسی طرح یہ سوچئے
روزہ کا ایئر کنڈیشنر تو آپ نے لگا دیا لیکن ساتھ ہی دوسری طرف اللہ کی
فرمانی اور معصیتوں کے دروازے اور کھڑکیاں کھول دیں اب بتائیے
یسے روزے سے کوئی فائدہ حاصل ہوگا؟

اصل مقصد، حکم کی اتباع

اسی طرح روزے کے اندر یہ حکمت کہ
کہ اسکا مقصد قوت بہیمیہ توڑنا ہے یہ بعد
حکمت ہے، اصل مقصد یہ ہے کہ ان کے حکم کی اتباع ہو اور سارے دین
مدار اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کی اتباع پر ہے، وہ جب کہیں کہ کھاؤ اسوقت
ھانا دین ہے اور جب وہ کہیں کہ مت کھاؤ اس وقت نہ کھانا دین ہے

اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت اور اپنی اتباع کا عجیب نظام بنایا ہے کہ سارا دن تو روزہ رکھنے کا حکم دیا اور اس پر بڑا اجر وثواب رکھا لیکن ادھر آفتاب غروب ہوا ادھر یہ حکم آگیا کہ اب جلدی افطار کرو اور افطار میں جلدی کرنے کو مستحب قرار دیا اور بلا وجہ افطار میں تاخیر کرنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔ کیوں ناپسندیدہ ہے؟ اس لئے کہ جب آفتاب غروب ہو گیا تو اب ہمارا یہ حکم آگیا کہ اب بھی اگر نہیں کھاؤ گے اور بھوکے رہو گے تو یہ بھوک کی حالت ہمیں پسند نہیں اس لئے کہ اصل کام ہماری اتباع کرنا ہے اپنا شوق پورا کرنا نہیں ہے۔

ہمارا حکم توڑ دیا

عام حالات میں دنیا کی کسی چیز کی حرص اور ہوس بہت بری چیز ہے لیکن جب وہ کہیں کہ حرص کرو تو پھر حرص ہی میں لطف اور مزہ ہے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے کہ ؎

چوں طمع خواہد زمن سلطان دیں خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

جب سلطان دین یہ چاہ رہے ہیں کہ میں حرص اور طمع کروں تو پھر قناعت کے سر پر خاک، پھر قناعت میں مزہ نہیں ہے پھر تو طمع اور حرص میں مزہ ہے۔ یہ افطار میں جلدی کرنے کا حکم اسی وجہ سے ہے۔ غروب آفتاب سے پہلے تو یہ حکم تھا ایک ذرہ بھی اگر منہ میں چلا گیا تو گناہ بھی لازم اور کفارہ بھی لازم مثلاً سات بجے آفتاب غروب ہو رہا تھا اب اگر کسی شخص نے چھ بجکر انسٹھ منٹ پر ایک چنے کا دانہ کھا لیا اب بتائیے کہ روزہ میں کتنی کمی آئی؟ صرف ایک منٹ کی کمی آئی، ایک منٹ کا روزہ توڑا لیکن اس ایک منٹ کے روزے کے کفارے میں ساٹھ دن کے روزے رکھنے واجب ہیں۔ اس لئے کہ بات صرف ایک چنے اور ایک منٹ کی نہیں ہے بات دراصل یہ ہے کہ اس نے ہمارا حکم توڑا ہمارا حکم یہ تھا کہ جب تک آفتاب غروب نہ ہو جائے اس وقت تک کھانا جائز نہیں لیکن تم نے یہ حکم توڑ دیا، لہٰذا اب ایک منٹ

کے بدلے میں ساٹھ دن کے روزے رکھو۔

افطار میں جلدی کرو

اور پھر جیسے ہی آفتاب غروب ہوگیا تو یہ حکم آگیا کہ اب جلدی کھاؤ اگر بلا وجہ تاخیر کردی تو گناہ ہوگا۔ کیوں؟ اسواسطے کہ ہم نے حکم دیا تھا کہ کھاؤ اب کھانا ضروری ہے

سحری میں تاخیر افضل ہے

سحری کے بارے میں حکم یہ ہے کہ سحری تاخیر سے کھانا افضل ہے جلدی کھانا خلاف سنت ہے۔ بعض لوگ رات کو بارہ بجے سحری کھاکر سوجاتے ہیں یہ خلاف سنت ہے چنانچہ صحابۂ کرام کا بھی یہی معمول تھا کہ بالکل آخری وقت تک کھاتے رہتے تھے اس واسطے کہ یہ وہ وقت ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ صرف یہ کہ کھانے کی اجازت ہے بلکہ کھانے کا حکم ہے اس لئے جب تک وہ وقت باقی رہے گا ہم کھاتے رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اتباع اور اطاعت اسی میں ہے اب اگر کوئی شخص پہلے سحری کھالے تو گویا اس نے روزے کے وقت میں اپنی طرف سے اضافہ کردیا اسلئے پہلے سے سحری کھانے کو ممنوع قرار دیا۔ پورے دین میں سارا کھیل اتباع کا ہے جب ہم نے کہا کھاؤ تو کھانا ثواب ہے اور جب ہم نے کہا کہ مت کھاؤ تو نہ کھانا ثواب ہے اسلئے حضرت حکیم الامت قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ جب اللہ میاں کہہ رہے ہیں کہ کھاؤ اور بندہ کہے کہ میں تو نہیں کھاتا یا میں کم کھاتا ہوں یہ تو بندگی اور اطاعت نہ ہوئی۔ ارے بھائی نہ تو کھانے میں کچھ رکھا ہے اور نہ ہی نہ کھانے میں کچھ رکھا ہے سب کچھ انکی اطاعت میں ہے اسلئے جب انھوں نے کہدیا کہ کھاؤ تو پھر کھاؤ، اس میں اپنی طرف سے زیادہ پابندی کرنے کی ضرورت نہیں

ایک مہینہ بغیر گناہ کے گزار لو

البتہ اہتمام کرنے کی چیز یہ ہے کہ جب روزہ رکھ لیا تو اب اپنے آپکو گناہوں سے بچاؤ، آنکھوں کو بچاؤ، کانوں کو بچاؤ، زبانوں کو بچاؤ۔ ایک رمضان کے

موقع پر ہمارے حضرت قدس اللہ سرہٗ نے یہاں تک فرمایا کہ میں ایک ایسی بات کہتا ہوں جو کوئی نہیں کہے گا وہ یہ کہ اپنے نفس کو اس طرح بہلاؤ اور اس سے عہد کرلو کہ ایک مہینہ بغیر گناہ کے گزارلو جب یہ ایک مہینہ گزر جائے تو پھر تیرا جو چاہے کرنا، چنانچہ حضرت والا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ کی رحمت سے امید ہے کہ جب یہ ایک مہینہ بغیر گناہ کے گزر جائے گا تو پھر اللہ تعالےٰ خود اسکے دل میں گناہ چھوڑنے کا داعیہ پیدا فرمادیں گے۔ لیکن یہ عہد کرلو کہ یہ اللہ کا مہینہ آرہا ہے، یہ عبادت کا مہینہ ہے، یہ تقویٰ پیدا کرنے کا مہینہ ہے ہم اس میں گناہ نہیں کریں گے اور ہر شخص اپنے گریبان میں منہ ڈالکر دیکھے کہ وہ کن گناہوں میں مبتلا ہے پھر ان سب کے بارے میں یہ عہد کرلے کہ میں ان میں مبتلا نہیں ہونگا۔ مثلاً یہ عہد کرلے کہ رمضان المبارک میں آنکھ غلط جگہ پر نہیں اٹھے گی، کان غلط بات نہیں سنیں گے، زبان سے غلط بات نہیں نکلے گی۔ یہ تو کوئی بات نہ ہوئی کہ روزہ بھی رکھا ہوا ہے اور فواحشات کو بھی آنکھ سے دیکھ رہے ہیں اور اس سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔

اس ماہ میں رزق حلال

دوسری اہم بات جو ہمارے حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کم ازکم اس ایک مہینے میں تو رزق حلال کا اہتمام کرلو، جو لقمہ آئے وہ حلال کا آئے کہیں ایسا نہ ہو کہ روزہ تو اللہ کے لئے رکھا اور اسکو حرام چیز سے افطار کر رہے ہیں سود پر افطار ہو رہا ہے یا رشوت پر افطار ہو رہا ہے یا حرام آمدنی پر افطار ہو رہا ہے، یہ کیسا روزہ ہوا؟ کہ سحری بھی حرام، افطاری بھی حرام اور درمیان میں روزہ، اسلئے خاص طور پر اس مہینہ میں حرام روزی سے بچو اور اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا مانگو کہ یا اللہ! میں رزق حلال کھانا چاہتا ہوں مجھے رزق حرام سے بچا لیجئے۔

حرام آمدنی سے بچیں

بعض حضرات وہ ہیں جنکا بنیادی ذریعہ معاش،

الحمدللہ، حرام نہیں ہے بلکہ حلال ہے البتہ اہتمام نہ ہونے کی وجہ سے کچھ حرام آمدنی کی آمیزش ہو جاتی ہے ایسے حضرات کیلئے حرام سے بچنا کوئی دشوار کام نہیں ہے وہ کم از کم اس ماہ میں تھوڑا سا اہتمام کرلیں اور حرام آمدنی سے بچیں۔ یہ عجیب قصہ ہے کہ اس ماہ کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ صبر کا مہینہ ہے، یہ مواسات اور غمخواری کا مہینہ ہے، ایک دوسرے سے ہمدردی کا مہینہ ہے لیکن اس ماہ میں مواسات کے بجائے لوگ الٹا کھال کھینچنے کی فکر کرتے ہیں ادھر رمضان المبارک کا مہینہ آیا اور ادھر چیزوں کی ذخیرہ اندوزی شروع کردی لہٰذا کم از کم اس ماہ میں اپنے آپکو ایسے حرام کاموں سے بچالو

اگر آمدنی مکمل حرام ہے تو پھر؟ بعض حضرات وہ ہیں جنکا ذریعہ آمدنی مکمل طور پر حرام ہے مثلاً وہ کسی سودی ادارے میں ملازم ہیں ایسے حضرات اس ماہ میں کیا کریں؟ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی صاحب قدس اللہ سرہٗ، اللہ تعالیٰ انکے درجات بلند فرمائے آمین ہر آدمی کیلئے راستہ بتا گئے، وہ فرماتے ہیں کہ میں ایسے آدمی کو جس کی مکمل آمدنی حرام ہے یہ مشورہ دیتا ہوں کہ اگر ہو سکے تو رمضان میں چھٹی لے لے اور کم از کم اس ماہ کے خرچ کے لئے جائز اور حلال ذریعہ سے انتظام کرلے کوئی جائز آمدنی کا ذریعہ اختیار کرلے اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو اس ماہ کے خرچ کیلئے کسی سے قرض لے لے اور یہ سوچ کریں اس مہینے میں حلال آمدنی سے کھاؤں گا اور اپنے بچوں کو بھی حلال کھلاؤں گا۔ کم از کم اتنا تو کرلے۔

گناہوں سے بچنا آسان ہے بہرحال میں یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ لوگ اس مہینے میں نوافل وغیرہ کا تو اہتمام بہت کرتے ہیں لیکن گناہوں سے بچنے کا اتنا اہتمام نہیں کرتے حالانکہ اس ماہ میں اللہ تعالیٰ نے گناہوں سے بچنے کو آسان فرما دیا ہے چنانچہ اس ماہ میں شیطان کو بیڑیاں پہنا دی جاتی ہیں اور انکو قید کر دیا جاتا ہے لہٰذا شیطان کی طرف سے گناہ کرنے کے وسوسے اور تقاضے ختم ہو جاتے ہیں اسلئے گناہوں سے بچنا آسان ہو جاتا ہے

روزے میں غصے سے پرہیز تیسری بات جسکا روزے سے خاص تعلق ہے وہ ہے غصے سے اجتناب اور پرہیز چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مواسات کا مہینہ ہے ایک دوسرے

سے غمخواری کا مہینہ ہے۔ لہٰذا غصہ اور غصہ کی وجہ سے سرزد ہونے والے جرائم اور گناہ مثلاً جھگڑا، مارپٹائی اور تو تکار ان چیزوں سے پرہیز کا اہتمام کریں۔ حدیث شریف میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ وَإِنْ جَهِلَ عَلَى أَحَدِكُمْ جَاهِلٌ وَهُوَ صَائِمٌ فَلْيَقُلْ إِنِّي صَائِمٌ (ترمذی، کتاب الصوم، باب ما جاء فی فضل الصوم، حدیث نمبر: ۷۶۴) یعنی اگر کوئی شخص تم سے جہالت اور لڑائی کی بات کرے تو تم کہدو کہ میرا روزہ ہے میں لڑنے کیلئے تیار نہیں نہ زبان سے لڑنے کے لئے تیار ہوں اور نہ ہاتھ سے۔ اس سے پرہیز کریں یہ بنیادی کام ہیں۔

رمضان میں نفلی عبادات زیادہ کریں

جہاں تک عبادات کا تعلق ہے تمام مسلمان ماشاء اللہ جانتے ہی ہیں کہ روزہ رکھنا، تراویح پڑھنا ضروری ہے اور تلاوت قرآن کو چونکہ اس مہینے سے خاص مناسبت ہے چنانچہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے مہینے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ پورے قرآن کریم کا دور فرمایا کرتے تھے اس لئے جتنا زیادہ سے زیادہ ہو سکے اس مہینہ میں تلاوت کریں اور اسکے علاوہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے زبان پر اللہ کا ذکر کریں اور تیسرا کلمہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر اور درود شریف اور استغفار کا چلتے پھرتے اسکی کثرت کا اہتمام کریں۔ اور نوافل کی جتنی کثرت ہو سکے کریں۔ اور عام دنوں میں رات کو اٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنے کا موقع نہیں ملتا لیکن رمضان المبارک میں چونکہ انسان سحری کے لئے اٹھتا ہے تھوڑا پہلے اٹھ جائے اور سحری سے پہلے تہجد پڑھنے کا معمول بنالے اور اس ماہ میں نماز خشوع کے ساتھ اور مرد باجماعت نماز پڑھنے کا اہتمام کریں یہ سب کام تو اس ماہ میں کرنے ہی چاہئیں یہ رمضان المبارک کی خصوصیات ہیں لیکن ان سب چیزوں سے زیادہ اہم گناہوں سے بچنے کی فکر ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان باتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور رمضان المبارک کے انوار و برکات سے صحیح طور پر مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین، و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

لاؤڈاسپیکر کا ظالمانہ استعمال

ظلم صرف یہ نہیں ہے کہ کسی کا مال چھین لیا جائے اسے جسمانی تکلیف پہنچانے کے لئے اس پر ہاتھ اٹھایا جائے، بلکہ عربی زبان میں "ظلم" کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ کسی بھی چیز کو بے جگہ استعمال کرنا ظلم ہے کیونکہ کسی چیز کا بے محل استعمال یقیناً کسی نہ کسی کو تکلیف پہنچانے کا موجب ہوتا ہے اس لئے ہر ایسا استعمال ظلم کی تعریف میں داخل ہے۔ اور اگر اس سے کسی انسان کو تکلیف پہنچی ہے تو وہ شرعی اعتبار سے گناہ کبیرہ بھی ہے، لیکن ہمارے معاشرے میں اس طرح کے بہت سے گناہ کبیرہ اس طرح رواج پا گئے ہیں کہ اب عام طور سے انکے گناہ ہونے کا احساس بھی باقی نہیں

ایذا رسانی کی ان بے شمار صورتوں میں سے ایک انتہائی تکلیف دہ صورت لاؤڈ اسپیکر کا ظالمانہ استعمال ہے۔ ابھی چند روز پہلے ایک انگریزی روزنامے میں ایک صاحب نے شکایت کی ہے کہ بعض شادی ہالوں میں رات ۳ بجے تک لاؤڈ اسپیکر پر گانے بجانے کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور آس پاس کے بسنے والے بے چینی کے عالم میں کروٹیں بدلتے رہتے ہیں۔ اور ایک شادی ہال پر کیا موقوف ہر جگہ دیکھنے میں یہی آتا ہے کہ جب کوئی شخص کہیں لاؤڈ اسپیکر نصب کرتا ہے تو اسے اس بات کی پروا نہیں ہوتی کہ اسکی آواز کو صرف ضرورت کی حد تک محدود رکھا جائے اور آس پاس کے ان ضعیفوں اور بیماروں پر رحم کیا جائے جو یہ آواز سننا نہیں چاہتے

گانے بجانے کا معاملہ تو الگ رہا کہ اسکو بلند آواز سے پھیلانے میں دُہری برائی ہے اگر کوئی خالص دینی اور مذہبی پروگرام ہو تو اس میں بھی لوگوں کو لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ زبردستی شریک کرنا شرعی اعتبار سے ہرگز جائز نہیں ہے لیکن افسوس ہے کہ ہمارے معاشرے میں سیاسی اور مذہبی پروگرام منعقد کرنے والے

حضرات بھی شریعت کے اس اہم فکر کا بالکل خیال نہیں کرتے سیاسی، مذہبی جلسوں کے لاؤڈ اسپیکر بھی دور دور تک مار کرتے ہیں اور انکی موجودگی میں کوئی شخص اپنے گھر میں نہ آرام سے سو سکتا ہے نہ یکسوئی کے ساتھ کوئی کام کر سکتا ہے لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اذان کی آواز دور تک پہنچانا برحق ہے لیکن مسجدوں میں جو وعظ اور تقریریں یا ذکر و تلاوت لاؤڈ اسپیکر پر ہوتی ہیں انکی آواز دور دور تک پہنچانے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ مسجد میں بہت تھوڑے سے لوگ وعظ یا درس سننے کے لئے بیٹھے ہیں جنکو آواز پہنچانے کے لئے لاؤڈ اسپیکر کی سرے سے ضرورت ہی نہیں ہے یا صرف اندرونی ہارن سے بآسانی کام چل سکتا ہے لیکن بیرونی لاؤڈ اسپیکر پوری قوت سے کھلا ہوتا ہے اور اسکے نتیجہ میں یہ آواز محلہ کے گھر گھر میں اس طرح پہنچتی ہے کہ کوئی شخص اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مجھے یاد ہے کہ میں ایک مرتبہ لاہور گیا جس مکان میں میرا قیام تھا اس کے تین طرف تھوڑے تھوڑے فاصلے سے تین مسجدیں تھیں جمعہ کا دن تھا فجر کی نماز کے فوراً بعد سے تینوں مسجدوں کے لاؤڈ اسپیکر پوری قوت سے کھل گئے اور پہلے درس شروع ہوا پھر بچوں نے تلاوت شروع کر دی، پھر نظمیں و نعتیں پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوا یہاں تک کہ فجر کے وقت سے جمعہ تک یہ مذہبی پروگرام اسطرح بے تکان جاری رہے کہ گھر میں کسی کو کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی خدا کا شکر ہے کہ اس گھر میں اس وقت کوئی بیمار نہیں تھا لیکن میں سوچ رہا تھا کہ اگر خدانخواستہ کوئی بیمار شخص ہو تو اسکو سکون کے ساتھ لٹانے کا اس ماحول میں کوئی راستہ نہیں۔

بعض مسجدوں کے بارے میں یہ بھی سننے میں آیا ہے کہ وہاں خالی مسجد میں لاؤڈ اسپیکر پر ٹیپ چلا دیا جاتا ہے مسجد میں سننے والا کوئی نہیں ہوتا لیکن پورے محلہ کو یہ ٹیپ زبردستی سننا پڑتا ہے۔ دین کی صحیح فہم رکھنے والے اہل علم خواہ وہ کسی مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتے ہوں کبھی یہ کام نہیں کر سکتے لیکن

ایسا ان مسجدوں میں ہوتا ہے جہاں کا انتظام علم دین سے ناواقف حضرات کے ہاتھ میں ہے۔ بسا اوقات یہ حضرات پوری نیک نیتی سے یہ کام کرتے ہیں وہ اسے دین کی تبلیغ کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں اور اسے دین کی خدمت قرار دیتے ہیں لیکن ہمارے معاشرے میں یہ اصول بھی بہت غلط مشہور ہوگیا ہے کہ نیت کی اچھائی سے کوئی غلط کام بھی جائز اور صحیح ہو جاتا ہے واقعہ یہ ہے کہ کسی کام کے درست ہونے کے لئے صرف نیک نیتی ہی کافی نہیں اسکا طریقہ بھی درست ہونا ضروری ہے۔ اور لاؤڈ اسپیکر کا ایسا طالمانہ استعمال نہ صرف یہ ہے کہ دعوت وتبلیغ کے بنیادی اصولوں کے خلاف ہے بلکہ اسکے الٹے نتائج برآمد ہوتے ہیں جن حضرات کو اس سلسلہ میں کوئی غلط فہمی ہو انکی خدمت میں دردمندی اور دلسوزی کے ساتھ چند نکات ذیل میں پیش کرتا ہوں:۔

(۱) مشہور محدث حضرت عمر بن شبہؒ نے مدینہ منورہ کی تاریخ پر چار جلدوں میں بڑی مفصل کتاب لکھی ہے جس کا حوالہ بڑے بڑے علماء و محدثین ہمیشہ دیتے رہے ہیں، اس کتاب میں انھوں نے ایک واقعہ اپنی سند سے روایت کیا ہے کہ ایک واعظ صاحب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان کے بالکل سامنے بہت بلند آواز سے وعظ کیا کرتے تھے ظاہر ہے کہ وہ زمانہ لاؤڈ اسپیکر کا نہیں تھا لیکن انکی آواز بہت بلند تھی اور اس سے حضرت عائشہ کی یکسوئی میں فرق آتا تھا یہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا اسلئے حضرت عائشہؓ نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ یہ صاحب بلند آواز سے میرے گھر کے سامنے وعظ کہتے رہتے ہیں جس سے مجھے تکلیف ہوتی ہے اور مجھے کسی اور کی آواز سنائی نہیں دیتی حضرت عمرؓ نے ان صاحب کو پیغام بھیجکر انھیں وہاں وعظ کہنے سے منع کیا لیکن کچھ عرصہ کے بعد واعظ صاحب نے دوبارہ وہی سلسلہ پھر شروع کردیا، حضرت عمرؓ کو اطلاع ہوئی تو انھوں نے خود جاکر ان صاحب کو پکڑا اور ان پر تعزیری سزا جاری کی (اخبار المدینہ لعمر بن شبہ ج۱ ص۱۵)

(۲) بات صرف یہ نہیں تھی کہ حضرت عائشہؓ اپنی تکلیف کا ازالہ کرنا چاہتی تھیں بلکہ وہ دراصل اسلامی معاشرت کے اس اصول کو واضح اور نافذ کرنا چاہتی تھیں کہ کسی کو کسی سے تکلیف نہ پہنچے نیز یہ بتانا چاہتی تھیں کہ دین کی دعوت و تبلیغ کا پروقار طریقہ کیا ہے؟ چنانچہ امام احمد نے اپنی مسند میں روایت نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے مدینہ منورہ کے ایک واعظ کو وعظ و تبلیغ کے آداب تفصیل کے ساتھ بتائے اور ان آداب میں یہ بھی فرمایا کہ

"اپنی آواز کو انھیں لوگوں تک محدود رکھو جو تمھاری مجلس میں بیٹھے ہیں اور انھیں بھی اسی وقت تک دین کی باتیں سناؤ جب تک انکے چہرے تمھاری طرف متوجہ ہوں جب وہ چہرے پھیر لیں تو تم بھی رک جاؤ اور ایسا کبھی نہ ہونا چاہئے کہ لوگ آپس میں باتیں کر رہے ہوں اور تم انکی بات کاٹ کر اپنی بات شروع کر دو بلکہ ایسے موقع پر خاموش رہو اور پھر جب وہ تم سے فرمائش کریں تو انھیں دین کی بات سناؤ" (مجمع الزوائد ص ۱۹۱ ج ۱)

(۳) حضرت عطا بن ابی رباح بڑے اونچے درجہ کے تابعین میں سے ہیں علم تفسیر و حدیث میں انکا مقام مسلّم ہے انکا مقولہ ہے کہ :-

"عالم کو چاہئے کہ اسکی آواز اسکی اپنی مجلس سے آگے نہ بڑھے"

(ادب الاملاء والاستملاء للسمعانی ص۵۱)

(۴) یہ سارے آداب درحقیقت خود حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و فعل سے تعلیم فرمائے ہیں مشہور واقعہ ہے کہ آپ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے وہ تہجد کی نماز میں بلند آواز سے تلاوت کر رہے تھے آپ نے ان سے پوچھا کہ وہ بلند آواز سے کیوں تلاوت کرتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ "میں سوتے کو جگاتا ہوں اور شیطان کو بھگاتا ہوں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنی آواز کو تھوڑا پست کر دو" - (مشکوٰۃ جلد ا ص ۱۰۱)

اسکے علاوہ حضرت عائشہؓ ہی سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کے لئے بیدار ہوتے تو اپنے بستر سے آہستگی کے ساتھ اٹھتے تھے (تاکہ سونے والوں کی نیند خراب نہ ہو)

(۵) انھیں احادیث وآثار کی روشنی میں تمام فقہارامت اس بات پر متفق ہیں کہ تہجد کی نماز میں اتنی بلند آواز کی تلاوت کرنا جس سے کسی نیند خراب ہو ہرگز جائز نہیں ۔ فقہار نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر کی چھت پر بلند آواز سے تلاوت کرے جبکہ لوگ سو رہے ہوں تو تلاوت کرنے والا گنہ گار ہے ۔ (خلاصۃ الفتاویٰ ص۱۰۳ ج۱ و شامی ص۳۰۳ و ص۴۴۴ ج۱)

ایک مرتبہ ایک صاحب نے یہ سوال ایک استفتا کی صورت میں مرتب کیا تھا کہ بعض مساجد میں شبینہ اور تراویح کی قرأت لاؤڈ اسپیکر پر اتنی بلند آواز سے کیجاتی ہے کہ اس سے محلے کی خواتین کے لئے گھروں میں نماز پڑھنا مشکل ہو جاتا ہے ۔ نیز جن مریض اور کمزور لوگوں کو علاجاً جلدی سونا ضروری ہو وہ نہیں سو سکتے، اسکے علاوہ باہر کے لوگ قرآن کریم کی تلاوت ادب سے سننے پر قادر نہیں ہوتے اور بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ تلاوت کے دوران کوئی سجدہ کی آیت آجاتی ہے سننے والوں پر سجدہ واجب ہو جاتا ہے اور یا تو انکو پتہ ہی نہیں چلتا یا وہ وضو سے نہیں ہوتے اس لئے سجدہ نہیں کر سکتے اور بعد میں بھول ہو جاتی ہے کیا ان حالات میں تراویح کے دوران بیرونی لاؤڈ اسپیکر زور سے کھولنا شرعاً جائز ہے ؟

یہ سوال مختلف علمار کے پاس بھیجا گیا اور سب نے متفقہ جواب یہی دیا کہ ان حالات میں تراویح اور شبینہ کی تلاوت میں بیرونی لاؤڈ اسپیکر بلا ضرورت زور سے کھولنا شرعاً جائز نہیں ہے ۔

یہ فتویٰ ماہنامہ البلاغ محرم ۱۴۰۱ھ کی اشاعت میں شایع ہوا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے اس پر تمام مکاتب فکر کے

علماء متفق ہیں۔

مسجدوں اور دینی اجتماعات میں لاؤڈ اسپیکر کے بیجا استعمال سے دین کی انتہائی غلط نمائندگی ہوتی ہے۔ بعض مرتبہ تو یہ ہوتا ہے کہ بعض لوگ دین اور اہل دین ہی سے بیزار اور متنفر ہو جاتے ہیں اور بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو اسکی تکلیف محسوس کرتے ہیں مگر اسکی شکایت کرتے ہوئے اسلئے ڈرتے ہیں کہ کہیں انکے دین وایمان پر کوئی حرف نہ آجائے ان دونوں قسم کے لوگوں کے سامنے دین کی صحیح نمائندگی کرنا ہمارا فرض ہے۔

اب رمضان کا مقدس مہینہ شروع ہوگیا ہے یہ مہینہ ہم سے شرعی احکام کی سختی کے ساتھ پابندی کا مطالبہ کرتا ہے یہ عبادتوں کا مہینہ ہے اور اس میں نماز تلاوت اور ذکر جتنا بھی ہوسکے باعث فضیلت ہے لیکن ہمیں چاہیئے کہ یہ ساری عبادتیں اس طرح انجام دیں کہ ان سے کسی کو تکلیف نہ پہونچے اور ناجائز طریقوں کی بدولت ان عبادتوں کا ثواب ضائع نہ ہو لاؤڈ اسپیکر کا استعمال صرف بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت کیا جائے اس سے آگے نہیں۔

مذکورہ بالا گزارشات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ شریعت نے دوسروں کو تکلیف سے بچانے کا کتنا اہتمام کیا ہے! جب قرآن کریم کی تلاوت اور وعظ ونصیحت جیسے مقدس کاموں کے بارے میں بھی شریعت کی ہدایت یہ ہے کہ انکی آواز ضرورت کے مقامات سے آگے نہیں بڑھنا چاہیئے تو گانے بجانے اور دوسری لغویات کے بارے میں خود اندازہ کرلیجئے کہ انکو لاؤڈ اسپیکر پر انجام دینے کا کس قدر دہرا وبال ہوگا؟

اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی صحیح سمجھ اور صالح عمل کی توفیق عطا فرمائے

برکاتِ رمضان
اور
فضائل، مسائل

(حدیث وفقہ کی روشنی میں)

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَفْطَرَ یَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَیْرِ رُخْصَةٍ وَّلَا مَرَضٍ لَمْ یَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ کُلِّهٖ وَاِنْ صَامَهٗ - (رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجہ والدارمی والبخاری فی ترجمۃ باب)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے (شرعی) اجازت اور مرض کی (مجبوری) کے بغیر رمضان کا ایک روزہ چھوڑ دیا (اگر وہ ساری عمر (بھی) روزے رکھے تب بھی اس کی قضا نہیں ہوسکتی (مشکوٰۃ المصابیح ص۱۷۷ بحوالہ احمد وترمذی وغیرہما)

تشریح: اسلام کا چوتھا رکن روزۂ رمضان ہے۔ ماہ رمضان کے روزے رکھنا ہر عاقل بالغ مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ (بقرہ)

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کئے گئے جو تم سے پہلے گذرے تاکہ تم متقی ہوجاؤ (یہ روزے) چند دن کے (ہیں)

ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

کہ جس نے ایمان کے ساتھ ثواب سمجھکر رمضان کے روزے رکھے اسکے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔ (بخاری ومسلم)

حدیث بالا میں رمضان کے روزوں کی فضیلت اور دینی حیثیت بتائی ہے کہ اگر کسی نے رمضان کا ایک روزہ بھی بغیر شرعی رخصت (مسافرت وغیرہ) اور بغیر مرض کے چھوڑ دیا اس نے اپنا بہت بڑا نقصان کیا، روزہ چھوڑنے کا جو کبیرہ گناہ کیا وہ اعمال نامہ میں لکھا گیا ہی روزہ رکھنے پر جو ثواب عظیم ملتا اس سے جو محرومی ہوئی یہ بھی بہت بڑا نقصان ہے۔ اس ایک روزے کے عوض اگر عمر بھر بھی روزے رکھے تب بھی وہ بات حاصل نہوگی جو رمضان میں روزہ رکھنے سے حاصل ہوتی۔ ہاں ایک روزہ قضا کی نیت سے رکھ لینے سے مسئلہ کے اعتبار سے تو یہ درست ہے کہ قضاء رکھنے کی ذمہ داری سے سبکدوشی ہوگئی اور ضابطہ کی قضاء رکھنے سے قضاء رکھنے کا جو حکم ہے اسکی تعمیل سمجھ لی جائیگی لیکن یہ خیال کرلینا کہ اس سے اس ثواب کی تلافی ہوجائیگی جو رمضان میں روزہ رکھنے سے ملتا اور وہ برکتیں بھی نصیب ہو جائیں گی جو ماہ رمضان میں روزہ رکھنے سے حصے میں آجاتیں، یہ غلط خیال ہے۔

آجکل بہت سے ہٹے کٹے تندرست وتوانا اور تنومند لوگ رمضان شریف کے روزے نہیں رکھتے، ذرا سی بھوک پیاس اور معمولی سی بیڑی سگریٹ اور پان تمباکو کی طلب پوری کرنے کی وجہ سے روزے کھا جاتے ہیں اور سخت گناہگار ہوتے ہیں یہ زبردست بزدلی اور بے ہمتی بلکہ بہت بڑی بے وفائی ہے کہ جس نے جان دی، اعضاء دیئے، انسانیت کا شرف بخشا اس کے لئے ذرا سی تکلیف گوارا نہیں۔ رمضان کے روزے رکھنا ان پانچ ارکان میں سے ہے جن پر اسلام کی بنیاد ہے۔ جس نے رمضان کے روزے نہ رکھے اس نے اسلام کا ایک رکن گرادیا اور سخت مجرم ہوا۔

رمضان المبارک کے فضائل

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ وَ مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ احْتِسَابًا غُفِرَلَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ : حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے ایمان کے ساتھ اور ثواب کا یقین رکھتے ہوئے رمضان کے روزے رکھے اسکے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے اور جس نے رمضان (کی راتوں میں) ایمان کے ساتھ اور ثواب پر یقین رکھتے ہوئے قیام کیا (تراویح اور نفل میں مشغول رہا) اسکے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے اور جس نے شب قدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب سمجھتے ہوئے قیام کیا (تراویح، نوافل تلاوت، ذکر الٰہی اور دعا میں مشغول رہا) اسکے پچھلے گناہ معاف کردیئے جائیں گے

(بخاری ومسلم بحوالہ مشکوٰۃ المصابیح ص ۱۷۳)

تشریح : اس مبارک حدیث میں رمضان شریف کے روزے رکھنے پر پچھلے گناہوں پر معافی کا وعدہ فرمایا ہے اور رمضان کی راتوں میں قیام یعنی تراویح و نوافل پڑھنے کی بھی فضیلت بتائی ہے ساتھ ہی شب قدر میں قیام کرنے کی بھی فضیلت بتائی ہے

رمضان آخرت کی کمائی کا مہینہ ہے

رمضان المبارک کا مہینہ بہت ہی خیر و برکت کا مہینہ ہے اور یہ مہینہ آخرت کی کمائی کا بہت بڑا سیزن ہے۔ دنیا کمانے کے جیسے مختلف مواقع آتے رہتے ہیں مثلاً سردی میں گرم کپڑے والوں کی خوب کمائی ہوتی ہے اور عید پر درزی خوب پیسہ کما لیتے ہیں اور جیسے بارش میں ٹیکسی والوں کی خوب چاندی بن جاتی ہے اسی طرح

آخرت کی کمائی کے لئے بھی مواقع آتے رہتے ہیں۔ رمضان المبارک نیکیوں کا مہینہ ہے اس میں اجر و ثواب خوب بڑھ جاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے جس کے راوی سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ہیں کہ ماہ رمضان میں نفل کا ثواب فرض ادا کرنے کے برابر اور ایک فرض کا ثواب ستر فرض ادا کرنے کے برابر ملتا ہے (مشکوٰۃ شریف)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انسان کے ہر عمل کا ثواب دس گنے سے سات سو گنے تک بڑھا دیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ روزہ اس قانون سے مستثنیٰ ہے کیونکہ روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں خود اسکی جزا دونگا بندہ اپنی خواہش اور اپنے کھانے کو میرے لئے چھوڑتا ہے (پھر فرمایا کہ) روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں ایک افطار کے وقت اور دوسری اسوقت ہوگی جب خدا سے ملاقات کرے گا۔ اور روزہ دار کے منہ کی بو خدا کے نزدیک مشک کی خوشبو سے عمدہ ہے۔ اور روزے ڈھال ہیں (جو گناہوں اور دوزخ سے بچاتے ہیں) اور جب تم میں سے کسی کے روزے کا دن ہو گندی باتیں نہ کرے اور شور نہ مچائے۔ پس اگر کوئی اس سے گالی گلوج کرنے لگے یا لڑنے لگے تو کہدے کہ میں روزہ دار ہوں (لڑنا جھگڑنا گالی کا جواب دینا میرا کام نہیں) (بخاری و مسلم)

اور فرمایا رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور سرکش (شیاطین) جکڑ دیئے جاتے ہیں۔ اور (ایک روایت میں ہے کہ) رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں (بخاری و مسلم عن ابی ہریرہ)

یہ بھی فرمایا کہ جنت میں آٹھ دروازے ہیں جن میں سے ایک کا نام ریان ہے اس سے صرف روزہ دار ہی داخل ہوں گے (ایضاً عن سہل بن سعد)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فخر دو عالم صلی اللہ تعالےٰ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ روزے اور قرآن بندہ کے لئے سفارش کریں گے۔ روزے کہیں گے کہ اے رب میں نے اس کو دن میں کھانے سے اور دیگر خواہشات سے روک دیا تھا لہٰذا اسکے حق میں میری سفارش قبول فرمالیجئے۔ قرآن عرض کرے گا رات کو میں نے اسے سونے نہ دیا لہٰذا اس کے حق میں میری سفارش قبول فرمالیجئے۔ چنانچہ دونوں کی سفارش قبول کرلی جائے گی۔ (بیہقی عن الشعب)۔

رمضان المبارک میں ثواب بھی بڑھا دیا جاتا ہے اور شیاطین بھی جکڑ دیئے جاتے ہیں اور ہر رات کو (اللہ کا) منادی پکار کر کہتا ہے کہ اے خیر کی تلاش کرنے والے آگے بڑھ اور اے برائی کی تلاش کرنے والے رک جا (مشکوٰۃ)

لامحالہ ایسی صورت میں مومن بندے نیکیوں میں لگ جاتے ہیں اسی لئے دیکھا جاتا ہے کہ بڑے بڑے گنہ گار جو گناہوں پر ضد اور اصرار کرتے ہیں ماہ رمضان میں توبہ کر لیتے ہیں، بے نمازی نماز پڑھنے لگتے ہیں، حرام خور حرام کو اور شراب خور شراب کو چھوڑ دیتے ہیں اور نماز کی پابندی لاکھوں آدمی کرنے لگتے ہیں شاید کسی کے دل میں یہ خیال گذرے کہ جب شیاطین بند ہو جاتے ہیں تو بہت سے لوگ گناہوں میں مبتلا کیوں رہتے ہیں؟ بات اصل یہ ہے کہ انسان کا نفس بھی گناہ کرانے میں شیطان سے کم نہیں ہے، جن لوگوں کو گناہوں کی خوب عادت ہو جاتی ہے انھیں گناہوں کا چسکا پڑ جاتا ہے شیطان کے ترغیب دیئے بغیر بھی زندگی کی گاڑی گناہوں کی پٹری پر چلتی رہتی ہے اور یہ بات بہت خطرناک ہے گناہ تو انسان سے ہو ہی جاتا ہے مگر گناہ کا عادی بننا اور اس پر اصرار کرنا بہت ہی زیادہ خطرناک ہے۔ جہاں گناہ کرانے کے لئے شیطان کے بہکانے کی بھی ضرورت نہ پڑے وہاں نفس کی خرابی کا کیا حال ہوگا؟

رمضان المبارک کا کوئی منٹ ضائع نہ جانے دیں، نیک کاموں میں لگیں، تلاوت قرآن زیادہ سے زیادہ کریں، ذکر اور دعا، اور توبہ واستغفار میں مشغول رہیں لا الٰہ الا اللہ کی کثرت کریں، جنت کا سوال کریں، دوزخ

سے پناہ مانگیں، بس پورے مہینے کو غنیمت جانیں۔

تراویح رمضان کی راتوں میں نمازِ تراویح کا خاص اہتمام کریں اور رمضان میں روزانہ رات کو بیس رکعت تراویح مردوں اور عورتوں کے لئے سنت مؤکدہ ہے۔ عورتیں گھروں میں پڑھیں اور مرد مسجدوں میں جاکر باجماعت نماز تراویح ادا کریں۔ ماشاء اللہ بہت سی عورتیں روزے تو خوب رکھتی ہیں اور شب قدر میں بھی خوب جاگتی ہیں مگر تراویح میں سستی کرتی ہیں یہ سخت غلطی ہے۔ تراویح ترک کر کے گنہگار نہ بنو۔ اگر بچوں کے رونے چیخنے کی وجہ سے عشاء کے بعد پوری نہ پڑھ سکو تو جو رکعات رہ جائیں وہ سحری میں پڑھ لو یا سب ہی شروع وقت میں رہ جائیں تو سب ہی کو سحری میں پڑھ لو، ناغہ نہ کرو۔

رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت کا خاص اہتمام کیا جائے

وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَخَلَ الْعَشْرُ شَدَّ مِئْزَرَهٗ وَاَحْيٰى لَيْلَهٗ وَاَيْقَظَ اَهْلَهٗ

(رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ روایت فرماتی ہیں کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تھا تو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے تہبند کو مضبوط باندھ لیتے تھے اور رات بھر عبادت کرتے تھے اور اپنے گھر والوں کو بھی عبادت کے لئے جگاتے تھے۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۱۸۲ بحوالہ بخاری ومسلم)

تشریح: ایک حدیث میں ہے کہ محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دنوں کے اندر جتنی محنت سے عبادت کرتے تھے اسکے علاوہ دوسرے ایام میں اتنی محنت نہ کرتے۔ (مسلم عن عائشہؓ)

حضرت عائشہؓ نے یہ جو فرمایا کہ رمضان کے آخری عشرہ میں آپ تہبند کس لیتے تھے علماء نے اس کے دو مطلب بتائے ہیں ایک یہ کہ خوب محنت اور کوشش سے

عبادت کرتے تھے اور راتوں رات جاگتے تھے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسا اردو کے محاورہ میں محنت کا کام بتانے کے لئے بولا جاتا ہے کہ "خوب کمر کس لو" اور دوسرا مطلب تہبند کس کر باندھنے کا یہ بتایا کہ رات کو بیویوں کے پاس لیٹنے سے دور رہتے تھے کیونکہ ساری رات عبادت میں گذر جاتی تھی اور اعتکاف بھی ہوتا تھا اس لئے رمضان کے آخری عشرہ میں میاں بیوی والے خاص تعلق کا موقع نہیں لگتا تھا۔ حدیث کے آخر میں جو لفظ اَیْقَظَ اَھْلَہٗ فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ رمضان کے اخیر عشرہ میں حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خود بھی بہت محنت اور کوشش سے عبادت کرتے تھے اور رات بھر بیدار رہتے تھے اور گھر والوں کو بھی اس مقصد کے لئے جگاتے تھے۔ بات یہ ہے کہ جسے آخرت کا خیال ہو، موت کے بعد کے حالات کا یقین ہو، اجر و ثواب کے لینے کا لالچ ہو وہ کیوں نہ محنت اور کوشش سے عبادت میں لگے گا پھر جو اپنے لئے پسند کرے وہی اپنے اہل و عیال کے لئے پسند کرنا چاہیئے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود راتوں کو نمازوں میں اتنا قیام فرماتے تھے کہ قدم مبارک سوج جاتے تھے پھر رمضان کے اندر خصوصاً اخیر عشرہ میں اور زیادہ عبادت بڑھا دیتے تھے کیونکہ یہ مہینہ اور خاص کر اخیر عشرہ آخرت کی کمائی کا خاص موقع ہے آپکی کوشش ہوتی تھی کہ گھر والے بھی عبادت میں لگیں لہٰذا اخیر عشرہ کی راتوں میں انکو بھی جگاتے تھے۔ بہت سے لوگ خود تو بڑی عبادت کرتے ہیں لیکن بال بچوں کی طرف سے غافل رہتے ہیں یہ لوگ فرض نماز بھی نہیں پڑھتے۔ اگر بال بچوں کو ہمیشہ دین پر ڈالنے اور عبادت میں لگانے کی کوشش کیجاتی رہے اور انکو ہمیشہ فرائض کا پابند رکھا جائے تو رمضان میں نفلوں کے لئے اٹھانے اور شب قدر میں جگانے کی بھی ہمت ہو جب بال بچوں کا ذہن دینی نہیں بنایا تو ان کے سامنے شب بیداری کی بات کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کو اپنی محبت عطا فرمائے اور عبادت کی لگن اور ذکر کے ذوق سے نوازے۔

شب قدر کی تلاش اور اس کی دعا

عَنْهَا رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا قَالَتْ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَأَیْتَ اِنْ عَلِمْتُ اَیَّ لَیْلَۃٍ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ مَا اَقُوْلُ فِیْهَا قَالَ قُوْلِیْ اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ۔

(رواہ احمد و ابن ماجہ والترمذی وصححہ)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ارشاد فرمائیے اگر مجھے پتہ چل جائے کہ فلاں رات کو شب قدر ہے تو میں کیا دعا کروں آپ نے فرمایا یہ دعا کرو اَللّٰهُمَّ اِنَّكَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ (مشکوۃ شریف ص۱۸۲ بحوالہ احمد و ابن ماجہ و ترمذی)

شب قدر کی فضیلت

رمضان المبارک کا پورا مہینہ آخرت کی دولت کمانے کا ہے پھر اس ماہ میں اخیر عشرہ اور بھی زیادہ محنت اور کوشش سے عبادت میں لگنے کا ہے۔ اس عشرہ میں شب قدر ہوتی ہے جو بڑی بابرکت رات ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد فرمایا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ یعنی شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ ہزار مہینے کے ۸۳ سال اور چار مہینے ہوتے ہیں پھر شب قدر کو ہزار مہینے کے برابر نہیں بتایا بلکہ ہزار مہینے سے بہتر بتایا ہے۔ ہزار مہینے سے شب قدر کس قدر بہتر ہے اسکا علم اللہ ہی کو ہے۔ مومن بندوں کے لئے شب قدر بہت ہی خیر و برکت کی چیز ہے ایک رات جاگ کر عبادت کرلیں اور ہزار مہینوں سے زیادہ عبادت کرنے کا ثواب پالیں اس سے بڑھکر اور کیا چاہیئے اسی لئے تو حدیث شریف میں فرمایا مَنْ حُرِمَهَا فَقَدْ حُرِمَ الْخَیْرَ كُلَّهٗ وَلَا یُحْرَمُ خَیْرَهَا اِلَّا كُلُّ مَحْرُوْمٍ (ابن ماجہ) یعنی جو شخص شب قدر سے محروم ہوگیا (گویا) پوری بھلائی سے محروم ہوگیا۔ اور شب قدر کی خیر سے وہی محروم ہوتا ہے جو کامل محروم ہو، مطلب

یہ ہے کہ چند گھنٹے کی رات ہوتی ہے اور اس میں عبادت کر لینے سے ہزار مہینے سے زیادہ عبادت کرنے کا ثواب ملتا ہے چند گھنٹے بیدار رہ کر نفس کو سمجھا بجھا کر عبادت کر لینا کوئی ایسی قابل ذکر تکلیف نہیں جو برداشت سے باہر ہو، تکلیف ذرا سی اور ثواب بہت بڑا جیسے کوئی ایک نیا پیسہ تجارت میں لگا دے اور بیس کروڑ روپیہ پالے۔ جس شخص کو ایسے بڑے نفع کا موقع ملا پھر اس نے توجہ نہ کی اس کے بارے میں یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ وہ پورا اور پکا محروم ہے۔

پہلی امتوں کی عمریں زیادہ ہوتی تھیں اس امت کی عمر بہت سے بہت ۷۰۔۸۰ سال کی ہوتی ہے اللہ پاک نے یہ احسان فرمایا کہ انکو شب قدر عطا فرما دی اور ایک شب قدر کی عبادت کا درجہ ہزار مہینوں کی عبادت سے زیادہ کر دیا۔ محنت کم ہوئی وقت بھی کم لگا اور ثواب میں بڑی بڑی عمروں والی امتوں سے بڑھ گئے، اللہ تعالیٰ کا فضل و انعام ہے کہ اس امت کو سب سے زیادہ نوازا۔ یہ کیسی نالائقی ہے کہ اللہ کی بہت زیادہ نوازش اور داد و دہش ہو اور ہم غفلت میں پڑے سویا کریں۔ رمضان کا کوئی لمحہ ضائع نہ ہونے دو خصوصاً آخری عشرہ میں عبادات کا خاص اہتمام کرو اور اس میں بھی شب قدر میں جاگنے کی بہت زیادہ فکر کرو، بچوں کو بھی ترغیب دو۔

شب قدر کی دعاء حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب پوچھا کہ یا رسول اللہ شب قدر میں کیا دعا کروں تو آپ نے یہ دعا تعلیم فرما دی اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ (اے اللہ اس میں شک نہیں کہ آپ معاف کرنیوالے ہیں معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں لہٰذا مجھے معاف فرما دیجئے) دیکھئے کیسی دعا ارشاد فرمائی نہ زر مانگنے کو بتایا نہ زمین، نہ دھن نہ دولت۔ کیا مانگا جائے؟ معافی۔ بات اصل یہ ہے کہ آخرت کا معاملہ سب سے زیادہ کٹھن ہے وہاں انسان کا کام اللہ کے معاف فرمانے سے چلے گا اگر معافی نہ ہوئی اور خدانخواستہ عذاب میں گرفتار ہوئے تو دنیا کی ہر نعمت اور لذت اور دولت و ثروت بیکار ہوگی سب سے اصل معافی اور مغفرت ہی ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے مَنْ قَامَ لَیْلَۃَ الْقَدْرِ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَہٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ (جو شخص لیلۃ القدر میں ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے (عبادت کیلئے) کھڑا رہا اسکے پچھلے

بتمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں) کھڑا ہونے کا مطلب ہے کہ نماز پڑھے اور اسی حکم میں یہ بھی ہے کہ تلاوت اور ذکر میں مشغول ہو اور ثواب کی امید رکھنے کا مطلب ہے کہ ریا وغیرہ کسی طرح کی خراب نیت سے کھڑا نہ ہو بلکہ اخلاص کے ساتھ محض اللہ کی رضا اور ثواب کے حصول کی نیت سے مشغول عبادت ہے بعض علماء نے فرمایا کہ احتساباً کا مطلب یہ ہے کہ ثواب کا یقین کرکے بشاشت قلب سے کھڑا ہو بوجھ سمجھ کر بد دلی کے ساتھ عبادت میں نہ لگے کہ ثواب کا یقین اور اعتقاد جسقدر زیادہ ہوگا اتنا ہی عبادت میں مشقت کا برداشت کرنا سہل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص قرب الٰہی میں جس قدر ترقی کرتا جاتا ہے عبادت میں اسکا انہماک زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو جانا ضروری ہے کہ حدیث بالا اور اس جیسی احادیث میں گناہوں کی معافی کا ذکر ہے علماء کا اجماع ہے کہ کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے پس جہاں احادیث میں گناہوں کے معاف ہونے کا ذکر آتا ہے وہاں صغیرہ گناہ مراد ہوتے ہیں اور صغیرہ گناہ ہی انسان سے بہت سرزد ہوتے ہیں عبادت کا ثواب بھی اور ہزاروں گناہوں کی معافی بھی ہو جانے کسقدر نفع عظیم ہے۔

شب قدر کی تاریخیں شب قدر کے بارے میں حدیثوں میں وارد ہوا ہے کہ رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔ لہٰذا رمضان کی ۲۱ ویں ۲۳ ویں ۲۵ ویں ۲۷ ویں ۲۹ ویں رات کو جاگنے اور عبادت کرنے کا خاص اہتمام کریں خصوصاً ۲۷ ویں شب کو تو ضرور جاگیں کیونکہ اس دن شب قدر ہونے کی زیادہ امید ہوتی ہے۔

حضرت عبادہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اسلئے باہر تشریف لائے کہ ہمیں شب قدر کی اطلاع فرمادیں مگر دو مسلمانوں میں جھگڑا ہو رہا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں اسلئے آیا تھا کہ تمھیں

شب قدر کی اطلاع دوں مگر فلاں فلاں شخصوں میں جھگڑا ہو رہا تھا جسکی وجہ سے اسکی تعیین میرے ذہن سے اٹھالی گئی کیا بعید ہے کہ یہ اٹھالینا اللہ کے علم میں بہتر ہو

لڑائی جھگڑے کا اثر

اس مبارک حدیث سے معلوم ہوا کہ آپس کا جھگڑا اسقدر بڑا عمل ہے کہ اسکی وجہ سے اللہ پاک نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک سے شب قدر کی تعیین اٹھالی یعنی کس رات کو شب قدر ہے مخصوص کر کے اسکا علم جو دیا گیا تھا وہ قلب سے اٹھالیا گیا اگرچہ بعض وجوہ سے اس میں بھی امت کا فائدہ ہوگیا جیساکہ انشاء اللہ ہم ابھی ذکر کریں گے لیکن سبب آپس کا جھگڑا بن گیا جس سے آپس میں جھگڑے کی کس قدر مذمت کا پتہ چلا۔

شب قدر کی تعیین نہ کرنے میں مصالح

علماء کرام نے شب قدر کو پوشیدہ رکھنے یعنی مقرر کر کے یوں بتانے کے بارے میں کہ فلاں رات کو شب قدر ہے چند مصلحتیں بتائی ہیں :۔

اول یہ کہ اگر تعیین باقی رہتی تو بہت سے کوتاہ طبائع دوسری راتوں کا اہتمام بالکل ترک کر دیتے اور صورت موجودہ میں اس احتمال پر کہ شاید آج ہی شب قدر ہو متعدد راتوں میں عبادت کی توفیق نصیب ہو جاتی ہے۔

دوسری یہ کہ بہت سے لوگ ہیں کہ معاصی کئے بغیر نہیں رہتے تعیین کی صورت میں اگر باوجود معلوم ہونے کے معصیت کی جرأت کیجاتی تو یہ بات سخت اندیشہ ناک تھی۔

تیسری یہ کہ تعیین کی صورت میں اگر کسی شخص سے وہ رات چھوٹ جاتی تو آئندہ راتوں میں افسردگی کی وجہ سے پھر کسی رات کا جاگنا بشاشت کے ساتھ نصیب نہ ہوتا اور اب رمضان کی چند راتیں میسر ہو ہی جاتی ہیں۔

چوتھی یہ کہ جتنی راتیں طلب میں خرچ ہوتی ہیں ان سب کا مستقل ثواب علٰحدہ ملتا ہے۔

پانچویں یہ کہ رمضان کی عبادت میں حق تعالیٰ جل شانہٗ ملائکہ پر تفاخر

فرماتے ہیں، اس صورت میں تفاخر کا موقع زیادہ ہے کہ باوجود معلوم نہ ہونے کے محض احتمال پر رات رات جاگتے ہیں اور عبادت میں مشغول رہتے ہیں اور اسکے علاوہ اور بھی مصالح ہو سکتی ہیں۔ ممکن ہے کہ جھگڑے کی وجہ سے اس خاص رمضان المبارک میں تعیین بھلا دی گئی ہو اور اس کے بعد مصالح مذکورہ یا دیگر مصالح کی وجہ سے ہمیشہ کے لئے تعیین چھوڑ دی گئی ہو، واللہ تعالیٰ اعلم۔

رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ اَزْوَاجُهُ مِنْ بَعْدِهٖ (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف فرماتے تھے وفات ہونے تک آپؐ کا یہ معمول رہا۔ آپکے بعد آپؐ کی بیویاں اعتکاف کرتی تھیں

(مشکوٰۃ شریف ص ۱۸۳ بحوالہ بخاری ومسلم)

تشریح: رمضان المبارک کی ہر گھڑی اور منٹ و سکینڈ کو غنیمت جاننا چاہیئے جتنا ممکن ہو اس ماہ میں نیک کام کرلو اور ثواب لوٹ لو، پھر رمضان میں بھی آخری دس دن کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔

رمضان کے آخری دس دن جن کو (عشرۂ اخیرہ کہا جاتا ہے) اعتکاف بھی کیا جاتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال ان دنوں کا اعتکاف فرماتے تھے اور آپؐ کی بیویاں بھی اعتکاف کرتی تھیں آپؐ کی وفات کے بعد بھی آپکی بیویوں نے اعتکاف کا اہتمام کیا جیساکہ اوپر حدیث میں مذکور ہوا۔ یہ ہم بارہا لکھ چکے ہیں کہ زمانۂ نبوت کی عورتیں نیکیاں کمانے کے دھن میں پیچھے نہ رہتی تھیں۔

اعتکاف میں بہت بڑا فائدہ ہے۔ اسمیں انسان یکسو ہوکر اپنے اللہ سے

تو لگائے رہتا ہے اور چونکہ رمضان کی آخری دس راتوں میں کوئی نہ کوئی رات شب قدر بھی ہوتی ہے اس لئے اعتکاف کرنے والے کو عموماً وہ بھی نصیب ہو جاتی ہے۔
مرد ایسی مسجد میں اعتکاف کریں جس میں پانچوں وقت جماعت سے نماز ہوتی ہو اور عورتیں اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کریں اپنے گھر میں جو جگہ نماز کیلئے مقرر کر رکھی ہو ان کے لئے وہی مسجد ہے، عورتیں اسی میں اعتکاف کریں۔ رمضان کی بیسویں تاریخ کا سورج چھپنے سے پہلے عید کا چاند نظر آنے تک اعتکاف کی نیت سے عورتوں کو گھر کی مسجد میں اور مردوں کو پنجوقتہ نماز با جماعت والی مسجد میں جم کر رہنے کو اعتکاف کہتے ہیں۔ جم کر رہنے کا مطلب یہ ہے کہ عید کا چاند نظر آنے تک مسجد ہی کی حد میں رہے البتہ پیشاب پاخانہ کے لئے وہاں سے چلے جانا درست ہے۔ اعتکاف کرے تو ہر وقت مسجد میں رہے۔ وہیں سوئے، وہیں کھائے، قرآن پڑھے، نفلیں پڑھے، تسبیحوں میں مشغول رہے۔ جہاں تک ممکن ہو راتوں کو جاگے اور عبادت کرے خاص کر جن راتوں میں شب قدر کی امید ہو ان راتوں میں شب بیداری کا اہتمام کرے۔

مسئلہ: اعتکاف میں میاں بیوی کے خاص تعلقات والے کام جائز نہیں ہیں نہ رات میں نہ دن میں۔

مسئلہ: یہ جو مشہور ہے کہ جو اعتکاف میں ہو وہ کسی سے نہ بولے چالے یہ غلط ہے بلکہ اعتکاف میں بولنا چالنا، اچھی باتیں کرنا، کسی کو نیک بات بتا دینا اور برائی سے روک دینا، بال بچوں اور نوکروں و نوکرانیوں کو گھر کا کام کاج بتا دینا یہ سب درست ہے اور عورت کے لئے اس میں آسانی بھی ہے کہ اپنے گھر کی مسجد میں اعتکاف کی نیت سے بیٹھی رہے اور وہیں سے بیٹھے بیٹھے گھر کا کام کاج بھی بتاتی رہے۔

مسئلہ: اگر اعتکاف میں عورت کو ماہواری شروع ہو جائے تو اسکا اعتکاف وہیں ختم ہو گیا۔ رمضان کے آخری عشرہ کے اعتکاف میں اگر ایسا ہو جائے تو کسی عالم سے مسائل معلوم کر کے قضا کرے۔

— — — —

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اعتکاف معتکف کو گناہوں سے روکتا ہے اور اس کے لئے (ان) سب نیکیوں کا ثواب (بھی) جاری رہتا ہے (جنھیں اعتکاف کے باعث انجام دینے سے قاصر رہتا ہے (مشکوٰۃ المصابیح)

فائدہ: جس دن صبح کو عید یا بقرعید ہو اس رات کو بھی ذکر، عبادت، اور نفل نماز سے زندہ رکھنے کی فضیلت آئی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے دونوں عیدوں کی راتوں کو عبادت کے ذریعہ زندہ رکھا اس دن اسکا دل مردہ نہ ہوگا جس دن دل مردہ ہوں گے (یعنی قیامت کا دن (الترغیب والترہیب)

کن لوگوں کو روزۂ رمضان چھوڑ کر بعد میں رکھنے کی اجازت ہے

وَعَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ نِ الْكَعْبِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ شَطْرَ الصَّلٰوةِ وَالصَّوْمَ عَنِ الْمُسَافِرِ وَعَنِ الْمُرْضِعِ وَالْحُبْلٰى

(رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسافر کے لئے نماز کا ایک حصہ معاف فرمادیا ہے اور رمضان کے روزے نہ رکھنے کی بھی مسافر کو اجازت دی ہے اور اسی طرح دودھ پلانے والی عورت اور حمل والی عورت کو اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے (اور بعد میں قضا کرے) (مشکوٰۃ شریف ص ۱۷۸ ج ۱ باب صوم المسافر)

تشریح: رمضان کا ایک روزہ چھوڑ دینا بھی بہت بڑا گناہ ہے اور جو فرض روزہ چھوڑنے کا مرتکب ہو وہ فاسق ہے۔

مریض | البتہ جو شخص ایسا مریض ہو کہ روزہ رکھنے سے اسکی جان پر بن آنے کا قوی اندیشہ ہو یا جو سخت مرض میں مبتلا ہو اور روزے کی وجہ سے

مرض کے طول پکڑ جانے کا غالب گمان ہو اسکے لئے جائز ہے کہ رمضان شریف کے روزے رمضان میں نہ رکھے اور اس کے بعد جب اچھا ہو جائے قضا رکھ لے یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں ہے جسے عام طور پر لوگ نہ جانتے ہوں لیکن اس میں بہت سی غلطیاں ہوتی ہیں اول یہ کہ معمولی معمولی مرض میں روزہ چھوڑ دیتے ہیں گو اس مرض کے لئے روزہ مضر بلکل نہو۔ دوم یہ کہ فاسق اور بے دین بلکہ بد دین ڈاکٹروں کے قول کا اعتبار کر لیتے ہیں۔ ڈاکٹر کہہ دیتے ہیں کہ روزہ نہ رکھئے گا ان ڈاکٹروں کو روزوں کی نہ قیمت معلوم ہے نہ شرعی مسئلہ کی صحیح صورت کا علم ہے نہ خود روزہ رکھنے کی عادت ہے نہ انکے دل میں کسی مومن کے روزے کا درد ہے ایسے لوگوں کے قول کا کوئی اعتبار نہیں ہے چونکہ عموماً ڈاکٹر آجکل فاسق ہی ہیں اسلئے مریض کو اپنی صوابدید سے اور کسی ایسے ڈاکٹر سے مشورہ کر کے فیصلہ کرنا چاہئے جو خوف خدا رکھتا ہو اور جو مسئلہ شرعیہ سے واقف ہو۔ سوم یہ کوتاہی عام ہے کہ بیماری کی وجہ سے رمضان کے روزے چھوڑ دیتے ہیں اور پھر رکھتے ہی نہیں اور بہت بڑی گنہگاری کا بوجھ لیکر قبر میں چلے جاتے ہیں

مسافر | مسافر جو مسافت قصر کے ارادے سے اپنے شہر یا بستی سے نکلا جب تک سفر میں رہے گا مرد ہو یا عورت چار رکعتوں والی فرض نمازوں کی جگہ دو رکعتیں پڑھے گا ہاں اگر کسی ایسے امام کے پیچھے جماعت میں شریک ہو جائے جو مسافر نہ ہو تو پوری نماز پڑھنی ہوگی۔ نیز اگر کسی جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کر لی تو مسافر کے حکم میں نہیں رہے گا اور پوری نماز پڑھنی ہوگی مسافت قصر ۴۸ میل ہے۔ اتنی دور کا ارادہ کر کے روانہ ہو جانے پہ شرعی مسافر ہوتا ہے جبکہ اپنے وطن سے نکل جائے۔ اتنی دور کا مسافر خواہ پیدل سفر کرے خواہ بس سے خواہ ہوائی جہاز سے یا اور کسی تیز رفتار سواری سے شرعی مسافر مانا جائے گا۔ شریعت نے نماز قصر کی بنیاد مسافت قصر پر رکھدی ہے، اگر تکلیف نہ ہو تب بلکل چار رکعت والی فرض کی جگہ

دو رکعتیں پڑھنی چاہئیں اگر پوری چار رکعتیں پڑھ لیں تو برا کیا۔
مسئلہ: جس مسافر کو چار رکعت والی نمازِ فرض کی جگہ دو رکعت پڑھنا ضروری ہے اسکے لئے یہ بھی جائز ہے کہ رمضان شریف کے موقع پر سفر میں ہو تو روزہ نہ رکھے اور بعد میں گھر آکر چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کرلے۔ خواہ ہوائی جہاز یا موٹر کار سے سفر کیا ہو اور خواہ کوئی تکلیف محسوس نہ ہوتی ہو۔ اگر کسی جگہ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرلے گا تو مسافر نہ رہیگا جیسا کہ اوپر بیان ہوا۔
یہ بات قابل ذکر ہے کہ بہت سے لوگ جس طرح مرض کی حالت میں روزہ چھوٹ جانے پر بعد میں قضا نہیں رکھتے اسی طرح لوگ سفر میں روزہ چھوڑ کر بعد میں گھر آکر قضا نہیں رکھتے اور گنہگار رہتے ہیں قرآن مجید میں ارشاد ہے فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ (جو شخص اس ماہ میں موجود ہو وہ ضرور اس میں روزہ رکھے اور جو شخص بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے ایام کا شمار رکھنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ آسانی کرنا منظور ہے اور تمہارے ساتھ دشواری منظور نہیں)۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ مریض اور مسافر سے روزہ معاف نہیں ہے البتہ اللہ تعالیٰ نے اسکو رمضان میں روزہ چھوڑنے کی اجازت دیدی ہے لیکن بعد میں چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا فرض ہے۔ اگر زیادہ تکلیف نہ ہو تو رمضان ہی میں روزہ رکھ لینا زیادہ بہتر اور افضل ہے۔
قرآن مجید میں ارشاد ہے وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ یعنی گو مرض اور سفر میں بعد میں رکھنے کی نیت سے رمضان کا روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے لیکن رمضان ہی میں روزہ رکھ لینا بہتر ہے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ اول تو رمضان کی برکت اور نورانیت سے محرومی نہ ہوگی دوسرے سب مسلمانوں کے ساتھ مل کر روزہ رکھنے میں آسانی بھی ہوگی اور بعد میں تنہا روزے رکھنا مشکل ہوگا۔

دودھ پلانے والی
جس طرح مریض اور مسافر کو رمضان میں روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے (جسکی شرطیں اوپر لکھی گئیں) اسی طرح دودھ پلانے والی عورت کے لئے بھی جائز ہے کہ رمضان میں روزہ نہ رکھے اور بعد میں قضا کرلے۔ بشرطیکہ روزہ رکھنے سے بچے کو دودھ نہ ملنے کی وجہ سے غذا سے محرومی ہوتی ہو اگر بچہ ماں کے دودھ کے علاوہ دوسری غذا کے ذریعہ گذارہ کرسکتا ہو مثلاً اوپر کا دودھ پینے سے یا دلیہ چاول وغیرہ کھانے سے بچہ کی غذا کا کام چل سکتا ہے تو دودھ پلانے والی عورت کو روزہ چھوڑنا حرام ہے اور یہ مسئلہ بھی بچے کی عمر دو سال ہونے تک ہے جب بچے کی عمر دو سال ہو جائے تو اسکو عورت کو دودھ پلانا ہی منع ہے اسمیں روزہ چھوڑنے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

حاملہ
جو عورت حمل سے ہو اسکو بھی رمضان شریف میں روزہ چھوڑنے کی اجازت ہے۔ فارغ ہونے کے بعد چھوڑے ہوئے روزے رکھ لے مگر شرط وہی ہے کہ روزہ رکھنے سے بہت زیادہ تکلیف میں پڑنے یا اپنے بچہ کی جان کا اندیشہ ہو

فدیہ کا حکم
وہ عورت یا مرد جو مستقل ایسا مریض ہو کہ روزہ رکھنے سے جان پر بن آنے کا شدید خطرہ ہو اور زندگی میں اچھے ہونے کی امید ہی نہ ہو یا وہ عورت و مرد جو بہت زیادہ بوڑھا ہے روزہ رکھ ہی نہیں سکتا اور روزے پر قادر ہونے کی کوئی امید نہیں، یہ لوگ روزے کے بجائے فدیہ دیں لیکن بعد میں کبھی روزہ رکھنے کے قابل ہو گئے تو گذشتہ روزں کی قضا کرنی ہوگی اور آئندہ روزے رکھنے ہوں گے اور جو فدیہ دیا ہے صدقہ میں شمار ہوگا۔

مسئلہ: ہر روزہ کا فدیہ یہ ہے کہ ایک سیر ۱۲½ چھٹانک گیہوں یا اسکی قیمت کسی مسکین کو دیوے یا فی روزہ ایک مسکین کو صبح شام پیٹ بھر کر کھانا کھلا دیوے۔

حیض والی عورت نہ روزہ رکھے نہ نماز پڑھے لیکن بعد میں روزوں کی قضاء کرے

عَنْ مُعَاذَةَ قَالَتْ سَأَلْتُ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهَا فَقُلْتُ مَا بَالُ الْحَائِضِ تَقْضِي الصَّوْمَ وَلَا تَقْضِي الصَّلٰوةَ فَقَالَتْ اَحَرُوْرِيَّةٌ اَنْتِ؟ قُلْتُ لَسْتُ بِحَرُوْرِيَّةٍ وَلٰكِنِّيْ اَسْأَلُ قَالَتْ كَانَ يُصِيْبُنَا ذٰلِكَ فَنُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّوْمِ وَلَا نُؤْمَرُ بِقَضَاءِ الصَّلٰوةِ وَفِيْ رِوَايَةٍ قَدْ كَانَتْ اِحْدَانَا تَحِيْضُ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لَا تُؤْمَرُ بِقَضَاءٍ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت معاذہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سوال کیا کہ یہ کیا بات ہے کہ (رمضان کے مہینے میں) کسی عورت کو حیض آجائے تو (ان دنوں) کے روزوں کی قضا رکھتی ہے اور (عموماً ہر مہینہ حیض آتا رہتا ہے رمضان ہو یا غیر رمضان ان دنوں کی) نمازوں کی قضا نہیں پڑھتی (یہ نماز اور روزے میں فرق کیوں ہے) یہ سنکر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا (کیا تو نیچری ہوگئی ہے جو احکام شریعت میں ٹانگ اڑاتی ہے) میں نے کہا میں نیچری نہیں ہوں صرف معلوم کر رہی ہوں۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ ہم تو اتنی بات جانتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ہم کو حیض آتا تھا تو نمازوں کی قضا کا حکم نہ دیا جاتا تھا اور روزوں کی قضا کا حکم ہوتا تھا۔

(مسلم شریف ۱۵۳ ج ۱)

تشریح: حضرت معاذہ ایک تابعی عورت تھیں بڑی عالمہ فاضلہ تھیں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خصوصی شاگردی کا شرف حاصل ہے۔ انھوں نے حضرت عائشہ سے مذکورہ بالا سوال کیا تو انھوں نے ان سے پوچھا اَحَرُوْرِیَّةٌ اَنْتِ؟ یعنی کیا تو حروریہ ہوگئی ہے؟ حروراء ایک گاؤں تھا وہاں خوارج کا

جگھٹا تھا یہ لوگ دین اور شریعت کو اپنی عقل کے معیار سے جانچنے کی کوشش کرتے تھے اور اپنی سمجھ کی ترازو میں تولتے تھے اسی لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرۃ معاذۃ سے فرمایا کہ تو دین میں اپنی عقل کا دخل دے رہی ہے یہ تو ان لوگوں کا طریقہ ہے جو حروراء بستی میں رہتے ہیں اسی لئے ہم نے اس لفظ کا ترجمہ "نیچری" سے کردیا ہے بہت سے لوگ دین کو اپنی عقل کی کسوٹی پر پرکھنا چاہتے ہیں اور سمجھ میں نہیں آتا تو منکر ہوتے ہیں یا اعتراض کرتے ہیں ایسے لوگ ہمارے اسلاف کی زبان میں "نیچری" کہلاتے ہیں کیونکہ اپنے نیچر کی بچڑ دین میں لگانے کی ناپاک کوشش کرتے ہیں۔ درحقیقت یہ ایک بہت بڑا روگ ہے جو دل میں حقیقی ایمان راسخ نہیں ہونے دیتا۔

احکام شرعیہ کو حکمت اور علت معلوم ہوئے بغیر ماننا لازم ہے

احکام کی حکمتیں معلوم کرنے میں کچھ حرج نہیں لیکن حکمت سمجھ میں نہ آئے تو حکم ہی کو نہ ماننے اور اسکے خلاف رسالے لکھنے لگے اور مضامین شایع کرنے لگے یہ بہت بڑی جہالت ہے۔ کسی حکم شرعی کی حکمت معلوم ہوگئی تو بہت اچھی بات ہے اور معلوم نہ ہوسکے یا سمجھ میں نہ آئے تو اس کو اسی طرح سچے دل سے ماننا ضروری ہے جیسا کہ حکمت سمجھ میں آنے پر مانتے۔ اور یہ بات بھی واضح رہے کہ کسی مسئلہ کی اگر کوئی حکمت سمجھ میں آجائے تو اسکو یوں نہ سمجھے کہ اسکی واقعی یہی حکمت ہے ممکن ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی دوسری حکمت ہو۔

جب حضرت عائشہؓ نے اپنی شاگرد معاذہؒ کی سرزنش کی تو انھوں نے جواب دیا میں نیچری نہیں ہوں یعنی دین میں ٹانگ اڑانا میرا مقصد نہیں البتہ حکمت معلوم کرنے کو جی چاہتا ہے، اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکمت نہ بتائی بلکہ ایک مومنانہ مضبوط جواب دے دیا کہ عمل کرنے کے لئے بس اتنا کافی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہم لوگوں کو حیض آتا تھا تو نماز و ں

کی قضا کا حکم نہیں دیا جاتا تھا اور رمضان میں حیض آجاتا تو ان دنوں کے روزوں کی قضا کا حکم دیا جاتا تھا۔ درحقیقت ایک مومن بندہ کے لئے یہ جواب بالکل کافی ہے کیونکہ مقصد زندگی حکم ربی کی تعمیل ہے نہ کہ علت اور حکمت کی تلاش! اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس پر اکتفا کیا۔ البتہ حکماء اسلام نے اس میں ایک حکمت یہ بتائی ہے کہ نمازیں زمانہ کی پانچ کی تعداد میں جمع ہو کر بہت زیادہ ہو جاتی ہیں۔ عورت کو گھریلو کام کاج اور بچوں کے پرورش کے مشاغل کی وجہ سے ان سب کی قضا پڑھنا سخت مشکل ہے اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ کرم فرمایا کہ حیض کے زمانے کی نمازوں کو بالکل ہی معاف فرما دیا اور روزے چونکہ بارہ ماہ میں صرف ایک مرتبہ آتے ہیں اور حیض کی وجہ سے جو روزے چھوٹتے ہیں وہ زیادہ ہوتے بھی نہیں انکی قضا رکھ لینا آسان ہے اس لئے انکی قضا کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ عورتیں عموماً روزہ رکھنے میں ماہر ہوتی ہیں اور نمازوں سے جان چراتی ہیں اگر ماہواری کے دنوں میں نمازوں کی قضا لازم کر دی جاتی تو قضا نہ پڑھتیں اور گنہ گار رہتیں اور ادا کرنا مشکل بھی تھا۔ فَسُبْحَانَ مَنْ لَا يُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا

عید کے مہینے میں چھ روزے رکھنے کی فضیلت

وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ رضی اللہ عنہ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَهٗ سِتًّا مِّنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ۔

(رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے

رمضان کے روزے رکھے اس کے بعد چھ (نفل) روزے شوال (یعنی عید) کے مہینے میں رکھ لئے تو پورے سال کے روزے رکھنے کا ثواب ہوگا۔ اگر ہمیشہ ایسا ہی کرے گا تو) گویا اس نے ساری عمر روزے رکھے۔

(مسلم شریف بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص ۱۷۹)

تشریح: اس مبارک حدیث میں رمضان مبارک گزرنے کے بعد ماہ شوال میں چھ نفلی روزے رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے اور اس کا عظیم ثواب بتایا گیا ہے۔ ثواب دینے کے بارے میں اللہ پاک نے یہ مہربانی فرمائی ہے کہ ہر عمل کا ثواب کم از کم دس گنا مقرر فرمایا ہے۔ جب کسی نے رمضان کے تیس روزے رکھے اور پھر چھ روزے اور رکھ لئے تو یہ چھتیس ۳۶ روزے ہو گئے چھتیس ۳۶ کو دس میں ضرب دینے سے تین سو ساٹھ ۳۶۰ ہو جاتے ہیں قمری حساب سے ایک سال تین سو ساٹھ دن کا ہوتا ہے۔ لہٰذا چھتیس روزے رکھنے پر اللہ تعالےٰ کے نزدیک تین سو ساٹھ روزے شمار ہوں گے اور اس طرح پورے سال کے روزے رکھنے کا ثواب ملے گا۔ اگر ہر سال کوئی شخص ایسا ہی کر لیا کرے تو وہ ثواب کے اعتبار سے ساری عمر روزہ رکھنے والا مان لیا جائے گا۔

اللہ اکبر! بے انتہا رحمت اور آخرت کی کمائی کے اللہ پاک نے کیسے بیش بہا مواقع دے دیئے ہیں۔

فائدہ: اگر رمضان کے روزے چاند کی وجہ سے انتیس ۲۹ ہی رہ جائیں تب بھی یہ تیس ۳۰ ہی شمار ہوں گے کیونکہ ہر مسلمان کی نیت ہوتی ہے کہ چاند نظر نہ آئے تو تیسواں روزہ رکھے گا۔ اس اعتبار سے انتیس روزے رمضان کے اور چھ عید کے کل پینتیس روزے

رکھنے سے بھی پورے سال روزے رکھنے کا ثواب ملے گا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف رمضان اور چھ شوال کے روزے رکھنے پر اس ثواب کی خوشخبری سنائی لہٰذا ہمیں یہ سوال کرنے کی ضرورت نہیں کہ ایک روزہ چاند کی وجہ سے رہ گیا تو ثواب پورے سال کا ہوگا یا نہیں؟

فائدہ: بعض عورتیں سمجھتی ہیں کہ یہ ثواب اسی وقت ملے گا جبکہ عید کے بعد دوسرے دن کم از کم ایک روزہ ضرور رکھ لے۔ یہ غلط ہے۔ اگر دوسری تاریخ سے روزے شروع نہ کئے اور پورے ماہ شوال میں چھ روزے رکھ لئے تب بھی یہ ثواب مل جائے گا۔

نفلی روزوں کا ثواب
اور عورت کو شوہر کی اجازت کے بغیر نفلی روزے نہ رکھنے کا حکم

وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ لِلْمَرْءَةِ اَنْ تَصُوْمَ وَزَوْجُهَا شَاهِدٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ وَلَا تَاْذَنَ فِیْ بَیْتِهٖ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورت کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ (نفل) روزہ رکھے جبکہ اسکا شوہر گھر پر ہو۔ ہاں اسکی اجازت سے رکھ سکتی ہے۔ اور عورت کے لئے یہ جائز نہیں کہ کسی کو گھر میں آنے کی اجازت دے۔ ہاں اگر شوہر کسی کے بارے

میں اجازت دے تو عورت بھی اجازت دے سکتی ہے (کیونکہ مسلمان شوہر جس کے آنے کی اجازت دے گا وہ عورت کا محرم ہوگا (مسلم شریف بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص:۲۷۸)

تشریح: دین اسلام کامل اور مکمل دین ہے اس میں دونوں طرح کے حقوق یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی رعایت رکھی گئی ہے جس طرح حقوق اللہ کی ادائیگی عبادت ہے اسی طرح حقوق العباد کا ادا کرنا بھی عبادت ہے۔ اس حدیث پاک میں حقوق العباد کی نگہداشت کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔

پیر اور جمعرات اور چاند کی ۱۳،۱۴،۱۵ تاریخ کے روزے

رمضان شریف کے روزوں کے علاوہ دوسرے مہینوں میں بھی روزے رکھنا چاہئے روزہ بہت بڑی عبادت ہے اور اسکا بہت بڑا ثواب ہے عید کے مہینوں کے چھ روزوں کا ذکر گزشتہ حدیث کی تشریح میں گزر چکا ہے پیر اور جمعرات کو بھی نفلی روزہ رکھنے کی فضیلت آئی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پیر اور جمعرات کو بارگاہِ خداوندی میں اعمال پیش کئے جاتے ہیں لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ میرا عمل اس حال میں پیش کیا جائے کہ میں روزہ سے ہوں (ترمذی شریف)

چاند کی تیرہ، چودہ، پندرہ تاریخ کو روزہ رکھنے کی بھی فضیلت وارد ہوئی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان دنوں روزے رکھا کرتے تھے۔

بقرعید کی نویں تاریخ کا روزہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے پختہ امید رکھتا ہوں کہ بقرعید کی نویں تاریخ کا روزہ رکھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ایک سال پہلے اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ کردے گا۔

عاشورا کا روزہ

اور یوم عاشورہ یعنی (محرم کی دسویں تاریخ) کے بارے میں اللہ سے پختہ امید رکھتا ہوں کہ اس کے رکھنے کی وجہ سے ایک سال پہلے کے گناہوں کا کفارہ فرمادیں گے (مشکوٰۃ)

بقرعید کی نویں تاریخ سے پہلے جو آٹھ دن ہیں انکے روزہ رکھنے کی بھی فضیلت آئی ہے ان روزوں کے علاوہ اور جس قدر نفل روزے کوئی شخص مرد یا عورت رکھے گا اسکے حق میں اچھا ہوگا۔ قیامت کے دن نوافل کے ذریعہ فرائض کی کمی پوری کیجائیگی اس لئے اس عبادت سے غافل ہوں لیکن دو باتیں یاد رکھنی چاہئیں اول یہ کہ اس عبادت کی وجہ سے کسی کی حق تلفی نہو مثلاً مرد زیادہ نفلی روزے رکھکر اسقدر کمزور ہو جائے کہ بیوی بچوں کو کما کر نہ دے سکے یا دوسرے حقوق میں کوتاہی ہونے لگے یا مثلاً کوئی عورت روزہ رکھنے کی وجہ سے شوہر اور بچوں کے حقوق ضائع نہ کردے، میاں بیوی کا ایک خاص تعلق ہوتا ہے جو روزے میں نہیں ہوتا اگر کوئی عورت روزہ پر روزہ رکھتی چلی جائے اور شوہر کے خاص تعلق کا خیال نہ رکھے تو گناہگار ہوگی شوہر کو خوش رکھنا اور اسکے حقوق کا دھیان رکھنا بھی عبادت ہے بعض عورتوں کو دیکھا گیا ہے کہ روزہ پر روزہ رکھتی چلی جاتی ہیں اور روزانہ روزہ رکھنے کی عادت ڈال لیتی ہیں۔ دن میں روزہ رات کو تھک کر پڑ گئیں، شوہر بے چارے کا کوئی دھیان نہیں یہ طریقہ شرعاً درست نہیں ایسی عورتوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ کسی عورت کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ شوہر گھر پر موجود ہو تو اسکی اجازت کے بغیر نفلی روزے رکھے شوہر اگر اجازت دے تو نفلی روزے رکھے، البتہ روزانہ روزہ رکھنا پھر بھی منع ہے۔

روزانہ روزہ رکھنے کی ممانعت | رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے روزانہ روزہ رکھا اس نے نہ روزہ رکھا نہ بے روزہ رہا (مسلم شریف) مطلب یہ کہ روزانہ روزہ رکھنے سے نفس کو عادت ہو جاتی ہے عادت ہو جانے سے مشقت نہیں ہوتی جب مشقت نہوئی تو روزہ کا مقصد ختم ہوگیا۔ اب یوں کہا جائے گا کہ کھانے پینے کے اوقات بدل دیئے۔ اس صورت میں عبادت کی شان باقی نہ رہے گی۔ اگر کسی سے ہو سکے تو ایک دن روزہ رکھے

یک دن روزہ تو یہ بہت فضیلت کی بات ہے لیکن شرط وہی ہے کہ شوہر کی اجازت ہو اور اسقدر بے طاقت ہوجائے کہ دوسری عبادات اور ادائیگی میں فرق آئے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص بڑے درجے کے صحابی تھے یہ روزانہ روزہ رکھتے تھے اور راتوں رات نفل پڑھتے تھے، سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو بلکہ روزہ کبھی رکھو اور بے روزہ بھی رہا کرو راتوں کو نفل نمازیں کبھی کھڑے رہا کرو اور سویا کبھی کرو کیونکہ تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھ کا بھی تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے۔ اور جو لوگ تمہارے پاس آئیں انکا بھی تم پر حق ہے (بخاری و مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ عبادت کا کمال یہ ہے کہ اپنے بدن اور اعضاء جسم اور بیوی، بچوں اور مہمانوں کے حقوق کی نگہداشت کرتے ہوئے نفل عبادت کیجائے مہمان آیا اسے نوکر چاکر کے ذریعہ کھانا کھلوادیا سونے لگے تو وہ اکیلا سو گیا اور صاحب خانہ نمازیں لگ گئے وہ بیچارہ منتظر ہی رہا کہ دو باتیں کب کروں، یہ کوئی صحیح عبادت نہیں البتہ نفس کی شرارت کو کبھی موقع نہیں دینا چاہئے یعنی موقع ہوتے ہوئے نفس بہانے نہ نکال لے کہ آج مہمان ہیں کیسے نماز پڑھوں، اور دو رکعت پڑھ لوں گی تو بوڑھی ہو جاؤں گی اور اگر ایک نفلی روزہ رکھ لیا تو کمزوری کے پہاڑ ہی ٹوٹ پڑیں گے۔ خلاصہ یہ کہ شریعت کے حدود میں نفس و شیطان کے فریب سے بچتے ہوئے نفل نمازیں پڑھو اور نفل روزے رکھو، تلاوت کبھی کرو اور ذکر بھی کرو۔ اور کسی مخلوق کا حق واجب کبھی ضائع نہ جانے دو۔

فرض روزوں کی ادا اور قضا میں شوہر کی اجازت کی ضرورت نہیں

تنبیہ، فرض نماز اور فرض روزے کی ادائیگی میں شوہر کی اجازت کی ہرگز ضرورت نہیں وہ اجازت نہ دے تب بھی انکی ادائیگی فرض ہے اور اگر روکے گا تو سخت گنہگار ہوگا اسیطرح رمضان کے جو روزے ماہواری کی مجبوری کی وجہ سے رہ جائیں تو ان کی قضا رکھنا بھی فرض ہے اگر شوہر روکے تب بھی قضا رکھ لے اگر وہ روکے گا تو سخت گنہگار ہوگا۔

صدقۃ الفطر کے احکام

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَکوٰۃَ الْفِطْرِ صَاعًا مِّنْ تَمْرٍ اَوْصَاعًا مِّنْ شَعِیْرٍ عَلَی الْعَبْدِ وَالْحُرِّ وَالذَّکَرِ وَالْاُنْثٰی وَالصَّغِیْرِ وَالْکَبِیْرِ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَ اَمَرَ بِھَا اَنْ تُؤَدّٰی قَبْلَ خُرُوْجِ النَّاسِ اِلَی الصَّلٰوۃِ۔

(رواہ البخاری و مسلم)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر کو ضروری قرار دیا (فی کس) ایک صاع کھجوریں یا اسی قدر جو دیئے جائیں، غلام اور آزاد، مذکر اور مونث (یعنی مرد اور عورت) اور ہر چھوٹے بڑے مسلمان کی طرف سے اور نماز عید کے لئے لوگوں کو جانے سے پہلے ادا کرنے کا حکم فرمایا۔

(مشکوٰۃ صفحہ ۱۶۰ بحوالہ بخاری و مسلم)

صدقہ فطر کس پر واجب ہے | صدقۂ فطر اس شخص پر واجب ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہو یا ساڑھے باون تولہ چاندی اسکی قیمت اسکی ملکیت میں ہو یا اگر سونا چاندی اور نقد رقم نہ ہو اور ضرورت سے زائد سامان موجود ہو جسکی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کی بن سکتی ہو تو اس پر بھی صدقۃ الفطر واجب ہے۔ زکوٰۃ فرض ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مال نصاب پر چاند کے حساب سے ایک سال گذر جائے، لیکن صدقۃ الفطر واجب ہونے کے لئے یہ شرط نہیں ہے اگر رمضان کی تیس تاریخ کو کسی کے پاس مال آگیا جس پر صدقۃ الفطر واجب ہو جاتا ہے تو عید الفطر کی صبح صادق ہوتے ہی اس پر صدقۃ الفطر واجب ہو جاتا ہے

صدقۂ فطر کے فائدے

صدقہ فطر کے ادا کرنے سے ایک حکم شرعی کے انجام دینے کا ثواب تو ملتا ہی ہے اسکے ساتھ دو مزید فائدے اور ہیں اول یہ کہ صدقۂ فطر روزوں کو پاک وصاف کرنے کا ذریعہ ہے، روزوں کی حالت میں جو فضول باتیں کیں اور جو خراب اور گندی باتیں زبان سے نکلیں صدقہ فطر کے ذریعے روزے ان چیزوں سے پاک ہو جاتے ہیں دوسرا فائدہ یہ ہے کہ عید کے دن ناداروں اور مسکینوں کی خوراک کا انتظام ہو جاتا ہے اور اسی لئے عید کی نماز کو جانے سے پہلے صدقۂ فطر کے ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ دیکھو کتنا سستا سودا ہے کہ محض دو سیر گیہوں دینے سے تیس روزوں کی تطہیر ہو جاتی ہے یعنی لایعنی اور گندی باتوں کی روزے میں جو ملاوٹ ہوگئی اسکے اثرات سے روزے پاک ہو جاتے ہیں گویا صدقۃ الفطر ادا کر دینے سے روزوں کی قبولیت کی راہ میں کوئی اٹکانے والی چیز باقی نہیں رہ جاتی ہے۔ اسی لئے بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اگر مسئلہ کی رو سے کسی پر صدقۂ فطر واجب نہ ہو تب بھی دیدینا چاہئے خرچ بہت معمولی ہے اور نفع بہت بڑا ہے فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَکٰوۃَ الْفِطْرِ طُھْرًا لِلصِّیَامِ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ وَ طُعْمَۃً لِلْمَسَاکِیْنِ (رواہ ابوداؤد)

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر مقرر فرمایا روزے کو لغو، بیہودہ اور گندی باتوں سے پاک کرنے کیلئے اور غرباء و مساکین کی روزی و خوراک کے بندوبست کے لئے)

کس کی طرف سے صدقۂ فطر ادا کیا جائے

صدقہ فطر بالغ عورت پر اپنی طرف سے دینا واجب ہے شوہر کے ذمہ اسکا صدقۂ فطر ادا کرنا ضروری نہیں ہاں شوہر کی جو نابالغ اولاد ہے اسکی طرف سے بھی اس پر صدقہ فطر دینا واجب ہے۔ بچوں کی والدہ کے ذمے بچوں کا صدقہ فطر دینا لازم نہیں۔ اگر بیوی کہے کہ میری طرف سے ادا کردو اور شوہر بیوی کی طرف سے ادا کردے تو ادا ہو جائے گا اگرچہ اسکے ذمہ بیوی کی طرف سے ادا کرنا لازم نہیں۔

جب مسلمان جہاد کیا کرتے تھے تو ان کے پاس جو کافر قیدی ہو کر آتے تھے انکو غلام اور باندی بنا لیا جاتا تھا، جس کی ملکیت میں غلام یا باندی ہوتی تھی اسکے اوپر غلام اور باندی کی طرف سے بھی صدقۂ فطر دینا واجب ہوتا تھا آجکل اگر کہیں جنگ ہوتی ہے تو ملکی اور وطنی لڑائی ہوتی ہے شرعی جہاد ہوتا نہیں۔ لہٰذا مسلمان غلام اور باندی سے محروم ہیں۔

صدقۂ فطر میں کیا دیا جائے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقۂ فطر دینے کے سلسلے میں دینار و درہم یعنی سونے چاندی کا سکہ ذکر نہیں فرمایا بلکہ جو چیزیں گھروں میں عام طور سے کھائی جاتی ہیں انھیں کے ذریعہ صدقۂ فطر کی ادائیگی بتائی۔

حدیث بالا میں جس کا ترجمہ ابھی ہوا ایک صاع کھجور یا ایک صاع جو فی کس صدقۂ فطر کی ادائیگی کے لئے دینے کا ذکر ہے۔ دوسری حدیثوں میں ایک صاع پنیر یا ایک صاع زبیب یعنی کشمش دینے کا بھی ذکر آیا ہے اور بعض روایات میں ایک صاع گیہوں دو آدمیوں کی طرف سے بطور صدقۂ فطر دینا بھی وارد ہوا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے لہٰذا صدقۂ فطر میں جو دے تو ایک صاع دے اور گیہوں دے تو آدھا صاع دے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو اور گیہوں وغیرہ ناپ کر فروخت کیا کرتے تھے اور ان چیزوں کو تولنے کے بجائے ناپنے کا رواج تھا، اس زمانے میں ناپنے کا جو ایک پیمانہ تھا اسی کے حساب سے حدیث شریف میں صدقۂ فطر کی مقدار بتائی ہے ایک صاع کچھ اوپر ساڑھے تین سیر کا ہوتا ہے۔ ہندوستان کے بزرگوں نے جب اسکا حساب لگایا تو ایک شخص کا صدقۂ فطر گیہوں کے اعتبار سے اسّی کے سیر سے ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک ہوا۔ عام طور سے کتابوں میں عوام کی رعایت سے یہی تول والی بات لکھی جاتی ہے۔ اگر ایک گھر میں میاں بیوی اور چند نابالغ بچے

ہوں تو مرد پر اپنی طرف سے اور ہر نا بالغ اولاد کی طرف سے صدقہ، فطر میں فی کس ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک گندم یا اسکا دوگنا جو یا چھوارے یا کشمش یا پنیر دینا واجب ہے۔ بیوی کی طرف سے مرد پر صدقہ، فطر دینا واجب نہیں ہے اور ماں جتنی بھی مالدار ہے نا بالغ اولاد کا صدقہ، فطر اس کو ادا کرنا واجب نہیں یہ صدقہ باپ پر واجب ہوتا ہے۔

صدقہ، فطر کی ادائیگی کا وقت صدقہ فطر عید کے دن کی صبح کے طلوع ہونے پر واجب ہوتا ہے اگر کوئی شخص اس سے پہلے مرجائے تو اسکی طرف سے صدقہ، فطر واجب نہیں۔

مسئلہ: صدقۃ الفطر عید سے پہلے بھی ادا کیا جا سکتا ہے اگر پہلے ادا نہ کیا تو عید کی نماز کے لئے جانے سے پہلے ادا کر دیا جائے اگر کسی نے نماز عید سے پہلے یا بعد نہ دیا تو ساقط نہ ہوگا اسکی ادائیگی برابر ذمہ رہے گی۔

مسئلہ: جو بچہ عید الفطر کی صبح صادق ہو جانے کے بعد پیدا ہوا ہو اسکی طرف سے صدقہ، فطر دینا واجب نہیں۔

نا بالغ کیطرف سے صدقہ، فطر اگر کسی نا بالغ کی ملکیت میں خود اپنا مال ہو جس پر صدقہ، فطر واجب ہوتا ہے تو اسکا وارث اسی کے مال سے اسکا صدقہ، فطر ادا کرے اپنے مال سے دینا واجب نہیں۔ سوال: بچہ کی ملکیت میں مال کہاں سے آئیگا؟ جواب: اسطرح سے آسکتا ہے کہ کسی کی میراث سے اسکو مال پہنچ جائے یا کوئی شخص اسکو ہبہ کر دے۔

جس نے روزے نہ رکھے ہوں اس پر بھی صدقہ فطر واجب ہے اگر کسی بالغ مرد و عورت نے کسی وجہ سے روزے نہ رکھے تب بھی صدقہ، فطر کا نصاب ہونے پر صدقہ کی ادائیگی واجب ہے

صدقہ فطر میں نقد قیمت یا آٹا وغیرہ صدقہ، فطر میں گیہوں کا آٹا بھی دیا جا سکتا ہے وزن وہی ہے جو اوپر گذرا اور جَو کا آٹا بھی دے سکتا ہے اسکا وزن بھی وہی ہے جو جَو کا وزن ہے۔

مسئلہ: صدقۂ فطر میں جو یا گیہوں کی نقد قیمت بھی دی جا سکتی ہے بلکہ اسکا دینا افضل ہے اگر گیہوں اور جو کے علاوہ کسی دوسرے غلہ سے صدقہ فطر ادا کرے مثلاً چنا، چاول، اُرد، جوار اور مکئی وغیرہ دینا چاہے تو اتنی مقدار میں دے کہ اسکی قیمت ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک گیہوں یا اس سے دوگنے جو کی قیمت کے برابر ہو جائے۔

صدقۂ فطر کی ادائیگی میں کچھ تفصیل

مسئلہ: ایک شخص کا صدقۂ فطر ایک محتاج کو دیدینا یا تھوڑا تھوڑا کر کے کئی محتاجوں کو دیدینا دونوں صورتیں جائز ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ چند آدمیوں کا صدقۂ فطر ایک ہی محتاج کو دے دیا جائے۔

صاحب نصاب کو صدقہ فطر دینا جائز نہیں

جس پر زکوٰۃ خود واجب ہو یا زکوٰۃ واجب ہونے کے بقدر اسکے پاس مال ہو یا ضرورت سے زائد سامان ہو جسکی وجہ سے صدقۂ فطر واجب ہو جاتا ہے تو ایسے شخص کو صدقۂ فطر دینا جائز نہیں۔ جسکی حیثیت اس سے کم ہو شریعت کے نزدیک اسے فقیر کہا جاتا ہے اسے زکوٰۃ اور صدقہ فطر دے سکتے ہیں۔

رشتہ داروں کو صدقہ فطر دینے میں تفصیل

اپنی اولاد کو یا ماں باپ نانا نانی دادا دادی کو زکوٰۃ اور صدقۂ فطر نہیں دے سکتے البتہ دوسرے رشتہ داروں کو مثلاً بھائی، بہن، چچا، ماموں، خالہ وغیرہ کو دے سکتے ہیں۔ شوہر بیوی کو یا بیوی شوہر کو صدقہ فطر دے تو ادائیگی نہ ہوگی اور سیدوں کو بھی صدقہ فطر دینا جائز نہیں۔

فائدہ: بہت سے لوگ پیشہ ور مانگنے والوں کے ظاہری پھٹے پرانے کپڑے دیکھکر یا کسی عورت کو بیوہ پاکر زکوٰۃ اور صدقہ فطر دے دیتے ہیں حالانکہ بعض مرتبہ بیوہ عورت کے پاس بقدر نصاب زیور ہوتا ہے اسی طرح روزانہ کے مانگنے والوں کے پاس اچھی خاصی مالیت ہوتی ہے ایسے لوگوں کو دینے سے ادائیگی نہ ہوگی زکوٰۃ اور صدقۂ فطر کی رقم خوب سوچ سمجھکر دینا لازم ہے۔

رشتہ داروں کو دینے سے دوہرا ثواب ہوتا ہے

جن رشتہ داروں کو زکوٰۃ اور صدقہ فطر دینا جائز ہے انکو دینے سے دوہرا ثواب ہوتا ہے کیونکہ اس میں صلۂ رحمی بھی ہو جاتی ہے۔

نوکروں کو صدقہ فطر دینا

اپنے غریب نوکروں کو بھی زکوٰۃ اور صدقۂ فطر دے سکتے ہیں مگر انکی تنخواہ میں لگانا درست نہیں۔

بالغ عورت اگر صاحب نصاب ہو

اگر بالغ عورت اس قابل ہے کہ اسکو صدقہ فطر دیا جا سکے تو اسے دے سکتے ہیں اگرچہ اسکے میکے والے مالدار ہوں۔

(۹۹۲) فرمایا کہ مجاہدہ کا ثمرہ اونچا رہنا ہے اور ناز و نعم کا ثمرہ نیچا رہنا ہے اسکی توضیح میں یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک بزرگ درویش تھے یعنی عالم پورے نہ تھے گو بے علم بھی نہ تھے وعظ میں سیدھی سیدھی باتیں فرما رہے تھے اور لوگ تڑپ رہے تھے اس مجلس میں ایک علامہ بھی حاضر تھے ان کے دل میں خیال گذرا کہ یہ عجیب بات ہے کہ ہم اتنے بڑے عالم لیکن ہمارے وعظ میں اثر نہیں اور یہ کم علم، مضامین بھی عالی اور دقیق نہیں لیکن انکے وعظ میں لوگوں کی یہ حالت ہے ان بزرگ کو انکا یہ خیال مکشوف ہوگیا فرمایا کہ ایک گلاس میں تیل، پانی اور بتی تھی ایسی صورت میں تیل اوپر رہتا تھا اور پانی نیچے کیونکہ پانی وزنی زیادہ ہوتا ہے، پانی نے تیل سے شکایت کی اور پوچھا کہ یہ کیا بات ہے کہ میں نیچے رہتا ہوں اور تو اوپر؟ حالانکہ میں پانی ہوں اور پانی کی یہ صفت ہے کہ وہ صاف، شفاف خود طاہر مطہر، روشن، خوبصورت، خوب سیرت ہے۔ غرض ساری صفتیں موجود ہیں اور تو (یعنی تیل) خود بھی میلا اور جس پر گرے اسے بھی میلا کردے کوئی چیز تجھ سے دھوئی نہیں جاسکتی۔ چاہئے یہ تھا کہ تو نیچے ہوتا اور میں اوپر مگر معاملہ برعکس ہے کہ میں نیچے ہوں اور تو اوپر۔ تیل نے جواب دیا کہ ہاں یہ سب کچھ ہے لیکن تم نے کوئی مجاہدہ نہیں کیا ہمیشہ ناز و نعم ہی میں رہے بچپن سے ابتک۔ بچپن میں فرشتے آسمان سے اتار کر بڑے اکرام سے تم کو لائے، پھر جس نے دیکھا عزت کے ساتھ برتنوں میں لیا۔ بڑی رغبت سے نوش کیا۔ تمھاری دھوپ سے حفاظت کی جاتی ہے۔ میل کچیل گرد و غبار سے بچایا جاتا ہے گو اپنے مطلب کو سہی۔ غرض ہمیشہ عزت ہی عزت اور ناز ہی ناز دیکھا اور ہم نے جب سے ہماری ابتدا ہوئی ہے ہمیشہ مصیبتیں ہی مصیبتیں جھیلی ہیں۔ سب سے اول تخم تھا سرسوں یا تل کا سب سے پہلے تو مصیبت کا یہ سامنا ہوا کہ سیکڑوں من مٹی ہمارے اوپر ڈالی گئی۔ سینہ پر پتھر رکھا، پھر جگر

شق ہوا یہ دوسری مصیبت پڑی، تیسری مصیبت یہ پڑی کہ زمین کو توڑ کر
باہر نکلے، چوتھی یہ کہ جب باہر نکلے تو آفتاب کی تمازت نے جگر بھون دیا۔
پانچویں مصیبت یہ جھیلنی پڑی کہ جب کچھ بڑے ہو گئے تو درانتی سے کاٹا
گیا، چھٹی مصیبت یہ کہ زیر و زبر کیا گیا اور بیلوں کے کھروں میں روندا گیا، آخر
میں ساتویں مصیبت تو غضب کی تھی کہ کولھو میں ڈالکر جو کچلا ہے تو جگر پاش پاش
کردیا، اس طرح ہماری ہستی ہوئی، عمر بھر مجاہدوں میں گذری۔ سو مجاہدہ کا
ثمرہ یہ اونچا رہنا ہے اور ناز و نعم کا ثمرہ یہ نیچا رہنا ہے۔

(۹۹۳) فرمایا کہ بیعت کے بعد جو نفع ہوتا ہے وہی قبل بیعت کے بھی
حاصل ہو سکتا ہے نفع کا دارومدار بیعت پر نہیں۔ عرض گیا کہ پھر بیعت بدعت
ہے اگر بدعت ہے تو اسکو قطعاً ترک کردینا چاہئے فرمایا کہ بیعت بدعت
نہیں بیعت کو ضروری سمجھنا بدعت ہے بلکہ بیعت ایک سنت مستحبہ غیر ضروریہ ہے

(۹۹۴) فرمایا کہ خدا کا نام بتلانے کے لئے بجز اسلام کے کوئی شرط نہیں۔
کوئی ہندو مجھ سے پوچھے اللہ کا نام تو میں ہرگز نہ بتلاؤں جب تک مسلمان نہ ہو جائے
باقی چاہے جبری ہو چاہے قدری ہو چاہے فلاں خانی ہو، چاہے سماع سنتا
ہو، چاہے غیر مقلد ہو چاہے رافضی بھی ہو لیکن ہو مسلمان ہم سے ذکر و شغل
پوچھو اور کرو ہم بتلادیں گے چاہے نفع نہ ہو لیکن ہم اپنی طرف سے بتلانے
کو تیار ہیں۔ ہمارے یہاں اہل سنت والجماعت ہونے کی شرط نہیں۔
لیکن ہم اطلاع کردیتے ہیں کہ بدون تصحیح عقائد کچھ نفع نہیں ہونے کا۔ اس لئے
اللہ کا نام سب کو بتلادیتا ہوں کہ اسکی برکت سے نفع ہو جاتا ہے یعنی عقائد
درست ہو جاتے ہیں۔

(۹۹۵) فرمایا کہ ایک ظریف کا قول ہے کہ مولویوں اور کسبیوں کے ملازم
سست ہوتے ہیں کیونکہ جہاں انکے منہ سے کچھ نکلا بہت سے لوگ کام کرنے کو
تیار ہو جاتے ہیں اسلئے انکے ملازم بیکار ہو جاتے ہیں۔

(۹۹۶) فرمایا کہ زنا کی سزا بہت سخت ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ فعل عند اللہ نہایت سخت ہے۔ سارے بدن سے مزے لوٹے تھے اس لئے سارے بدن پر پتھر مار مار کر جان نکالی جاتی ہے۔ پھر فرمایا کہ زنا کی شہادت بھی بہت سخت ہے غالباً آج تک زنا کا ثبوت شہادت سے کبھی نہیں ہوا جب ہوا اقرار سے ہوا۔ زنا کے اقرار میں بھی یہ قانون ہے کہ جب چاہے اپنے اقرار سے رجوع کرلے پھر اس پر حد قائم نہیں کیجا سکتی مگر قتل کے اقرار میں یہ بات نہیں۔ پھر استفسار پر فرمایا کہ زنا کا اقرار نہ کرنا اور جھوٹ بول دینا اقرار کرنے سے افضل ہے لیکن جن صحابہؓ نے اقرار کیا ان پر حال طاری ہوگیا تھا انھوں نے اپنے وجود سے عالم کو پاک کرنا چاہا اس قدر ندامت دامنگیر ہوئی واقعی اپنے اختیار سے اپنے اوپر ایسی سخت سزا جاری کرالینا نہایت عجیب ہے۔ جبھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعزؓ کی نسبت فرمایا تھا کہ اگر اسکی توبہ تمام اہل مدینہ پر تقسیم کردی جاوے تو سب کی مغفرت کے لئے کافی ہے۔ اس قدر خالص توبہ تھی۔ پھر استفسار پر فرمایا کہ زنا حق العبد نہیں ہے جیسا کہ سمجھا جاتا ہے بلکہ حق اللہ ہے کیونکہ موٹی بات ہے کہ اگر حق العبد ہوتا تو شوہر کی اجازت سے اسکی بیوی دوسرے کو مباح ہوتی جیسا کہ مال مباح ہوجاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنی سزائیں زنا کی دی ہیں اس میں آپ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی یہ نہیں کہا کہ جاکر زوج سے معاف کراؤ، لیکن بعضا جہل بھی انفع ہوتا زنا کو حق العبد سمجھنا ہی مصلحت ہے کیونکہ لوگ یہ سمجھکر کہ حق اللہ ہے سہل سمجھنے لگتے ہیں۔ حق العبد کو زیادہ سخت سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بڑا جہل ہے کیونکہ صاحب حق جتنا بڑا ہوگا اتنا ہی اسکا حق ضائع کرنا سخت ہوگا۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ محبت کی وجہ سے حق اللہ کو لوگ سہل سمجھتے ہیں فرمایا کہ محبت نہیں جرأت ہے مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيمِ (اے انسان) تجھکو کس چیز نے

اپنے ایسے کریم رب کے ساتھ بھول ہوئیں رکھا؟ جسکی وجہ یہ ہے کہ مشاہدہ نہیں ہے اگر مشاہدہ ہو تو پتہ پھٹ جاوے

۹۹۷) فرمایا کہ میں نے عوارف میں دیکھا ہے کہ ایک بزرگ کو بڑھاپے میں تغیر ہوا کہیں چیخ اٹھے کہیں رونے لگے لوگوں نے اس تغیر کا سبب پوچھا تو یوں کہا کہ اب ہم ضعیف ہو گئے اس لئے ضبط نہیں ہوتا خود اہل فن نے فیصلہ کیا ہے کہ ایسے تغیرات ضعف سے ناشی ہوتے ہیں۔

۹۹۸) فرمایا کہ میری تو خوب اطمینان کی تحقیق ہے کہ عفت جیسی جوانی میں ہوتی ہے بڑھاپے میں نہیں ہوتی۔ عفیف جوان بہ نسبت عفیف بڈھوں کے زیادہ عفیف ہوتے ہیں کیونکہ ان میں قوت ضبط کی زیادہ ہوتی ہے۔ اسکا یہ بھی مقتضا ہے کہ عورتوں کو بوڑھے آدمی سے زیادہ بچانا چاہئے۔ اور اب لوگوں کا معاملہ برعکس ہے بوڑھوں سے بالکل احتیاط نہیں کرائی جاتی حضرت! میں نے کئی بوڑھوں سے پوچھا سب نے اقرار کیا، شہوت تو ہوتی ہے بوڑھوں میں بھی یعنی میلان قلب لیکن چونکہ وہ کسی کام کے نہیں رہتے اس لئے بزرگ رہتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ لوگ عورتوں کو اسی طرح بزرگوں سے بھی نہیں بچاتے حالانکہ بزرگوں میں زیادہ شہوت ہوتی ہے کیونکہ وہ سب باتوں سے رکے رہتے ہیں۔ فاسق فاجر میں تو کچھ نہیں رہتا کیونکہ کچھ فسق وفجور میں نکل جاتا ہے، کچھ آنکھوں کی راہ سے نکل جاتا ہے، کچھ خیالات کی راہ سے نکل جاتا ہے اور جو متقی ہوتے ہیں انکا سب ذخیرہ کوٹھری میں رہتا ہے سب راہیں نکلنے کی بند رہتی ہیں اسلئے بزرگوں سے ضرور بچانا چاہئے۔ اب یہ ہوتا ہے کہ میری لڑکی پر ہاتھ پھیر دیجئے، میری بیوی کے سر پر ہاتھ رکھ دیجئے، واہیات حرکت ہے بہت ہی احتیاط چاہئے۔ دوسرے یہ کہ بزرگوں کا ادراک بہت صحیح ہوجاتا ہے آواز سے یہ استدلال کر سکتے ہیں، صورت سے یہ استدلال کر سکتے ہیں، لب ولہجہ سے یہ استدلال کر سکتے ہیں، چال ڈھال سے یہ استدلال کر سکتے ہیں انکے استدلالات

غضب کے ہیں چنانچہ بخاری کے حاشیہ پر لکھا ہے اِنَّ شَھْوَۃَ الْمُتَّقِیْ اَشَدُّ
ابن القیم نے اس قول کی وجہ لکھی ہے کہ ان حضرات میں نور ذکر کا پھیلا ہوا
رہتا ہے اور نور کا اول خاصہ نشاط ہے اور اس امر کا نشاط پر دارومدار
ہے جب نشاط ہوگا تب ہی میلان ہوگا، اس واسطے بزرگ لوگ ہمیشہ
نشاط میں رہتے ہیں اور اسی واسطے میلان بھی انھیں زیادہ ہوتا ہے۔
عوام میں جو مشہور ہے کہ مولویوں کو بہت مستی ہوتی ہے اسکا بھی وہی مطلب ہے
گو الفاظ غیر مہذب ہیں۔

(۹۹۹) فرمایا کہ مصافحہ کے بعد جو ہاتھ چومنے کی رسم ہے اسکو موقوف
کر دینا چاہیئے کیونکہ اصل سنت تو مصافحہ ہے ہاتھ چومنا گو جائز سہی لیکن
سنت تو نہیں ہاں اسکا مبنیٰ شوق ہے اس لئے اگر شوق ہو تو مضائقہ
نہیں لیکن یہ وجدانی بات ہے کہ کسی وقت شوق کا غلبہ ہوتا ہے اور کسی وقت
نہیں ہوتا جب نہ ہوا تو اس وقت محض تصنع ہے اور تصنع اکابر طریقت
کے نزدیک بھی برا ہے۔ نیز ایک باریک بات بھی ہے کہ بعض طبائع پر
توحید کا غلبہ ہوتا ہے انھیں یہ فعل نہایت گراں معلوم ہوتا ہے۔ میرا یہی
مذاق ہے کہ میں جو بزرگوں کے ہاتھ چومتا ہوں تو بیچ یہ ہے کہ کسی وقت تو شوق
ہوتا ہے اور زیادہ تر یہ ہوتا ہے کہ دیکھنے والے کہیں یہ نہ سمجھیں کہ اس کو
اپنے بزرگوں کے ساتھ اعتقاد نہیں ہے۔ بحمداللہ اعتقاد تو اپنے بزرگوں
کے ساتھ مجھکو ہے باقی بیچ یہ ہے کہ جوش نہیں ہے یعنی اعتقاد تو ہوتا
ہے لیکن جوش کے درجہ میں نہیں ہوتا۔

(۱۰۰۰) فرمایا کہ کنکھجورا چاہے مرکر گل سڑ بھی جاوے اور ریزہ ریزہ
ہو جاوے لیکن کنواں ناپاک نہیں ہوتا گو پانی پینا جائز نہیں جب تک کہ اتنا
پانی نہ نکالا جاوے کہ غالب گمان ہو جاوے کہ اب اسکے ریزے نکل گئے
ہوں گے۔

(۱۰۰۱) فرمایا کہ آجکل لوگ منکوحہ عورتوں میں حسن و جمال کو دیکھتے ہیں حالانکہ راحت اور فتنوں سے حفاظت آجکل اسی میں ہے کہ بیوی زیادہ حسین و جمیل نہ ہو حسن و جمال کی کمی قدرتی وقایہ ہے۔ عرض کرنے پر فرمایا کہ حسن و جمال خدا تعالیٰ کی نعمت ہے لیکن اس میں احتمال فتنہ غالب ہے۔

(۱۰۰۲) فرمایا کہ صلحاء کی طرف ہدیہ آنا علامت ہے مہدی علیہ کے مردود نہ ہونے کی، بڑی بات تو یہ ہے ایک بزرگ جو ذرا آزاد تھے انھوں نے مجھ سے یہ لفظ کہے تھے کہ ہدایا ہر شخص کے پاس نہیں آتے بلکہ سرکاری آدمی ہی کے پاس آتے ہیں، ہدیہ آنا اسکی علامت ہے کہ وہ شخص سرکاری آدمی ہے۔

(۱۰۰۳) فرمایا کہ چاہے کیسے ہی معتمد شخص سے روپئے ملیں گننے کو ضرور جی چاہتا ہے۔ روپیہ تو روپیہ پیسے بھی اگر کوئی دے تو انھیں بھی بغیر گنے رکھنے کو جی گوارا نہیں کرتا۔ پھر فرمایا کہ یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید ان سے گننے میں غلطی ہو گئی ہو پھر فرمایا کہ گننے میں یہ نیت کر لیا کریں کہ کہیں دوسرے کا میرے پاس زیادہ نہ آگیا ہو، خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ نیت کیا اختیاری ہے؟ ہنسکر فرمایا کہ آپ نے بھی غضب کیا! نیت اختیاری نہیں ہے تو کیا غیر اختیاری ہے۔ عرض کیا گیا کہ جب گننے میں نیت تو یہ ہے کہ کہیں کم نہوں پھر یہ نیت کیسے کرلے کہ کہیں زیادہ نہ آگئے ہوں؟ فرمایا کہ نیت تو فعل اختیاری ہے اگر نماز کو جی نہ چاہتا ہو تو کیا نیت باندھکر کھڑا نہیں ہو سکتا اسی طرح یہ نیت بھی کر سکتا ہے۔

(۱۰۰۴) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ جائے بزرگاں بجائے بزرگاں، اس پر خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ حضور حاجی صاحبؒ کے حجرے میں کبھی نہیں بیٹھے! فرمایا مجھ پر توحید کا غلبہ ہے اس لئے ایسے امور کی طرف مجھے التفات نہیں۔ مجھے عقیدت تو بے حد ہے بزرگوں کے ساتھ لیکن جوش کے درجہ میں نہیں۔ عرض کیا گیا حضور کو عقیدت عقلی ہے طبعی نہیں، فرمایا کہ جی نہیں عقیدت طبعی ہے کیونکہ مجھ میں مادہ الفت کا ہے۔

ہے۔ عرض کیا گیا کہ عقیدت طبعی میں تو جوش لازمی ہے فرمایا کہ تاثر تو ہے جوش نہیں ہے۔ اسی طرح بزرگوں کے تبرکات کے ساتھ مجھکو شغف نہیں مثلاً کرتہ وغیرہ یہ خیال ہوتا ہے کہ اس میں کیا رکھا ہے اصل چیز تو بزرگوں کا اتباع ہے گو برکت کا میں نے خود مشاہدہ بھی کیا ہے لیکن اہتمام جس کو کہتے ہیں وہ قلب میں نہیں۔

(۱۰۰۵) فرمایا کہ جو عالم اپنے علم پر عمل نہ کرے اور محب دنیا ہو وہ جاہل ہے کوئی ہو۔

(۱۰۰۶) فرمایا کہ سب میں یہ مرض ادھوری بات کہنے کا ہے الاماشاء اللہ یہ بہت ہی تکلیف دہ حرکت ہے۔

(۱۰۰۷) فرمایا کہ اکثر رئیسوں کو اللہ تعالےٰ حوصلہ عطا فرما دیتے ہیں۔ ع۔ خدا جب حسن دیتا ہے نزاکت آہی جاتی ہے۔ خواجہ صاحب نے عرض کیا کہ اسی طرح بزرگان کاملین دولت باطنی دینے میں سخی ہوتے ہوں گے، مگر انکو اس میں کیا اختیار ہے وہ تو حق تعالےٰ کے قبضہ میں ہے فرمایا کہ ان کے اختیار کی ضرورت نہیں، انکے قلوب میں یہ برکت ہوتی ہے کہ جو انکو راضی رکھتا ہے اور جسکی طرف انکے قلوب متوجہ رہتے ہیں اللہ تعالےٰ اس پر فضل فرما ہی دیتا ہے، تجربہ یہی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ امام احمد حنبلؒ اور ایک اور شخص نہر میں وضو کر رہے تھے امام صاحبؒ نیچے کی طرف تھے اور وہ شخص اوپر کی طرف اس شخص نے خیال کیا کہ امام صاحب مقبول بندے ہیں میرا مستعمل پانی انکے پاس جاتا ہے یہ بے ادبی ہے اسلئے وہ اٹھکر دوسری طرف انکے نیچے جا بیٹھا بعد انتقال کے اسکو کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ مغفرت ہوئی یا نہیں؟ کہا کہ میرے پاس کوئی عمل نہ تھا اس پر مغفرت ہوئی کہ تو نے ہمارے مقبول بندہ احمد بن حنبل کا ادب کیا تھا ہمیں یہ پسند آیا اسی واسطے حدیث میں آیا ہے کہ اے عائشہ کسی نیک عمل کو حقیر نہ سمجھنا ہر نیک عمل میں خاصیت

مغفرت کی ہے اسی طرح ہر گناہ میں خاصیت عذاب کی ہے چاہے چھوٹا ہو یا بڑا۔

(۱۰۰۸) فرمایا کہ ظاہری اعمال پر بزرگوں کی زیادہ نظر نہیں ہوتی کیونکہ انکی اصلاح تو ایک منٹ میں ہو سکتی ہے یہ تو محض ارادہ کا بدلنا ہے بے نمازی ایک منٹ میں نمازی ہو سکتا ہے۔ بے ڈاڑھی والا ایک منٹ میں ڈاڑھی چھوڑ سکتا ہے۔ شرابی ایک منٹ میں شراب سے تائب ہو سکتا ہے فاسق فاجر ایک منٹ میں متقی ہو سکتا ہے لیکن بڑی چیز جس پر بزرگوں کی نظر ہوتی ہے اخلاق باطنہ ہیں مثلاً تکبر وغیرہ انکی اصلاح نہایت دشوار ہوتی ہے۔

(۱۰۰۹) فرمایا کہ کتابوں سے بھی ثابت ہے اور تجربہ سے بھی ثابت ہے کہ نفس کو جب تک ذلت نہ دی جاوے سے بے سید ھا نہیں ہوتا اور یہ ظاہر ہے کہ اپنے ہاتھ سے ذلت نہیں ہوتی بازار میں کھڑے ہو کر خود اپنے ہاتھ سے اپنے سر پر جوتیاں بھی مارلیں تب بھی ذلت نہ ہو ذلت تو جناب دوسرے ہی کے ہاتھ سے ہوتی ہے

(۱۰۱۰) فرمایا کہ سب صاحب سن لیں کہ چشتیہ میں جو جہر ہے وہ محض اسی مصلحت سے ہے کہ اپنی آواز کان میں آتی رہے تاکہ خطرات نہ آویں یہ غرض خفیف جہر سے بھی حاصل ہو سکتی ہے لہٰذا بقاعدۂ اَلضَّرُوْرِیُّ یَتَقَدَّرُ بِقَدْرِ الضَّرُوْرَۃِ (یعنی بربنائے ضرورت ثابت ہونے والی چیز بقدر ضرورت ہی ثابت ہوتی ہے) بہت چلا چلا کر ذکر کرنا عبث فعل ہوا اور عبث فعل پسندیدہ نہیں فقہاء نے بھی ذکر جہر کے جواز کی یہ شرط لکھی ہے کہ نائم اور مصلین کو تشویش نہ ہو۔ میرے وجدان میں تو متوسط جہر سے نمازی کو تشویش نہیں ہوتی زیادہ بلند آواز سے البتہ ہوتی ہے بلکہ مجھے تو خفیف جہر کے ساتھ رسیلی آواز سے کوئی ذکر کر رہا ہو تو نیند آجاتی ہے۔ عرض کیا گیا کہ خفیف جہر سے قلب پر بھی زیادہ اثر پہنچتا ہے فرمایا جی ہاں زیادہ پکارنے سے سب زور باہر نکل جاتا ہے۔ اس لئے قلب پر بھی اثر نہیں پڑتا۔

(جاری)

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے تواضع کو للہ سے مقید فرمایا ہے
اس قید کے اجتماع وارتفاع کے احتمال سے دو قسمیں پیدا ہوگئیں اول
تواضع للہ، ثانی تواضع لغیر اللہ، اور تواضع کی اس قسم یعنی تواضع لغیر اللہ میں
جو لفظ غیر ہے اس سے اسکے لغوی معنی مراد نہیں ہے اور نہ مصطلح مناطقہ
وفلاسفہ مراد ہے لغوی معنی بھی اسی اصلاحی معنی کے قریب ہیں یعنی
یہ کہ دو چیزوں کے مفہوم میں تباین ہو اور مصداق میں تفارق مانع عن الحمل ہو
بلکہ غیر سے مراد وہ غیر ہے جو اصطلاح متکلمین میں مستعمل ہے یعنی جو لفظ غیر کہ
صفات الٰہیہ کی بحث میں واقع ہوا ہے کہ صفات لاعین و لاغیر ہیں جو اس غیر
کے معنی ہیں، اور وہ معنی مذکور کے علاوہ ہیں کیونکہ اگر یہاں غیر سے لغوی یا
منطقی معنی مراد لے لئے جاویں تو صریح الاستحالہ ہے بدا ہۃً قول بارتفاع النقیضین
ہے بلکہ یہاں وہ غیر مراد ہے جو نصوص شرعیہ اور آثار نبویہ میں واقع ہوا ہے
اور وہی محاورات مشہورہ اور اطلاقات عرفیہ میں مستعمل ہوتا ہے۔ چنانچہ ہماری
زبان اردو ہی میں بولتے ہیں کہ آپ تو بہت تکلف فرماتے ہیں اسکی کیا حاجت
ہے ہم آپ غیر تو نہیں ہیں اسکا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ہم میں اور آپ میں تغایر ذاتی
نہیں ہے۔ اتحاد مصداق ہے ہمارا آپ کا ایک دوسرے پر حمل ہوسکتا ہے
بلکہ مراد یہ ہوتی ہے کہ ہم بے تعلق نہیں ہیں ہم سے تمھارا قوی تعلق ہے۔ محاورات
میں غیر کے معنی یہی مراد ہوتے ہیں اور یہی صفات کے لاغیر کہنے میں مراد ہیں یعنی
ذات سے بے تعلق نہیں پھر اسی تعلق سے عینیت کی نفی فلاسفہ کے مذہب کی
نفی کے لئے کی گئی۔ اسی طرح تواضع لغیر اللہ میں بھی غیر کے یہی معنی مراد ہیں
یعنی ایسی تواضع جس میں حق تعالےٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ سے تعلق نہ ہو اسکی
ذات بابرکات سے علاقہ نہ ہو بلکہ اغیار مقصود ہوں حق تعالےٰ شانہٗ کا اس میں
لحاظ نہ ہو علی ہذا القیاس تواضع للہ میں بھی یہی گنجائش اور وسعت ہے کہ
تواضع للہ بلا واسطہ ہو جیسے صوم وصلوٰۃ وحج وغیرہ من الفرائض والواجبات والسنن

یا تواضع للہ بواسطہ ہو یعنی گو مخلوق کے لئے خفض جناح۔ یعنی فروتنی یا پستی اختیار کیا جاوے لیکن حق تعالےٰ کے واسطے، حق تعالیٰ کے امر کی وجہ سے تاکہ اللہ تعالےٰ کی خوشنودی و رضا حاصل ہو اسکا سبب حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات والا صفات سے تعلق ہو، اسکا محرک کوئی غیر نہ ہو تو وہ بھی حکماً تواضع للہ ہی ہے، اگرچہ بظاہر تواضع لغیراللہ ہے۔ جیسے والدین کے ساتھ تواضع، استاد کے ساتھ تواضع، مرشد و پیر کے ساتھ تواضع ہے اور اپنے ہر بزرگ سِنًّا یا عقلاً کے ساتھ تواضع کرنا اور اسکے سامنے اپنے آپ کو پست کرنا، خفض جناح و نرمی سے کام لینا یہ سب تواضع للہ کے افراد ہیں اور والدین، استاد و مرشد وغیرہ تو بڑے اور بزرگ ہونے کی وجہ سے قابل التعظیم واجب التکریم ہیں۔

تکبر و تذلل سے اجتناب حق تعالیٰ نے تو جناب رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو عام مسلمانوں کے ساتھ بھی خفض جناح اور تواضع کا حکم فرمایا ہے وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (اور ان لوگوں کے ساتھ فروتنی سے پیش آئیے جو مسلمانوں میں داخل ہو کر آپ کی راہ پر چلیں) یعنی افادہ میں بھی تواضع مطلوب ہے جیسے استفادہ میں تواضع مرغوب ہے افادہ اور استفادہ دونوں میں اسکی احتیاج ہے یہ تواضع بھی لغیراللہ نہیں اس میں بھی حق تعالےٰ سے تعلق ہے، اس سے بھی اسکی رضا مطلوب ہے، اسکا باعث بھی وہی ذات ہے اور تواضع للہ اور تواضع لغیراللہ ہونے کا معیار یہ ہے کہ تواضع کا محرک اور محرض اگر امر شرعی ہے تو وہ تواضع للہ ہے اور اگر امر آخر ہے تو وہ تواضع لغیراللہ ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے للہ کی قید سے تواضع لغیراللہ سے نہی فرمادی اور تواضع للہ کا مامور بہ ہونا بتا دیا۔ یہاں میں طلبہ کو اسی پر متنبہ کرنا چاہتا ہوں کہ اس حدیث شریف میں بظاہر امر نہیں معلوم ہوتا ہے محض شرط و جزا میں لزوم کا حکم ہے اور وہ موضوع للامر نہیں مگر تامل سے معلوم ہوتا ہے

کہ اس میں امر موجود ہے لیکن وہ امر مضمر اور مستتر ہے کنایۃً ثابت ہوتا ہے والکنایہ ابلغ من التصریح یعنی حدیث شریف سے تواضع للہ کا مرغوب فیہ ہونا مستنبط ہوتا ہے جیسا کہ اسکی ضد تواضع لغیر اللہ کا مرغوب عنہ ہونا معلوم ہوتا ہے اور کسی شئے کا مرغوب فیہ ہونا مستلزم ہے اس کے مامور بہ ہونے کا جیسے کسی شئے کا مرغوب عنہ ہونا اسکے منہی عنہ ہونے کو مستلزم ہے البتہ اس نہی وامر کے درجے ورتبے کی تعیین نہیں ہوئی سو وہ اور دلائل وبراہین سے معلوم ہو جائیگی اور عدم تعیین مضرت رساں کلی نہیں ہے کیونکہ مقصود بہر حال حاصل ہے یعنی ترغیب وترہیب۔ رہا یہ کہ جب مقصود امر کرنا تھا تو اس کے لئے صیغۂ امر کیوں نہ اختیار کیا گیا، ترغیب کا صیغہ کیوں اختیار کیا گیا؟ اسکی وجہ یہ ہے کہ مقاصد کے اختلاف سے ایک ہی شئے کے لئے مختلف عبارات اور مختلف عنوانات اختیار کئے جاتے ہیں، چنانچہ کسی جگہ پر مقصود اظہار شفقت ہوتا ہے کسی مقام پر مقصود ترغیب ہوتا ہے علیٰ ہٰذا مختلف مواقع پر مختلف مقاصد ہوتے ہیں، مختلف حکمتیں اس پر مرتب ہوتی ہیں کسی امر کے بیان کیلئے گاہے صیغۂ امر استعمال کرتے ہیں گاہے ضد سے نہی کرتے ہیں کبھی مجموعۂ امرین کا بیان ہوتا ہے، اسیطرح کسی امر کی نہی کیلئے یا تو صراحتاً ممانعت ہوتی ہے یا اسکی ضد کی طلب سے اسکا منہی عنہ ہونا بتلا دیا جاتا ہے یا مجموعہ امرین کو ذکر کرتے ہیں اور ان عنوانات کے تفنن سے معلم واستاد کی شفقت وعنایت کا حال معلوم ہوتا ہے کہ اسکی عنایت توجہ ہماری جانب منعطف ہے وہ چاہتا ہے کہ ہم کسیطرح کسی عنوان سے بات سمجھ جائیں اور سب سے بڑے ہمارے شفیق معلم جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ کا مقصود یہ تھا کہ مخاطبین کسی طرح سمجھ جائیں اسلئے کسی جگہ ایک بات کو شفقت کے عنوان سے فرما دیا، کہیں عنوان امر سے آمادہ کیا، کبھی ترغیب سے اشارہ فرمایا حالانکہ مآل سب کا واحد ہے ؎ عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَحُسْنُكَ وَاحِدٌ (ہماری تعبیرات اور الفاظ اگرچہ مختلف ہیں مگر آپ کا حسن ایک ہی ہے)

تواضع واستغناء کی اہمیت

پس اسی اصل پر یہاں امر بالتواضع کو بصیغۂ ترغیب بیان فرمایا گو ترغیب بذاتہ وصیغۃً امر نہیں لیکن مرغوب فیہ کے مامور بہ ہونے کے لیے مستلزم ضرور ہے پس امر حلما ہے حاصل یہ کہ اس جگہ ایک امر حکمی تو مقید یعنی تواضع میں ارشاد فرمایا ہے دوسرا امر حکمی قید میں ارشاد فرمایا ہے جو کہ للہ ہے تواضع کو للہ کی قید سے مقید کرنا مشعر ہے کہ مقصود یہ ہے کہ مقید یعنی تواضع میں قید کی رعایت کرو اسکا لحاظ رکھو یعنی للّٰہیت کو ہاتھ سے نہ جانے دو گو وہ تواضع بظاہر لغیر اللہ ہی ہو لیکن اس میں بھی اخلاص لوجہ اللہ وللّٰہیت کی شان پائی جانی چاہئے اس سے قطع نظر نہ کرنا چاہئے۔ اہل محاورہ اس عنوان سے جو حدیث میں اختیار کیا گیا ہے ان معنی کو خوب جانتے ہیں۔ روزمرہ کی بول چال میں نظر کرنے سے یہ مطالب خوب سمجھ میں آتے ہیں اہل لسان کو کسی قسم کا خدشہ اور کوئی خلجان اسکے سمجھنے میں نہیں ہوتا بلکہ وہ اس عنوان سے بالکل صحیح مطلب ترغیب کا سمجھتے ہیں۔ بس یہاں پر تواضع کا مع لحاظ للّٰہیت امر ہوا ہے۔ اور امر بالشئ مستلزم ہوا کرتا ہے نہی عَنْ ضِدہٖ کو یعنی جس شے کا حکم ہوتا ہے اسکے خلاف سے نہی ہوتی ہے۔ پھر جس درجہ کا وہ امر ہے اسی درجہ کی اسکے مقابل میں نہی ہوگی مثلاً اگر امر وجوب کے لئے ہے تو اسکی ضد اور اس کا خلاف حرام یا مکروہ تحریمی ہوگا اور ان دونوں میں یہ فرق لفظی فرق ہے ادباً واحتیاطاً اس کو کراہۃ تحریمیہ سے تعبیر کر دیتے ہیں ورنہ درجۂ مَظنون میں اتحاد بالذات ہے دونوں میں کچھ معتدبہ فرق نہیں ہے۔ اور اگر امر استحبابی ہے تو اسکی ضد کے لئے کراہت تنزیہی کا ثبوت ہوگا یا اس سے بھی کم یعنی محض غیر اولیٰ ہونا معلوم ہوگا چنانچہ تواضع کا امر مستلزم ہے کہ اسکی ضد سے نہی ہو اور جس درجہ میں تواضع کا امر ہے اسی درجہ میں اسکی ضد کی ممانعت ہوگی

اور تواضع کی ضد ہے تکبر تو امر بالتواضع سے جیسے تواضع کا مرغوب فیہ اور مامور بہ ہونا معلوم ہوتا ہے ایسے ہی اس سے تکبر کا مرغوب عنہ اور منہی عنہ ہونا مستنبط ہوتا ہے اسی طرح سے جیسے قید للہ سے شان للٰہیت واخلاص کا تواضع میں مطلوب ہونا معلوم ہوتا ہے ایسے ہی اسی درجہ میں تواضع لغیراللہ سے جو کہ تواضع للہ کی ضد ہے ممانعت معلوم ہوتی ہے اور تواضع لغیراللہ سے ممانعت کا حاصل یہ ہے کہ استغنار عن غیراللہ مطلوب ہے اور استغنار عن غیراللہ ایک طویل لفظ ہے لہٰذا اسکو مختصر کرکے اسکے مرادف کے ساتھ تعبیر کرتا ہوں یعنی تذلل کی ممانعت ہے پس حق تعالیٰ کے لئے تواضع اور خفض جناح اختیار کرنا حسب وعدہ۔ رَفَعَهُ اللّٰهُ موجب عزت، باعث حرمت اور سبب وقعت ہے اور تواضع لغیراللہ باعث ذلت ہوجب ہتک شان و بے حرمتی ہے جس کو تذلل سے تعبیر کیا جاتا ہے البتہ جہاں شرعی مصلحت ہو وہاں تذلل کی اجازت ہے کیونکہ وہ فی الحقیقۃ تذلل نہیں بلکہ صورت تذلل ہے اور حقیقت میں باعث عزت ہے کیونکہ شرعی مصلحت سے اس میں لوجہ اللہ کی شان موجود ہے اور جو کام لوجہ اللہ ہو اس سے ذلت نہیں ہوا کرتی بلکہ خدا کے ہاں عزت بڑھتی ہے گو دنیا کچھ بھی کہے حاصل یہ کہ حدیث میں تواضع استغنار عن غیراللہ کی ترغیب اور امر ہے اور تکبر و تذلل سے تنفیر اور نہی ہے بس وہ دونوں مامور بہ ہیں اور یہ دونوں منہی عنہ ہیں حاصل کلام یہ ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو تواضع کا امر فرمانا اور تکبر سے نہی فرمانا مقصود تھا مگر اس خیال سے کہ کوئی شخص اپنی کج فہمی سے تذلل کو مامور و مرغوب بہ سمجھ لے للہ کی قید کا اضافہ کیا تاکہ تواضع کا مامور بہ ہونا اور تذلل کا کہ وہ تواضع لغیراللہ ہے منہی عنہ ہونا ظاہر ہو جائے اسی طرح صرف استغنار کی امر سے یہ اندیشہ تھا کہ لوگوں کو غلط فہمی نہ ہو کہیں عوام افتخار کو بھی استغنا سمجھنے لگیں، تکبر کو بھی استغنار عن غیراللہ میں داخل کرلیں اسلئے امر استغنار کے ساتھ امر تواضع کو بھی جمع کردیا

اور وجہ اس اندیشۂ غلط کی یہ ہے کہ اخلاق حمیدہ اور اوصاف حسنہ بعض دفعہ اخلاق ذمیمہ وخصال رذیلہ سے مشتبہ ہو جاتے ہیں وجہ یہ کہ بعض جگہ دونوں کی صورت یکساں ہوتی ہے۔ چنانچہ تواضع اور تذلل کی صورت ایک ہے، استغنار اور تکبر بظاہر یکساں نظر آتے ہیں اسی لئے بعض لوگ تذلل کو تواضع سمجھنے لگتے ہیں تکبر کو استغنار تصور کر لیتے ہیں۔ اتحاد صوری تغایر ذاتی پر پانی پھیر دیتا ہے اور اسکا ادنیٰ اثر یہ ہوتا ہے کہ اپنی جانب حسن ظن بڑھتا جاتا ہے اور دوسروں کی طرف سے سوء ظن ترقی پر ہوتا ہے اپنے تو تذلل کو تواضع خیال کرتے ہیں اور دوسرے کی تواضع بھی تذلل پر محمول ہوتی ہے۔ اسی طرح اپنا تکبر وافتخار بھی استغنار عن غیر اللہ معلوم ہوتا ہے۔

اخلاق حمیدہ وذمیمہ | دوسرے کا استغنار بھی افتخار وتکبر سمجھا جاتا ہے حاصل یہ کہ اپنے اخلاق ذمیمہ کو اخلاق حسنہ خیال کر لیتا ہے، دوسری غلطی اوروں کے متعلق ہوتی ہے کہ ان کے امور حسنہ کو امور سیئہ سمجھتا ہے، انکی حسنات کو سیئات خیال کرتا ہے حالانکہ غلطی اور خطا کا احتمال وجود دونوں جانب میں مشترک ہے مگر اسکی کیا وجہ ہے کہ اپنی تو ہر بات بھلی ہو اور دوسروں کی ہر بات بری، مثلاً بخل واقتصاد ان دونوں کی صورت ایک ہے اسلئے کبھی تو انسان بخل کو میانہ روی اقتصاد سمجھتا ہے اور کبھی اقتصاد و میانہ روی کو بخل سمجھ جاتا ہے۔ اسی طرح اسراف وسخا میں التباس ہو جاتا ہے اس لئے کبھی فضول خرچی واسراف کو سخاوت وجود تصور کرتا ہے کبھی سخا کو بھی اسراف خیال کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ کتب تصوف میں احادیث سے اخذ کر کے اس بحث کو مفصلاً ومطولاً بیان کیا گیا ہے مگر باوجود اس قدر تفصیل کے پھر بھی اشتباہ ہونے کی وجہ کیا ہے سو زیادہ وجہ یہ ہے کہ علم اخلاق ومعاشرت اور تصوف کی کوئی کتاب درس میں داخل نہیں اور مطالعہ کی نوبت بھی کم آتی ہے نیز محض مطالعہ سے حقیقت کا انکشاف بھی نہیں ہوتا، صحبت کی ضرورت

ہوتی ہے جس کا اہتمام ہی مفقود ہے اور اگر فرض بھی کرلیا جاوے کہ کوئی
شخص اپنی ذکاوت وذہانت سے حقیقت تک پہنچ بھی جائے مگر پھر اسکو
اپنی حالت پر منطبق کرنا بہت مشکل ہوتا ہے، انطباق کا حال بغیر معلم و
مرشد کے نہیں معلوم ہوسکتا بعض اوقات اپنی حالت کے مطابق سخت
حیرت ہوتی ہے کہ یہ بخل ہے یا اقتصاد ہے، سخا وجود ہے یا فضول خرچی
واسراف۔ اکثر تو یہی ہوتا ہے کہ اپنی ذات سے حسن ظن کرکے بخل کو
اقتصاد سمجھتے ہیں اور اسراف کو سخاوت، کیونکہ ہوائے نفسانی غالب ہے
شہوت کا غلبہ ہے، اتباع نفس محیط ہے، اپنے ساتھ حسن ظن ہے۔ مگر
بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اپنے اقتصاد کو بخل سمجھتے ہیں اور سخاوت کو بھی اسراف
پر محمول کرتے ہیں، تحدیث بالنعمۃ کو ریا سمجھتے ہیں مگر ایسے لوگ بہت کم ہیں
جو اپنے اوصاف حمیدہ کو اخلاق ذمیمہ سمجھیں۔ زیادہ تو قسم اول ہی کے
افراد ہوتے ہیں باقی کچھ قسم دوم کے لوگ ہیں کہ اپنے اخلاق حمیدہ کو بھی
اخلاق ذمیمہ سمجھتے ہیں گو انکی شان میں باری تعالے کا ارشاد ہے وَالَّذِيْنَ
يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ
(اور جو لوگ دیتے ہیں جو کچھ کہ دیتے ہیں اور انکے دل اس سے خوف زدہ
رہتے ہیں کہ وہ اپنے رب کے پاس جانیوالے ہیں) ان اصحاب کو کبھی اپنے پر حسن ظن نہیں ہوتا
کبھی اپنے کو متصف بصفات حمیدہ نہیں سمجھتے ہمیشہ یہ خوف اندیشہ
رہتا ہے کہ شاید کچھ بھی مقبول نہو، مگر اس خوف کا بھی ایک درجہ ہے
وہ یہ کہ خوف صرف اتنا ہونا چاہئے کہ جس سے انسان معاصی سے بچ سکے
یہ درجہ تو محمود اور مامور بہ ہے اور ایک درجہ خوف وخشیت کا وہ ہے جو
جو مُؤدّی اِلَی الیاس ہو جاتا ہے یہ درجہ مذموم اور منہی عنہ ہے، یعنی ایسا
شخص نماز پڑھتا ہے، روزہ رکھتا ہے، حج کرتا ہے، زکواۃ دیتا ہے، ذکر اللہ میں
مشغول رہتا ہے مگر غلبۂ خشیت سے یہ سمجھتا ہے کہ مقبول نہیں ابتدا میں تو صرف

خوف کے علامات و امارات اسکے بشرے سے ظاہر ہوتے ہیں مگر آخر میں یاس کا غلبہ ہو جاتا ہے اور سب کچھ چھوڑ بیٹھتا ہے اسکی ابتدائی حالت تو بظاہر محمود معلوم ہوتی ہے کہ اسکو اپنے نفس سے سوئے ظن ہے مگر انتہا میں اسکے آثار مذموم ہو جاتے ہیں۔ اپنے ساتھ سوئے ظن بیشک مفید و محمود ہے لیکن جب تک اپنی حد تک رہے جب اپنی حد سے متجاوز ہو جائے گا مذموم ہو جائے گا ہر شئے میں یہی ضابطہ ہے کہ جب تک اپنی حد اور درجہ میں رہیگی محمود ہوگی اور جب متجاوز عن الحد ہوگی مذموم ہوگی اس غلو فی الخوف سے ابلیس شیطان کمبخت راہ پا جاتا ہے اور عابد و زاہد سے کہتا ہے کہ جب تیرے اعمال مقبول ہی نہیں اور طاعت عبادت سب مردود ہے تو اس عبادت اور مشقت سے کیا فائدہ اس اٹھک بیٹھک کا کیا نتیجہ بھوکے مرنے سے کیا حاصل، مال دینے سے کیا نفع، سفر سے کیا سود؟ شیطان کے ان مکائد سے رہی سہی آس بھی یاس سے بدل جاتی ہے اور اسکا انجام تعطل ہوتا ہے

(جاری)

(بقیہ پیش لفظ)

وغیرہ نماز ادا کرنی پڑتی ہے اس وجہ سے حضرت قاری صاحب مدظلہ توسیع مسجد کے لئے مستقل فکر مند رہتے ہیں اور مسجد وسط آبادی میں ہونے کی بنا پر آگے پیچھے جگہ ملنے کے امکانات کم ہوتے ہیں حسن اتفاق سے مسجد کے مغرب اور مشرق دونوں سمتوں میں متصل مکانات کے مالکان مسجد کے لئے فروخت پر نیم رضامند ہو رہے ہیں لیکن قیمت اپنی مرضی و منشار کے مطابق متعین کر رہے ہیں جو فی الوقت قوت خرید اور طاقت پہنچ سے باہر ہے تاہم اللہ تبارک تعالیٰ کے خزانے میں کمی نہیں ہے اللہ رب العزت اپنے گھر کی وسعت کے لئے غیب سے خود ہی انتظام فرمائیں گے اور اہل خیر کو اس کار خیر کی جانب متوجہ کریں گے۔ (انشاء اللہ)

حامل مضامین تصوف وعرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر: احمد مکین

شمارہ ۴ ۔ ذیقعدہ ۱۴۱۵ھ مطابق اپریل ۱۹۹۵ء جلد ۱۸

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ سالانہ زر تعاون ساٹھ روپیہ۔ ششماہی پینتیس روپے

سالانہ بدل اشتراک : پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳

فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر - پبلشر: صغیر حسن۔ اسرار کریمی پریس۔ جانسین گنج الہ آباد

گذارش

رسالہ ہر ماہ کی دس تاریخ کو سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔ اگر رسالہ آخر ماہ تک موصول نہ ہو تو ادارہ کو فوراً مطلع فرمائیں تاکہ دوبارہ بھیجا جاسکے، ورنہ بصورت دیگر ادارہ ذمہ دار نہ ہوگا۔ منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھیں!

انتباہ

ابھی تک بعض احباب نے سال گذشتہ ۹۴ء اور سال رواں ۹۵ء کا زر تعاون ارسال نہیں کیا ہے اس طرف توجہ فرما کر ادارہ کی اعانت فرمائیے

مبین بچشم حقارت گناہگاراں را

آدمی سے بشریت کی بنا پر گناہ سرزد ہوجاتے ہیں اور وہ اپنے نفس کی وجہ سے صغیرہ یا کبیرہ کا مرتکب ہوجاتا ہے لیکن کسی دوسرے کو اس کی تحقیر و تذلیل کا حق نہیں پہنچتا یہ اللہ تعالیٰ ہی کے اختیار میں ہے کہ جس کو چاہیں بخش دیں اور جس کو چاہیں سزا دیں اور پکڑ لیں بڑے بڑے کبائر کے مرتکب کو بھی معاف فرما سکتے ہیں اور چھوٹی سی لغزش پر بھی گرفت فرما سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ بندوں کا معاملہ صرف مجھ ہی سے رہے اور لوگ اس میں اپنے مرتبہ سے زیادہ دخل نہ دیں اسلئے کسی کو نظر حقارت سے نہیں دیکھنا چاہئے کیونکہ بہت سے لوگ ایسے بھی ہوں گے جنکو تم یہاں برا سمجھتے ہو اور آخرت میں چل کر دیکھو گے کہ وہ تم سے درجہ میں بڑا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم لوگوں سے بہت کوتاہی ہورہی ہے۔

حضرت مولانا تھانویؒ حیوٰۃ المسلمین میں نقل فرماتے ہیں کہ حضرت معاذؓ سے روایت ہے کہ جو شخص اپنے بھائی مسلمان کو کسی گناہ سے عار دلاوے تو اسکو موت نہ آویگی جبتک وہ خود اس گناہ میں مبتلا نہ ہوجائے یعنی عار دلانے کا یہ وبال ہے اور کسی خاص وجہ سے حکم اور ہوسکتا ہے خیر خواہی سے نصیحت کرنے میں کچھ ڈر نہیں اس خیر خواہی کی ایک صورت تو یہ ہے کہ اس سے تنہائی میں کہے اور کسی پر اس کو ظاہر نہ کرے اور یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ کون خیر خواہی سے نصیحت کرتا ہے اور کس کا مقصود تحقیر و تذلیل ہے اور ایسے بہت کم لوگ ہیں جو خیر خواہی سے نصیحت کرتے ہوں اکثر ایسے مواقع میں تحقیر ہی ہوتی ہے۔

ایک صاحب لکھ رہے ہیں کہ یہاں پر دینی ماحول پیدا ہوگیا ہے اس سلسلہ میں یہ کہتا ہوں کہ خیر یہی کیا کم ہے کہ زبانوں پر اس قسم کی باتیں آنے لگیں یہ بھی غنیمت ہے مگر سنو اصل دینی ماحول یہ ہے کہ کوئی کسی پر ظلم نہ کرے، کوئی کسی کی غیبت نہ کرے اور کوئی کسی کو دکھ نہ دے لیکن اب ہمارے مدرسوں میں اور دینی اداروں میں بھی دینی ماحول نہیں ہے معلوم نہیں لوگ کیا پڑھتے پڑھاتے ہیں کہ دینی ماحول نہیں پیدا ہوتا۔ آخر دینی ماحول نام کس چیز کا ہے؟

بسی کا تو ہے کہ علم ہوا اور عمل ہوا اور اسی کا تذکرہ ہو مگر اب دینی ماحول کا پیدا ہونا تو الگ رہا لوگ اس قسم
کے الفاظ بھی زبان پر نہیں لاتے ورنہ ہمارے معلوم نہیں کتنے وعظ ہوتے ہیں اگر ان میں
ان چیزوں کا تذکرہ ہی کیا جائے تو کم از کم لوگوں کی زبانوں پر اسکا ذکر تو آہی جائے گا
پھر دینی ماحول بھی پیدا ہو جائیگا اور کسی کو کسی سے تکلیف نہ پہنچے گی حضرتؒ فرماتے تھے کہ

بہشت آنجا کہ آزارے نباشد — کسے را با کسے کارے نباشد

یعنی بہشت اس جگہ کا نام ہے جہاں کوئی تکلیف و ایذا کی چیز نہ ہوگی اور کسی کو کسی سے کوئی سروکار نہ ہوگا
سب سے بڑی چیز بہشت میں یہی ہوگی کہ وہاں کوئی آزار نہیں ہوگا اور کسی کو کسی سے کوئی سروکار نہیں ہوگا
دوسرے سب سے بڑا عمل یہاں یہی ہے کہ کسی گنہگار کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھے کسی بزرگ نے بہت عمدہ شعر فرمایا ہے کہ

گناہ آئینہ عفو و رحمت است اے شیخ! — مبیں بچشم حقارت گناہگاراں را

سب سے بڑا خُلق اللہ تعالیٰ کا عفو و رحمت ہے اور اسکا ظہور گناہ کے بعد ہی ہوتا ہے اسی کو
مارہے ہیں کہ اے شیخ! اللہ تعالیٰ کی عفو و رحمت کا آئینہ گناہ ہی ہے اسلئے گناہگاروں
حقارت کی نظر سے مت دیکھو کیونکہ شان عفو و رحمت کے یہی مظہر ہیں۔ اس میں
ے شیخ کے ساتھ خطاب فرما کر اس بات کی جانب اشارہ فرما رہے ہیں کہ تم شیخ ہو کر اتنا بھی نہیں جانتے کہ
نہگاروں کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیے پھر شیخ کیسے ہو؟

یہیں سے بہت سے لوگ منقطع ہو جاتے ہیں مگر اسکو سمجھتے بھی نہیں یہ بہت دشوار گزار گھاٹی ہے اسمیں آکر
نفس ضرور اپنا کام کر گزرتا ہے اور جہاں آدمی نے کچھ اوراد و وظائف شروع کئے کہ دوسروں کو حقیر سمجھنے لگتا ہے
سکا انجام بد بھی دیکھتا ہے۔ ہم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جو کوئی کسی دوسرے کے متعلق کچھ کہتا ہے تھوڑے
ے دنوں کے بعد پکڑا گیا لوگوں نے کہا کہ دیکھو یہ شخص فلاں آدمی کو کہتا تھا اسی وجہ سے ایک بُری خصلت
میں پکڑا گیا اور نکال دیا گیا۔ صوفیوں کے حق میں یہ چیز زہر قاتل ہے اسلئے انکو اپنے اخلاق کی اصلاح
نی چاہیئے دوسروں کی فکر میں پڑنے کی انکو کیا ضرورت ہے اگر وہ اپنی اصلاح کرلیں تو معلوم نہیں کتنے
وں کی اصلاح خود بخود ہو جائے مگر یہ لوگ اپنے نفس میں جلدی ہاتھ نہیں لگانا چاہتے اسی لئے میں برابر
ہا کرتا ہوں کہ جب تک اپنے ـــس کو نہیں مارو گے اور اپنے اخلاق بد کی اصلاح نہیں کرو گے
ئی مرتبہ خدا کی درگاہ میں نہیں پاسکتے اگر نفس کا تحفہ وہاں لیکر جاؤ گے تو قبول نہیں ہوگا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فرمایا کہ علامہ نووی ؒ نے اپنی کتاب "الاذکار" کی ابتدا ہی اس سے کی ہے کہ فَصْلٌ فِي الْأَمْرِ بِالْإِخْلَاصِ وَحُسْنِ النِّيَّاتِ فِي جَمِيعِ الْأَعْمَالِ الظَّاهِرَاتِ وَالْخَفِيَّاتِ۔ یعنی تمام ظاہری و باطنی اعمال میں اخلاص اور حسن نیت کا بیان اور اس کے تحت یہ آیت لائے ہیں وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ۔ نیز یہ آیت لائے ہیں لَنْ يَنَالَ اللّٰهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ۔ اور اس کی تفسیر سید المفسرین حضرت عبد اللہ ابن عباس ؓ سے یہ نقل فرمائی ہے کہ وَلٰكِنْ يَنَالُهُ النِّيَّاتُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تک تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون تو پہونچتا نہیں البتہ اس تک جو چیز پہونچتی ہے وہ تمہاری نیت ہے۔

دیکھئے یہاں علامہ نووی ؒ نے ترجمۃ الباب میں اخلاص کے ساتھ ساتھ حسن نیت کا بھی ذکر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اخلاص حسن نیت ہی کا نام ہے یعنی شرع میں نیت سے مراد محض ارادہ نہیں ہے نیت کو ارادہ کے معنی میں اہل فلسفہ استعمال کرتے ہیں۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہر عاقل بالغ کا فعل اختیاری مسبوق بالارادہ ہوا کرتا ہے اسی ارادہ کا نام نیت ہے لیکن حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ؒ نے فرمایا ہے کہ حدیث میں یہ مراد نہیں بلکہ یہاں اس کام کی غایت مراد ہے۔ جو کہ حصول کے لحاظ سے تو آخر میں پائی جاتی ہے لیکن تصور میں سب سے مقدم ہوتی ہے جس طرح کہ یہ تپائی ہے غایت و غرض اس کے بنانے سے کتاب کا رکھنا تھا۔ سب سے پہلے ذہن میں یہی ضرورت آتی ہے پھر اس کے بعد لکڑی اور کیل وغیرہ جو علت مادی ہے فراہم کی جاتی ہے اور نجار اسکو بناتا ہے جو اس کی علت فاعلی ہے۔ پھر اس کے بعد اس کی یہ خاص ہیئت سامنے آتی ہے جو اس کی علت صوری ہے ان سب کے بعد اس پر کتاب رکھی جاتی ہے یہی اس کی علت غائی تھی جو وجوداً تو موخر ہے لیکن تصور میں مقدم ہے۔ اسی طرح انسان جب کوئی

فعل کرتا ہے مثلاً نماز پڑھتا ہے تو اس کی نیت اس سے ثواب آخرت اور حق تعالیٰ کی رضا اور قرب کی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ عمل کی غایت ہے اسی کو شرع میں نیت اور اخلاص کہتے ہیں۔ حاصل یہ کہ فلاسفہ کے یہاں جس چیز کا نام نیت ہے اسکو شرعی نیت سے دور کا بھی علاقہ نہیں۔ اسی لئے حضرت شاہ صاحب نے نیت کا لفظ بھی ترک کر دیا۔ اسکو اخلاص سے تعبیر کرتے ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے اخلاص کی جو تشریح حجۃ اللہ البالغہ میں کی ہے اسے یہاں بعینہٖ نقل کردوں اس لئے کہ اس سے زیادہ واضح بیان میری نظر سے نہیں گذرا فرماتے ہیں کہ:—

ومنها الاخلاص وهو ان يتمثل في عقله نفع العبادة لله تعالى من جهة تقربه نفسه من الحق كما قال تبارك وتعالى ان رحمة الله قريب من المحسنين او من جهة تصديق ما وعد الله تعالى على السنة رسله من ثواب الآخرة فينشأ منه الاذعان بل العزيمة العظيمة ثم يشوبها رياء وسمعة ورسم وموافقة عادة ويستحب هذا الحال على جميع اعماله حتى الاعمال المباحة العادية قال الله تعالى وما امروا الا ليعبدوا الله مخلصين له الدين وقال صلى الله عليه وسلم انما الاعمال بالنيات۔

(حجۃ اللہ البالغہ ص ۹ ج ۲)

مقامات میں سے ایک اخلاص ہے اور وہ یہ ہے کہ انسان کی عقل میں اللہ تعالیٰ کیلئے کی ہوئی عبادت کا نفع متمثل ہوجائے اور وہ یا تو یہ ہے کہ اس سے جو اللہ تعالیٰ کا قرب ہوتا ہے اسکے سامنے آجائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ بے شک اللہ کی رحمت نیکو کاروں سے قریب ہے اور یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کی زبانی طاعت پہ جو اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے اسکی تصدیق اور اس پر یقین قلب میں قائم ہوجائے پس اس تمثل قرب یا اذعان ثواب کے عقل و قلب میں ہونے کی وجہ سے اب اس سے اعمال شرعیہ ایک ایسے عظیم اور قوی داعیہ کے ساتھ ادا ہوتے ہوں کہ جس میں ریا و سمعہ اور رسم و عادت کی مطلقاً آمیزش نہ باقی ہو اور پھر اس شخص کا یہی حال اسکے تمام اعمال میں جاری و ساری ہوجائے۔ یہانتک کہ جو اعمال کہ مباح ہیں یا بطور عادت کے کئے جاتے ہیں وہ سب بھی اب اس سے اسی منشا کے تحت ادا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ لوگ نہیں حکم دیئے گئے تھے مگر اس امر کا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اس حالت میں کہ طاعت کو اسی کیلئے خاص کرنے والے ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔

دیکھئے شاہ صاحب اخلاص کے معنیٰ یہ فرما رہے ہیں کہ آدمی کی عقل میں عبادت کا نفع مستحضر ہوجائے یعنی یہ کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا قرب ہوتا ہے چنانچہ عبادت کرکے وہ یہ محسوس کرے کہ میں اللہ تعالیٰ سے قریب ہو رہا ہوں اور یا عبادت کا نفع اسے اس طرح محسوس ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء کی لسان پر آخرت کے

جر و ثواب کا جو وعدہ فرمایا ہے اس کی کامل تصدیق اپنے قلب میں پاتا ہو۔ پس جب مومن کے قلب و ذہن میں ان دو چیزوں میں سے کوئی چیز آجائیگی یعنی قرب حق کا تصور یا وعدۂ خداوندی کی تصدیق تو پھر ب وہ کسی عمل کو ریاءً و سمعۃً یا رسماً و عادۃً نہیں کرے گا کیونکہ قرب حق اور اجر آخرت یہ اعلیٰ مقاصد ہیں ن کو چھوڑ کر مومن ادنیٰ اور ارذل امور اپنے اخلاص کی وجہ سے نہیں اختیار کرے گا۔ بلکہ اب اُسے ریا و رسم سے سخت نفرت ہو جائیگی اس لئے کہ یہ سب چیزیں مخلوق ہیں اور اس نے اپنا تعلق خالق سے صحیح کر لیا ہے۔

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ شرعی نیت میں اور اہل فلسفہ کے نزدیک جو اس کا مفہوم ہے ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

میں نے یہ مسئلہ یہاں کے لوگوں کو بڑی مشکل سے سمجھایا ہے ایک صاحب کہنے لگے کہ آج یہ فرق سمجھ میں آیا اور یہ سمجھ میں آیا کہ علوم عقلیہ اور علوم نقلیہ میں باہم اختلاط کی وجہ سے بہت سی چیزیں جو فلاسفہ کی تھیں وہ ہمارے یہاں رواج پاگئیں۔ اب یہ فرق خوب سمجھ میں آگیا کہ نیت کے ساتھ مثلاً نماز پڑھنے کا مطلب اہل فلسفہ کے یہاں تو یہ ہے کہ اس بات کا قصد اور ارادہ کرے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں یعنی کھانا نہیں کھا رہا ہوں۔ تقریر نہیں کر رہا ہوں بلکہ نماز پڑھ رہا ہوں اور دین میں نیت کے ساتھ نماز پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ میں جو عبادت کرنا چاہتا ہوں اس سے مقصود حق تعالیٰ کی رضا ہے اور ان کا قرب اور آخرت کا ثواب ہے۔ اب تو آپ کی بھی سمجھ میں دونوں کا فرق خوب آگیا ہوگا کہ فلسفی ابھی مبدا ہی کو درست کر رہا اور مومن منتہا تک پہونچ گیا۔ یہی مطلب ہے اس حدیث کا کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ چنانچہ علامہ نوویؒ نے حسن نیت کے اثبات کے لئے ان آیات کے بعد اسی حدیث کو لیا ہے۔ پوری حدیث یہ ہے:۔

عن عمر ابن الخطاب رضؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرئ مانوی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الی دنیا یصیبھا او امرأۃ ینکحھا فھجرتہ الی ماھاجر الیہ +

اس حدیث کے متعلق علامہ نوویؒ لکھتے ہیں کہ :۔

ھٰذا الحدیث صحیح متفق علی صحتہ مجمع علی عظم موقعہ وجلالتہ وھو احد الاحادیث التی علیھا مدار الاسلام وکان السلف وتابعوھم من الخلف رحمھم اللہ تعالیٰ یستحبون استفتاح المصنفات بھٰذا الحدیث تنبیھاً للطالع علی حسن النیۃ واھتمامہ

بذل الله والاعتناء به۔

پھر چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں:۔

وَبَلَغَنَا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّہٗ قَالَ اِنَّمَا یَحْفَظُ الرَّجُلُ عَلٰی قَدْرِ نِیَّتِہٖ وَقَالَ غَیْرُہٗ اِنَّمَا یُعْطَی النَّاسُ عَلٰی قَدْرِ نِیَّاتِہِمْ ۔

حضرت ابن عباس کا یہ مقولہ تو میں نے کہیں سنا ہی نہیں تھا کیسا عمدہ معیار صحت نیت کا بیان فرمایا کہ انسان کو جو باتیں یاد ہوتی ہیں اس میں اسکی نیت کو دخل ہوتا ہے۔ یعنی نیت صحیح ہوتی ہے تو باتیں سمجھ میں بھی آتی ہیں اور یاد بھی رہتی ہیں ورنہ اگر کسی علم میں داخل ہونے کے بعد اس کی سمجھ نہ کھلے یا وہ باتیں یاد نہ رہیں تو یہ دلیل اس بات کی ہے کہ اس شخص کی نیت ہی صحیح نہیں ہے لہذا اس کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے اپنی نیت صحیح کرے کیونکہ اگر نیت ہی صحیح نہ ہوگی تو اگلی سب منزلیں ناقص ہی رہیں گی ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج　　　تا ثریا می رود دیوار کج

اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ کسی شیخ کی مجلس ہو یا درس و وعظ۔ اثر لینے کی جگہ وہی ہے اگر اس وقت وہاں اثر نہ لوگے تو گھر جا کر کیا خاک اثر لوگے۔ جب شیخ کی مجلس ہی میں غافل رہوگے تو باہر کیسے ذاکر ہو جاؤ گے ؟

پھر یہ سمجھئے کہ جس چیز کو یہاں تصحیح نیت کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔ حضرات صوفیہ کے یہاں اس کے لئے لفظ صدق بھی استعمال ہوتا ہے چنانچہ صاحب رسالہ قشیریہ نے اپنے رسالہ کے آخر میں ایک باب الوصیۃ للمریدین قائم فرمایا ہے جس میں ان امور کو بیان کیا ہے جو مریدین کے لئے ضروری ہیں۔ اس میں فرماتے ہیں کہ:۔

فَاَوَّلُ قَدَمِ الْمُرِیْدِ فِیْ ہٰذِہِ الطَّرِیْقَۃِ یَنْبَغِیْ اَنْ یَّکُوْنَ عَلَی الصِّدْقِ لِیَصِحَّ لَہُ الْبِنَاءُ عَلٰی اَصْلٍ صَحِیْحٍ فَاِنَّ الشُّیُوْخَ قَالُوْا اِنَّمَا حُرِمُوا الْوُصُوْلَ لِتَضْیِیْعِہِمُ الْاُصُوْلَ۔ (قشیریہ ص۱۹۷)

اسی صدق کے متعلق حق تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔ وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَنَّ لَہُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّہِمْ۔

اور اس کے تحت صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ:۔

اصل الصدق مایکون فی الاقوال ویستعمل کما قال الراغب فی الافعال فیقال صدق فی القتال اذا وفاہ حقہ وکذا فی ضدہ یقال کذب فیہ فیعبر بہ کل فعل

فاضل ظاهرا وباطنا ويضاف اليه كقعد صدق ومدخل صدق ومخرج صدق الى غير ذالك

(روح المعانی ص۴۵ ج ۱۱)

پس صدق بھی گویا تائب کا ایک حال ہے لہذا جب نیت صادق ہوگی تو پھر اس کا قول و فعل و حال سب صادق ہوگا۔ چنانچہ اہل اللہ نے جو مراتب پائے ہیں وہ اپنے صدق نیت ہی کی وجہ سے پائے ہیں سلف کا یہی طور رہا ہے کہ کچھ حاصل کرنے کے لئے وہ حضرات کچھ کرتے بھی تھے۔ آج کل کے لوگوں جیسا طریقہ ان کا نہیں تھا کہ جتنی خوبیاں اور کمالات ہوں ان کی نسبت تو اپنی جانب کرتے ہیں اور جو نقائص اور خامیاں ہوتی ہیں ان کا ذمہ دار شیخ کو قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ لوگ کہتے ہیں اور مجھے لکھ لکھ کر بھیجتے ہیں کہ ؎

تہی دستان قسمت را چہ سود از رہبر کامل

جانتے ہیں اس سے ان کا کیا مقصد ہوتا ہے۔ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اگر شیخ کامل ہو تو ہمیں بھی پہونچاؤ اگر نہ پہونچا سکو گے تو ہم سمجھیں گے شیخ کامل نہیں ہو۔

دیکھتے ہیں کیسے ہوشیار لوگ ہیں دوسروں ہی کے سر الزام دھرنا جانتے ہیں ان کے یہاں قدم صدق۔ اول قد لمرید ینبغی ان یکون علی الصدق۔ اخلاص اور حسن نیت کا کوئی مقام ہی نہیں ہے حالانکہ ابھی حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا گیا ہے کہ انسان اپنی نیت کے بقدر علوم حفظ کرتا ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی شخص میں صدق ہو اور وہ محروم رہ جائے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ - ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں لَا اُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى. یعنی اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کے عمل کو ضائع نہیں فرماتے خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ حق تعالیٰ کی ذات کریم ہے وہاں اس کا تصور ہی نہیں ہوسکتا کہ کوئی مزدور مزدوری کرے اور مزدوری نہ پائے۔

صدق پر مجھے ایک واقعہ یاد آیا۔ میرے ایک دوست ہیں وہ خود مجھ سے فرماتے تھے کہ حضرتؒ نے ایک دفعہ مجھے یہ لکھ کر بھیجدیا ؎

من بندگی خویش نمودیم ولیکن　　　خوئے بد تو بندہ نیارست خریدن

اور مجھے خواجہ صاحب کے حوالہ کر دیا کہتے تھے کہ میں نے ایک بار حضرت کو لکھا کہ حضرت کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی ہے۔ چین نہیں پڑتا حضرت کو یاد کرتا ہوں اور روتا ہوں۔ حضرتؒ نے اس کے جواب میں لکھا کہ صدق موثر ہوتا ہے چنانچہ مجھ پر بھی موثر ہوا۔ تعلق رکھنے اور خط و کتابت کی اجازت دیتا ہوں۔

دیکھا آپ نے یا تو اپنے پاس سے ہٹا دیا تھا یا خود سے ان کو لکھا کہ تعلق قائم کرتا ہوں۔ اور

میں پیرانی صاحبہ سے کہدیا کہ یہ میرا دوست ہے جو چیز بھی گھر میں آئے ان کا حصہ ضرور لگے۔ چنانچہ خود کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا فضل فرمایا۔ حضرت بھی خوش ہوگئے اور میری دین و دنیا دونوں بن گئی۔ اب مزے سے رہتا ہوں۔ پیرانی صاحبہ میرے بچوں کو کھلاتی ہیں اور جو چیز بھی آتی ہے اس میں میرا حصہ لگتا ہے۔ یہانتک کہ اگر ایک گز کپڑا بھی آتا ہے تو حصہ رسدی پھاڑ کر میرے حوالہ کر دیتے ہیں۔ یہ واقعہ میں نے اس پر سنایا کہ صدق و اخلاص میں بڑا زور ہے اور اخلاص کسی کا چھپا نہیں رہتا چنانچہ شیخ محی الدین ابن عربی نے لکھا ہے کہ :-

علماء ظاہر ہر زمانہ میں صوفیہ کے کلام کے سمجھنے میں توقف کرتے رہے اور تمہارے لئے امام احمد بن سریج کا واقعہ کافی ہے کہ وہ ایک روز حضرت جنید کی مجلس میں حاضر ہوئے ان سے پوچھا گیا کہ تم نے ان کے کلام سے کیا سمجھا۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھ کو کچھ نہیں معلوم ہوا کہ وہ کیا کہتے ہیں لیکن میں ان کے کلام کی ایک شوکت ظاہرہ قلب میں پاتا تھا جو عمل فی الباطن اور اخلاص فی الضمیر پر دلالت کرتی تھی اور ان کا کلام صاحب باطل کا سا کلام نہ تھا۔

(التنبیہ الطربی صـ۳)

غرض جب اخلاص اور حسن نیت کا کتاب و سنت میں یہ مقام دیکھا تو پھر اہل اللہ نے بھی کیسی کیسی تصحیح نیت کی۔ اس بیان کے حالات و واقعات شاہد ہیں۔

ایک بزرگ ہیں بشر حافی۔ جب ان کا وصال ہوا تو حق تعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد ہوا کہ مرحبا یا بشر اور کہا گیا کہ جس وقت تمہیں موت دی ہے اس وقت روئے زمین پر تم سے بہتر کوئی شخص نہیں تھا۔ جانتے ہیں اتنی بڑی خوشخبری ان کو کیوں ملی۔ اس لئے کہ ان کا یہ حال تھا کہ ننگے پیر رہا کرتے تھے۔ چنانچہ ان کا نام ہی اس لئے حافی پڑگیا اور اسکی وجہ تو حضرت سے یہ سنی کہ یہ فرماتے تھے کہ زمین اللہ تعالیٰ کا فرش ہے اس پر جوتہ پہنکر چلنا بے ادبی ہے اس لئے ساری عمر ننگے پاؤں رہے لیکن کسی کتاب میں یہ بھی دیکھا کہ جس وقت حضرت نے توبہ کی تھی یعنی اپنے شیخ سے بیعت کی تھی اس وقت پاؤں میں جوتے نہیں تھے چنانچہ اسی ہیئت کو ساری عمر باقی رکھنا چاہا اور جوتہ پہننے کو بھی تغیر و تبدل سمجھا پھر ان کے اس ادب کا صلہ اس دنیا میں یہ بھی ملا کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کو مامور فرمادیا کہ وہ ان کے راستہ میں بیٹ نہ کریں۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک دن کسی نے راستہ میں بیٹ دیکھی۔ سمجھ گیا کہ بشر حافی کا انتقال ہوگیا۔ تحقیق کی گئی تو واقعہ ایسا ہی نکلا۔

اسی طرح سے کتابوں میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ صوفیوں کی ایک جماعت کھانا کھا رہی تھی کوئی شخص آیا اور سلام کیا مگر کسی نے سلام کا جواب نہیں دیا اور بدستور کھانا کھاتے رہے جب کھانے سے فارغ ہوئے تو اس شخص سے سلام کا جواب نہ دینے کا عذر بیان کیا۔ لیکن یہ نہیں کہا کہ فقہ کا یہ مسئلہ ہے کہ کھانا کھانے والوں کو سلام نہیں کرنا چاہیئے اور کھانے والے پر جواب دینا واجب نہیں، اسلئے ہم نے جواب نہیں دیا۔ بلکہ یہ کہا کہ بھائی ہم صوفی لوگ ہیں ہمارا یہ طریقہ ہے کہ جو کام بھی کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کرتے ہیں۔ چنانچہ ہم لوگ کھانا بھی حق تعالیٰ کی رضا اور قرب ہی کی نیت سے کھا رہے تھے۔ چنانچہ اس نیت کی وجہ سے ہمارا یہ کھانا بھی گویا عبادت تھی اور عبادت کی حالت میں سلام کا جواب دینا منع ہے اسی لئے ہم نے جواب نہیں دیا۔ سبحان اللہ کیسا عمدہ جواب طریق کے مطابق دیا واقعی إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ پر انھیں حضرات کا عمل تھا اور اتباع سنت انھیں کا حصہ تھا۔

اسی طرح ایک واقعہ مشہور ہے کہ کسی شخص نے اپنے مکان میں روشندان کھولا۔ ایک بزرگ نے ان سے پوچھا کہ یہ روشندان کیوں کھولا ہے کہا تاکہ روشنی اور ہوا آوے۔ اس پر وہ بزرگ بولے کہ ارے اللہ کے بندے یہ نیت کی ہوتی کہ تاکہ اذان کی آواز آئے تو کیا ہوا اور روشنی رُک جاتی؟ وہ تو بہرحال آتی ہی۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی کام دین کا ایسا نہیں رکھا ہے کہ اس میں دنیا کا بھی نفع نہ ہو۔ مگر یہ کہ تم کو دین کی نیت کرنے کی وجہ سے حسن نیت کا ثواب مل جاتا۔

اسی طرح سے ایک بار تھانہ بھون میں ایک جگہ عمارت بنانے اور درخت لگانے کی تجویز ہوئی حضرتؒ نے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ کیا نیت کی جائے۔ اس پر لوگوں نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ بھائی میں نے تو یہ نیت کی ہے کہ یا اللہ جو لوگ ادھر سے گذریں تو دھوپ اور بارش وغیرہ میں ان کو یہاں آرام مل جائے۔ سبحان اللہ حضرتؒ نے بھی کیسی نیت صدقہ جاریہ کی فرمائی۔ کیونکہ حدیث شریف میں اسکو بھی صدقہ جاریہ فرمایا گیا ہے کہ کوئی شخص راستے پر درخت لگادے تاکہ مسافرین کو اس کے سائے سے راحت ملے۔ آخر میں ختم مجلس پر دعا ہوئی تو ایک صاحب نے یہ دعا کی کہ یا اللہ جو لوگ اس باغ کے قبرستان میں دفن ہوں، ان سب کی مغفرت فرما۔ حسن اتفاق کہ وہی بزرگ سب سے پہلے اس قبرستان میں دفن ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔

یہ واقعات میں اخلاص اور حُسن نیت پر سنا رہا ہوں۔ اور ابھی میں نے کہا ہے کہ اخلاص سب کے لئے ضروری ہے خواہ وہ سالک وطالب ہو یا طالب علم ہو۔ مگر اس وقت روئے سخن خاص کر طالبعلموں کی طرف ہے کیونکہ دیکھتا ہوں کہ آج علم دین کو بھی اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں پڑھا جاتا ہے۔ بلکہ اس میں دوسری

اغراض فاسدہ ملا لیتے ہیں اسی لئے اسکی برکات سے محروم رہتے ہیں۔ اسی نیت کی خرابی سے آج ہمارے دونوں مراکز خراب ہوئے یعنی مدارس میں اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھنے پڑھانے والے نہیں رہے اور خانقاہوں میں طالبین میں صدق و خلوص نہیں رہا۔ اب تحصیل علم سے غرض استعداد کا بڑھانا اور تقریر کرنا رہ گیا ہے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کوئی طالبعلم اگر استعداد کیلئے پڑھے تو یہ ہو سکتا ہے کہ اس کی استعداد درست ہو جائے۔ مگر توفیق عمل نہ ہوگی اور دوسرے کی نیت تحصیل علم سے اگر عمل کرنے کی ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ اسکو عمل کی توفیق ہو ہی جائیگی اور ہو سکتا ہے کہ استعداد بھی اسکی درست ہو جائے۔ یعنی وہاں تو صرف استعداد حاصل ہوگی اور یہاں توفیق اور استعداد دونوں حاصل ہوگی۔ دیکھئے تصحیح نیت میں کتنا فائدہ ہے۔ لیکن لوگ اس سے ناواقف ہیں یا کرنا نہیں چاہتے اس لئے خسارے میں پڑ جاتے ہیں۔

حضرت شاہ صاحبؒ فرمایا کرتے تھے کہ زمزم پیتے وقت لوگ دعا کرتے ہیں اس لئے کہ وقت اجابت ہے۔ ایک شخص نے یہ دعا کی۔ یا اللہ میرا حفظ حافظ ذہبی جیسا ہو جائے (حافظ ذہبی بہت بڑے محدث گذرے ہیں اور حافظ حدیث ہوئے ہیں) اور ایک دوسرے نے یہ دعا کی کہ یا اللہ مجھے اتباع سنت کی توفیق ہو۔ شاہ صاحب فرماتے تھے کہ دوسری دعا پہلی سے بڑھ گئی۔ اسلئے کہ اگر عمل کی توفیق نہ ہو تو آدمی نرا حفظ ہی لیکر کیا کرے گا۔

اسی طرح سے ایک واقعہ اور سنئے۔ ایک دفعہ میں تھانہ بھون جا رہا تھا کہ ایک شخص رفیق سفر ہو گیا۔ اس نے کسی طرح سے معلوم کر لیا کہ میں سفر حج کو جا رہا ہوں۔ راستے بھر میری خدمت کرتا رہا۔ نماز کا وقت ہوا اور میں پانی کے لئے اترنا چاہوں تو فوراً میرے ہاتھ سے لوٹا لیکر میرے لئے پانی لائے۔ اسی طرح راستہ بھر کرتا رہا۔ میں سہارنپور اترا تو وہ بھی اترا پھر رخصت ہوتے وقت اس نے کہا کہ آپ حرمین شریفین جا رہے ہیں وہاں میرے لئے دعا کر دیجیگا کہ مجھے تقریر کرنی آجائے۔ حفظ کو نہیں کہا اور اتباع سنت بھی نہیں کہا۔ کہا بھی تو زبان صاف ہونے کو۔ مجھے بڑا افسوس ہوا مگر اس کا رد نہیں کر سکا۔ کیونکہ یہ محسن تھا۔ میں نے اس کی درخواست کو یاد رکھا اور اسکے لئے دعا کی۔ اب تو معلوم نہیں قبول ہوئی یا نہیں مگر تھوڑے دنوں کے بعد یہ سنا کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ دیکھئے تقریر بھی نہیں سیکھ سکے اور مر بھی گئے۔

غرض تصحیح نیت تو اصل چیز ہے۔ نیت اگر اچھی ہے تو تھوڑا عمل بھی اللہ کے نزدیک مقبول ہے اور اگر نیت ہی درست نہیں تو سب بیکار ہے۔ حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کی شرح کرتے ہوئے علماء فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے مکہ معظمہ سے مدینہ شریف کی ہجرت ایک عورت سے تعلق

کے بنا پر کی تھی یعنی اور سب صحابہؓ تو اللہ کے لئے ہجرت کر رہے تھے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کا امتثال اور ان کی رضا کا حصول ان کو مقصود تھا۔ لیکن ان کی غرض محض عورت تھی جس کا نام کہ اُم قیس تھا چنانچہ اس کے بعد پھر ان کا لقب ہی مہاجر اُم قیس پڑ گیا۔ تصحیح نیت نہ ہونے کی یہ دنیوی سزا ملی کہ کوئی مہاجر الی اللہ ہوتا ہے کوئی مہاجر الی الرسول کہلاتا ہے اور یہ مہاجر اُم قیس کہلائے۔ ساری عمر ان کو اس کی ندامت رہی ہوگی کہ نیت صحیح نہ ہونے کی وجہ سے کیسا دھبہ لگا کہ لقب ہی بن گیا اور ان صحابی کا یہ واقعہ تمام امت کے لئے تازیانۂ عبرت ہوگیا۔ اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ جب ہمارے سامنے حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ پڑھی جاتی تو ہم ڈر جاتے اور اپنی نیت درست کر لیتے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ماشاء طالب علموں کی بھی نیت طلب علم میں صحیح نہیں ہوتی۔ چنانچہ یہ لوگ پڑھنے کے زمانے میں بہت محنت بھی کرتے ہیں مگر نیت ٹھیک نہیں ہوتی۔ اس لئے ویسا ہی اس کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ اور پھر یہی طالب علم پڑھنے کے بعد عالم اور پیشوا بن جاتے ہیں تو جیسے خود ہوتے ہیں ویسا ہی اپنا فیض دوسروں کو پہنچاتے ہیں۔ میرے قول کی تصدیق آپ کو موجودہ زمانے کی جلسہ بازی سے بخوبی ہو جائے گی کہ تمام رات وعظ کہتے ہیں اور فجر کی نماز غائب۔

مجھ سے گورکھپور میں ایک صاحب کہتے تھے کہ اس سے تو لوگ کبھی معتقد نہ ہوں گے خواہ کیسا ہی اچھا وعظ کیوں نہ کہا جائے۔ میں نے کہا کہ ہاں بداعتقادی کی یہ وجہ آپ نے صحیح بیان کی جس شخص کو خود عمل سے کورا دیکھیں گے ظاہر ہے کہ اس کے کیا معتقد ہوں گے۔ اور یہ نقص ان کا آج کا نہیں ہے بلکہ ابتداءً ہی میں انھوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے پڑھا نہیں تھا۔ کسی کام کو اخلاص کے ساتھ کرنا بڑا مشکل ہے۔ اس زمانہ میں تو دیکھا یہی جاتا ہے کہ شاگرد اپنے استاذ ہی کا مخالف ہوتا ہے آدمی کسی کے پاس رہے اور اس کا مخالف رہے اسکی مذمت کر رہا ہوں ورنہ طالب علم تو اولاد سے بڑھ کر ہوتے ہیں اس لئے کہ استاذ سے علم لیتے ہیں اور اسکے باطنی کمال کی اشاعت کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اور اولاد سے تو صرف نسل ہی کا سلسلہ چلتا ہے پھر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ولد سے پناہ مانگی ہے جو دنیا میں انسان کے لئے وبال ثابت ہو۔ ارشاد فرمایا کہ:-

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ وَلَدٍ يَكُوْنُ عَلَيَّ وَبَالًا اور اللہ تعالیٰ سے ولد صالح کا سوال فرمایا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْاَلُكَ مِنْ صَالِحِ مَا تُؤْتِی النَّاسَ مِنَ الْمَالِ وَالْاَهْلِ وَالْوَلَدِ غَيْرَ ضَالٍّ وَلَا مُضِلٍّ یعنی اے اللہ میں مانگتا ہوں تجھ سے وہ اچھی چیز جو تو لوگوں کو دے مال ہو یا بی بی ہو یا اولاد ہو اس حال میں کہ نہ گمراہ ہوں میں نہ گمراہ کرنے والا۔

پس جس طرح سے اولاد دو طرح کی ہوتی ہیں۔ صالح اور غیر صالح اسی طرح سے طلبہ بھی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک مخلص اور ایک آزاد۔ جہاں ہم پڑھتے تھے۔ درس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے سننے سے کبھی کبھی کچھ اثر ہو جاتا تھا اس لئے سبق سے آکر خاموش بیٹھ جاتے تو طلبہ ہم پر ہنستے تھے کہتے تھے کہ ان کو دیکھو یہ حدیث پڑھ کر آئے ہیں اور چپ ہیں۔ اثر لئے ہوئے ہیں۔ یہ میں عربی مدارس کا حال بیان کر رہا ہوں۔ دوکل میں نے علی گڈھ کا واقعہ بیان کیا تھا کہ وہاں لوگ داڑھی پر ایک طالب علم کا مذاق اڑاتے تھے۔ ایک ماسٹر محض داڑھی کی وجہ سے اس بیچارے کو چندہ کہتا تھا مگر جب ہمارے ہی مدارس کا یہ حال ہے تو پھر ہم علی گڈھ کو کیا کہیں لیکن اتنا ضرور ہے کہ وہاں مسلمانوں کے لڑکے پڑھتے ہیں اور مسلمانوں کا چندہ آتا ہے اس پر حالت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی سنت پر مشق جاری۔ اس لئے تعجب ہے اب اس طالب علم کو بھی چاہیئے کہ وہ اللہ تعالی سے خوب آہ وزاری کرے دعا کرے کہ یا اللہ اس داڑھی کی لاج رکھ لیجئے یعنی ایسا کر دیجئے کہ جو لوگ آج اسکی مذمت کر رہے ہیں ان کو اس کی تعریف کرنی پڑ جائے۔ میں عربی پڑھتا تھا اور میرے ہی خاندان کے دوسرے لوگ انگریزی پڑھتے تھے مجھے یہ خیال ہوتا تھا کہ یہ لوگ بڑے بڑے عہدہ پر ہو کر دینی تعلیم کو کم سمجھیں گے تو میں نے دعا کی کہ یا اللہ دین کی لاج رکھئے گا یہ لوگ طعنہ نہ دے سکیں کہ عربی پڑھ کر ذلیل ہوا۔ میرے ایک دوست ہیں ان کے بھائی انگریزی پڑھے ہوئے اور بڑے عہدہ پر ہیں اور انھوں نے دینی زندگی اختیار کی تو ان کے بھائی کہتے تھے کہ اگر کوئی شخص دین اختیار کر رہا ہے تو میں اسے کیوں منع کروں۔ میں نے ان کا یہ مقولہ سنا تو بڑی قدر ہوئی اس لئے کہ کوئی شخص خود عمل نہ کرے مگر عمل کرنیوالوں کو اچھا سمجھے تو آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہ اچھا ہے یا یہ اچھا ہے کہ نہ خود عمل کرے نہ دوسروں کو کرنے دے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نیک آدمی کی برکت سے اسکے عزیزوں کی بھی مغفرت ہو جائے۔ اتنا تو ایمان ہونا ہی چاہیئے یوں پڑھنے کو آدمی کچھ پڑھے اور کہیں پڑھنے چلا جائے اس میں کچھ مضائقہ نہیں ہے ہر علم حاصل کر سکتا ہے لیکن اسکے لئے یہ کیا ضروری ہے کہ ایمان بھی برباد کر لے۔ طالب علمی کا زمانہ سخت آزمائش کا زمانہ ہوتا ہے اسی عمر میں یا تو آدمی ٹھیک ہی ہو جاتا ہے یا بالکل بگڑ جاتا ہے اور بگڑنا یہی کہ صرف الفاظ سیکھ لیتا ہے اور خدا کی حجت اپنے اوپر قائم کر لیتا ہے۔ یہ خیال ہی نہیں ہوتا ہے کہ ہم کہاں ہیں کیا کر رہے ہیں اور ہم کو کیا کرنا چاہیئے؟ ان کے حال سے تعجب ہے کہ علم دین پڑھتے ہیں اور آزاد ہیں ان کی تربیت نہ تو ان کے والدین کر سکتے ہیں اور نہ مدرسہ ہی اس زمانہ میں تربیت گاہ ہے لہذا ان کو تو اپنا مستقبل خود سوچنا ہے کیونکہ جو زمانہ کہ یہ لوگ مدرسہ میں خرچ کرتے ہیں وہ کچھ کم نہیں

اتنے دنوں میں آدمی اگر بننا چاہے تو بن سکتا ہے۔ میں چونکہ ان جگہوں کو دیکھ چکا ہوں اس لئے مجھے خوب
ہے۔ چنانچہ میں نے یہ بھی دیکھا کہ طلبہ سبق پڑھ کر آئے اور اساتذہ نے درس میں ائمہ کے اختلاف
تقریر کی تو تکرار میں یہ لوگ بھی ان اکابر پر اعتراض کرتے تھے اور مجھ کو یہ طریقہ کبھی بھی پسند نہیں
ہتا تھا کہ یا اللہ یہ مشائخ ہمارے اساتذہ میں سے ہیں۔ انھوں نے کتابیں لکھی ہیں تحقیق کی ہے لہذا
دکو تو خیر یہ حق ہو سکتا ہے کہ دلیل کے ساتھ کسی قول کو رد کر دے لیکن ہم کو تو حق نہیں کہ ہم انکی شان
پہ بھی لب کشائی کر سکیں یہ تحقیق نہیں ہے بے ادبی ہے یہی عادت اگر رہ گئی تو آدمی ساری عمر اسی
مبتلا رہے گا اور علم نہ آئے گا ان بزرگوں کے فیض سے محروم رہے گا کیونکہ علم ادب سے آتا ہے۔

اور میں اپنے کیا کہوں مدرسوں میں یہ بھی دیکھا کہ اگر کوئی طالب علم دور دراز سے آگیا تو فوراً اس کا
یہ کیا گیا اور کھانا جاری ہو گیا خواہ نا اہل ہی کیوں نہ ہو اور اگر یہیں کا ہوا تو اگرچہ وہ کیسا ہی قابل اور اہل
رکتنا ہی بڑا شخص ہونے والا کیوں نہ ہو مگر کہہ دیتے کہ گنجائش نہیں ہے۔ غرض اپنے مدارس کا حال
زمانہ میں اچھا نہیں دیکھ رہا ہوں اہل و نااہل کا امتیاز باقی نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ لائق طالب علم نہیں
رہے ہیں چنانچہ کسی بڑے سے بڑے ادارے سے بھی دو چار عالم کام کے ایسے نہیں نکلتے ہیں جن کے
لئے یہ کہا جا سکے کہ اسلاف کے نمونہ ہیں اور انھیں کے طریقہ پر کام کرنا چاہتے ہیں اور یہی حال مشائخ کا
کہ پہلے ان کے یہاں بھی تعلیم و تربیت کا بڑا اہتمام تھا۔ چنانچہ ان کا اصول یہی تھا کہ اَوَّلُ قَدَمِ الْمُرِیْدِ
بِ اَنْ یَّکُوْنَ عَلَی الصِّدْقِ اسی اصول پر طالبین کو رکھتے تھے اور پرکھتے تھے اسی لئے کام کے
نکلتے تھے۔ لیکن اب ان کے یہاں بھی اس کا اہتمام باقی نہیں رہ گیا تو پھر یہ جگہ بھی خراب ہو گئی۔

غرض اخلاص نہ یہاں باقی رہا نہ وہاں۔ رسوم کے درجہ میں سب چیزیں موجود ہیں مگر روح
ب ہونے کی وجہ سے خانقاہیں بھی فاسد ہو گئیں ہیں اور مدارس بھی خراب ہو گئے ہیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

(مضمون ھذا میں آئی ہوئی بعض عبارات کا ترجمہ) :-

ص۵ وَمَا أُمِرُوْا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ الخ حالانکہ انہیں یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی عبادت اس طرح کریں کہ دین کو اسی کے لئے خالص رکھیں یکسو ہو کر۔

ص۵ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا الخ اللہ تعالیٰ کے پاس نہ انکا گوشت پہنچتا ہے نہ خون ولیکن اسکے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے

ص۶ عَنْ عُمَرَ ابْنِ الْخَطَّابِؓ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اور آدمی کو اپنی نیت ہی کے مطابق پھل ملتا ہے تو جس شخص نے اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کی تو اسکی ہجرت درحقیقت اللہ و رسول ہی طرف ہوئی اور جو کسی دنیاوی غرض کیلئے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کی خاطر مہاجر بنا تو فی الواقع جس دوسری غرض و نیت سے اُسنے ہجرت کی ہے عند اللہ اسی کی خاطر اسکی ہجرت سمجھی جائیگی۔

یہ حدیث صحیح ہے، بخاری و مسلم کا اسکی صحت پر اتفاق ہے اسکی عظمت مکان و جلالت شان اجماع سے ہے یہ ان احادیث میں سے ہے جس پر اسلام کا مدار ہے اسلاف کرام اور انکے متبعین رحمہم اللہ حسن نیت اور اسکے غایت درجہ اہتمام و توجہ پر خبردار کرنے کیلئے اسی حدیث سے اپنی تصنیفات کی ابتداء بہتر سمجھتے تھے۔

ص۸ عن ابن عباسؓ الخ ابن عباسؓ سے منقول ہے کہ انسان بقدر نیت علوم کو یاد رکھتا ہے اور دیگر حضرات نے کہا کہ لوگوں کو بقدر نیت انکا اجر دیا جاتا ہے۔

ص۸ فَاَوَّلُ قَدَمٍ لِلْمُرِيْدِ الخ اس طریقت میں کا سب سے پہلا قدم صدق پر ہونا ضروری ہے تاکہ اس بنیاد پر اسکی عمارت درست رہے چنانچہ شیوخ فرماتے ہیں کہ اصول کو ضائع کر دینے کی وجہ سے لوگ وصول کی نعمت سے محروم کر دیئے گئے۔

ص۸ اصل الصدق الخ اصل صدق اقوال میں ہوتی ہے مگر افعال میں بھی مستعمل ہے جیسا کہ راغب نے کہا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے "صدق فی القتال" جب کسی نے جنگ و قتال کا حق ادا کیا ہو۔ اسکے برعکس بھی بولا جاتا ہے جیسے "کَذَبَ فِيْهِ" جب کسی نے جنگ کا حق ادا نہ کیا ہو۔ لہٰذا صدق افعال سے ایسے فعل کی تعبیر کیجاتی ہے جو ظاہر و باطن ہر دو اعتبار سے عمدہ ہو اور (عربی زبان میں) اسکی جانب اضافت بھی کی جاتی ہے جیسے مُقْعَدِ صدق ایک اعلیٰ مقام "مُدْخَلَ صِدْقٍ" پہنچاتے وقت خوبی کے ساتھ۔ "مُخْرَجَ صِدْقٍ" نکالتے وقت خوبی کے ساتھ۔

ص۹ ان اللہ لا یضیع یقیناً اللہ تعالیٰ مخلصین کا اجر ضایع نہیں کرتے۔

ص۹ میں نے اپنی بندگی تو کی لیکن تمہاری بدخصلتی بندہ کو اپنا نہ سکی۔

(مکتوب نمبر ۸۴۵)

(یہ مکتوب حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بستوی نور اللہ مرقدہٗ کا ہے جو اس وقت خانقاہ میں مقیم تھے، موصوف ذاکر، شاغل بزرگ تھے اور حضرت مصلح الامۃ قدس سرہٗ کی جانب سے مجاز صحبت کے خلعت سے سرفراز تھے ، افسوس! سال گذشتہ رحلت فرماگئے انا للہ وانا الیہ راجعون ـــ غفر اللہ لہ مغفرۃ تامۃ ورحمہ رحمۃ واسعۃ ۔)

ل : یہ ناکارہ اپنی بدفہمی نالائقی کی وجہ سے اکثر مغموم اور اس پر حضرت والا کی بے انتہا شفقت اور عنایات سے انتہائی عجز وندامت سے دعا کرتا رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے فہم وعلم عطا فرمائیں ۔ تحقیق : آمین ۔

ل : اسی درمیان میں ایک شب کو خواب میں دیکھا کہ ایک بڑا کمرہ ہے اس میں حضرت والا مجھے پکڑ کر سمجھا رہے ہیں اور جس طرح بیعت کی کیفیت ہوتی ہے اسی طرح میں تجدید واقرار کر رہا ہوں اس کے عقب میں ایک کوٹھری ہے اس میں پردے کی آڑ میں مولوی .... صاحب ہیں ۔

اسکے دوسرے دن شب میں چار بجے دیکھا کہ خسرو باغ کا مغربی حصہ ہے اس میں کوئی بزرگ اکہرا بدن، سفید لباس ، رنگ سرخ وسفید، پٹے رکھے ہوئے بیٹھے ہیں اور انھیں کے پاس قاری صاحب مدظلہ بیٹھے ہیں دور سے میں نے سمجھا کہ ہمارے حضرت ہیں ڈرتے ڈرتے قریب گیا تو ایسا معلوم ہوا کہ حضرت جہاں پناہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں میں بھی قدم مبارک کے پاس بیٹھ گیا دیکھا کہ حضرت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم قاری صاحب کا ہاتھ پکڑے ہوئے ہیں اور کچھ باتیں کر رہے ہیں اور بہت خوش ہیں پھر میری طرف متوجہ ہوئے تو میں نے عرض کیا حضور میری درخواست یہ ہے "یہ جی چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان وصدق عطا فرمائیں" اس پر فرمایا " ہاں بھائی اصل چیز

بیان و سچائی ہے، ایک صاحب اور پاس بیٹھے ہوئے ہیں انھوں نے دعا
کے لئے درخواست کی تو فرمایا جنگ کا زمانہ ہے جس کے پاس دنیا کے وہ چھ
دمی جنکے سپرد انتظام سے روز آتے ہوں اسکا کیا مقام ہوگا کتنے اہتمام و
ہمت سے رہتا ہوگا، اسی درمیان مؤذن نے پکارا جس سے نیند کھل گئی
یق، خواب کیا ہے ہزاروں بیداریاں اس پر قربان ہیں فَطُوبیٰ وَ بُشْریٰ لَکُمْ
شاید میرے لئے کھلی بشارت ہو کہ مجھکو کھلی آپ نے اسی تقریب میں دیکھا
یں اپنے لئے کیا کہوں ؎

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

کون ہے جو عاشق ہوا ہو اور یار نے اس پر نظر نہ کی ہو ارے میاں درد و طلب
ی نہیں ہے ورنہ طبیب تو موجود ہی ہے)

منابت روحی فداہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ادنیٰ امتی کے حال پر کیا کچھ متوجہ ہیں ؎

ہر وقت ذبح اپنا اسکے زیر پائے ہے یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

شَاهِدُ مَنْ اَهْوٰی بِغَیْرِ وَسِیْلَةٍ فَیَلْحَقُنِیْ شَانٌ اَضَلُّ طَرِیْقًا
یُؤَجِّجُ نَارًا ثُمَّ یُطْفِیْ بِرَشَّةٍ لِذَاكَ تَرَانِیْ مُحْرَقًا وَ غَرِیْقًا

جب مجھے اپنے محبوب کا مشاہدہ اور شرف دید بغیر کسی واسطہ کے حاصل ہوتا
ہے تو مجھ پر خود فراموشی کی ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ راستہ تک بھول
جاتا ہوں۔ وہ آگ لگا دیتا ہے پھر چھینٹا دے کر اسے بجھاتا ہے اسی وجہ سے
تم مجھے دیکھتے ہو کہ سوختہ بھی ہوں اور ڈوبا ہوا بھی)

ل: مگر قلب میں انشراح و انبساط و خوشی سارے دن رہی تحقیق: بشریٰ ہے
دیائے صالحہ کے ثمرات ہیں

ل: اور اب تک وہ حلیہ و نقشہ اور باتیں اکثر ذہن میں آتی رہتی ہیں۔
تحقیق: الحمد للہ۔

ل: اللہ تعالیٰ حضرت والا کے طفیل میں حضرت والا کی کامل معرفت و اتباع

وایمان وصدق عطا فرمائیں تحقیق : آمین ۔

حال : اسی پر ایمان ویقین ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت والا کے طفیل میں ہم نالائق کو نجات عطا فرمائیں گے ، اللہ تعالیٰ حضرت والا کے سایہ کو ہمارے سروں پر قائم رکھیں ۔ تحقیق : آمین

حال : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ہاں "بھائی" کا لفظ اور لذت سوچکر عجیب حالت ہو جاتی ہے ۔ تحقیق : اس سے بڑھکر کوئی لذت ہو سکتی ہے ؟

حال : اللہ تعالیٰ حضرت والا کے طفیل میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اتباع نصیب فرمائیں ۔ تحقیق : آمین ۔

(مکتوب نمبر ۴۶۸)

حال : کل صبح کی ڈاک سے ملفوف گرامی از مکرمی ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب ہم تینوں کے پاس تکذیب خبر صبح کی ڈاک سے پہونچ گیا تھا اسی شام کو ملی لہٰذا اسکی تردید کردی گئی ، واقعہ یہ ہے کہ مخبر کو یوم دوشنبہ ۲۵ ر مارچ کو کی ٹرین سے روانہ کردینے کے بعد اسی روز شام کی ڈاک سے حضرت ا کو لفافہ روانہ کیا تھا جس کا جواب حضرت کے دست مبارک کا لکھا ہوا مع دستخط موجود تھا جو ٹھیک ایک ہفتہ کے بعد دوشنبہ کو سویرے سے آگیا اور شام کو مخبر کا لفافہ بمبئی سے مئو پہونچا کہ جناب والا حج بیت اللہ شریف کے لئے ساتھ ہی ساتھ بیٹھ کر آئے ہیں مگر افسوس کہ یکم اپریل کے جہاز سے روانہ ہو جائیں گے ۔ (وکما کتب — اور یہ مخبر غالباً ۳ر اپریل کے سے گئے جس سے انکی روانگی منظور تھی ۔

اس خبر کو صحیح نہیں مانا لہٰذا الہ آباد برائے تصدیق و تکذیب کوئی ارسال نہیں کیا ، اسکے بعد دوسرے ذرائع سے بھی خبر کی تکذیب ہوتی گ

اور دونوں خطوط ہم لوگوں کے علم کے بغیر لکھے گئے جنکی اطلاع کئی روز بعد ہوئی جس سے بہت افسوس ہوا اور نہایت صدمہ ہوا اب مکرر تردید کی گئی ہے امید ہے کہ ایک صاحب کا ایک خط پہونچا ہوگا اور دوسرے نے آج ہی لکھنے کا وعدہ کیا ہے۔

تحقیق: جناب قاری صاحب، مفتی صاحب، مولوی صاحب میں آپ حضرات کی خدمت میں عرض پرداز ہوں کہ اس تعلق کی جو ما بین شیخ و مرید ہوتا ہے کوئی غایت ہوتی ہے اور شے جب غایت سے خالی ہوتی ہے تو بیکار اور لغو سمجھی جاتی ہے لہذا بار بار کے تجربہ کے بعد اب آپ لوگوں سے تعلق کو ختم کرتا ہوں۔

(مکتوب نمبر ۸۴۷)

حال: عرض بگرامی خدمت فیض درجت اینکہ ناچیز کا عریضہ جس کو بقصد انشراح قلب مبارک ارسال کیا تھا افسوس کہ غالباً اپنے طرز تحریر اور الفاظ موہمہ خلاف مقصود کے باعث مزید تکدر گرامی کا سبب بنا انا للہ وانا الیہ راجعون اللہ تعالیٰ میرے حال پر رحم فرمائیں بصد الحاح التجا ہے کہ ناچیز کی بے قاعدگیوں کو درگذر فرمادیں گے بندہ اسکی معافی کا خواستگار ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ خبر مذکور سے بندہ یکسر خالی الذہن تھا اسکا وہم وگمان نہ تھا اور نہ قلب پر خطرہ اور یہ محض اتفاق تھا نہ کہ کسی شک وشبہ پر مبنی کہ بمبئی سے اپنے ہی لڑکے کے نام خط لکھنے والے کو صبح کی ٹرین سے مئو اسٹیشن تک پہنچانے کے لئے گیا جنکے ہمراہ چار دوسرے پڑوسی بھی حج کے لئے گئے اور راوی مدت دراز سے اس مسجد کے موذن ہیں جس پر نماز بندہ آج سے دو سال پہلے پڑھتا تھا۔ پھر اسی روز شام کو حضرت والا مدظلکم کو عریضہ لکھا جیسا کہ یہ بھی اتفاق محض ہی ہے کہ آٹھویں روز حضرت کے دستخطی جواب سے مشرف ہوا اور اسی روز راوی کا اپنے لڑکے کے نام خط لکھا

ہوا آیا جسکی اطلاع بندہ کو مغرب کے وقت ہوئی اور ناچیز نے تردید کر دی
مقصود نہیں کہ اگر حضرت کا دستخطی والا نامہ نہ ملا ہوتا تو اس خبر کی تصدیق کر لی
اتی بلکہ مناسب طریقہ پر خبر کی تحقیق کیجاتی کیونکہ یہاں کی بے بنیاد افواہوں
ر بے سر و پا خبروں کا بارہا تجربہ بارہا ہوا ہے۔ فقط والسلام خیر ختام۔
ت: قاری صاحب۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ نے آخر خط
ں جو لکھا ہے کہ "بے بنیاد افواہوں اور بے سر و پا خبروں کا تجربہ بارہا ہوا
ہے" مجھکو اسی بات کا پیش کرنا آپ لوگوں کے نزدیک منظور تھا اگر حضرات
ہل علم اس طرف توجہ فرمائیں تو بہت کچھ عوام کی اصلاح ہو سکتی ہے مگر
ں دیکھتا ہوں کہ جو عوام اٹھاتے ہیں خواص بھی اسکے ہمنوا ہو جاتے ہیں۔ والسلا

(مکتوب نمبر ۴۸)

ل: حضرت والا کا دامن پکڑا اور حضرت والا کی توجہات مربیانہ برابر
س ناکارہ پر بڑے شفقت و محبت سے ہوتی رہیں مگر صد افسوس کہ حالت
یں وہ تبدیلی نہ ہوئی جیساکہ شیخ سے تعلق رکھنے میں ہونی چاہئے اگر حاضری میں
پھ عذر ہو سکتا ہے تو حالات سے جلدی جلدی مطلع کرنے میں کیا عذر ہے
نشاء اللہ آج سے اسکا اہتمام بالاستحکام کرتا ہوں کہ جلد ہی حاضری بھی دوں
ور حالات سے بھی اطلاع کرتا رہوں گا۔
ت: یہ شکایت مجھکو آپ سے نہیں ہے، یہ البتہ ہے کہ آپ میرے کلام کے
نشار کو نہیں سمجھتے، میں نے اس وقت ایک بات لکھی تھی جس میں تین
دمی شریک تھے تو ظاہر ہے کہ کوئی امر ان تینوں میں مشترک ہے۔ قاری
باحب کا خط آیا ہے انھوں نے کچھ سمجھا اُن کے خط کے جواب سے آپ بھی
ہمجھ لیجئے اور پھر لکھئے کہ کیا سمجھے؟
ل: اپنی ان ہی کوتاہیوں کی بنا پر حضرت والا نے جو کلمہ تحریر فرمایا کہ تعلق ختم

کرتا ہوں، اسکو دیکھتے ہی گویا قدموں تلے سے زمین نکل گئی، آنکھوں کے سامنے اندھیر چھا گیا، حواس ٹھکانے نہیں رہے اپنی ناکارگی پر رو رہا ہوں بس اب کیا عرض کروں بجز اسکے کہ آخر عمر کو پہنچ گیا ہوں ہر طرح کی کمزوری میں مبتلا ہوگیا قابل رحم ہوں۔ یہ عرض کرتا ہوں کہ میرے لئے حضرت والا کے در کے علاوہ کوئی دوسرا ٹھکانا نہیں اگر خدانخواستہ بے تعلق کردیا گیا تو ازیں سو راندہ وزاں سو درماندہ کا مصداق بلکہ دین و دنیا کے خسارہ کا اندیشہ ہے اب تک جو کچھ پار نہ تھا وہ حضرت ہی کے تعلق کی بنا پر تھا آئندہ کے لئے محروم ہونے کا اندیشہ ہے خدا رحم فرمائے اور اس ناکارہ کو اپنی غلامی کے تعلق سے محروم نہ فرمائیے، انشاء اللہ جیسا لکھ رہا ہوں اس پر عمل کرنے کی پوری پوری سعی کرونگا۔ دعاء فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔

(مکتوب نمبر ۴۹۸)

حال: حضور سے رخصت ہوکر یہاں واپس لوٹا تو حضور کے حسب ارشاد اصلاح نفس کا اہتمام کیا۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ حضور کے فیض سے بہت حد تک کامیاب رہا۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: یہ خطرہ البتہ محسوس کرتا ہوں کہ شاید یہ مستقل نہ ہو کیونکہ یہاں واپس لوٹ کر میں نے تمام جلسیں اور دوست احباب کی صحبتیں ترک کردیں جس سے کہ یہ اندیشہ تھا کہ وہ تکبر و عُجب و خودستائی کے مواقع دیں گی۔ اور اسکے بجائے سارا وقت حضرت تھانویؒ اور حضور کے مواعظ کے مطالعہ میں گذارتا ہوں۔

تحقیق: خوب کرتے ہیں۔

حال: ظاہر ہے کہ ہمیشہ اس قدر وقت نہ دے سکوں گا کیونکہ فرصت نہ ہوگی اس وقت تو ضرور معصیت سے بچا اور اصلاح نفس کلی ہو رہی ہے تحقیق: الحمدللہ

حال: میں نے اپنے اندر عجب و تکبر کا مرض بہت پایا کیونکہ اتنے دن لیڈری

کرتا رہا جس سے خود ستائی آگئی ہے۔ تحقیق: ٹھیک کہتے ہیں
حال: الحمدللہ اب ادہر توجہ زیادہ ہے۔ تحقیق: الحمدللہ۔
حال: اس سلسلہ میں ایک شبہ ہوتا ہے جن لوگوں سے رنجش اور جھگڑے تھے آہیں اگرچہ دوسروں کی زیادتی بھی تھی مگر میں نے سب سے معافی مانگ لی
تحقیق: الحمدللہ۔
حال: مگر کچھ لوگ ایسے رہ گئے جو یا تو کافر ہیں یا ملحد و فاسق و فاجر انھوں نے میرا ہزاروں کا مالی نقصان کر دیا اور مجھے ذلیل و بدنام کرنے میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا کچھ روپیہ پیسہ کے معاملے میں میں نے ان پر مقدمہ بھی قائم کیا تھا جو چل رہا ہے بعض وقت خیال ہوتا ہے کہ ان سے بھی معافی مانگ لوں اور مقدمہ اٹھالوں تحقیق: نہیں۔
حال: کیونکہ اس میں میرا نفس سب سے زیادہ ذلیل ہوگا اور وہ لوگ پھر بھی مخالف ہی رہیں گے۔ بعض وقت خیال آتا ہے کہ انکو یوں ہی رہنے دوں
تحقیق: رہنے دیجئے۔
حال: کوئی معافی نہ مانگوں حضور ہدایت فرمائیں کیا بہتر ہے میں فیصلہ نہ کرسکا
تحقیق: لکھدیا۔
حال: ابھی بہت سے عیب ایسے ہوں گے جو مجھے نظر نہیں آتے خاص طور پر معاملات و تعلقات کے سلسلے میں، پڑوسیوں اور احباب کے حقوق کے سلسلے میں انکے بغیر باطنی اصلاح ممکن نہیں مگر دھیان ادھر جاتا نہیں تو پھر کیا ہوگا؟
تحقیق: جو سمجھ میں آتا جائے اسکی فکر کیجئے
حال: جس قدر سمجھ میں آتا ہے کوشش ضرور کرتا ہوں کہ شریعت کے حقوق پورے کروں مگر دینی تعلیم کم ہونے کی وجہ سے سمجھ ناقص ہے۔ نماز میں الحمدللہ یکسوئی پیدا ہونے لگی ہے۔ تحقیق: الحمدللہ۔
حال: وسوسے بہت آتے ہیں مگر لاحول پڑھنے سے فوراً رفع ہوجاتے ہیں

دیرپا نہیں ہوتے۔ تحقیق: الحمدللہ۔

(مکتوب نمبر ۸۵)

حال: جمعہ، سنیچر، اتوار تینوں دن شام کو بعد عصر حضرت والا سے محبت رکھنے والے حضرات تشریف لاتے اور حضرت والا کی باتیں بغور سنیں۔ الحمدللہ ان میں بہتوں پر اثر بھی ظاہر ہوتا ہے اور رغبت دین کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اور سب جاننے لگے ہیں کہ اللہ کے رسول کے اخلاق کو حاصل کرنے میں دین و دنیا دونوں کا نفع ہے۔ تحقیق: الحمدللہ
حال: انشاء اللہ اتنے جاننے کے بعد امید ہے کہ ان اخلاق کی تحصیل کی کوشش بھی کریں گے۔ تحقیق: خدا کرے۔ حال: احقر کو اس سے کچھ تسکین سی ہوتی ہے کہ اگر چند اشخاص بھی کام کے نکل آئیں تو کام بننے کی امید ہے۔ تحقیق: الحمدللہ۔ حال: مگر احقر کے دل میں جتنا مرغوب ہے اتنا نفع نہیں پاتا۔ بحمداللہ مایوسی کی کوئی وجہ بھی نہیں پاتا ہوں برابر بتلاتے رہتے ہیں ایک نہ ایک دن حسب استعداد لوگوں کو نفع ہوتا ہی ہے اس میں اخلاص و صدق اور حضور کی توجہ کو بہت دخل ہے۔ تحقیق: بیشک۔ حال: حضرت والا کی دعاء و توجہ درکار ہے تاکہ خادم حقیر کی ہمت بندھی رہے اور صبر و تحمل سے کام لیتا رہوں۔ تحقیق: الحمدللہ۔ حال: اور اخلاق نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا گرویدہ ہو جانا ہی ہمارا اصل اساس ہے تمام تر کامیابی کی۔ تحقیق: بیشک
حال: علوم کی کمی احقر میں ضرور ہے لیکن اپنی تسلی اس سے ہوتی ہے کہ جو علم حضرت والا سے عطا ہوتا ہے وہ مستحضر رہے تو انشاء اللہ لوگوں تک پہنچانے کے لئے بہت کافی معلوم ہوتا ہے۔ تحقیق: الحمدللہ۔ حال: حضور سے استدعا ہے کہ اس علم کی کمی کے پورا ہونے کی دعاء فرمادیں۔ تحقیق: دعاء کرتا ہوں۔ حال: جو آیات قرآنی حضور نے سمجھا دی ہیں اور احادیث کہ جناب والا کی زبان مبارک سے معنی بہت اسکا برابر اعادہ کرتا رہتا ہوں۔ تحقیق: الحمدللہ۔ حال: انشاء اللہ شدہ شدہ از بر ہو جائینگی۔ تحقیق: انشاء اللہ۔ حال: لوگوں کو سنانے کی برکت ہی سے مجھے یاد ہوتی جارہی ہیں۔ ملفوظات کی صفائی کا کام روزانہ کرتا ہوں لیکن وقت بہت کم ملتا ہے اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعاء فرمائیں۔ تحقیق: دعاء کرتا ہوں

(۱۰۱۱) کشفِ قبور کے متعلق فرمایا کہ اس میں بہت غلطیاں ہوتی ہیں کیونکہ جب ناسوت کے کشف میں غلطیاں ہوتی ہیں تو ملکوت کے کشف میں تو بہت غلطیاں ہوسکتی ہیں کیونکہ انسان کو بہ نسبت ناسوت کے ملکوت سے بہت کم مناسبت ہے مثلاً کسی مردہ کو معذب دیکھنے سے بدگمانی ہوتی ہے اور مُنعَّم دیکھنے سے بیفکری پیدا ہوتی ہے۔ غرض کشف قبور ہر طرح مضر ہے علاوہ اس کے ان امور میں خیال کی بھی بہت آمیزش ہوتی ہے تلبیس ابلیس کا بھی اس میں احتمال رہتا ہے یہاں تک کہ کبھی ایسا بھی واقعہ ہوتا ہے کہ کافر کی جانکنی کے وقت شیطان اسکے خیال میں تصرف کرکے جنت کا خیالی نقشہ اسکے سامنے پیش کردیتا ہے اور نہ اس پر ہراس ہوتا ہے نہ خوف نہایت ہشاش بشاش انتقال کرتا ہے یہ محض اوروں کی تلبیس کے لئے ایسا کرتا ہے تاکہ لوگ یہ سمجھنے لگیں کہ جنت کے حصول کے لئے اسلام شرط نہیں ہے جو مسلمان نہو وہ بھی جنت میں جاسکتا ہے کس قدر زبردست تلبیس ہے خدا بچائے۔

(۱۰۱۲) فرمایا کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں مختلف شانیں تھیں بعضی شان مشابہ تھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان کے اور بعضی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے اندر، ایک آزادی کی شان، نازکی شان، جوش و خروش، حمیت و غیرت یہ مضمون بہت ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اندر زہد و ترک دنیا کا غلبہ، تعلقات کی کمی وغیرہ یہ مضمون بہت ہے اسی مشابہت کی بنا پر ان شانوں کا نام اصطلاح میں قدم موسیٰ (یعنی نسبت موسویہ) اور قدم عیسیٰ (یعنی نسبت عیسویہ) ہوگیا۔ تو قدم موسیٰ ایک خاص شان محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے جو مشابہت رکھتی ہے نسبت موسیٰ سے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جامع الکمالات ہیں پس اس سے مستفید ہونا نہ اس حیثیت سے ہے کہ وہ کمال موسوی ہے بلکہ اس حیثیت سے ہے کہ وہ دراصل کمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔

حسن یوسف، دم عیسیٰ، ید بیضا داری　　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال، عیسیٰ علیہ السلام کا دم (پھونک)، موسیٰ علیہ السلام کا ید بیضا (چمکتا ہوا ہاتھ)، آپ سب ہی رکھتے تھے۔ جو کچھ (کمالات) سارے محبوبانِ الٰہی (یعنی انبیاء علیہم السلام) الگ الگ رکھتے ہیں آپ تنہا وہ سب رکھتے ہیں۔

(۱۰۱۳) فرمایا کہ حب جاہ ایسا مرض ہے کہ اسکا پتہ چلنا مشکل ہے جب کوئی واقعہ پیش آئے اور گرانی ہو تب پتہ چلتا ہے کہ ہم میں مرض حب جاہ کا ہے چنانچہ ایک حکایت بیان فرمائی کہ ملا محمود فاروقی جونپوری مصنف شمس بازغہ بڑے شخص تھے مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی انکو لوگوں کی نظر میں بے قدر کرنا چاہتے تھے چنانچہ شاہجہاں کا زمانہ تھا شاہی خاندان میں سے کسی شخص کا انتقال ہوا ملا محمود صاحب سے نماز جنازہ پڑھانے کے لئے کہا گیا عبدالحلیم صاحب نے ان سے چپکے سے کہا کہ مجمع زیادہ ہے قرارت پکار کر پڑھنا کہ سب لوگ سن لیں ملا محمود نہایت ذہین شخص اور معقولی آدمی تھے لیکن دینیات نہ جانتے تھے دھوکے میں آگئے نماز جنازہ میں قرارت شروع کردی سب لوگ کہنے لگے کہ یہ شخص عالم نہیں محض جاہل ہے پھر انکی وقعت لوگوں کی نظروں میں بالکل نہ رہی۔

(۱۰۱۴) ایک صاحب نے عرض کیا کہ ایک بزرگ ایسے تھے کہ وہ جس بزرگ سے مصافحہ کرتے تھے انکی ولایت سلب کر لیتے تھے اخیر میں انھیں ایک ایسے بزرگ ملے جنھوں نے ان بزرگ کی ولایت بھی اور جتنے بزرگوں کی ولایت سلب کرچکے تھے وہ سب ولایتیں بھی ایک دم سے سلب کرلیں، اس پر حضرت نے پھر اسکی تحقیق بیان فرمائی کہ دو حالتیں ہیں ایک تو حالت نسبت مع اللہ کی ہے یا جو متعلق ہو نسبت مع اللہ کے مثلاً طاعت و عبادت جو سبب ہے قرب الی اللہ کا وہ تو موہوب ہے یعنی حق تعالیٰ کی عطا ہے جو موجب ہے قرب کی یا مرتب

ہے ہر قرب پر اس پر تو کسی کو اختیار نہیں اور ایک ہوتی ہیں کیفیاتِ نفسانیہ ان میں طبیعت کی خصوصیت کو اور اسباب طبیہ اور طبعیہ کو کلی دخل ہے مثلاً کیفیت شوقیہ کہ یہ کیفیت سبب ہے محض اسباب طبیہ سے مثلاً مزاج میں قوت ہونا، صحت کا اچھا ہونا، ہر طرح کا اطمینان ہونا یعنی معاش کی طرف سے کلی اطمینان ہو اور اعدا کی طرف سے کلی کوئی اندیشہ نہیں، ان سب اسباب کا خاصہ ہے کہ ایک قسم کی کیفیت شوقیہ نشاطیہ پیدا ہو جاتی ہے، سو یہ کیفیات نشاطیہ قوت خیالیہ کے ذریعہ مغلوب ہو سکتی ہے جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ایک قسم کی غباوت اور افسردگی طبیعت میں پیدا ہو جاتی ہے بعض طبیعتیں ایسی کمزور اور کم ہمت ہوتی ہیں کہ اس افسردگی کی وجہ سے براہ کسل عبادت چھوڑ بیٹھتے ہیں، اسطرح انکو ضرر دین کا کلی ہونے لگتا ہے، بواسطہ اسکی کم ہمتی کے اس کو عوام سمجھتے ہیں کہ ولایت سلب کر لی، جیسے کسی کے کوئی لٹھ مارے اور وہ اپنی کم ہمتی کی وجہ سے پانچ وقت کی نماز چھوڑ دے تو اسکو کوئی کہے کہ لٹھ مار کر ولایت سلب کر لی۔

(۱۰۱۵) ایک صاحب نے پوچھا کہ شیخ جو القائے نسبت کرتا ہے اسکے کیا معنی؟ فرمایا کہ اسکی توجہ اور شفقت میں یہ برکت ہوتی ہے کہ اللہ تعالےٰ نسبت القا فرما دیتے ہیں جیسے استاد توجہ اور شفقت کے ساتھ پڑھاوے تو شاگرد کے قلب میں اللہ تعالےٰ مضامین القا فرما دیتے ہیں، پس القا استاد یا شیخ کا فعل نہیں یہی سبب ہے کہ اس قسم کے اجارہ کو فقہار نے ناجائز کہا ہے کہ مثلاً میرے لڑکے کو حساب کا ماہر کردو، ہاں یہ جائز ہے کہ تم بتلادو ماہر کردینا کسی کے اختیار میں نہیں اور بتلادینا اختیار میں ہے۔ پھر ان صاحب نے عرض کیا کہ یہ جو مشہور ہے کہ مشائخ بیعت کے وقت القائے نسبت کرتے ہیں اسکا یہی مطلب ہے فرمایا کہ بیعت کے وقت اجمالاً القائے نسبت ہو جاتا ہے یعنی مناسبت مجملہ حق تعالےٰ کے ساتھ پیدا ہو جاتی ہے

اہل اللہ کے ساتھ تعلق ہوگیا تو گویا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق ہوگیا بیعت سے گویا ایک خصوصیت ہوگئی اللہ کے ساتھ۔

(۱۰۱۶) ایک صاحب نے شکایت فرمائی کہ مجھے ہر روز احتلام ہو جاتا ہے اسکی کوئی تدبیر ارشاد فرمائی جائے۔ حضرت نے فرمایا کہ بزرگوں سے منقول ہے کہ سورۂ نوح پڑھکر سونا نافع ہے۔

(۱۰۱۷) ایک پختہ عمر کے دیہاتی طالب علم نے محض دعا کرانے کے لئے سفر کیا انھوں نے شکایت کی کہ میں کلام مجید بھول جاتا ہوں حضرت نے فرمایا کہ یا علیم (۱۵۰ بار) بعد نماز فجر پڑھ کر قلب پر دم کرلیا کرو۔ پھر فرمایا کہ اسکے لئے سفر کی کیا ضرورت تھی فقط لکھدیتے میں دعا کردیتا بس اتنی ہی بات کے لئے اتنا وقت بھی صرف ہوا اور اتنا خرچ بھی پڑا، خط سے بھی دعا ہوسکتی تھی، پھر فرمایا تم کوئی سورت سنا سکتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ بہت دن ہوگئے یاد کرتے لیکن کوئی سورۃ میں نہیں سنا سکتا۔ حضرت نے فرمایا کہ تمھیں کس نے حفظ شروع کرایا اگر حافظہ اچھا نہو تو حفظ نہیں کرنا چاہئے اگر اتنے دن میں ایک سورت بھی نہیں یاد کرسکے تو تم معذور ہو چھوڑ دو حفظ کرنا۔ کتابیں پڑھو اردو کی مسئلہ مسائل کی کیا ساری عمر یونہی ختم کردو گے؟ فرض نہیں ہے حفظ کرنا ہاں اگر یاد کرلیا ہو تو محفوظ رکھنا فرض ہے اور اگر حفظ نہوا ہو تو حفظ کرنا فرض نہیں جب یاد ہی نہیں ہوتا چھوڑ دو دیکھکر پڑھ لیا کرو پھر شاید دیکھتے دیکھتے یاد بھی ہوجاوے۔ مسائل کی کتابیں پڑھنا شروع کردو آخر وہ بھی تو فرض ہیں پھر کیا انھیں بڑھاپے میں پڑھوگے خدا نے یہ حکم نہیں دیا کہ مصیبت میں پڑو۔

(۱۰۱۷) فرمایا زیادہ مقرب بننے سے لوگوں کو حسد پیدا ہونے لگتا ہے میرے یہاں کوئی مقرب نہیں۔ یہ میں نہیں کہتا کہ مجھے کسی سے خصوصیت نہیں جس سے ہے ہے۔ لیکن دل میں ہے معاملات میں سب کے ساتھ یکساں ہوں۔ کوئی ناز نہ کرے کسی بات کا کوئی مقرب نہ بنے۔ ہر شخص کو براہ راست۔۔۔

چاہیئے رکھنا معاملہ مجھ سے، میرے یہاں سفیروں کے واسطہ کا قصہ نہیں اس میں بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں

(۱۰۱۹) ایک صاحب نے اس حدیث پر کچھ اشکال کیا لَنْ یُّشَادَّ الدِّیْنَ اَحَدٌ اِلَّا غَلَبَہٗ (دین میں ہرگز کوئی شدت پسندی اختیار نہیں کریگا مگر (آخرکار) وہ مغلوب اور عاجز ہو جائے گا) حضرت نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر امر میں فضیلت اور عزیمت پر عمل کرتا ممکن نہیں جب کوئی اس کی کوشش کرے ہمیشہ مغلوب رہے گا۔ خلاصہ یہ کہ زیادہ کاوش اور مبالغہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے گویا پریشانی سے بچایا ہے کیونکہ لوگ احاطہ کی کوشش کرتے اور احاطہ ممکن نہ تھا تو یہ پریشانی ہوتی کہ ہم فضیلت سے رہ گئے، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا کہ رہ گئے بلا سے رہ گئے اور راز اس میں یہ ہے کہ یہ فضیلت ہی نہیں ہے یعنی جو ممکن الحصول نہ ہو اس میں فضیلت کہاں؟ پھر حضرت والا نے فرمایا کہ قرآن و حدیث تو تصوف کے بعد پڑھے تب لطف ہے بلکہ بوستاں بھی بعد تصوف پڑھے۔

(۱۰۲۰) ایک نو وارد صاحب کو حضرت نے چھ تسبیح لا الٰہ الا اللہ کی بعد تہجد تعلیم فرمائیں اور یہ بھی فرمادیا کہ اگر پچھلی رات اٹھنا دشوار ہو تو بعد عشاء قبل وتر تہجد کی نیت سے کچھ رکعتیں پڑھ لینا کافی ہے تعداد رکعتوں کی زیادہ آٹھ ہونی چاہئے باقی کبھی شوق ہو تو بارہ تک کبھی کسل ہو تو چار رکعت تک

(۱۰۲۱) ذہن کی درستگی کے لئے فرمایا کہ بعد ہر نماز کے یاعلیم اکیس بار پڑھا کریں

(۱۰۲۲) فرمایا کہ حق العباد جبکہ صاحب ورثہ کے حق سے معاف کرالے معاف ہو جائے گا۔ اور اگر بامید کسی چیز کے ملنے کے صاحب حق نے معاف کیا تھا اور یہ امید اس مدیون نے دلائی تھی اور وہ چیز پھر اس کو نہ دے تو

معاف نہ ہوگا۔

(۱۰۲۳) ایک صاحب سے فرمایا کہ آنکھوں کو نیچے رکھو اور اس گناہ کے کفارہ کے لئے پچاس نفلیں روزانہ پڑھا کرو اور مجھکو برابر حالات سے اطلاع دیتے رہا کرو۔

(۱۰۲۴) ایف اے کے امتحان کی کامیابی کے لیے ایک صاحب نے کوئی وظیفہ یا تعویذ مانگا تھا تحریر فرمایا کہ روزانہ یا علیم (۱۵۰) بار بعد نماز فجر پڑھ لیا کرو اور امتحان کے روز اسکی کثرت رکھو۔

(۱۰۲۵) بواسیر کی شکایت پر تحریر فرمایا کہ بعد نماز فجر ۱۴ بار الحمد شریف پانی پر دم کر کے پیا کیجئے۔

(۱۰۲۶) تقدیر کے بارے میں بس مجملاً اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ توفیق نیکیوں کی اللہ تعالیٰ دیتا ہے اور جس طرح توفیق دی ہے اسی طرح بندہ کو اختیار بھی دیا ہے اور ایسا ہی اختیار انسان کو بدی کرنے کا بھی ہے۔ پتھر کی طرح مجبور نہیں ہے۔

(۱۰۲۷) فرمایا کہ اصلی حالت عقائد اختیاریہ کی صحت اور اعمال ضروریہ کی پابندی اور معاصی سے اجتناب اور دنیا سے محبت نہ ہونا ہے جسے یہ میسر ہے وہ عند اللہ مقبول ہے۔

(۱۰۲۸) ایک صاحب نے لکھا کہ معمولات علی التواتر حسب دلخواہ پورے طور پر وقت پر ادا نہیں ہوتے سخت پریشانی اور ندامت ہوتی ہے۔ جواب میں تحریر فرمایا کہ یہ پریشانی اور ندامت بھی نفع میں معمولات سے کم نہیں

(۱۰۲۹) فرمایا کہ قساوت یہ ہے گناہ سے نفرت نہ ہو اور طاعت سے رغبت نہ ہو

(۱۰۳۰) فرمایا کہ حفظ صحت کی مصلحت کسی مستحب کی تحصیل سے مقدم ہے مثلاً صبح کو ہوا خوری کے لیے جنگل کی طرف جانا مسجد میں اشراق

نماز کے لئے تا طلوع آفتاب بیٹھے رہنے سے افضل ہے۔

(۱۰۳۱) ایک صاحب نے بالکل پھیکی سیاہی سے خط لکھا مشکل سے پڑھا جاتا تھا پتہ بھی ایسا ہی لکھا تھا۔ حضرت نے واپس بھیجدیا کہ پڑھا نہیں جاتا۔ پتہ کے حصہ کو خط پھاڑ کر لفافہ پر چسپاں کر دیا۔ گو نہایت غور سے اگر پڑھا جاتا تو پڑھا جا سکتا تھا لیکن فرمایا ہم کیوں زحمت برداشت کریں جس کو دوسرے سے کام لینا ہو اسکو چاہئے کہ جہاں تک ہو سکے دوسرے کو سہولت دے۔

(۱۰۳۲) فرمایا کہ طالب کو کسی کی ناراضی کی کیا پرواہ۔ اپنی طرف سے کسی کو دشمن نہ بنانا چاہئے اس پر بھی اگر کوئی ناراض ہو ہوا کرے حق تعالیٰ مددگار ہے اس پر نظر رکھنا چاہئے اور اسکو راضی رکھنا چاہئے بلکہ بعض اوقات تو خلق کی ناراضی سبب ہو جاتی ہے بہت سے آفات سے بچنے کا۔

(۱۰۳۳) ایک صاحب نے لکھا کہ پولیس میں ایک جگہ خالی ہے مل جاوے تو ساری پریشانیاں دفع ہو کر تنگدستی بھی دور ہو جائے مگر ایک شاہ صاحب جو یہاں ہیں قبل اس جگہ کے خالی ہونے ہی کے جواب دیدیا تھا کہ تمہاری قسمت میں نہیں ہے اس لئے مجبوری ہے۔ حضور میں باادب دعا کا ملتجی ہوں۔ اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ دل وجان سے دعائے کامیابی کرتا ہوں۔ قسمت کی یقینی خبر بجز نبی کے کسی کو نہیں ہو سکتی، اور کشف وغیرہ خود مشکوک ہے اسکی بنار پر کسی مسلمان کو دل شکستہ کرنا دیانت سے بہت بعید ہے آپ کوشش کریں اللہ تعالیٰ پر نظر رکھیں اور بعد عشار یا لطیف گیا سو بار پڑھیں پھر اول وآخر درود شریف گیارہ بار پڑھکر دعار کریں جو بہتر ہوگا وہ ہو کر رہیگا۔

(۱۰۳۴) ایک صاحب نے لکھا کہ گناہ کبیرہ کے بعد دل کو گھبراہٹ ہو جاتی ہے کئی کئی روز تک طبیعت گھبراتی ہے اور خوب گڑگڑا کے استغفار کرنے سے دل پر شرمندگی چھا جاتی ہے اسکے لئے کیا کروں؟ فرمایا یہ شرمندگی وخوف

فی نفسہ بہت اچھی چیز ہے اور یہ بھی ایک قسم کی توبہ ہے مگر کمال توبہ کا یہ ہے کہ زبان سے بھی تضرع کے ساتھ ہو۔ پس اس رکاوٹ کا مقابلہ تکلف وہمت سے کیا جاوئے اور خواہ کتنی ہی تکلیف ہو مگر رکاوٹ پر عمل نہ کیا جاوے۔

(۱۰۳۵) ایک صاحب نے جن کو نشست وبرخاست کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر مواخذہ کرکے واپس کر دیا گیا تھا ایک خط لکھا جس میں اپنی نہایت اچھی حالت کا اظہار کیا تھا۔ حضرت نے فرمایا کہ دیکھئے میری خشونت بیکار نہیں ہوتی ان کو بہت نفع ہوا، خشونت علاج ہوتی ہے بہت سے امراض کا۔ کھوٹی چاندی کو جب تک آنچ نہ دی جائے اسکا میل زائل نہیں ہوتا اگر وہ چاندی کہے کہ ہائے میں جل بھجے سرد پانی میں ڈال دو اور وہ پانی میں ڈال بھی دی گئی تو کیا ہوگا وہی ٹھوس کی ٹھوس رہیگی، حضرت نے جواب میں لکھا کہ "حالات پڑھکر مسرت بے اندازہ ہوئی شکر الہٰی بجالایا اور دعائے ترقی کی مناسب ہے کہ گاہ گاہ خط وکتابت رکھئے اور کچھ نہیں ایک دعا ہی مل جاتی ہے۔

(۱۰۳۶) ایک صاحب نے کہا کہ یہاں کارخانہ میں صاحب لوگوں کی چوری سے ہم لوگ نماز ادا کرتے ہیں تو نماز ہوجاتی ہے یا نہیں؟ تحریر فرمایا کہ ہوجاتی ہے نماز کا وقت شرعاً اجارہ سے مستثنیٰ ہے مگر لمبے چوڑے وظیفے پڑھکر کام میں حرج نہ کریں اور اگر تم کام ٹھیکہ پر کرتے ہو تو کوئی شبہہ ہی نہیں۔

(۱۰۳۷) ایک صاحب نے جو سلسلہ میں داخل ہونے کے لئے سفر کرنا چاہتے تھے اور رشوت میں بھی مبتلا تھے انھوں نے ذکر وشغل کا بھی شوق ظاہر کیا تھا اس پر حضرت والا نے تحریر فرمایا کہ جب رشوت بالکل چھوٹ جاوے اسوقت طریقہ ذکر وشغل کا پوچھئے اور آپ کے خط میں سے ٹکٹ نہیں ملا اگر آپ نے بھیجا تھا اور میری غفلت سے کھلنے میں ضائع ہوا تب تو میرے ذمہ تھا میں نے چپاں کر دیا اور اگر آپ نے نہیں بھیجا تو ابکی بار کوئی خط آوے تو ٹکٹ بھیجدیجئے مگر تنہا ٹکٹ بھیجنے کے لئے خط نہ بھیجئے۔

طہارت ظاہری و باطنی

اور اس غلو فی الخوف کی ساتھ ایک اور سبب بھی تعطل کا یاد آگیا یعنی جیسے ان لوگوں کو یاس معطل کر دیتی ہے اسی طرح بعض لوگ غلبہ وہم کی وجہ سے معطل ہو جاتے ہیں، چنانچہ بعض لوگ بیماری اور مرض کی حالت میں نماز چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ احتلام کی وجہ سے ناپاک ہیں۔ اور ان کے زعم میں تیمم سے انکی طہارت ہوگی نہیں کیونکہ بدون غسل کے صرف تیمم سے طہارت میں شک رہتا ہے، پھر تیمم بھی کرنا چاہتے ہیں تو مٹی میں شک ہوتا ہے کہ پاک ہے یا ناپاک ہے، حالانکہ بعض اعتبار سے پانی سے تیمم بڑھا ہوا ہے کیونکہ پانی سے اولاً ظاہر پاک ہوتا ہے اور ثانیاً باطن بھی پاک و صاف ہو جاتا ہے کیونکہ وضو سے خطائیں بھی جاتی رہتی ہیں، ہر ہر عضو سے گناہ نکل جاتے اور تیمم ہیں اولاً بالذات ہی باطن پاک ہوتا ہے اور ثانیاً اعضاء ظاہری سے بھی نجاست حکمیہ دور ہو جاتی ہے کیونکہ مٹی کے استعمال سے اپنی خاکساری مستحضر ہو جاتی ہے فنا کا منظر سامنے آجاتا ہے کہ ایک دن ہم مٹی میں مل جائیں گے پس تیمم میں بالذات باطن کی طہارت ہے اور پانی میں بالذات ظاہر کی طہارت ہے اور باطن ظاہر سے بڑھا ہوا ہے۔ پس تیمم کی طہارت پر شک کرنا اول نمبر کی نادانی ہے۔ تمام تر وجہ یہ ہے کہ مسائل شرعیہ تو معلوم ہیں نہیں اپنی عقل و اجتہاد سے کام لیتے ہیں اور جو احکام جانتے ہیں وہ ذرہ برابر بھی اپنی رائے سے حس و حرکت نہیں کرتے کچھ بھی چون و چرا نہیں کرتے حدیث میں تصریح ہے کہ جو شخص قیام پر قادر نہ ہو بیٹھ کر فریضہ صلوٰۃ کو ادا کرے جو قعود پر قادر نہ ہو اضطجاع[1] میں نماز ادا کرے یہ بھی نہ ہو سکے اشارے سے ادا کرے غرض اسی حالت میں نماز پڑھ لے جب خدا کا حکم ہے کہ ایسی حالت میں نماز ادا کرو اور ہم اس کے بندے ہیں پھر شکوک پیدا کرنا اور اور بے فائدہ شبہات و خلجانات میں پڑنا کیا معنی اسکا سبب حماقت کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ بعض لوگ انھیں بے بنیاد وہموں کی وجہ سے نماز وغیرہ چھوڑ دیتے ہیں یہی آثار و ثمرات ہیں تجاوز عن الحد کے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اپنے

[1] لیٹ کر۔

نفس سے سوء ظن نہ رکھو، اپنے کو بزرگ سمجھو، نہیں، سوء ظن ضرور رکھو مگر اسکی بھی حد ہے اتنی بدگمانی نہونا چاہئے جو کفران تک موَدّی ہو جائے۔ خوف وخشیت بھی ایک صفت محمودہ ہے مگر اسی شرط سے کہ وہ اپنی حد میں رہے جیسے تفریط مفسد ہے اسی طرح افراط بھی موجب فاسد ہے، جو خوف اپنی حد شرعی سے زیادہ ہوگا وہ واجب الاحتراز اور منہی عنہ ہوگا اسکی مذمت میں کچھ شبہ نہیں وہ بیشک قابل الترک ہے۔ خوف محمود کے درجہ کی تعیین جناب فخر کائنات باعث موجودات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرما دی ہے چنانچہ ایک دعا میں فرماتے ہیں اَسْئَلُکَ مِنْ خَشْیَتِکَ مَا تَحُوْلُ بِہٖ بَیْنَنَا وَبَیْنَ مَعَاصِیْکَ "یعنی اے اللہ میں آپ سے اتنا خوف طلب کرتا ہوں جو مجھے معاصی سے روک دے" اس قید سے صاف صاف معلوم ہوا کہ خوف اسی درجہ تک مطلوب ہے جو ارتکاب معاصی سے مانع ہو اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خوف کا ہر درجہ مقصود بالذات نہیں بلکہ خشیت مقصودہ صرف وہ ہے جس سے ترک آثام وذنوب پر قادر ہو۔ اپنے دامن عصمت وعفت کو صغائر وکبائر سے آلودہ نہ ہونے دے و نفس کو معصیت سے محفوظ رکھے، اور وہ خوف مقصود نہیں جو یاس پیدا کردے جس کا اثر بجز تعطل کے کچھ نہیں بلکہ اس خوف کا ثمرہ کبھی کفر ہو جاتا ہے کیونکہ اس سے اولاً یاس پیدا ہوتی ہے پھر اعمال وطاعات کے فضول ہونے کا خیال ہوتا ہے اور یاس خود کفر ہے حق تعالےٰ کا ارشاد ہے اِنَّہٗ لَا یَیْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰہِ اِلَّا الْقَوْمُ الْکَافِرُوْنَ نص صریح ہے کہ یاس کفر ہے۔ یاس کے آثار کا ایک واقعہ یاد آگیا۔ ایک شخص میرے ہم نام کانپور میں وکالت کیا کرتے تھے فارغ اوقات میں احیاء العلوم بھی دیکھا کرتے تھے ایک مرتبہ کتاب الخوف کو دیکھا تو ان پر تعطل کے آثار ظاہر ہونے لگے حضرت امامؒ نے سوء خاتمہ کے متعلق ذرا تیز مضمون لکھا ہے نیز حضرت امامؒ جس مضمون کو بیان کرتے ہیں زوردار الفاظ میں بیان کرتے ہیں اسی لئے اس کتاب کا مطالعہ عوام کا کام نہیں محققین کا کام ہے۔ غرض وہ میرے پاس کتاب لائے

اور کہا کہ بس اس حالت میں صوم وصلوٰۃ سے کیا فائدہ ؟ اور وہ عبارت نکال کر پڑھنا شروع کی مگر خوف کی وجہ سے ان کے منہ سے الفاظ تک نہیں نکلتے تھے بالکل حواس باختہ ہورہے تھے، غرض میں نے اس مضمون کی سہل اور نرم الفاظ میں تقریر کی سنکر بہت خوش ہوئے اور ایک گونہ تسلی ہوئی فرمانے لگے کہ اس مضمون کو تحریر فرما دیجئے تاکہ اسکو مکرر سہ کرر دیکھوں اور جو شبہ پیدا ہوا اس سے رفع کروں چنانچہ میں نے مختصرًا لکھ کبھی دیا تھا اور وہ تقریر خاتمہ بالخیر کے نام سے طبع بھی ہوچکی ہے اسی مناسبت سے اسکا نام خاتمہ بالخیر رکھا ہے۔

شیطان کی چالیں

خلاصہ یہ کہ آجکل ہمارے اندر دو غلطیاں ہیں ایک غلطی کا منشا، تو حسن ظن میں غلو ہے اور دوسری غلطی سوء ظن کے غلو سے پیدا ہوتی ہے۔ اول غلطی اکثر عوام کو پیش آتی ہے اس مرض میں اکثر ہی مبتلا ہوتے ہیں اور دوسری غلطی یعنی سوء ظن میں غلو یہ اکثر خواص اتقیا ر کو پیش آتی ہے اور یہ غلطی اول غلطی سے بھی بدرجہا دشوار و سخت ہے۔ ایسی اکثر خوف رجا پر مستولی ہو جاتا ہے پھر اسکے شبہات کا رفع ہونا ایک مشکل اور مہتم بالشان کام ہو جاتا ہے اس مرض کا مریض اپنی استغنار کو تکبر سمجھتا ہے اپنی تواضع کو تذلل سمجھتا ہے اپنے جود وکرم کو اسراف خیال کرتا ہے اپنی ہر حمیدہ کو ذمیمہ پر محمول کرتا ہے یہ سب قصے شیطان ملعون کی وجہ سے ہوتا ہے یہ کمبخت اپنے حملہ سے کہیں باز نہیں آتا، اپنی چال سے کہیں نہیں رکتا ہر شخص کو اسکے رنگ میں مارتا ہے خواص کو خواص کے رنگ میں مارتا ہے عوام کو عوام کے رنگ میں فریب دیتا ہے، اہل اتقا کو صورت اتقا میں اپنے مکر سے زیر کرتا ہے اور فساق کو صورت فسق میں مغلوب کرتا ہے اور گو محققین اہل اللہ پر اسکا مکر نہیں چل سکتا وہ اسکی رگ رلیشہ سے واقف ہوتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے اِنَّہٗ لَیْسَ لَہٗ سُلْطَانٌ عَلَی الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَلٰی رَبِّہِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ "یقینًا اسکا قابو ان لوگوں پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں"

لیکن پھر بھی اپنی کرنی سے نہیں چوکتا خواہ اثر ہو یا نہو یہ کمبخت یہی چاہتا ہے کہ میرے دام فریب سے کوئی فرد بشر نہ نکلے، ہر شخص میرے مکر کا شکار ہو جائے سہ

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں   تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

وار ہر شخص پر کرتا ہے لیکن معصومین و محفوظین حق تعالیٰ کے افضال و انعامات کی وجہ سے محفوظ رہتے ہیں اور اسکے دام تزویر میں نہیں پھنستے اور یہ خود بھی جانتا ہے قطعًا اسکو معلوم ہے کہ معصومین و محفوظین پر میرے اغوا اور اضلال کا کچھ اثر نہیں ہوتا چنانچہ اس نے خود ہی کہا تھا لَاُغْوِیَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْھُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ۔ اے رب العٰلمین تیرے سب بندوں کو بہکاؤں گا اور راہ حق سے دور کروں گا بجز انکے جو مخلص ہیں جن پر تیرے خاص خاص انعامات ہیں یعنی انکو گمراہ نہ کر سکوں گا۔ پس یہ استثناء اثر کے اعتبار سے ہے یعنی شیطان علیہ اللعنۃ کے اغوا و اضلال کا اثر عباد مخلصین پر نہیں ہو سکتا، یہ مطلب نہیں کہ یہ انکے بہکانے کی کوشش بھی نہیں کرتا کوشش تو ان پر بھی کرتا ہے مگر ان پر بس نہیں چلتا چنانچہ یہی مطلب ہے حق تعالیٰ کے اس ارشاد کا اِنَّہٗ لَیْسَ لَہٗ سُلْطَانٌ عَلَی الَّذِیْنَ الخ کہ اس میں حق تعالیٰ نے کاملین پر شیطان کے غلبہ کی نفی کی ہے ارادۂ اضلال و سعی کی نفی نہیں کی ارادہ انکے گمراہ کرنے کا بھی کرتا ہے مگر اپنا سا منہ لیکر رہ جاتا ہے اسلئے اس نے اپنی عزت قائم رکھنے کے لئے پہلے ہی سے استثناء کر دیا تھا کہ تیرے عباد مخلصین کو نہ بہکاؤں گا اور اسکا یہ کہنا کہ عباد مخلصین کو نہ بہکاؤنگا یہ بھی ایک قسم کی شیخی ہے گویا ان پر احسان کر کے اسنے چھوڑ دیا ہے، یہ کمبخت احسان کر کے کس کو چھوڑنے والا تھا وہ خود اسکے بہکانے میں نہیں آتے یہ کیا نہ بہکاتا بلکہ انکو بہکا ہی نہیں سکتا یعنی اسکے بہکانے کا ان پر اثر ہی نہیں ہوتا اور یہی اسکی مراد بھی تھی، ورنہ یہ کمبخت اپنے حملوں سے کہیں باز نہیں رہتا باوجودیکہ انبیاء کی عصمت جانتا ہے مگر اپنی چالوں سے وہاں بھی نہیں چوکا گو ناکام رہا مگر ہمت کو ہاتھ سے جانے نہ دیا مگر خدا تعالیٰ کی حفاظت ہے کہ اہل اللہ کاملین

اسکے قابو میں نہیں آتے البتہ ہم جیسوں پر پوری امید باندھکر حملہ کی ہمت کرتا ہے
مثل مشہور ہے کہ ایک شخص کا ہمزاد اسکے تابع تھا ایک دن وہ جا رہا تھا سامنے
سے ایک قصائی جو اسکا دشمن تھا ملا اس نے ہمزاد سے کہا کہ اس کو مار ڈال
ہمزاد نے کہا کہ اس کے پاس تو چھریاں ہیں ہاں یہ بنیا جو مرمروں کا تھیلہ لئے جارہا
ہے کہو تو اسکی گردن مروڑ دوں؟ اس نے کہا کہ یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں اصل کام
تو چھریوں والے کا ہے اسی طرح یہ شیطان بھی بنیوں سے یعنی عوام سے نہیں ڈرتا
چھریوں والے یعنی خواص اہل اللہ سے ڈرتا ہے مگر باوجود ڈرنے کے انکے
اغوا اور اضلال کی کوشش میں بھی مصروف رہتا ہے۔ اس میں شک نہیں
کہ ہے بڑا بلند ہمت باوجودیکہ یقیناً وقطعاً جانتا ہے کہ انبیاء کی عصمت میں
اولیاء کی حفاظت میں میرے اغوا کا برائے نام بھی اثر نہیں ہو سکتا مگر ہمت سے
پھر بھی باز نہیں آتا قصد کرتا ہے گو منہ کی کھاتا ہے مگر اپنے عزائم پر جما ہوا ہے
اور اسکی یہ ہمت گو اپنے متعلق کے اعتبار سے بری اور واجب الترک ہے لیکن
اگر نفس عزم وہمت کو دیکھا جائے تو اس قابل ہے کہ اس سے سبق لیا جائے
اور مصرف کو بدل کر اس سے کام لیا جائے مگر اس نے اس ہمت کو برے کام پر
خرچ کیا ہے تم نیک کام میں خرچ کرو۔ یہ قصہ مشہور ہے کہ حضرت جنیدؒ نے ایک
شخص کو سولی پر چڑھا ہوا دیکھا دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے اور کیا قصہ ہے؟ لوگوں
نے کہا کہ یہ ایک بڑا نامی گرامی چور ہے اول مرتبہ گرفتار ہوا تو اسکا ہاتھ کاٹا گیا
پھر باز نہیں آیا دوبارہ گرفتار ہوا تو پیر کاٹا گیا پھر بھی چوری کرتا رہا غرض دست وپا
کٹنے کے بعد بھی چوری سے باز نہ آیا تو اسکو سولی دینے کا حکم ہوا اور دار پر
لٹکا دیا گیا کہ اور لوگ خوف کریں اور اس سے عبرت حاصل کریں۔ حضرت جنیدؒ
نے آگے بڑھکر اسکے قدم چوم لئے لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ کیا کیا' یہ فاسق بدکار
اس قابل ہے کہ آپ اسکے پیر چومیں فرمایا کہ میں اسکے فسق کے پیر نہیں چومتا ہوں
بلکہ اسکی ہمت واستقلال کے پیر چومتا ہوں۔ جو استقلال اسکو عصیاں ونافرمانی

ہیں تھا افسوس ہمکو طاعات میں بھی وہ استقلال نصیب نہیں اگر حق تعالے ہمکو طاعات و عبادات میں یہ استقلال عطا فرما دیں تو ہمارا یہ حال ہو جاوے ؎

دست از طلب ندارم تا کام من برآید　　　یا تن رسد بجاناں یا جاں ز تن برآید

(طلب سے دست بردار نہ ہوں گا یہاں تک کہ میرا مقصد پورا ہو جائے، یا میں محبوب تک پہونچ جاؤں یا تن سے میری جان ہی چلی جائے)

عبرت کا حصول اہل اللہ حکیم ہوتے ہیں جو شئے اچھی دیکھتے ہیں اسے اختیار کر لیتے ہیں جو بری ہوتی ہے اسے چھوڑ دیتے ہیں اور جو دونوں سے مخلوط ہو اس میں سے اچھی چیز کا انتخاب کر لیتے ہیں بُری سے اجتناب کرتے ہیں خُذْ مَا صَفَا وَدَعْ مَا كَدِرَ "جو صاف اور عمدہ ہو اسے لے لو اور جو گدلا اور خراب ہو اسے چھوڑ دو" پر ان کا پورا پورا عمل ہوتا ہے۔ غرض بمصداق كَلِمَةُ الْحِكْمَةِ ضَالَّةُ الْمُؤْمِنِ "دانائی کی بات مومن کی گم شدہ چیز ہے" اچھی اچھی چیزوں کو خواہ کہیں بھی ہوں حاصل کر لیتے ہیں ؎

نگوید از سر بازیچہ حرفے　　　کزاں پندے نگیرد صاحب ہوش

(کھیل کے طور سے بھی لوگ کوئی بات نہیں کہتے مگر یہ کہ ہوشمند آدمی اس سے نصیحت حاصل کر لیتا ہے)

کتب ادب میں لکھا ہے کہ ایک حکیم نے دعویٰ کیا کہ میں نے ہر چیز سے کوئی نہ کوئی اچھی چیز اخذ کی ہے، لوگوں نے پوچھا کتے سے آپ نے کیا چیز اخذ کی ہے! کہا اپنے محسن کا احسان بہت مانتا ہے، پوچھا گیا بلی سے کیا اخذ کیا؟ کہا شکار کے لئے داؤ خوب لگاتی ہے۔ اور یہ طبع سلیم اور عقل کامل کا کام ہے کہ حیوانات سے بھی سبق لے لے۔

کسی اور بزرگ سے دریافت کیا گیا کہ یزید کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ فرمایا شاعر اچھا تھا۔ اہل اللہ کی نظر برائی پر جاتی ہی نہیں انکے پیش نظر ہمیشہ محاسن ہوتے ہیں کسی کے معایب کا خیال بھی نہیں آتا اور بات یہ ہے کہ

شخص کو کام کرنا ہوتا ہے وہ ہمیشہ محاسن پر نظر رکھتا ہے، مساوی[1] اور معایب[2]
ں نظر نہیں جاتی البتہ جس شخص کو کام نہ کرنا ہو وہ بیشک برائیوں کو جانچے گا
ئ پر نظر ڈالے گا۔ پس ہر شخص کو لازم ہے کہ ہر امر سے عبرت حاصل کرے
ت سے نصیحت نکالے۔ ایک شخص نے خوب کہا ہے کہ جب برا آدمی تمہاری
حت و وعظ اپنی برائی سے باز نہیں آتا تو تم اپنی بھلائی کو کیوں چھوڑو یعنی
ب فاسق کو برائی پر اس قدر اصرار ہے تو تم کو نیکی پر اس سے زیادہ اصرار کیوں نہ ہو،
ا اپنی ہٹ سے برائی کو نہیں چھوڑ سکتا تو تم بھلائی کس طرح ترک کرتے ہو،
شیطان کی محبت کو نہیں چھوڑتا تم رحمٰن کی محبت کو کس طرح چھوڑتے ہو،
ن یہ کہ شیطان کمبخت رہزنی ضرور کرتا ہے اور اہمیں اسکی ہمت قابلِ داد ہے
ن حق تعالےٰ اپنے خاص بندوں کو اسکے داؤ سے محفوظ رکھتا ہے مگر پھر بھی
رہزنی سے باز نہیں آتا البتہ رہزنی مختلف طرق سے ہوتی ہے۔ خواص کی نظر
ں اخلاق حمیدہ کو اخلاق ذمیمہ کرکے دکھاتا ہے جسکا سبب غلو فی الخشیۃ ہے

نظر و فکر کی ضرورت

جن خواص پر خشیت کا حال حد سے زیادہ غالب ہوجاتا ہے بعض اوقات اخلاق حمیدہ ان پر ملتبس ہوجاتے
انکو اخلاق ذمیمہ سمجھنے لگتے ہیں اور فی الواقع اس میں شک نہیں کہ اخلاق
یدہ و اخلاق ذمیمہ میں التباس سے محفوظ رہنا ہے بھی بہت مشکل کیونکہ
بعض دفعہ دونوں کی صورت یکساں ہوتی ہے یہ دونوں بحر زخار ناپیدا کنار ہیں کہ انسان کے
فس کے اندر جاری ہیں اور ملے جلے چل رہے ہیں ظاہر میں دونوں ملے ہوئے
علوم ہوتے ہیں مگر حقیقت میں دونوں کے درمیان ایک قوی فاصل ہے
و اختلاط حقیقی سے مانع ہے۔ اس فاصل کو کاملین ادراک کرتے ہیں چنانچہ مولانا
رماتے ہیں ؎

بحر تلخ و بحر شیریں ہمعناں　　　درمیاں شان برزخ لایبغیاں

دریا شور و شیریں دونوں ساتھ ساتھ بہہ رہے ہیں ان دونوں کے درمیان ایک آڑ ہے کہ اسکی

---

[1] برائیاں [2] عیوب

وجہ سے دونوں اپنے اپنے موقع سے بڑھ نہیں سکتے)

اس شعر میں اشارہ ہے آیت مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيَانِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ ○ اسی نے دو دریاؤں کو ملایا کہ باہم ملے ہوئے ہیں، ان دونوں کے درمیان میں ایک حجاب ہے کہ دونوں بڑھ نہیں سکتے" کی طرف بحر تلخ سے مراد اخلاق رذیلہ ہیں اور بحر شیریں سے مراد اخلاق حمیدہ، مطلب یہ کہ دونوں دریا ساتھ ساتھ انسان کے اندر چل رہے ہیں مگر درمیان میں ایک برزخ اور فاصل بھی ایسا موجود ہے جس سے کسی ایک کی مجال نہیں کہ دوسرے میں خلط ہو جائے اور مولانا مرحوم نے ان اشعار میں آیت کریمہ کی تفسیر نہیں کی تاکہ من قال برأیه الخ کا مصداق ہو جائے بلکہ محض تشبیہ مقصود ہے کہ انسان کے نفس میں بھی اخلاق ذمیمہ اور اخلاق حمیدہ کا اجتماع ایسا ہی ہے جیسے محسوسات میں بحر تلخ و بحر شیریں کا اجتماع ہوا کرتا ہے اور جیسے کہ حسی دریاؤں کے متعلق بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيَانِ میں ارشاد ہے اسی طرح ان معنوی دریاؤں کے درمیان بھی ایک برزخ موجود ہے جو کاملین کو نظر آتا ہے ناقصین کو نظر نہیں آتا انکو دونوں مخلوط نظر آتے ہیں اس خلط سے محفوظ رہنے کیلئے نظر و فکر کی ضرورت ہے اخلاق کی کتابوں میں غور کرنے سے اسکا حال معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ ہم لوگ ناواقف ہیں حتیٰ کہ درس میں بھی کوئی اخلاقی کتاب داخل نہیں اور غیر درسی کتاب کا مطالعہ کرتے نہیں اس لئے غلط میں پھنسے رہتے ہیں۔ اور بعض لوگ جو کتب تصوف کا بعد الفراغۃ یا قبل الفراغ مطالعہ کرتے بھی ہیں ان کے لئے بھی امراض و احوال کا اپنے نفس پر منطبق کرنا مشکل ہوتا ہے یہ انطباق بھی دوسرا ہی کر سکتا ہے۔ اپنے آپ کو اپنے عیوب کم نظر آتے ہیں۔

اس لئے اس امر کی سخت ضرورت ہے کہ اخلاق کتابوں میں سے کوئی کتاب ضرور درس میں داخل کی جائے۔

(جاری)

اپریل فول

مغرب کے بے سوچے سمجھے تقلید کے شوق نے ہمارے معاشرے میں جن رسموں کو رواج دیا انہی میں ایک رسم "اپریل فول" منانے کی رسم بھی ہے۔ اس رسم کے تحت یکم اپریل کی تاریخ میں جھوٹ بول کر کسی کو دھوکہ دینا اور دھوکا دیکر اسے بیوقوف بنانا نہ صرف جائز سمجھا جاتا ہے بلکہ اسے ایک کمال قرار دیا جاتا ہے۔ جو شخص جتنی صفائی اور چابکدستی سے دوسرے کو جتنا بڑا دھوکا دے اتنا ہی اسے قابلِ تعریف اور یکم اپریل کی تاریخ سے صحیح فائدہ اٹھانے والا سمجھا جاتا ہے یہ مذاق جسے دراصل "بدمذاقی" کہنا چاہیئے نہ جانے کتنے افراد کو بلاوجہ جانی اور مالی نقصان پہونچا چکا ہے بلکہ اس کے نتیجے میں بعض اوقات لوگوں کی جانیں چلی گئی ہیں انھیں کسی ایسے صدمے کی جھوٹی خبر سنا دی گئی جسے سننے کی وہ تاب نہ لاسکے اور زندگی ہی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

یہ رسم جس کی بنیاد جھوٹ، دھوکے اور کسی بے گناہ کو بلاوجہ بیوقوف بنانے پر ہے اخلاقی اعتبار سے تو جیسی کچھ ہے ظاہر ہی ہے لیکن اسکا تاریخی پہلو بھی ان لوگوں کے لئے انتہائی شرمناک ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تقدس پر کسی بھی اعتبار سے ایمان رکھتے ہیں۔

اس رسم کی ابتدا، کیسے ہوئی؟ اس بارے میں مورخین کے بیانات مختلف ہیں، بعض مصنفین کا کہنا ہے کہ فرانس میں سترھویں صدی سے پہلے سال کا آغاز جنوری کے بجائے اپریل سے ہوا کرتا تھا اس مہینے کو رومی لوگ اپنی دیوی وِینس (VENUS) کی طرف منسوب کرکے مقدس سمجھا کرتے تھے۔ وِینس کا ترجمہ یونانی زبان میں (Aphrodite) (اَفرُوڈائِٹ) کیا جاتا تھا اور شاید اسی یونانی نام سے موسوم کرکے مہینے کا نام اپریل رکھدیا گیا۔ (برٹانیکا پندرھواں ایڈیشن ص ۲۹۲ ج ۸)

لہٰذا بعض مصنفین کا کہنا یہ ہے کہ چونکہ یکم اپریل سال کی پہلی تاریخ ہوتی تھی اور اس کے ساتھ ایک بت پرستانہ تقدس بھی وابستہ تھا اس لئے اس دن کو لوگ جشن مسرت منایا کرتے تھے اور اسی جشن مسرت کا ایک حصہ ہنسی مذاق بھی تھا جو رفتہ رفتہ ترقی کرکے اپریل فول کی شکل اختیار کرگیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس جشن مسرت کے دن لوگ ایک دوسرے کو تحفے دیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی نے تحفے کے نام پر کوئی مذاق کیا جو بالآخر دوسرے لوگوں میں بھی رواج پکڑ گیا۔

برٹانیکا میں اس رسم کی ایک اور وجہ بیان کی گئی ہے کہ ۲۱ر مارچ سے موسم میں تبدیلیاں آنا شروع ہوتی ہیں ان تبدیلیوں کو بعض لوگوں نے اس طرح تعبیر کیا کہ (معاذ اللہ) قدرت ہمارے ساتھ مذاق کرکے ہمیں بے وقوف بنا رہی ہے لہٰذا لوگوں نے بھی اس زمانے میں ایک دوسرے کو بیوقوف بنانا شروع کردیا۔ (برٹانیکا ص ۴۹۶ ج ۱) یہ بات اب بھی مبہم ہی ہے کہ قدرت کے اس نام نہاد "مذاق" کے نتیجے میں یہ رسم چلانے سے قدرت کی پیروی مقصود تھی یا اس سے انتقام لینا منظور تھا۔

ایک تیسری وجہ انیسویں صدی عیسوی کی معروف انسائیکلو پیڈیا لاروس نے بیان کی ہے اور اسی کو صحیح قرار دیا ہے۔ وہ وجہ یہ ہے کہ دراصل یہودیوں اور عیسائیوں کی بیان کردہ روایات کے مطابق یکم اپریل وہ تاریخ ہے جس میں رومیوں اور یہودیوں کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تمسخر اور استہزاء کا نشانہ بنایا گیا موجودہ نام نہاد انجیلوں میں اس واقعے کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں لوقا کی انجیل کے الفاظ یہ ہیں "اور جو آدمی اسے (یعنی حضرت مسیح علیہ السلام کو) گرفتار کئے ہوئے تھے اسکو ٹھٹھے میں اڑاتے اور مارتے تھے اور اسکی آنکھیں بند کرکے اس کے منہ پر طمانچے مارتے تھے اور اس سے یہ کہکر پوچھتے تھے کہ نبوت (یعنی الہام) سے بتا کہ کس نے تجھکو مارا؟ اور طعنے مار مار کر بہت سی اور باتیں

اسکے خلاف کہیں" (لوقا ۲۲: ۶۳ تا ۶۵)

انجیلوں میں ہی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ پہلے حضرت مسیح علیہ السلام کو یہودی سرداروں اور فقیہوں کی عدالت میں پیش کیا گیا پھر وہ انھیں پیلاطس کی عدالت میں لے گئے کہ انکا فیصلہ وہاں ہوگا پھر پیلاطس نے انھیں ہیروڈیس کی عدالت میں بھیج دیا اور بالآخر ہیروڈیس نے دوبارہ فیصلے کے لئے انکو پیلاطس کی عدالت میں بھیجا۔ لاروس کا کہنا ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو ایک عدالت سے دوسری عدالت میں بھیجنے کا مقصد بھی ان کے ساتھ مذاق کرنا اور انھیں تکلیف پہنچانا تھا اور چونکہ یہ واقعہ یکم اپریل کو پیش آیا تھا اس لئے اپریل فول کی رسم درحقیقت اسی شرمناک واقعے کی یادگار ہے۔

اپریل فول منانے کے نتیجے میں جس شخص کو بیوقوف بنایا جاتا ہے اسے فرانسیسی زبان میں (Poisson d avril) (پوائزن ڈی اپورل) کہا جاتا ہے جس کا انگریزی ترجمہ (Aprilfish) (اپریل فش) ہے، یعنی اپریل کی مچھلی (برٹانیکا ص ۴۹۶ ج ۱) گویا جس کسی کو بیوقوف بنایا گیا ہے وہ پہلی مچھلی ہے جو اپریل کے آغاز میں شکار کی گئی۔ لیکن لاروس نے اپنے مذکورہ بالا موقف کی تائید میں کہا ہے کہ (Poisson) (پوائزن) کا لفظ جسکا ترجمہ "مچھلی" کیا گیا ہے درحقیقت اسی سے ملتے جلتے ایک اور فرانسیسی لفظ (Posion) (پوسی ئن) کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس کے معنی تکلیف پہونچانے" اور "عذاب دینے" کے ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ رسم درحقیقت اس عذاب اور اذیت کی یاد دلانے کے لئے مقرر کی گئی ہے جو عیسائی روایات کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کو پہنچائی گئی تھی۔

ایک اور فرانسیسی مصنف کا کہنا ہے کہ دراصل (Poisson) پوائزن کا لفظ اپنی اصلی شکل ہی پر ہے لیکن یہ لفظ پانچ الفاظ کے ابتدائی حروف کو ملا کر ترتیب دیا گیا ہے جنکے معنی فرانسیسی زبان میں بالترتیب عیسیٰ مسیح، اللہ

بیٹا اور فدیہ ہوتے ہیں (اس تفصیل کے لئے دیکھئے فرید وجدی کی عربی انسائیکلو پیڈیا دائرہ معارف القرآن ص ۲۱/۲۲ ج ۱۲) گویا اس مصنف کے نزدیک بھی اپریل فول کی اصل یہی ہے کہ وہ حضرت مسیح علیہ السلام کا مذاق اڑانے اور انھیں تکلیف پہنچانے کی یادگار ہے۔

اگر یہ بات درست ہے (اور لاروس وغیرہ نے اسے بڑے وثوق کے ساتھ درست قرار دیا ہے اور اسکے شواہد پیش کئے ہیں) تو غالب گمان یہی ہے کہ یہ رسم یہودیوں نے جاری کی ہوگی اور اسکا منشا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تضحیک ہوگی۔ لیکن یہ بات حیرتناک ہے کہ جو رسم یہودیوں نے (معاذ اللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہنسی اڑانے کے لئے جاری کی اسے عیسائیوں نے کس طرح ٹھنڈے پیٹوں نہ صرف قبول کر لیا بلکہ خود بھی اسے منانے اور رواج دینے میں شریک ہو گئے اسکی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ عیسائی صاحبان اس رسم کی اصلیت سے واقف ہی نہ ہوں اور انھوں نے بے سوچے سمجھے اس پر عمل شروع کر دیا ہو۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عیسائیوں کا مزاج و مذاق اس معاملے میں عجیب و غریب ہے جس صلیب پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے خیال میں سولی دی گئی بظاہر قاعدے سے ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ وہ انکی نگاہ میں قابل نفرت ہوتی کہ اس کے ذریعہ حضرت مسیح علیہ السلام کو ایسی اذیت دی گئی لیکن یہ عجیب بات ہے کہ عیسائی حضرات نے اسے مقدس قرار دینا شروع کر دیا اور آج وہ عیسائی مذہب میں تقدس کی سب سے بڑی علامت سمجھی جاتی ہے۔

لہٰذا یہ بھی ممکن ہے کہ عیسائی حضرات نے حضرت مسیح علیہ السلام کے نشانۂ تمسخر بننے کی اس یادگار کو بھی برا نہ سمجھا ہو اور یہ جاننے کے باوجود کہ اپریل فول کس واقعے کی یادگار ہے انھوں نے اپنے معاشرے میں بھی اس رسم کو جاری رکھا ہو، واللہ اعلم بالصواب۔

لیکن مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات ضرور واضح ہوتی ہے کہ خواہ

اپریل فول کی رسم "دینس" نامی دیوی کی طرف منسوب ہو یا اسے (معاذاللہ) قدرت کے مذاق" کا ردعمل کہا جائے یا حضرت مسیح علیہ السلام کے مذاق اڑانے کی یادگار، ہر صورت میں اس رسم کا رشتہ کسی نہ کسی توہم پرستی یا کسی گستاخانہ نظریئے یا واقعے سے جڑا ہوا ہے اور مسلمانوں کے نقطۂ نظر سے یہ رسم مندرجہ ذیل بدترین گناہوں کا مجموعہ ہے

(۱) جھوٹ بولنا۔

(۲) دھوکہ دینا۔

(۳) دوسرے کو اذیت پہنچانا۔

(۴) ایک ایسے واقعے کی یادگار منانا جس کی اصل یا تو بت پرستی ہے یا توہم پرستی یا پھر ایک پیغمبر کے ساتھ گستاخانہ مذاق۔

اب مسلمانوں کو خود فیصلہ کرنا چاہیئے کہ آیا یہ رسم اس لائق ہے کہ اسے مسلمان معاشروں میں اپنا کر فروغ دیا جائے؟

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمارے ماحول میں اپریل فول منانے کا رواج بہت زیادہ نہیں ہے لیکن اب بھی ہر سال کچھ نہ کچھ خبریں سننے میں آہی جاتی ہیں کہ بعض لوگوں نے اپریل فول منایا۔ جو لوگ بے سوچے سمجھے اس رسم میں شریک ہوتے ہیں وہ اگر سنجیدگی سے اس رسم کی حقیقت و اصلیت اور اسکے نتائج پر غور کریں گے تو انشاء اللہ وہ اس سے پرہیز کی اہمیت تک ضرور پہنچ کر رہیں گے۔

ملفوظات حضرت جنید بغدادیؒ

(۱) فرمایا۔ مَنْ ظَنَّ اَنَّہٗ یَصِلُ بِبَذْلِ الْمَجْھُوْدِ فَمُتْعَنٍ وَمَنْ ظَنَّ اَنَّہٗ یَصِلُ بِغَیْرِ بَذْلِ الْمَجْھُوْدِ فَمُتَمَنٍّ۔

جو شخص یہ سمجھتا ہو کہ وہ اپنی کوشش سے اللہ تک پہنچ جائیگا وہ خواہ مخواہ اپنے آپ کو مشقت میں ڈال رہا ہے اور جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ بغیر محنت اور کوشش کے پہنچ جائے گا وہ خوامخواہ آرزوئیں باندھ رہا ہے۔ (ص۲۶۷)

مطلب یہ کہ بے عملی کے ساتھ آرزوئیں لگانا بھی غلط ہے اور محنت و کوشش کرکے اس پر ناز اور اعتماد کرنا بھی غلط۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ کوشش میں لگا رہے اور اللہ تعالیٰ سے اسکے فضل و رحمت کا طلب گار ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم و رحمت ہی سے وصول ہوتا ہے۔

(۲) فرمایا کہ:۔

لَا تَیْأَسْ مِنْ نَفْسِکَ وَأَنْتَ تَشْفَقُ مِنْ ذَنْبِکَ وَتَنْدَمُ عَلَیْہِ بَعْدَ فِعْلِکَ (ص۲۶۷)

جب تک تم اپنے گناہوں سے خائف ہو اور اگر کبھی گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر ندامت محسوس کرتے ہو اس وقت تک اپنے آپ سے مایوس نہ ہو

(۳) آپ کے شیخ حضرت سری سقطیؒ نے آپ سے پوچھا کہ شکر کی حقیقت کیا ہے آپ نے جواب دیا

اَلَّا یُسْتَعَانَ بِشَیْئٍ مِّنْ نِعَمِہٖ عَلٰی مَعَاصِیْہِ

شکر یہ ہے اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت کو اسکی معصیتوں میں میں استعمال نہ کیا جائے۔

(۴) فرمایا کہ :-

اَلْاِنْسَانُ لَا یُعَابُ بِمَا فِیْ طَبْعِہٖ اِنَّمَا یُعَابُ اِذَا فَعَلَ بِمَا فِیْ طَبْعِہٖ (۲۶۹)

جب کوئی بات انسان کی طبیعت (دل) میں رہے اس وقت تک وہ کوئی عیب نہیں، ہاں جب وہ طبیعت کی اس بات پر عمل کرلے تو یہ عیب کی بات ہے۔

یہ بعینہ وہ بات ہے جو حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے مواعظ و ملفوظات میں ملتی ہے کہ جب تک رذائل کے مقتضیٰ پر عمل نہ کیا جائے اس وقت تک وہ رذائل مضر نہیں ہوتے۔

(۵) ایک اور موقع پر ارشاد فرمایا کہ :-

"مجھے دنیا میں پیش آنے والا کوئی واقعہ ناگوار نہیں ہوتا اسلئے کہ میں نے یہ اصول دل میں طے کر رکھا ہے کہ یہ دنیا رنج وغم اور بلاء اور فتنہ کا گھر ہے لہٰذا اسکو تو میرے پاس برائی ہی لیکر آنا چاہئے لہٰذا اگر کبھی وہ پسندیدہ بات لیکر آئے تو یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے ورنہ اصل وہی پہلی بات ہے" (ص۲۷۰)

(۶) ایک مرتبہ آپ سے پوچھا گیا کہ "دنیا" (جس سے پرہیز کی تاکید کیجاتی ہے) کیا ہے؟ فرمایا :-

مَا دَنَا مِنَ الْقَلْبِ وَ شَغَلَ عَنِ اللّٰہِ

جو دل کے قریب آجائے اور اللہ تعالےٰ سے غافل کردے (ص۲۷۴)

(۷) ایک مرتبہ ایک شخص نے آپ سے پوچھا کہ "مَتٰی تَصِیْرُ النَّفْسُ دَاءُھَا دَوَاءَھَا" ایسا کب ہوتا ہے کہ نفس کے امراض خود اس نفس کا علاج بن جائیں؟ ــــ آپ نے برجستہ

جواب دیا:۔

اِذَا خَالَفْتَ هَوَاءَ هَا صَارَ دَاءُ هَا دَوَاءَ هَا

جب تم نفس کی مخالفت کرو تو اسکی بیماری ہی اسکا علاج بن جاتی ہے ۔۔۔(ص ۳۶۴) (حلیۃ الاولیاء جلد ۱۰)

ملفوظات حضرت معروف کرخیؒ

(۱) آپ کا معمول تھا کہ جو کوئی دعوت دیتا سنت کے مطابق اسکی دعوت قبول فرمالیتے ایک مرتبہ ایک ولیمہ میں گئے تو وہاں انواع واقسام کے پُرتکلف کھانے چنے ہوئے تھے وہاں ایک اور صوفی بزرگ موجود تھے انھوں نے یہ پُرتکلف کھانے دیکھے تو حضرت معروف کرخی سے فرمایا "آپ دیکھ رہے ہیں یہ کیا ہے؟" انکا مقصد یہ تھا کہ اتنے پُرتکلف کھانے مناسب نہیں، حضرت نے فرمایا "میں نے یہ کھانے بنانے کو نہیں کہا تھا" پھر جوں جوں مزید کھانے آتے رہے وہ صاحب اپنی سابقہ شکایت دہراتے رہے آخر میں حضرت معروف کرخیؒ نے فرمایا

اَنَا عَبْدٌ مُدَبَّرٌ آكِلُ مَا يُطْعِمُنِيْ وَاَنْزِلُ حَيْثُ يُنْزِلُنِيْ

"میں تو غلام ہوں میرا آقا جو کچھ کھلاتا ہے کھاتا ہوں اور جہاں لیجاتا ہے چلا جاتا ہوں"

(۲) ایک مرتبہ آپ کہیں تشریف لے جارہے تھے راستے میں دیکھا کہ ایک سقا آواز لگا رہا ہے "جو مجھ سے پانی پیئے اللہ اس پر رحم کرے" حضرت معروف کرخی نے اسکی آواز سنی تو آگے بڑھکر اس سے پانی مانگا اور پی لیا کسی نے پوچھا کہ آپ تو روزے سے تھے! فرمایا کہ "ہاں! لیکن میں نے سوچا کہ شاید اس اللہ کے بندے کی دعا مجھے لگ جائے (اور روزہ نفل تھا بعد میں قضا کرلی ہوگی)۔

(حلیۃ الاولیاء لأبی نعیم ج ۸ ص ۳۶۵)

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۵ ۔ ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ مطابق مئی ۱۹۹۵ء ۔ جلد ۱۸

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ سالانہ زر تعاون ستر روپیہ ششماہی پینتیس روپیہ

سالانہ بدلِ اشتراک : پاکستان سو روپیہ ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر - پبلشر - صغیر حسن : اسرار کریمی پریس حسین گنج ۔ الہ آباد

ترتیب

اِخلاص کی برکت اور اسکا اثر

حضرت مولانا رومؒ حضرت علیؓ کا ایک واقعہ مثنوی شریف میں بیان فرما رہے ہیں، میں اسکو سناتا ہوں اور پھر اس سے ایک مسئلہ کا استنباط کرنا چاہتا ہوں غور سے سنیئے :-

ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جہاد میں ایک کافر کو قتل کرنے کیلئے پچھاڑا قتل کرنا ہی چاہتے تھے کہ اس کافر نے آپ کے چہرے پر تھوک دیا بس حضرت علی فورًا اسکو چھوڑ کر علٰحدہ ہو گئے اور قتل سے باز رہے یہ عجیب حال دیکھکر اس کافر نے سوال کیا کہ آپ تو مجھ پر غالب تھے اور مجھے قتل کرنے ہی جا رہے تھے اور پھر میں نے اتنی گستاخی اور توہین کی کہ آپ کے چہرے پر تھوک دیا لیکن بجائے اسکے کہ آپ اور جلد مجھکو ذبح کر دیتے میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ نے مجھکو چھوڑ دیا آخر اسکا سبب کیا ہے؟ حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ بھائی میں تو تم کو صرف اللہ کے واسطے قتل کر رہا تھا مگر جب تم نے میرے چہرے پر تھوک دیا تو میرے نفس میں حرکت ہوئی یعنی تیرے اس فعل پر مجھکو غصہ آگیا اور میرے کام میں للٰہیت کے ساتھ ایک نفسانی حرکت بھی شامل ہوگئی اور میرا غزوہ کچھ تو اللہ کے لئے رہ گیا اور کچھ اس میں نفس کے لئے ہوگیا یعنی اس توہین کا انتقام لینے کیلئے نفس میں داعیہ پیدا ہوا اور حق تعالیٰ کی عبادت میں شرکت جائز نہیں لہذا میں تیرے قتل سے باز رہا۔ نیز یہ کہ تو میری ملک بھی نہیں کہ میں جس طرح چاہوں تجھ میں تصرف کروں بلکہ تو تو خدا کا بنایا ہوا ہے اور اسی کا مملوک ہے پس خدا کا جیسا حکم ہو اسی کے مطابق تصرف کرنے کا مجھے حق ہے اور عبادت میں شرکت کا اذن نہیں۔ لہذا جب للٰہیت میں ایک

خواہش نفسانی کی شرکت و آمیزش ہوئی تو میں نے تجھے چھوڑ دیا۔

کافر نے جب یہ بات سنی تو حضرت علیؓ کے اخلاص کی برکت سے اسکے دل میں نور ظاہر ہوا اور اس نے اپنی زنار توڑ دی اور کہنے لگا کہ ہم سمجھتے تھے کہ آپ لوگ ہم پر ظلم کر رہے ہیں حالانکہ در اصل ہم ہی آپ پر ظلم کر رہے ہیں کہ آپ کے مقابلے کو نکلے۔ میں سمجھتا تھا کہ آپ لوگ یہ قتل و قتال مال اور جاہ کے لئے کر رہے ہیں مگر آپ تو اعمال اور اخلاق کا معیار نکلے بس اب تو میں اپنے خاندان کو چھوڑتا ہوں اور اب آپ ہی میرے اصل خاندان اور قرابت دار ہیں لہٰذا مجھکو کلمۂ شہادت پڑھائیے اور اس چراغ سے مجھے روشن کیجئے جس سے آپ نے روشنی پائی ہے چنانچہ وہ شخص اور اسکے خاندان کے تقریباً ۱۸ آدمی نہایت شوق رغبت سے مسلمان ہو گئے۔

تو دیکھئے حضرت علیؓ کے حلم کی برکت سے دشمن بھی دوست بن گئے اسی کو حضرت مولاناؒ فرما رہے ہیں ؎ تیغ حلم از تیغ آہن تیز تر۔ ہم لوگ ہوتے تو اس کافر کی اس گستاخی پر اسکو اور جلدی سے ذبح کر دیتے اور خوش ہوتے اور سمجھتے کہ ہم نے اللہ کے واسطے ایک کافر کو فِی النَّارِ وَالسَّقَر کر دیا لیکن یہ برکت تھی حضرت علیؓ کے اخلاص کی کہ کتنے لوگ جہنم سے رہائی پاکر جنت کے مستحق ہو گئے اور سچے مسلمان ہو گئے۔

حضرت علیؓ کا ایسے غلبہ اور جوش کے وقت میں ایک کافر کو چھوڑ دینا باوجودیکہ اس نے سخت گستاخی بھی کی ہو کس قدر للّٰہیت پر مبنی ہے اسی کو مولاناؒ فرما رہے ہیں ؎ از علی آموز اخلاصِ عمل۔ (عمل میں اخلاص حضرت علیؓ سے سیکھو) نیز یہ کہ جب وہ کافر چھوٹ گیا تو ایسے موقع پر فطرتاً انسان موقع غنیمت جان کر بھاگتا ہے کہ جان بچی لاکھوں پائے نہ یہ کہ جہاں جان کے لالے پڑے ہوں وہاں آدمی کو تحقیق کی سوجھے! مگر یہ بھی حضرت

علیؓ کے اخلاص کی برکت تھی کہ وہ کافر بجائے چھوٹ کر بھاگنے کے آپ کے اس فعل کی وجہ آپ سے د... نت کرتا ہے

تو حضرت علیؓ کے اس واقعہ سے ہمیشہ کے لئے یہ مسئلہ نکل آیا کہ جب کسی کام میں اخلاص باقی نہ رہے تو اسکو چھوڑ دینا چاہئے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ چونکہ اس ترک کا منشا بھی اخلاص ہی ہے لہٰذا جس طرح اخلاص کے ساتھ فعل میں برکت تھی اسی طرح اخلاص کے ساتھ ترکِ فعل میں بھی برکت ہوگی کیونکہ مقصود نہ فعل ہے نہ ترک، بلکہ خلوص وللٰہیت ہی مقصود ہے۔

پھر یہ کہ یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر نہیں ہوا کیونکہ وہ تو معصوم تھے وہاں نفس کی شرکت کا کیا سوال ؟ بلکہ صحابہ کرامؓ سے اس واقعہ کا صدور ہوا تاکہ معلوم ہو جائے اور قیامت تک امت کے لئے یہ سبق بن جائے کہ ممکن ہے کہ ایک کام اخلاص کے ساتھ شروع کیا گیا ہو لیکن پھر اس میں نفس کی شرکت ہو جائے۔ مگر صحابہ کرام کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتِ صحبت سے ایسا نور حاصل ہوا تھا کہ اگر اخلاص میں کوئی نفسانی ظلمت شامل ہو جاتی تھی تو وہ فوراً اس نور سے اسکو پہچان لیتے تھے۔ اس واقعہ میں دیکھئے کہ نفس نے کچھ اثر کیا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نور نے جو صحابہؓ کو حاصل تھا غلبہ کیا اور اس عارض ظلمت کو پہچان لیا اور اس میں ملوث ہونے سے بچ گئے۔ صحابہ کرام معصوم نہ تھے مگر معصوم سے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قوی نسبت رکھتے تھے لہٰذا ایسے مواقع میں معصوم کی برکت انکو پہونچتی تھی اور اللہ تعالیٰ انکو اس سے بچا لیتے تھے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے..

صَلِّ یَا رَبِّ عَلٰی مَنْ هُوَ مِنْ عِصْمَتِہٖ   اے اللہ اپنی خاص رحمت نازل فرما اس ذات پر کہ بچالیتے ہیں آپ
یَعْصِمُ الْحَقُّ حَبِیْبِیْهِ مِنَ الْخَنَّاسِ   اپنے محبین کو خناس اور اسکی گمراہیوں سے۔

انسان کا اخلاص اسی وقت پہچانا جاتا ہے جبکہ کوئی چیز عارض ہو نفس کے غلبہ کے

وقت ایمان کی قوت اور ایمان کا نور ظاہر ہوا اللہ تعالیٰ مخلصین کی صفت بیان فرما رہے ہیں وَالَّذِیْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ یعنی جب ان سے کسی غلطی کا صدور ہو جاتا ہے تو خدا کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں۔ پہلے لوگ اخلاص کا بڑا اہتمام کرتے تھے اور اسکو مشکل سمجھتے تھے اور ڈرا کرتے تھے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اخلاص باقی نہ رہے اب لوگوں کا یہ حال ہے کہ کام کرتے چلے جاتے ہیں اور اخلاص کی طرف کچھ توجہ ہی نہیں کرتے کیونکہ وہ مقصود ہی نہیں۔ اور طرفہ تماشا یہ کہ جہل مرکب میں مبتلا ہیں یعنی حال تو یہ ہے کہ اخلاص کی ہوا بھی نہیں لگی لیکن اگر ان سے اخلاص اختیار کرنے کے لئے کہا جاتا ہے تو انکو تعجب ہوتا ہے اور کہتے ہیں کہ واہ صاحب ہم لوگ اتنا اتنا سب عمل کر رہے ہیں اور اب تک ہم میں اخلاص ہی نہیں ہے؛ میں کہتا ہوں ہاں جناب یہی بات ہے آجکل لوگ رات دن ریاء و نمود میں مشغول رہتے ہیں اور اپنے انھیں ظاہری اعمال پر مطمئن رہتے ہیں ان کو اخلاص کا خیال تک نہیں آتا اسکو حاصل کرنا ہی نہیں چاہتے۔ اسی وجہ سے اخلاص کی بحث ہی کو تہہ کر کے رکھدیا، حالانکہ بزرگان دینؒ ہمیشہ شد و مد سے اسکی بحث فرمائی ہے اور قرآن و حدیث تو اخلاص کے بیان سے بھرا ہوا ہے اَلَا لِلّٰهِ الدِّیْنُ الْخَالِصُ فَادْعُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ وغیرذٰلك من الآیات۔

(۱ اِلَّا للہ الدین الخ یاد رکھو عبادت جو کہ خالص ہو اللہ ہی کے لئے سزاوار ہے۔ فَادْعُوا اللّٰهَ الخ سو تم لوگ خدا کو خالص اعتقاد کر کے پکارو۔ وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا حالانکہ ان لوگوں کو یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت کو اسی کے لئے خالص رکھیں)۔

یہ بھی سمجھئے کہ کسی کام میں شروع سے آخر تک مخلص رہنا آسان ہے

اسی طرح سے اخلاص کے مغالطہ (یعنی اخلاص نہ ہو اور سمجھتا رہے کہ اخلاص ہے) میں شروع سے آخر تک رہنا آسان ہے۔ مگر یہ بات کہ کسی کام کو اخلاص کے ساتھ شروع کرے اور پھر درمیان میں اگر نفس کی کوئی حرکت یعنی شرکت عارض ہو جائے تو اسکو پہچان لے اور پھر اس کو چھوڑ بھی دے یہ بات بہت مشکل ہے۔ واقعی حضرت علیؓ کا یہ اخلاص ہی تھا کہ جہاں اخلاص کی کمی کا شبہ ہوا بس فوراً اس کام ہی کو ترک فرما دیا اور یہ بھی نہ سوچا کہ دشمن کو چھوڑ دینے میں ہماری ذلت ہوگی یا یہ کہ وہ چھوٹ کر ہم پر غالب ہی آجائے اور ہمکو تکلیف پہونچا دے اور قتل ہی کر دے غرض کہ کسی بات کی آپ نے پرواہ نہ کی بلکہ جس طرح اللہ کے لئے قتل کر رہے تھے اسی طرح سے اللہ کے لئے اسکو چھوڑ بھی دیا۔ جس طرح فعل میں مخلص تھے اسی طرح ترکِ فعل بھی انتہائی اخلاص سے تھا۔ اللہ اکبر! کیسا کچھ اخلاص ہے کہ استنے بڑے شخص ہو کر اس کافر کے سامنے اقرار کر رہے ہیں کہ تیرے تھو کنے سے میرے نفس کو حرکت ہوئی اور میری للّٰہیت ختم ہونے لگی چنانچہ اس کافر نے بھی پہچان لیا اللہ اکبر یہ کیسے مخلص آدمی ہیں کس قدر خدا پرست ہیں ان لوگوں کی نیتیں کس قدر عمدہ ہیں کہ خدا کے لئے اپنے نقص کے بیان میں بھی انکو کوئی رکاوٹ نہیں۔

میں کہتا ہوں کہ دیکھئے ہم لوگوں میں کتنے دنوں سے اسلام ہے مگر اخلاص کی گفتگو تک کو نہیں سمجھتے بلکہ جب اخلاص کی بحث کرتا ہوں تو سامنے بیٹھ کر لوگ اونگھنے لگتے ہیں اور وہ شخص کافر تھا مگر حضرت علیؓ نے جب اس سے یہ مضمون بیان فرمایا تو اس نے یہ سمجھ لیا اور اس بات سے اس نے کمال للّٰہیت اور خدا ترسی پر استدلال کیا اور آخر کو مسلمان ہو گیا تلوار سے نہیں بلکہ ترکِ تلوار سے۔ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا ہے بلکہ صحابہؓ کرام کے اخلاق سے پھیلا ہے۔ اس کافر نے اسکو سمجھا اور بصیرت کے ساتھ مسلمان ہوا۔ حضرت علیؓ کا یہ واقعہ اخلاص کی

ایک نظیر بن گیا یعنی باب اخلاص میں ضرب المثل ہوگیا اور قیامت تک کے لئے اس سے یہ مسئلہ نکل آیا کہ جس طرح آدمی اخلاص کے ساتھ کوئی کام کرتا ہے اسی طرح بعض وقت اخلاص ہی کی وجہ سے کام کے ترک پر مجبور ہو جاتا ہے اور چونکہ یہ ترک بھی اخلاص سے ہوتا ہے اس لئے ترک سے بھی برکتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

حضرت علیؓ کا یہ تاریخی واقعہ مشہور ہے مگر اس میں لوگوں کی نظر اسی پہلو پر جاتی ہے کہ حضرت علیؓ کی وجہ سے اتنے آدمی مسلمان ہوگئے۔ یہ بات بیشک بڑی ہے لیکن اس نتیجہ کی جو بنا اور سبب ہے وہ اس سے زیادہ اہم ہے یعنی اخلاص اور للّٰہیت جس کی یہ سب برکتیں ظاہر ہوئیں۔ حضرت علیؓ اپنے اس طرز سے لوگوں کو اخلاص سکھا گئے اب قیامت تک جو شخص بھی اخلاص کرے گا ساتھ ہی حضرت علیؓ کو بھی ثواب ملے گا۔

اسی کو مولانا روم فرماتے ہیں ؎

از علی آموز اخلاص عمل

اب بتائیے ایسے ایسے مخلص حضرات کی برکتیں نہیں ظاہر ہونگی تو کیا ہماری ظاہر ہونگی۔ بیشک اخلاص ہی سے تمام برکتیں ہیں

(جاری)

اخلاص

فرمایا کہ مولوی قمرالزمان صاحب بیان کرتے تھے کہ ایک بستی میں ایک مولوی صاحب گئے
ان لوگوں نے جلسہ میں انھیں بلایا تھا۔ معلوم نہیں کیا بات ہوئی کہ ان لوگوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ ان
کو ایسا موضوع دیا جائے جس پر یہ چل نہ سکیں چنانچہ ان کو سیرت پاک کا مضمون دیا گیا اور کہا گیا کہ آپ
سیرت پر کچھ بیان فرمائیے۔ دیکھتے ہیں آپ یہ ہے آج کل کا آپ کا دینی جلسہ کہ اس میں جاہل عالم
کو مضمون اور موضوع دیتا ہے۔ خیر دیدے اس میں تو کچھ حرج نہیں ہے مگر نیت یہ ہوتی ہے کہ یہ عاجز
ہو جائے اور فیل ہو جائے۔ آپ سے پوچھتا ہوں کہ یہ کیسا ہے اب اس جلسہ کے متعلق میں کیا کہوں جس
کا مقصد اپنے ہی عالم کو فیل کرنا ہو۔ اچھا اگر وہ فیل ہو جائے یعنی آپ کے دیئے ہوئے موضوع پر
نہ چل سکے تو آپ سے پوچھتا ہوں کہ آپ کیا ہوئے۔ جب آپ کے علماء اور خواص ہی فیل ہو جائیں
گے تو آپ کہاں سے پاس ہو جائیں گے۔

مولوی صاحب کہتے تھے کہ جب وہ کھڑے ہوئے تو سیرت پر ایسا بیان کیا کہ لوگ عش عش
کر گئے اور کہا کہ پچیس برس سے یہ جلسہ قائم ہے لیکن سیرت پر ایسا وعظ کسی نے بیان ہی نہیں کیا اور ہم
نے کبھی سنا ہی نہیں۔ وہ تو کہیئے کہ مولوی صاحب اپنی تقدیر اور اپنی لیاقت کی وجہ سے پاس ہو گئے۔
ورنہ لوگوں نے تو ان کے فیل کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی ؎

تو نے چاہا تھا برا میرا بھلا ہونے کو ہے
آب خنجر حلق میں آب بقا ہونے کو ہے

میں یہ آپ کو آپ کے جلسوں کی معرفت کرا رہا ہوں کہ نیت جلسہ کرانے والوں کی یہ ہوتی ہے
حالانکہ حدیث شریف میں یہ آتا ہے کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ علماء اسکو بیان بھی کرتے ہیں اور عوام

نیت ویسی برکت۔ جب منتظمین جلسہ ہی کی نیت کا یہ حال ہو تو پھر اس میں جیسی خیر و برکت کا ظہور ہوگا ظاہر ہے۔

اسی طرح وعظ سننے والوں کی نیت بھی درست نہیں ہوتی۔ ایک جلسہ میں ایک مولوی صاحب کچھ بیان فرما رہے تھے۔ درمیان درمیان میں کچھ رک جاتے تو لوگ آپس میں کہتے تھے کہ ان مولوی صاحب کا کوئلہ پانی ختم ہو رہا ہے۔ دیکھا آپ نے اپنے عالم کے ساتھ عوام کا اعتقاد کہ اس کا وعظ سننے آئے ہیں۔ ظاہر اس کا دین ہے لیکن باطن خالص دنیا ہے۔ ان کا امتحان لیتے ہیں کہ اگر دو چار گھنٹہ کوئی مسلسل بولتا چلا جائے۔ خواہ سننے والوں کے پلے کچھ پڑے یا نہ پڑے اسکو تو یہ لوگ پاس کر دیتے ہیں اور وہ ان کے نزدیک بڑا عالم ہے اور جو شخص ٹھہر ٹھہر کر بولے یا درمیان میں کسی وجہ سے رک جائے تو اسکو یہ لوگ فیل کر دیتے ہیں۔ آپ سے پوچھتا ہوں یہ کیا چیز ہے۔ لوگوں کو الفاظ مقصود ہو گئے ہیں معنی کی طرف توجہ ہی نہیں رہی۔

اسی طرح سے وعظ بیان کرنیوالوں کا بھی حال ہو گیا ہے کہ جب انھوں نے یہ دیکھا کہ عوام کی منڈی میں الفاظ کی کھپت ہے تو پھر انھوں نے بھی تقریر مشق کرنی اور الفاظ صاف کرنے شروع کر دیئے۔ اور اب وعظ سے مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا باقی نہیں رہا بلکہ مخلوق کو خوش کرنا مقصد ہو گیا۔ حالانکہ نیت کے معنی ہی یہ ہیں کہ کسی کام کو اللہ کی رضا کے لئے کیا جائے اور یہی معنی اخلاص کے بھی ہیں۔ یوں وعظ و تذکیر حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ کی سنت ہے اور اس میں شک نہیں کہ ایک جلیل القدر منصب ہے لیکن اس وقت جبکہ خلوص کے ساتھ کیا جائے۔ ورنہ دیگر اغراض مثلاً طلب جاہ و مال کیلئے وعظ و پند کرنیکو علماء نے یہود و نصاریٰ کے ضلالات (گمراہیوں) میں سے شمار کیا ہے چنانچہ درمختار میں ہے:-

اَلتَّذْكِيْرُ عَلَى الْمَنَابِرِ لِلْوَعْظِ وَالْاِتِّعَاظِ سُنَّةُ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَلِرِيَاسَةٍ وَمَالٍ وَقَبُوْلِ عَامَّةٍ مِّنْ ضَلَالَةِ الْيَهُوْدِ وَالنَّصَارٰى۔

پند و نصیحت کیلئے منبر پر وعظ کہنا تو انبیاء اور مرسلین کا طریقہ ہے لیکن جاہ اور مال اور شہرت عامہ کے لئے ایسا کرنا منجملہ ضلالات یہود و نصاریٰ ہے۔

(شامی ص ۲۶۹ ج ۲)

میں جلسہ وغیرہ میں کبھی شریک نہ ہوتا تھا اسی لئے مجھے لوگوں نے اپنی برادری ہی سے نکال دیا۔ اتفاق سے ایک جگہ گیا ہوا تھا وہاں جلسہ بھی ہو رہا تھا۔ بعد مغرب لوگ میرے پاس جمع تھے۔

نے کہا کہ بھائی جاؤ جلسہ میں بیٹھو وعظ سنو تو کچھ لوگ تو چلے گئے لیکن بہت سے لوگ نہیں گئے. میں
ریافت کیا کہ بھائی کیوں نہیں جاتے کہا کہ جی نہیں لگتا. پھر مجھ سے بھی لوگوں نے بیان کرنے کے
نا میں چونکہ جلسوں میں شرکت نہیں کیا کرتا اسلئے اول تو انکار کیا لیکن لوگوں کے اصرار پر بڑی مشکل
ظور کیا اور سب سے پہلے لوگوں کو مخاطب کرکے یہ کہا کہ آپ لوگوں کو انتظار ہوگا کسی دھواں دھار
کا تو میں آپ کے اس انتظار کو ختم کرتا ہوں۔ اب آپ لوگ یا تو اس انتظار کو ختم کرکے تشریف
اور جو کہوں اسے سنئے اور یا نہیں تو اٹھ کر چلے جایئے۔ پھر میں نے یہ حدیث سنائی کہ حضرت عائشہ
اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح سے (تیزی کے ساتھ فرفر) کلام نہیں
ے تھے جیسا کہ تم لوگ آج کلام کرتے ہو بلکہ آپ ایک بات کو آہستہ آہستہ اطمینان کے ساتھ کئی بار
اتے۔ تم لوگوں کی طرح کلام سرد نہیں فرماتے تھے اور میں نے یہ بھی کہا کہ آپ لوگوں کی عادت اسکے
ن کی پڑی ہوگی تو ایک شخص اس طرح بیان کر رہا ہے اسکو بھی سنیئے. غرض جہاں بھی بیان کی
آتی میں اسی طرح سے جیسے گفتگو کرتا ہوں وعظ بھی بیان کرتا تھا۔ چنانچہ دیکھا کہ اسکی وجہ سے
کا مذاق بدلا اور بہت سے لوگ تو یہ کہنے لگے کہ اب دوسروں کی باتوں میں جی نہیں لگتا۔

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ بات دل میں اترنا چاہیئے وعظ کا یہی نفع ہے اور اگر سامعین کے
میں تاثر ہی نہ پیدا کیا گیا تو وہ وعظ ہی کیا ہوا. لیکن دوسروں میں تاثر پیدا کرنے کے لئے کتاب
ت کے ان مضامین سے پہلے خود متاثر ہونا چاہیئے. جب آدمی خود متاثر ہوگا تو دوسروں کو بھی متاثر
گا اور یہی تاثیر و تاثر اصل چیز ہے۔ باقی روانی بیان مخلوق کی رضا کیلئے چرب زبانی اور طلاقت لسانی
میں ان کا کوئی درجہ نہیں بلکہ نصوص میں ان کی مذمت آئی ہے۔

چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اَخْوَفُ مَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِیْ کُلُّ مُنَافِقٍ عَلِیْمُ اللِّسَانِ۔
سب سے زیادہ خوف مجھے اپنی امت پر اس منافق کا ہے جس کے زبان ہی پر علم ہوگا (یعنی قلب
العقیدہ ہوگا)۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ
اَنْ يُّرْضُوْهُ الآیۃ. منافقین کے متعلق قرآن شریف میں آتا ہے کہ یہ لوگ اللہ کی قسمیں کھاتے
اکہ اے مسلمانو تم کو راضی کریں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ مستحق تھے کہ ان کو راضی کیا
یہی شرک ہے۔ یعنی جس معاملہ کے مستحق حق تعالیٰ ہوں وہ معاملہ غیر اللہ کے ساتھ کرنا اسی کو
کہا جاتا ہے۔

اب آپ سے کہتا ہوں کہ جب منتظمین جلسہ کا یہ حال، سامعین کا یہ حال، اور واعظین کا یہ

خالی ہو کہ اخلاص کا کہیں پتہ نہیں تو بدون اخلاص کے کسی عمل کا اللہ تعالیٰ کے یہاں کیا درجہ؟ آپ خوش ہو لیں کہ جلسہ بہت کامیاب رہا وہ بھی خوش ہو لیں کہ مجمع بہت زائد تھا واعظ خوش ہوئے کہ لوگوں نے وعظ بہت پسند کیا۔ لیکن دیکھنا تو یہ ہے کہ اللہ و رسول کے نزدیک بھی جلسہ کامیاب رہا یا نہیں۔ اسی چیز کو سمجھاتا ہوں تو سمجھتے ہیں کہ جلسہ کرنے کو منع کرتا ہے حالانکہ میں جلسے کو منع نہیں کرتا بلکہ عنداللہ اور عندالرسول اسکو کامیاب بنانے کا طریقہ سکھانا چاہتا ہوں۔ اور آپ لوگوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ جو آپ کو سیرت کا بیان بہت پسند ہے تو یہ تو بہت عمدہ ذوق ہے مگر سیرت کو چند چیزوں میں دائر سمجھ لینا یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں اللہ تعالیٰ کا خوف اور اس کی خشیت بھی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں میں جگہ بجگہ خشیت کا سوال ہے۔ ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں اَللّٰھُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْیَتِکَ مَا تَحُوْلُ بِہٖ بَیْنَنَا وَبَیْنَ مَعَاصِیْکَ یعنی اے اللہ حصہ دے اپنی خشیت سے اتنا کہ حائل ہو جائے ہم میں اور تیرے گناہوں میں ایک جگہ فرماتے ہیں اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ الْاَشْیَاءِ اِلَیَّ وَاجْعَلْ خَشْیَتَکَ اَخْوَفَ الْاَشْیَاءِ عِنْدِیْ یعنی اے اللہ کر دے اپنی محبت کو مرغوب تر تمام چیزوں سے مجھے اور کر دے اپنے ڈر کو خوفناک زیادہ تمام چیزوں سے میرے نزدیک۔ اسی طرح ایک جگہ فرماتے ہیں۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ اَخْشَاکَ کَاَنِّیْ اَرَاکَ حَتّٰی اَلْقَاکَ وَاَسْعِدْنِیْ بِتَقْوَاکَ وَلَا تُشْقِنِیْ بِمَعْصِیَتِکَ۔ یعنی اے اللہ کر دے مجھے کہ ڈرا کروں تجھ سے گویا کہ میں تجھے دیکھتا ہوں ہر وقت یہاں تک کہ آملوں میں تجھ سے اور سعید کر دے مجھے اپنے تقویٰ سے اور نہ شقی کر مجھے اپنی نافرمانی سے۔ اور آپ کی یہ سیرت، خوف و خشیت اس لئے تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا کہ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ وَنَھَی النَّفْسَ عَنِ الْھَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ھِیَ الْمَاْوٰی۔ اللہ تعالیٰ نے جنت کو اپنے خائفین بندوں کا ٹھکانا قرار دیا ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میدان میں بھی سبقت فرمائی اور خود خدا سے ڈر کر امت کو ڈرنا سکھا دیا۔ اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ جب یہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہے تو آخر اسے کیوں نہیں بیان کیا جاتا۔ بات یہ ہے کہ ان سب حالات سے واقف ہونے کے لئے ضرورت ہے کہ انسان اپنے نفس کا عارف ہو، اللہ تعالیٰ کا عارف ہو، جنت و دوزخ کا عارف ہو حساب و کتاب کا عارف ہو تب اس کو کچھ حصہ خشیت سے مل سکتا ہے اور یہ خوف کوئی معمولی چیز نہیں ہے خدا تعالیٰ کا خوف جب مومن کے قلب میں آجاتا ہے تو انسان کو اس طرح پگھلا دیتا ہے جیسے پانی نمک کو۔ رجا اور خوف دونوں ہی مومن کی صفات ہیں۔ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَہٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَہٗ مومن کے قلب میں آخرت کا خوف

سے اور جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا اور نفس کو خواہش سے روکا ہوگا سو جنت اسکا ٹھکانا ہوگا۔ [illegible]

تا ہے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے کسی شخص نے کسی معاملہ میں سفارش کی درخواست کی۔
ضرت نے فرمایا کہ بھائی اس سفارش کو ناجائز سمجھتا ہوں اب میرا یہ وقت خدا سے ملنے کا ہے ایسے
تت میں میں یہ سب کام نہیں کروں گا۔
ں پر حضرت خواجہ صاحبؒ کا ایک واقعہ یاد آیا حضرت مولاناؒ سے عرض کیا کہ حضرتؒ ایک جگہ معائنہ کیلئے
یا ہوا تھا ایک مدرس کی درسگاہ کے پاس سے گذرا وہ دوسری جانب رُخ کئے ہوئے تختۂ سیاہ پر طلبار
کچھ سمجھا رہا تھا میں کمرے کے باہر ہی دروازے پر کھڑا ہو گیا اس نے جب مڑ کر مجھے کھڑا دیکھا
ٹھہر گیا اور بیہوش ہو کر گر گیا۔ یہ سنا کر خواجہ صاحب حضرتؒ سے کہنے لگے کہ حضرت اس واقعہ
سے میرا ذہن قیامت میں حق تعالیٰ کے سامنے بیہوشی کی جانب منتقل ہوا کہ جب وہ شخص اپنے جیسے
یک انسان کو دیکھ کر اس قدر خوف زدہ ہو گیا کہ بیہوش ہو کر گر گیا تو اللہ تعالیٰ کے سامنے مخلوق
کیا حال ہوگا۔ حضرت نے یہ سنکر فرمایا کہ سچ فرماتے ہیں بے شک مومن اللہ تعالیٰ کا خوف کرتا ہے
چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جہاں وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فرمایا وہیں
فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى فرما کر ذکر جنت کو اس کا قرین بنا دیا تاکہ خوف کرنے والوں میں اعتدال
پیدا ہو جائے اور خوف کی سوزش جنت کا ذکر سنکر ختم ہو جائے۔

آپ سے کہتا ہوں کہ آج یہ جتنی باتیں ہو رہی ہیں اور لوگ دین سے آزاد اور بے باک ہو رہے
ہیں اور جس کے جو منہ میں آتا ہے کہہ جاتا ہے یہ سب بے خوفی کی وجہ سے ہے ورنہ تو خوف جب کسی
دل میں آجاتا ہے تو آدمی کی زبان گنگ ہو جاتی ہے اور ایک کلمہ بولنے کو جی نہیں چاہتا۔ حدیث
شریف میں آتا ہے اَلْحَيَاءُ وَالْعِيُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْاِيْمَانِ یعنی حیا اور زبان کا گنگ ہو جانا ایمان
کا شعبہ ہے یعنی مومن کے قلب میں حیا ہوتی ہے اور اس کا ایمان اس کی فکر آخرت کو بڑھا دیتا
ہے اور لغو و لاطائل امور سے زبان خاموش ہو جاتی ہے۔ نیز حدیث میں یہ آتا ہے اَلْبَيَانُ وَالْبَذَاءُ
شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ یعنی بیان اور چرب زبانی اور فحش گوئی یہ دونوں نفاق کے شعبے ہیں۔
کیونکہ ان دونوں کا تعلق زبان سے ہے اور منافق سراپا زبان ہی ہوتا ہے قلب سے عاری
ہوتا ہے۔

یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ آپ کو سیرت کا موضوع پسند ہے اور اس کا بیان محبوب ہے۔
تو پھر یہ چیزیں بھی تو سیرت کا جزو ہیں پھر نہ ان کو کوئی بیان کرتا ہے اور نہ کوئی اس کی فرمائش کرتا
ہے اس کی وجہ کیا ہے؟ افسوس ہوتا ہے ان عالموں کے حال پر جو ایسے جاہلوں کو اپنا ممتحن بناتے

ہیں۔ آج کسی عالم کا فیل ہونا پاس ہونا انھیں جاہلوں کے اختیار میں رہ گیا ہے یہ لوگ جس کو پاس کردیں وہ پاس ہے اور جس کو فیل کردیں وہ فیل ہے حالانکہ جاہل کو اگر کھڑا کردیا جائے تو خود دو لفظ بھی نہیں بول سکتا مگر عالموں پر حکومت کرنے اور ان کا امتحان لینے کے لئے تیار۔ بات یہ ہے کہ جاہل کی نظر صرف الفاظ تک محدود رہتی ہے اور عالم عارف حقیقت کو سامنے رکھتا ہے۔ عوام کی چونکہ معنی و مطلب وحقیقت تک رسائی نہیں ہوتی اس لئے وہ الفاظ ہی کے بھوکے رہتے ہیں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے سنا فرماتے تھے (اور حضرت بھی ایسی باتیں بیان کرتے تھے) فرماتے تھے کہ:۔

ایک صاحب کے پاس کچھ دیہاتی لوگ گئے انھوں نے ان سے یہ معلوم کرنا چاہا کہ فصل کا کیا حال ہے بارش ہوئی یا نہیں اسکو انھوں نے یوں دریافت کیا کہ تمھارے کشت زار گندم پر تقاطر امطار ہوا یا نہیں۔ ان لوگوں نے اسکو سمجھ تو لیا لیکن آپس میں یہ کہتے ہوئے واپس ہوئے کہ چلو اس وقت میاں قرآن شریف پڑھ رہے ہیں۔

یہ نری لفاظی تھی اس میں ان کا کیا فائدہ تھا اگر کوئی عارف ہوگا تو اس لغویت میں کیوں پڑے گا۔ اب لوگ معرفت تو حاصل نہیں کرتے تاکہ معنی کے ساتھ نسبت ہو۔ صرف لفظوں کے پھیر میں پڑے رہتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ عارف ہونا کچھ آسان نہیں اس کے لئے کسی عارف کامل کی صحبت ضروری ہے جس کا کہ اس زمانہ میں مطلقاً اہتمام نہیں۔ چنانچہ اثناء قیام لکھنؤ میں ایک حکیم صاحب نے دوسرے حکیم صاحب کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ جانتے ہیں کہ طب کیسے ضائع ہوئی پھر خود ہی فرمایا کہ طب مطب سے ضائع ہوئی۔ یعنی مطب کا اہتمام نہیں رہ گیا۔ میں نے جب یہ سنا تو اپنے دل میں کہا کہ یہ لوگ اپنے فن کے متعلق بھی یہی کہہ رہے ہیں جو میں طریق کے متعلق کہا کرتا ہوں یعنی جس طرح سے میں آج طریق کے ضیاع کا رونا رو رہا ہوں یہ لوگ بھی اپنے فن کے ضیاع کا رونا رو رہے ہیں اور پھر سمجھ میں یہی آیا کہ علم طب جو ضائع ہوا تو اس لئے کہ اس میں بھی حذاقت اور مہارت ضروری ہے اور اس چیز میں محنت ہے اس لئے لوگوں نے اس سے صرف نظر کرلی ہے اور محض کتابی علم کو کافی سمجھ لیا ہے حالانکہ طب ہو یا کوئی دوسرا فن ہو محض کتاب اس کے لئے کافی نہیں ہے۔ کیونکہ کتاب سے زیادہ سے زیادہ اصطلاحات پر عبور ہوجائے گا لیکن مطب میں طبیب کے پاس بیٹھنے کی وجہ سے مہارت۔ تجربہ اور طریقۂ علاج وغیرہ سمجھ میں آتا ہے۔ پس جب آج کل اس کا اہتمام نہیں رہا تو علم طب بھی رخصت ہوگیا۔

یہی حال طریق کا بھی ہوا کہ لوگوں نے یہ سمجھا کہ طریق کو سمجھنے کے لئے محض کتابیں کافی

یا۔ اردو کی عربی کی فارسی کی کتابیں موجود ہی ہیں انھیں دیکھ کر دین کی اور طریق کی باتیں سمجھی جا سکتی ہیں تو یہ خیال بھی صحیح نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ علم آجائے اور طریق کی باتوں سے آدمی واقف ہو جائے لیکن محض علم تو کافی نہیں ہے بلکہ ضرورت ہے ان صفات کے ساتھ اتصاف کی اور یہ کتاب کی محنت نہیں بلکہ کسی شیخ کامل کی صحبت ہی کے ذریعہ پیدا ہو سکتی ہے جس کا اس زمانہ میں نہ صرف یہ کہ اہتمام نہیں رہا بلکہ انکار ہو گیا ہے حالانکہ نسبت سکینہ۔ حال۔ وغیرہ جو چیزیں بھی طریق میں ملتی ہیں وہ مشائخ کی صحبت ہی سے ملتی ہیں اور اس کا ثبوت ان حکیم صاحب کا یہی قول ہے کہ آج مطب کے ضیاع کی وجہ سے علم طب ہی ضائع ہو گیا۔

اتنا تو آپ سب ہی لوگ جانتے ہیں کہ کوئی بھی فن ہو بدون استاد کے نہیں آتا۔ کامل استاد مل جائے اور شاگرد کے اندر طلب بھی ہو نیز فن کی عظمت اور استاذ کا ادب بھی ہو تو وہ علم ضرور آجاتا ہے یہی حکیم صاحب جنھوں نے یہ فرمایا تھا کہ علم طب کا ضیاع مطب کے ضیاع سے ہوا۔ اپنے ایک پرانے شاگرد کی تعریف کرتے تھے کہ ان کو فارغ ہوئے بیس سال ہو گئے اور ایک جگہ یہ ملازم بھی ہیں لیکن ان کے ادب وانکسار کا یہ حال ہے کہ جب بھی انھیں موقعہ ملتا ہے مطب میں آکر پیچھے بیٹھ جاتے ہیں اور نسخہ لکھنا شروع کر دیتے ہیں بعض مرتبہ مجھے علم بھی نہیں ہوتا بعد میں دیکھتا ہوں کہ بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کا مقصد اس بیان سے یہ تھا کہ باوجود فارغ ہو جانے کے اپنے کو مستغنی نہیں سمجھتے اور ادب کا وہی معاملہ جو زمانۂ طالب علمی میں کرتے تھے اب تک اُسی پر قائم ہیں۔ یہ چیز ہے جو استاذ کی شفقت اور توجہ کے لئے جالب ہے۔ اور شاگرد کے لئے بہت ہی نافع ہے۔

افسوس ہے کہ جو چیز تحصیل علم کے لئے ضروری تھی آج علوم ظاہری میں تو ختم ہو ہی گئی ہے طریق سے بھی مٹ چکی ہے۔ ادب کا طریق میں بڑا درجہ ہے ؎

اَلطَّرِیْقُ کُلُّهَا اٰدَابٌ
اَدِّبُوا النَّفْسَ اَیُّهَا الْاَصْحَابُ

لوگ اب مشائخ کے یہاں بھی جاتے ہیں تو ادب و اخلاص سے خالی ہو کر اور ان کے علم و عمل سے مستغنی ہو کر ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہاں کیا فیض پائیں گے۔

اس مضمون کو اکثر بیان کیا کرتا ہوں کہ خالی تبرک بنانے سے کام نہیں چلتا تبرک بنانے کی چیزیں دراصل کتاب و سنت ہیں۔ اب کسی کا علم و عمل تو تبرک نہ ہو محض اس کے

جسم کو تبرک بناؤ یہ کونسی روحانیت ہے اور کس کے نزدیک یہ مطلوب ہے۔ یہ تو محض جسمانیت بلکہ نفسانیت ہوئی۔

بھائی کسی کے پاس آؤ جاؤ تو اس سے علم و عمل حاصل کرو۔ اخلاص کی تحصیل کرو تب تو جانے آنے کا فائدہ بھی ہے ورنہ اپنے کو دھوکے میں رکھنا ہے یعنی یہ سمجھتے رہوگے کہ فلاں سے ہمارا تعلق ہے اور اس کے تعلق کا جو اثر ہونا چاہئے اس سے بالکل متصف نہیں ہو۔ ایسی صورت میں اس طرح سے کہیں آنا جانا بالکل بیکار ہے۔ اپنا وقت بھی ضائع کرنا ہے اور دوسرے کیوقت کا بھی نقصان کرنا ہے۔

جو باتیں بیان کر رہا ہوں انکو سنو اور غور کرو۔ ورنہ سیرت پر تقریر بھی سنوگے اور قلب میں اسکی عظمت کا ذرا بھی خطور نہ ہوگا۔ اور وعظ سننے سے پہلے جیسے کورے تھے سننے کے بعد بھی ویسے ہی کورے رہو گے۔

دو کام کی باتیں

(۱) فرمایا کہ مثنوی میں مولانا روم نے لکھا ہے کہ انسان اگر کسی عیب پر مبتلا ہو تو اس سے نکلنے کے لئے قسم نہ کھائے اور نہ عہد ہی کرے کیونکہ اس سے نفس کو اور ضد ہو جاتی ہے اور وہ عہد کو توڑ دیا کرتا ہے لہذا بس اپنے دل میں ارادہ کرے کہ اس کام کو نہ کرونگا اور اسکو نہ کرے باقی عہد وغیرہ نہ کرے۔ اسلئے کہ عہد یا قسم کی وجہ سے نفس یہ سمجھتا ہے کہ اس نے تو مجھ کو بالکل پابند قید ہی کر دیا۔ لہذا وہ اپنی آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے پوری قوت صرف کر دیتا ہے پس اصلاح کا یہ طریقہ نہیں۔ نیک لوگ جوش میں آکر قسم کھا بیٹھتے ہیں اور عہد وغیرہ کے الفاظ زبان سے کہہ جاتے ہیں مگر دیکھا جاتا ہے کہ کامیاب نہیں ہوتے تو اسکی یہی وجہ ہے جو میں نے بیان کی خوب سمجھ لیجئے۔

(۲) فرمایا کہ مثنوی ہی میں دیکھا کہ مولانا فرماتے ہیں کہ احمق کے اعتقاد کا بھی اعتبار نہیں اور یہ فرمایا کہ جو شخص داؤد علیہ السلام اور غیر داؤد میں فرق نہ کرے وہ احمق ہے یعنی جس شخص کو اس میں جو نفس سے چھوٹ چکا ہو اور اس میں جو ابھی نفس سے نہیں چھوٹا یعنی اہل اور نااہل میں تمیز نہ کر سکے وہ احمق ہے اور احمق شخص کسی بات پر قسم کھائے تو اسکا اعتبار نہ کرو کیونکہ جب اسکو تمیز ہی نہیں ہے اور وہ پورا احمق ہے تو جو کچھ وہ کہے گا اس میں بھی اس کا حمق ضرور شامل ہوگا عقل و فہم سے اسے دور کا بھی تعلق نہ ہوگا۔ پس اس کا اعتبار ہی کیا۔

(مکتوب نمبر ۱۵۸)

ل : حضور کی صحبت سے خادم کے علوم میں بہت اضافہ ہوا علم کی اہمیت
ب واضح ہوئی اور اسکی تحصیل کا داعیہ پیدا ہوا ۔ تحقیق : الحمدللہ
ل : حضور والا کی شفقت بے انتہا اپنے ساتھ دیکھی اس حقیر کی محبت
ں بھی اضافہ ہوا، آج صبح سے حضور کی محبت بہت زیادہ معلوم ہو رہی
بھی کبھی آنسو آنکھوں میں آ گئے ہیں ۔ تحقیق : الحمدللہ
ل : اللہ تعالیٰ وہ دولتِ سرمدی عطا کر دیں جو دونوں جہاں سے بہتر
ہے ۔ تحقیق : بیشک ۔
ل : اس خادم حقیر نے اس دولت کے حاصل کرنے کا ارادہ کر لیا ہے۔
ر اسکا طریق تحصیل یہ سمجھ میں آیا ہے کہ عجز و نیاز و صدق و صفا سے حضور ر
ی چوکھٹ پر جبیں سائی برابر کرتا رہوں ۔ تحقیق : مبارک ہو ۔
ل : اللہ تعالیٰ اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں میرے
رادہ کو پورا فرما دیں ۔ اور اس دولت کی تحصیل میرے لئے آسان کر دیں
ر بلا استحقاق وہ دولت عطا فرما دیں ۔ تحقیق : آمین ۔
ل : سید ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب سے میں نے کل شام ہی کو پوچھا کہ حضور کے
یہاں حاضری سے آپ کو فائدہ ہوا کرتا ہے کہ نہیں ؟ فرمایا کہ سچ جانو
ہ ہر بار پہلی بار سے زیادہ محبت کی دولت لیکر آتا ہوں ۔ تحقیق : الحمدللہ
ال : میں نے یہ بھی عرض کر دیا کہ دعا رجو لیکر آئے ہیں اسکو برابر پڑھتے رہیں ۔ فرمایا
کہ برابر پڑھ رہا ہوں ۔ تحقیق : الحمدللہ ۔
ال : آج صبح مولوی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب اور مولوی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب آئے
تھے حضور کا خط مولوی ۔ ۔ ۔ ۔ صاحب کو کل بھجوا دیا تھا اور پیغام بھی
تحریراً کل ہی روانہ کر دیا تھا آج زبانی بھی کہدیا، مولوی ۔ ۔ ۔ صاحب کے

دل میں حضرت کی محبت پیدا ہوگئی ہے۔ اور حضور کی خدمت میں حاضر ہونے کا داعیہ رکھتے ہیں شاید مولوی صاحب کے ساتھ یا میرے ساتھ حاضر ہوں۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: آج صبح حکیم شمس الدین صاحب کے یہاں حاضری کی اجازت طلب کی فرمایا کہ مت آؤ بہت بھیڑ ہے میں خود شام کو آؤنگا۔ میں نے پوچھا آپ نے بہت سے مشائخ دیکھے ہیں ہمارے حضرت جیسا بھی کوئی دیکھا ہے؟ فرمایا کہ یہ علوم، یہ محبت، یہ شفقت علی الخلق، یہ تواضع، یہ لینت و نرمی، یہ مہمان نوازی، یہ کشش و جذب کسی میں نہیں پایا۔ فرمایا کہ کہ میرا تو یہ حال ہے کہ یہ دو مصرعے وضع کئے ہیں اور ایک ایک تسبیح دونوں کی آج بعد تہجد پڑھی ہے۔ تحقیق: خوب حال بدلا ہے۔

یارب تو مجھ پر رحم کر صدقہ وصی اللہ کا
کر رحم مجھ پر اے خدا صدقہ وصی اللہ کا

حال: فرمانے لگے کہ الحمد للہ میرے دل میں بڑا انس پیدا ہو رہا ہے تحقیق: الحمد للہ

حال: فرمایا کہ گدا و جانماز برابر استعمال میں ہے اور اس سے بڑے فوائد کا یقین رکھتا ہوں۔ تحقیق: الحمد للہ

حال: فرمایا کہ حضرت کی شفقتوں سے اپنے پیر و مرشد مولانا... صاحب فرنگی محلی مرحوم کی شفقتوں کو بھولا جا رہا ہوں۔

(مکتوب نمبر ۸۵۲)

حال: قرآن مجید کی تلاوت کے وقت جس وقت وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ (اور واقعی پرہیزگاروں کا وہ اچھا گھر ہے) پر پہونچتا ہوں تو حضرت والا سے سنی ہو غالباً تفسیر مظہری سے بتلایا تھا کہ اَیِ الدنیا والآخرۃ یاد آجاتی ہے تو آگے جنت کی ترکیب میں کیا قرار دینا ہوگا اشکال رہتا ہے۔ حضرت والا اس تفہ

مطابق جَنّٰتُ عَدْنٍ کو وَلَدَارُ الْآخِرَۃِ خَیْرٌ سے بدل اور اسکا بیان قرار دینا
تا یا اس کو علیحدہ مستقل جملہ لہم کو مقدر مان کر قرار دینا ہوگا اسکے
ت حضرت والا کچھ ارشاد فرماویں گے تو بڑی بندہ نوازی ہوگی۔
: مستقل قرار دینا ہوگا۔ فی التفسیر مظہری قال الحسن ھی الدنیا
ن اھل التقوی یتزودون فیھا الی الاخرۃ وقال اکثر المفسرین
الاخرۃ قلت وجازان یکون الاضافۃ للجنس یعنی نعم دار المتقین
دار کانت الدنیا والاخرۃ جنات عدن ای لھم جنات عدن۔
سیر مظہری میں ہے کہ حضرت حسن نے فرمایا ہے کہ وہ دار دنیا ہے اس لئے
ہل تقوی اس دنیا کے اندر رہ کر آخرت کا زاد و توشہ حاصل کرتے
ں اکثر مفسرین نے کہا ہے کہ اس سے مراد دار آخرت ہے۔ حضرت قاضی
احب فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے اضافت جنس کے لئے ہو
نی بہتر ہے متقیوں کا گھر مطلب یہ کہ وہ کوئی بھی دار ہو۔ دنیا ہو یا
خرت۔ جَنّٰتُ عَدْنٍ أَیْ لَھُمْ یعنی انکے لئے ہمیشہ رہنے کے
غات ہیں۔)
تفسیر آیت کی وہی ہے جو عامہ مفسرین نے فرمائی ہے، یہ تفسیر
لمتقین کے عموم میں آسکتی ہے

(مکتوب نمبر ۳۸۵)

ل: حضرت والا دامت برکاتہم کے حکم سے لکھا ہوا گرامی نامہ شرف صدور
ایا۔ مولوی ۔۔۔ صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت والا نے فرمایا ہے کہ آپ
تنے دنوں سے آتے جاتے ہیں مگر ابتک جیسا چاہئے نہ تو اس طرح کام میں
لگے ہیں اور نہ فہم ہی میری مرضی کے مطابق پیدا ہوئی اسکی وجہ یہ ہے کہ آپ
نے حضرت مولانا تھانوی کی بعض ضروری کتابیں نہ دیکھی ہونگی آخر ایسا کیوں ہے

کیا یہ آنا جانا اسی لئے ہے یا کہ اصلاح کے لئے ہے عمل تو ہوتا ہے علم سے جب علم ہی نہ ہوگا تو عمل کیا خاک ہوگا اگر آپ نے اس سے کچھ سمجھا ہو تو لکھ کر بھیجئے کہ کیا سمجھے۔

سیدی میں پہلے یعنی حضرت والا کی خدمت میں حاضری دینے سے پہلے تو حضرت حکیم الامتؒ کی کتابیں ہی دیکھتا تھا مگر حضرت والا سے تعلق کے بعد یقیناً زیادہ تر توجہ حضرت والا کے رسائل وغیرہ کی جانب رہی کیونکہ حضرت والا کے رسائل وارشادات میں زمانۂ حال کے امراض اور اسکے مداوا کی کافی بحث ہوتی ہے۔

تحقیق: ہاں ہاں ہے۔ مگر علم صحیح اس راستہ کا میں نے دیکھا کہ نہیں ہے اسکا سبب میں نے یہی سمجھا ہے

حال، مگر اب حضرت کی تنبیہ کے بعد اپنی غلطی اور کوتاہی کا پورا پورا احساس ہوا کیونکہ حضرت دامت برکاتہم کی ذات گرامی تو حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی ذات اور جملہ مکتوبات کی ایک زندہ شرح ہے اور شرح کا دیکھنے والا متن سے کس طرح مستغنی ہو سکتا ہے۔ تحقیق: بیشک

حال: اور جس کے پیش نظر متن نہ ہوگا وہ شرح کو کما حقہٗ کیا سمجھے گا اس لئے اب انشاء اللہ حضرت قدس سرہٗ کی کتب کو بھی بغور دیکھوں گا۔

تحقیق: بہتر ہے اب تک اگر ایسا کئے ہوتے تو دوربین ہو گئے ہوتے۔

حال: دعا فرمائیں کہ توفیق الٰہی اپنی رفیق ہو اور آئندہ زندگی گذشتہ سے بہتر ہو۔ تحقیق: آمین

(تحقیق)

آپ نے میری کتابوں کو حضرتؒ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا بدل قرار دے لیا اور ان کو لیکر انکی جانب سے یکسو ہی ہو گئے یہ طریقہ صحیح نہ تھا انکی وجہ سے حضرت کی کتب سے مستغنی نہیں ہونا چاہئے تھا اس لئے کہ ان میں علوم طریق ہیں

جب ان سے استغناء برتا گیا اور مجھ سے کبھی کما حقہ مستفید نہ ہوسے تو محرومی لازم ہے۔ اس زمانہ میں چونکہ فہم کا قحط ہے اسلئے مجھے تو شبہ ہے کہ میں جو کبھی کبھی یہ بیان کرتا ہوں کہ تصوف کی کتابیں شیخ کے لئے ہیں بعینہٖ کہ اس سے آپ لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہو کہ شاید میں آپ لوگوں کے کے لئے انکا مطالعہ پسند نہ کروں گا، باقی میری کتابیں جو دیکھیں تو مجھے راضی کرنے کے لئے۔ حالانکہ یہ بات کبھی کوئی عقل کی ہے کہ میں اپنے شیخ کی کتابوں سے ہی سے لوگوں کو منع کروں گا جبکہ انھوں نے مخلوق کے نفع ہی کے لئے اتنی محنت فرمائی ہے اور آپ نے تو یہ کبھی دیکھا ہوگا کہ میں لوگوں کو حضرت کی کتب قصدا لسبیل، تعلیم الدین وغیرہ دیکھنے کی برابر ہدایت کرتا ہوں۔

بہرحال اب کبھی اگر بات سمجھ میں آگئی ہو تو غنیمت ہے۔

آپ نے ، متن اور شرح کے متعلق جو لکھا ہے تو تمام علماء ربانی شرح فرماتے ہیں قرآن شریف کی اور حدیث شریف کی لیکن افسوس ہے کہ آپ لوگ وہاں تک تو کیا پہونچتے اور اللہ ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت تو کیا حاصل ہوتی کسی عالم تک کبھی نہ پہنچ سکے اور اسکو کبھی پہچان سکے، اسکا افسوس ہے اور آپ سے تعجب کبھی اور اس کا سبب قصور ہمت کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔

(مکتوب نمبر ۸۵)

حال: حضرت کا جواب موصول ہوکر موجب طمانینت خاطر وسکینۂ قلب ہوا سبحان اللہ، کیا خوب مصلحت ومنفعت ہموم وغموم کی تحریر فرمائی کہ معًا انکا بوجھ دل سے ہلکا ہوگیا، منزل عالی جو پیش نظر ہوئی متاعب سفر کا احساس کم ہوگیا سورۂ یونس کی آیت ذیل یاد آئی اور غم وہم فرح سے بدل گیا۔

ایُّھَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْکُمْ مَوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْر (اے لوگو! تمھارے پاس تمھارے رب کی طرف سے ایک ایسی چیز ئی ہے جو نصیحت ہے، اور جو روگ ہیں دلوں میں نکے لئے شفا ہے)

مکرمی جناب سید .... صاحب سے برابر ملاقات رہتی ہے یا لیفون پر گفتگو رہتی ہے تو حضرت ہی کا ذکر رہتا ہے۔ لکھنؤ میں انکے واسطے سے حضرت کا فیض اہل طلب کو بہت پہنچتا رہتا ہے اور احقر پر تو حضرت کے سبب سے خاص لطف وکرم رہتا ہے ؎

زانکہ کہ ترا برمن مسکیں نظر است آثارم از آفتاب مشہور تر است

بس وقت سے آپکی مجھ مسکین پر نظر کرم ہے میرے آثار و نشانات آفتاب سے بھی زیادہ مشہور ہیں۔

گر خود ہمہ عیبہا دریں بندہ در است ہر عیب کہ سلطاں بپسندد ہنر است

گرچہ بندہ کے اندر تمام عیوب ہی عیوب ہیں لیکن جو عیب کہ بادشاہ سند کرے وہ ہنر وکمال ہی ہے۔

حضرت مولانا مہاجر مکی کی کوئی کتاب تجویز فرمائیں کہ خرید لوں۔

ق: الحمد للہ کہ جواب موجب طمانینت و سکینت ہوا اللہ تعالیٰ کی رحمت اندازہ ہوا کہ ہر چہ از دوست می رسد نیکو است (یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ کی رف سے پیش آتا ہے بہتر ہی ہوتا ہے) الحمد للہ کہ دل ہلکا ہو گیا یہ بھی للہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ ؎

ہم جو مصائب میں رہتا ہوں خوش و خرم بیٹھا کوئی دیتا ہے تسلی مرے دل میں سینئے ؎

منیٔ خلق میری رہنما ہونے کو ہے اب مرادست طلب دست دعا ہونے کو ہے

چاہا تھا برا میرا بھلا ہونے کو ہے آب خنجر قلق میں آب بقا ہونے کو ہے

لکھنؤ کے احباب کا تذکرہ موجب ازدیاد محبت ہوا اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو اپنے محبین میں شمار فرمائے۔

ضیاء القلوب ، ارشاد مرشد اور جہاد اکبر ڈاک سے یا کسی کے ذریعہ سے روانہ کرتا ہوں۔

(مکتوب نمبر ۸۵۵)

حال: ایک صاحب کا خط آیا تھا انھوں نے یہ لکھا تھا کہ "سید صاحب نے حضرت والا کے ملفوظات سنائے اس میں یہ بھی تھا کہ اگر چالیس روز دل سے ذکر اللہ کیجئے تو پھر دیکھئے دل کی حالت بدل جاتی ہے یا نہیں اس سے بہت اثر ہوا جی چاہتا ہے کہ ذکر اللہ کروں تو حضرت والا ارشاد فرمائیں کہ کون ذکر کروں اور کتنی مقدار میں کروں اور اسکا طریقہ کیا ہے

(انکے جواب میں تحریر ذیل گئی)

سید صاحب نے آپکو جو ملفوظات سنائے اس میں یہ بھی تو سنایا ہوگا کہ پیر کے بدن پر اس طرح سے گرو کہ اسکو چوٹ آجائے بس اس سے کامیاب ہو جاؤ گے، اسکا مطلب بھی تو آپ نے کچھ سمجھا ہوگا۔

کتنے دنوں سے ذکر اللہ پر گفتگو کر رہا ہوں آپ نے بھی سنا ہوگا، کتابوں سے سنایا کہ لا الہ الا اللہ افضل الذکر ہے مگر بات یہ ہے کہ رسوم کے غلبہ نے ان شرعی چیزوں کو ذکر اللہ سمجھنے سے روک دیا ہے۔ رسم پرستی کی وجہ سے کوئی خاص ذکر اور کوئی خاص طریقہ جیسا کہ اور پیروں کے یہاں ہوتا ہے نفس اسی کو چاہتا ہوگا ورنہ کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ اللہ ذکر ہے۔ سبحان اللہ، الحمد للہ ذکر ہے، تلاوت قرآن ذکر ہے، لا الہ الا اللہ ذکر ہے اسی رسم نے ناس مار رکھا ہے اور باوجود بتانے اور سمجھانے کے اس سے نکلنا نہیں چاہتے۔ اگر آپ لوگوں کو یہ بتا دیا جائے کہ اس طرح گردن

جھٹکا کر وظیفہ پڑھئے تب اسکو سمجھیں گے کہ ہاں کچھ بتایا ہے۔ آخر یہ کیا بات ہے کہ ایک آسان چیز بھی آپ لوگوں کو بتائی جاتی ہے تو آپ اسکو بھی مشکل بنا لیتے ہیں۔
اس خط کو سید صاحب کو دکھلا کر ان سے سمجھکر لکھئے کہ آپ نے کیا سمجھا۔
(نوٹ: یہ صاحب بڑے آدمی ہیں، اونچے عہدے پر ہیں، سمجھدار ہیں اسی لئے انکو ایسی تحریر گئی، دوسرے لوگ نہ سمجھیں تو خیر انکو تو سمجھنا چاہئے تھا)

(مکتوب نمبر ۸۵۶)

حال: واپسی الہ آباد کے بعد سے دینی ترقی نمایاں محسوس ہے۔
تحقیق: مبارک ہو
حال: نماز فجر کے بعد اخلاق کے متعلق احادیث سنانے کا التزام ہوگیا ہے
تحقیق: الحمدللہ، بارک اللہ
حال: تہجد بھی بالالتزام جاری ہے
تحقیق: الحمدللہ
حال: نماز میں اکثر حضور والا کی صورت سامنے آجاتی ہے پھر صورت تو غائب ہو جاتی ہے اور دل و دماغ میں روشنی محسوس ہوتی ہے۔
تحقیق: الحمدللہ
حال: اور کبھی آفتاب رسالت سے نور آتے ہوئے محسوس ہوتا ہے۔
تحقیق: مبارک ہو۔

(۱۰۳۸) ایک مدرسہ کے مہتمم صاحب نے لکھا کہ ایک مدرس کی کمی ہے (جو مستعفی ہو گئے تھے) ہراس ہو رہا ہے۔ اس پر تحریر فرمایا کہ ہراس ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک آپ کے خیالات صحیح نہیں ہوئے اگر کسی خاص درجہ کے کام کا قصد کر رکھا ہے تو اسکی اصلاح کرنی چاہیئے اور وہ اصلاح یہ ہے کہ یہ قصد کرلیا جاوے کہ جتنا سامان ہوگا اتنا کام کریں گے جتنا سامان نہوگا نہ کریں گے اور اگر کسی خاص درجہ کے کام کا قصد نہیں ہے تو پھر ہراس کیا۔

(۱۰۳۹) فرمایا کہ مصائب کا معاصی سے مسبب ہونا یہ تمام مصائب کیلئے نہیں بلکہ حقیقی مصائب کے لئے ہے کیونکہ ایک صوری مصیبت ہوتی ہے جیسا کہ کسی معشوق کا کسی عاشق کو زور سے آغوش میں دبا لینا جس سے اسکی ہڈی پسلی بھی ٹوٹنے لگے یہ صورتِ مصیبت ہے جس کا اثر محض جسم پر اور روح حیوانی پر ہی ہوتا ہے روح انسانی اس سے محظوظ اور لذت گیر ہوتی ہے اور ایک حقیقی مصیبت ہوتی ہے جیسے ایک دشمن سے دوسرے دشمن کو کوئی تکلیف پہونچتی ہے پس قرآن مجید کی آیت وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَیْدِیْكُمْ میں حقیقی مصیبت مراد ہے اس لئے لامحالہ اسکے مخاطب بھی وہی ہوں گے جو اس حقیقی مصیبت میں مبتلا ہیں باقی اہل اللہ مثل انبیاء و اولیاء کاملین اسکے مخاطب نہیں کہ انکی مصیبت محض صوری ہے حقیقی نہیں یہی وجہ ہے کہ وہ دل سے پریشان نہیں گو جسم متالم ہو اور ثمرہ اسکا رفع درجات ہوتا ہے اور یہی حال بچوں کی تکلیف کا ہے۔

(۱۰۴۰) فرمایا کہ اس طریق کی مناسبت تو شیخ کے پاس رہنے سے اور افادات کے سننے سے حاصل ہوتی ہے خصوص کام کرتے رہنے سے اور اطلاع دیتے رہنے سے۔

(۱۰۴۱) ایک اہلکار نے خط لکھا کہ بہت سے وظیفے پڑھے لیکن ترقی تنخواہ باوجود اچھے کام کرنیکے نہیں ملتی ہمیشہ محروم رہتا ہوں اس یاس و اضطراب میں جناب کیطرف رجوع کرتا ہوں، تحریر فرمایا کہ جسقدر تدبیر امکان میں ہو اسمیں تدبیر مع دعا کے اور جو اختیار میں نہو اس میں صرف دعا کے اور اسکے بعد بھی ناکامی ہو تو صبر اور یہ سمجھنا کہ اسی میں بہتری ہوگی اس سے زیادہ میں نہیں جانتا۔

ف ۱ اور تمکو جو کچھ مصیبت پہونچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کئے ہوئے کاموں کی بدولت ہے۔

(۱۰۴۲) ایک صاحب نے لکھا کہ میری دلی تمنا تھی کہ زمانۂ تعطیل میں دربار بندگان والا میں حاضر ہوں اس حاضری سے محض یہ غرض ہے کہ صحبت بابرکت سے توفیق الٰہی زیادہ ہو۔ راسخ الاعتقادی اور دل میں خدا کی محبت بڑھے۔ تحریر فرمایا چونکہ یہ امور خود غایات و ثمرات ہیں جو نہ میرے اختیار میں ہیں نہ آپ کے، اس لئے اس بنا پر تو آنا محتمل ندم ہے۔ البتہ اگر صرف یہ غرض ہو کہ میری باتیں سنئے گا اور جو مجھ سے پوچھا جائے گا میری معلوم اور رائے کے موافق جواب سنئے گا تو آنے کا مضائقہ نہیں مگر یہ امر اطلاع کے قابل ہے کہ یہ ضرور نہ ہوگا کہ میں ان ایام میں بالالتزام وطن میں مقیم رہوں اتنی مدت تک آزادی کو روکنا دشوار ہے اگر میرا دل کہیں جانے کو چاہے گا تو بلا تکلف چلا جاؤں گا ان سب امور کو دیکھ لیجیے (اور مصارف خود برداشت فرمانا ہوں گے) اگر آئیے تو یہ خط آتے ہی دکھلا دیجئے۔

(۱۰۴۳) ایک صاحب نے لکھا کہ حضرت والا سے نیز دوسرے اہل اللہ سے تعلق رکھتے ہوئے ایک مدت ہوگئی مگر اپنی حالت اس مشہور شعر کے بالکل مطابق ہے

خر عیسیٰ اگر بہ مکہ رود ‏ ‏ ‏ ‏ باز آید ہنوز خر باشد

(عیسیٰ علیہ السلام کا گدھا اگر مکہ معظمہ بھی چلا جائے پھر بھی جب واپس آئیگا گدھے کا گدھا ہی رہے گا)

(اور یہ بھی لکھا کہ زیادہ پریشانی اسکی ہے اگر احسان کا حصول ممکن نہیں تو کاش اسکی تحصیل کا خیال ہی دل سے نکل جاتا۔ بس اولاً تو یہ فرمادیں کہ آیا ہم میں صلاحیت حصول مقصود ہے یا نہیں اور دوم یہ کہ ہمارے مدرسہ میں عنقریب تین ماہ کی تعطیل ہونے والی ہے اگر آپ کے نزدیک آپکی خدمت میں حاضر ہونا مقصود کے لئے نافع ہو تو قدمبوسی کے لئے تیار ہوں اور اگر خدانخواستہ آپکی خدمت میں کامیابی کی توقع نہ ہو تو آپ لوجہ اللہ اسکی تعیین فرمادیں کہ کس کے پاس جاؤں جواباً تحریر فرمایا کہ • قبل طلب و قبل سعی و قبل عمل و قبل حضور خدمات حضرات اہل اللہ جو آپکی حالت تھی کیا بالکل اب بھی وہی حالت ہے کچھ بھی تفاوت نہیں ہوا یا کچھ تفاوت ہے؟

غالباً اگر آپ تامل وتذکرہ موازنۂ حالتین کے بعد جواب دیں گے تو ہرگز یہ نہ کہیں گے کہ تفاوت نہیں، ضرور تفاوت کے قائل ہوں گے۔ گو اس کے ساتھ یہ بھی کہدیں کہ تفاوت تو ہے مگر اسکو اعتداد و استقرار نہیں۔ کبھی حضور ہے کبھی غیبت، کبھی قوت ہے کبھی ضعف، کبھی کچھ کیفیت ہوتی ہے کبھی نہیں، تو یہ تسلیم کیا جاوے گا مگر اسکی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آتی کہ اسکو محرومی اور ناکامی کہا جائے۔ کیا اگر مریض کا مرض شیئاً فشیئاً روزانہ کم ہوتا جاوے اور صحت شیئاً فشیئاً بڑھتی جاوے تو کیا علاج کو غیر مفید کہیں گے۔ بلکہ قاعدہ تو یہ ہے کہ اگر یہ تفاوت مریض کو بھی محسوس نہ ہو صرف طبیب ہی کو اپنے قواعد طبیہ سے معلوم ہوتا ہو اور وہ اسکا حکم کرے تب بھی مریض کو واجب ہوگا کہ تسلیم کرے اور حق تعالیٰ کا اولاً اور اطباء کا ثانیاً شکرگذار ہو ورنہ سخط حق اور کدورت اطباء کا قوی اندیشہ ہے جو احیاناً مفضی ہوجاتا ہے سلب نعمت کی طرف تَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ (اور تم اسکو ہلکی چیز سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بھاری تھی) وہ مریض سخت غلطی کر رہا ہے کہ خود اپنے مرض کے متعلق ممتنع البرء ہونے کی تشخیص کر رہا ہے اور اس بڑھکر اسکی یہ غلطی ہوگی کہ اسکو خدا تعالیٰ نے عزم اور سامان معالجہ کا دیا ہو اور وہ اسکی ناقدری کرکے یہ تمنا کرے کہ کاش عزم ہی دل سے نکل جاتا کہ بے فکری سے دوسرے فضول یا مضر کاموں میں یکسوئی سے مشغول ہوتی۔ مولانا اگر طلب اور حق تعالیٰ کے ساتھ زیادت تعلق محبوب ہے تو کیا دوسرا کام بھی اس پر ترجیح رکھتا ہے یا لائنین کے کہنے سے صدمہ ہو سکتا ہے اس سے تو شبہ ہوتا ہے کہ حق کی طلب ہی نہیں بلکہ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ مطلوب مطلقاً تو مطلوب نہیں ہاں اگر وہ وعدۂ وصال کر بے تو کوشش کریں ورنہ گولی ماریں سبحان اللہ کیسی اچھی طلب ہے مولانا ایک قحبہ عورت بھی اپنے طالب سے اس کو گوارا نہیں کر سکتی چہ جائیکہ حضرت حق جل شانہٗ۔ اب اس پر بطور تفریع

سے کہتا ہوں کہ اگر بقول آپ کے آپ کی محرومی کو تسلیم کرلیا جائے تو اسکی وجہ اب سمجھ لیجئے کہ آپکی یہ شان طلب ہے! اگر یہ ہے تو اللہ کی امان! اصلاح کیجئے اور عنایتیں دیکھئے۔

آخر خط میں جو یہاں تشریف لانے کے متعلق معلق مشورہ طلب کیا ہے سو حضرت اس کا فیصلہ میں نہیں کر سکتا بلکہ آپ خود کر سکتے ہیں کیونکہ شرط نفع مناسبت اور کمال حسن ظن بحیث لا یشرک فیہ احدا (اس طور سے (کمال حسن ظن) میں کسی کو اسکے ساتھ شریک نہ کرتا ہو) ہے سو اس کا اندازہ ظاہر ہے کہ میں نہیں کر سکتا پھر جو امر مبنی ہے اس پر یعنی تعین مطلب اس کا فیصلہ میں کیسے کر سکتا ہوں۔

(۱۰۴۴) ایک صاحب نے عاجزی و لجاجت سے معافی چاہی اس پر تحریر فرمایا کہ میں مسلمانوں کا ایک ادنیٰ خادم ہوں خود ہزاروں تقصیرات میں ملوث ہوں نہ کہ دوسرا میرا قصوروار ہو اور میں معاف کروں۔ اگر بفرض محال آپ کے خیال میں کوئی بات ایسی ہو تو میں نے معاف کیا۔ مگر مولانا موقع پر معاملہ کی بات تو کہی جاتی ہے خواہ خوشامد سے یا غصہ سے۔

(۱۰۴۵) فرمایا کہ اہل فن کے نزدیک وصول نفع کے لئے جو یہ شرط ہے کہ شیخ سے سارے تعلقات سے زیادہ قوی تعلق ہو اسکا مطلب یہ ہے کہ استفادہ کے وقت اسکو ظناً انفع سمجھے اور اس ظن کا درجہ اتنا ہونا چاہئے کہ دوسری طرف نگرانی سے اسکو مانع ہو، پھر جب ایک معتد بہ زمانہ تک نفع نہ ہو اول اسی شیخ سے اسکی وجہ تحقیق کرے اگر تسلی نہ ہو تو پھر دوسرے سے استفادہ کرے اسی ظن مذکور کے ساتھ باقی مغلوب المحبت ہونا ضرور نہیں۔

(۱۰۴۶) ایک مرید نے لکھا کہ آدمیوں سے الگ تھلگ رہنے کو جی چاہتا ہے تو بات بات پر غصہ آجاتا ہے مگر ضبط کر لیتا ہوں، یہ کبر کا شائبہ تو نہیں

تحریر فرمایا کہ یہ کبر نہیں ہے توحش عن الخلق ہے جو سبب ہے انس مع الحق سے اور کبھی سبب بھی ہو جاتا ہے انس مع الحق کا۔ بے فکر رہیں - ہاں برتاؤ میں اعتدال سے تجاوز نہ کریں - زیادہ فکر میں نہ پڑیں۔

(۱۰۴۷) ایک مرید نے لکھا کہ بعض وقت (یہ خیال آکر کہ لوگ ریاکار کہیں گے یا اچھا کہیں گے تو نفس خوش ہوگا) نفل وغیرہ پڑھنے سے باز رہتا ہوں کیا یہ ناکارہ ہر طرح سے محروم ہی رہے گا؟ تحریر فرمایا کہ ریا کا خیال تو شیطانی خیال ہے باوجود اس خیال کے بھی کام کرنا چاہیئے اور مجھ سے کیا پوچھتے ہو محروم رہو گے یا کیا۔ مجھکو اپنا ہی حال معلوم نہیں ۔ پھر یہ کہ اپنی کوتاہی جب سبب محرومی کا ہو تو دوسرا کیا علاج کرے معلم کا کام اتنا ہے کہ طالب کام کرے اور اطلاع حالات کی دیگر جو کچھ پوچھنا ہو اس سے پوچھئے۔ بغیر اس کے کوئی کھیر تو ہے نہیں جو چٹا دی جاوے گی۔

(۱۰۴۸) ایک صاحب نے لکھا کہ میرے یہاں ایک دیندار نوکر ہے مجھے اس سے بہت انس ہے لوگ اسکو ورغلاتے ہیں کہ مزدوری میں زیادہ نفع ہے تعویذ مرحمت فرمایا جاوے کہ وہ میرا مطیع رہے اور مجھ سے علیٰحدہ نہ ہو ۔ تحریر فرمایا کہ افسوس اپنی غرض کے لئے آپ ایک مسلمان کی مصالح اور آزادی میں خلل ڈالتے ہیں ۔ اپنی اس خود غرضی کا تعویذ ڈھونڈھئے

(۱۰۴۹) فرمایا کہ عقل کا فتویٰ مقدم ہوتا ہے شوق کے فتویٰ پر اسلئے مقدم ہی پر عمل کرنا مناسب ہے

(۱۰۵۰) فرمایا کہ رضا اصل مطلوب ہے اگر ذوق و شوق نہ ہو نہ سہی

(۱۰۵۱) ایک مرید کے خط کے جواب میں تحریر فرمایا کہ یہ تبدل اوقات جو بضرورت ہوا ہے کہ بوجہ چھوٹی رات ہونے کے آنکھ نہیں کھلتی تھی ذرا بھی مضر نہیں ۔ باقی تغیر احوال اس طریق میں لازمی ہے اسکی طرف التفات نہ فرمادیں، دوام و استقامت اس طریق میں اصل ہے جسکا آپ نے

عزم فرما رکھا ہے حق تعالیٰ مدد و برکت فرمائیں، بعد نماز فجر اور بعد نماز مغرب سب برابر ہے۔ اگر ایک جگہ بیٹھنا کسی وجہ سے نہ ہو سکے تو چلتے پھرتے بھی کافی ہے البتہ اگر ایک وقت میں تو بیٹھنا ممکن ہو اور دوسرے میں نہو تو اس وقت کو ترجیح ہے جس میں بیٹھنا ممکن ہے۔

(۱۰۵۲) ایک صاحب نے عرصہ سے خط نہ لکھنے کی وجہ سے شرمندگی ظاہر کی تھی فرمایا کہ شرمندگی کا تدارک یہی ہے کہ حالت سے اطلاع دینا شروع کر دیں

(۱۰۵۳) فرمایا کہ شیخ کے قلب کو ہرگز مکدر نہ کرے اگر اسکو چھوڑنا ہی ہو تو بلا اطلاع کے چھوڑ دے ورنہ دنیاوی زندگی اس کی تلخ ہو جاوے گی۔ تا دم نزع اسکو چین نصیب نہ ہوگا جس کو یقین نہ ہو وہ آزما کر دیکھ لے اور ایک طرح دین کا بھی نقصان ہو سکتا ہے وہ یہ کہ ذوق و شوق جاتا رہتا ہے اگر ہمت کرے اور طبیعت پر جبر کرے تو دینی اعمال میں کچھ فرق نہیں آتا لیکن وہ جو ایک قسم کی توفیق و تائید تھی وہ جاتی رہتی ہے اگر ہمت سے کام لے تو اب بھی قادر ہو سکتا ہے اور اگر ہمت نہ کی تو دینی اعمال کی بھی توفیق نہ ہوگی اس اعتبار سے شیخ کے مکدر کرنے میں دینی نقصان بواسطہ بھی ہو سکتا ہے گو بلا واسطہ دینی نقصان نہیں ہوتا۔

(۱۰۵۴) ایک صاحب نے لکھا کہ مناجات مقبول کی روزانہ ایک منزل پڑھنے کی اجازت چاہتا ہوں۔ تحریر فرمایا کہ اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بعد کسی کی اجازت کی حاجت نہیں۔

(۱۰۵۵) ایک صاحب نے لکھا کہ ایک لڑکے سے محبت ہو گئی ہے ہر دم دل یہی چاہتا ہے کہ اسے دیکھا کروں اور حالت ناگفتہ بہ ہے۔ تحریر فرمایا کہ اول علاج اس مرض کا یہ ہے کہ محبوب سے ظاہری جدائی فوراً اختیار کر لی جائے تتمہ علاج اس اطلاع کے بعد لکھوں گا۔

(۱۰۵۶) فرمایا کہ طالبان حق تعالیٰ کے لئے عملیات کی طرف رجوع کرنا مناسب نہیں البتہ دعا کرنا سب حاجات مشروعہ کے لئے مسنون اور نافع ہے۔

(۱۰۵۷) ایک صاحب نے لکھا کہ ذکر کے وقت و نیز نماز میں نہ حضور قلب ہوتا ہے نہ جمعیت خاطر۔ تحریر فرمایا کہ حضور کے دو درجے ہیں اختیاری و غیر اختیاری اگر اول مراد ہے تو اسکے انتفاء کو آپ باختیار رفع کر سکتے ہیں اور اگر ثانی مراد ہے تو اسکا وجود خود ہی مطلوب نہیں ہوتا گو محمود ہے مگر مقصود نہیں پھر مفقود ہونے کا کیا غم؟

(۱۰۵۸) فرمایا کہ شکستگی ہی تو میری نظر میں ایک دل پسند ادا ہے۔

(۱۰۵۹) ایک صاحب نے لکھا کہ اس غلام کے عیوب سے مطلع فرمایا جاوے تحریر فرمایا کہ کوئی بات معلوم ہوگی کہدوں گا باقی ایسے شخص کو خود حق تعالےٰ اسکے عیوب پر مطلع فرما دیتے ہیں۔

(۱۰۶۰) ایک صاحب نے لکھا کہ میں نے پانچ روپیہ کا منی آرڈر حضرت والا کی خدمت میں بھیجا حضرت نے واپس کردیا اور یہ بھی لکھا کہ چاندی کے پایہ کے پلنگ پر سونے کی ممانعت ہے اور نقرہ طلائی بٹن لگانا جائز لکھا ہے اسکا کیا سبب ہے تحریر فرمایا کہ جب تک جان پہچان اور نیز باہم مناسبت اچھی طرح نہ ہو کسی کی چیز کو لیتے ہوئے شرم آتی ہے اور یہ بات حاصل ہوتی ہے کثرت ملاقات یا کثرت خط و کتابت سے اور یہ دونوں امر آپ کے اختیار میں ہیں نہ کہ میرے۔ چونکہ یہ بات ابتک حاصل نہیں ہوئی اور محض نام لکھنے سے مجھکو کہاں تک یاد آسکتا ہے اسلئے واپس کردیا۔ واقعی نام دیکھکر مجھکو تعلق بھی یاد نہیں آیا یہ نتیجہ ہے کم خط و کتابت کرنے کا اور ایک دلیل مناسبت نہ ہونے کی خود آپ کے خط میں ہے کہ مسائل کا سبب پوچھتے ہیں جس کا آپ کو منصب نہیں۔ بدون اس قدر تعارف و تناسب کے وہ رقم دوبارہ

نہ بھیجے اور وہ رقم جب تک میں وصول نہ کردوں میری ملک نہیں ہے شرعاً۔ آپ بے تکلف اسکو اپنے مصرف میں لا دیں۔

(۱۰۶۱) ایک شخص نے حضرت کی خدمت میں کچھ اعتراضات لکھکر بھیجے تھے تحریر فرمایا کہ مجھکو جوابوں سے کچھ عذر ہے جس کا معلوم کرانا ضروری نہیں آپ کو اگر محض اعتراض کرنا ہے تو اس کا جواب ضروری بھی نہیں اور اگر تحقیق مقصود ہے تو ایک شخص پر محصور نہیں۔ اگر ایک شخص عذر کرے دوسرے سے تحقیق فرما لیجئے۔

(۱۰۶۲) ایک صاحب نے غلبت اور میلان الی الامرد میں ابتلاء کے متعلق لکھا تو تحریر فرمایا کہ مراقبۂ عقوبت نار روزانہ پندرہ منٹ تک کیا جاوے اور صدور کے تقاضا کے وقت ہمت سے بھی کام لیا جائے۔

(۱۰۶۳) ایک صاحب نے بہت سے اچھے اچھے حالات لکھکر یہ لکھا کہ سب امور کے ساتھ اس کا بڑا خوف ہے کہ کہیں خدانخواستہ ان باتوں میں کمی واقع نہ ہوجائے۔ اس پر تحریر فرمایا کہ یہ خوف بھی مقتضائے ایمان ہے مگر اس کے ساتھ استحضار توکل بھی ضروری ہے مع العزم یعنی یہ نیت رکھے کہ اللہ کی مدد سے ہم اس پر مستقیم رہیں گے اور کمی ہوجاوے گی تو پھر عزم تازہ کریں گے اور کمی سے استغفار کریں گے

(۱۰۶۴) ایک شخص نے پوچھا کہ ایک عورت اپنے خاوند یا باپ کے ساتھ بلاشرکت دوسرے مرد کے نماز پڑھ سکتی ہے یا نہیں فرمایا کہ ہاں لیکن بالکل ٹھیک پیچھے کھڑی ہو برابر کھڑی نہ ہو۔

(۱۰۶۵) ایک صاحب نے دریافت کیا کہ حدیث میں تو ہے کہ جس گھر میں کتا ہوتا ہے وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے اگر کوئی شخص مجبوراً اپنی جان و مال کی حفاظت کی غرض سے کتا پال لے تو آیا اسکا گھر رحمت کے فرشتوں کے نزول سے محروم رہیگا؟ فرمایا کہ اکثر علماء کا یہ قول ہے کہ فرشتہ رحمت کا تو پھر بھی گھر میں نہ آوے گا لیکن اس مجبوری کی صورت میں گناہ سے محفوظ رہے گا۔ واللہ اعلم۔

مرشد کامل کی رہبری

اسی طرح یہ امر بھی قابل توجہ و ضروری العمل ہے کہ تعلیم کے بعد کسی شیخ و بزرگ کی صحبت بھی اختیار کرنا چاہیئے باوجود اسکے کہ یہ امر بہت مہتم بالشان ہے لیکن لوگ اس سے اس درجہ غافل ہیں کہ اسکو امر فضول سمجھتے ہیں اور بعضے لوگ جو کسی درجہ میں ضروری سمجھتے ہیں وہ بھی محض برائے نام یعنی چار ہی دن کے لئے آتے ہیں۔ اگر ان سے پوچھئے کہ کس واسطے تشریف لائے ہو؟ فرمائیں گے اصلاح نفس کے لئے کتنی مدت قیام ہوگا؟ جواب میں ارشاد ہوتا ہے چار دن یعنی اصلاح نفس کے حروف کے برابر بھی تو دن تجویز نہیں کرتے بلکہ دو دو حرفوں کے مقابلے میں ایک ایک دن مقرر کرتے ہیں۔ نہ معلوم اصلاح نفس کو کچھ کھیل سمجھ رکھا ہے یا محض آمد ورفت ہی کا نام اصلاح نفس رکھ لیا ہے۔ بعض آٹھ دن کے لئے آتے ہیں، بعض نے بہت ہمت کی تو مہینہ دو مہینہ کو آگئے۔ بھلا تمام عمر کے کہنہ اور جبلی امراض اور انکے معالجہ کے لئے چار دن یا ایک ہفتہ یا ایک دو مہینہ تجویز ہوتے ہیں! نہ معلوم یہ کس امر کا مقتضی ہے۔ دیکھئے کوئی شخص اگر چار سال سے تپ دق میں مبتلا ہو اور طبیب کے پاس علاج کرانے جائے اور کہے کہ چار دن میں چار سال کے مرض کا علاج ہو جائے تو طبیب کیا اس بات کی سماعت کرے گا یا اسکی جانب التفات و توجہ کرے گا ہرگز نہیں بلکہ بات بھی نہ کرے گا کہیگا اسکو خلل دماغ ہے کہ چار برس کے مرض کا چار دن میں علاج کرانا چاہتا ہے جب اطبار ظاہری سے ان امراض ظاہری میں جو قلیل عرصے سے صحت کو خراب کر رہے ہیں ایسے شخص کے علاج کرنے کی توقع نہیں تو اطبار روحانی تمھارے ان امراض باطنی کا جو عمر بھر سے تمھاری صحت روحانی خراب کر رہے ہیں کس طرح چار دن میں علاج کر دیں گے۔ حیرت ہے کہ تعلیم الفاظ میں تو آٹھ آٹھ دس دس سال خرچ کر دیئے ہیں اور اصلاح نفس و معالجہ روحانی کے واسطے ایک سال رہنا بھی دشوار و مشکل معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ علم الفاظ آلہ اور مقدمہ ہے اور اصلاح نفس

مطلوب بذاتہ و مقصود ہے کہ مقصود ہمیشہ مقدمات و مبادی سے اولیٰ و افضل
ہوا کرتا ہے قیاس کا تو مقتضیٰ یہ تھا کہ اگر تعلیم رسمی میں ایک سال صرف ہوا ہے
تو تعلیم مقصود میں چار سال تو خرچ ہونگے لیکن یہاں اسکے عکس کی بھی نوبت
نہیں آتی کہ آٹھ سال میں اگر تعلیم سے فارغ ہوں تو دو ہی سال اصلاح نفس
و مجاہدہ وریاضت میں صرف کریں۔ بلکہ بعض حضرات تو اصلاح نفس کے لفظوں کے برابر
آٹھ روز مقرر کرتے ہیں کہ بس ایک ہفتہ میں مشیخت کی گٹھری ہاتھ آجائے گی
اور بعض اشخاص چالیس دن متعین فرماتے ہیں کہ ایک چلہ میں تکمیل ہو جائیگی
نہ معلوم یہ زچہ عورت ہیں کہ چالیس روز میں چلہ نہا کر پاک صاف بن جائیں گے
تمام امراض سے صحت بھی ہو جائیگی اور بچہ بھی مل جائے گا اور وہ بچہ کیا ہے
مجاہدہ وریاضت کا اثر اور نتیجہ یعنی نسبت مع اللہ افسوس اس گوہر نایاب کی
کیسی بیقدری کی جارہی ہے۔ اے صاحبو! اس کے حاصل کرنے کیلئے کم از کم
اتنی مدت تو تجویز کی ہوتی جس میں رضاعت و فطام وغیرہ کا طریقہ تو معلوم ہو جاتا
لیکن اتنی فرصت کہاں بس چالیس روز میں شیخ کامل ہونا چاہتے ہیں۔ بعض مناسب
چھ ماہ اصلاح نفس کے لئے وقف کر دیتے ہیں جو کہ ادنیٰ مدت حمل ہے یعنی چھ
ماہ میں بچہ یعنی وہی نسبت مع اللہ ضرور ہو جانا چاہیئے کیا مطلب چھ ماہ میں
پیری و راہبری کی سند ضرور مل جانی چاہیئے میں کہتا ہوں کہ اچھا چھ ماہ
میں حمل ٹھہر بھی گیا لیکن اگر وہ پیٹ کے اندر مرگیا تو اب بتاؤ اسے کون جناوے
تم تو حمل ٹھہرنے کے بعد چھ ماہ میں چل دیئے اب وہ مردہ بچہ اندر سے کیونکر
نکلے گا پس وہ تو اپنی سمیت سے تم کو ہلاک ہی کرے گا۔ ان واقعات سے معلوم
ہوتا ہے کہ اصلاح نفس کا نام بدنام ہی کرنے کے واسطے لیا جاتا ہے اصل
مقصود محض ریاء و سمعہ، نمود و شہرت ہوتی ہے کہ وطن جا کر لوگوں کو معلوم ہو جائے
کہ جناب عالی مولوی مولانا بھی ہوگئے اور ساتھ ہی ساتھ درویش و شیخ بھی بن گئے غرض
ورنہ حقیقت میں آجکل جو اصلاح نفس یا تربیت باطن زبان سے کہا جاتا ان لفظوں

کا کچھ بھی مدلول نہیں محض بے معنی الفاظ ہوتے ہیں ایک شخص میرے پاس پانی پت سے آئے فرمایا میں قاری صاحب سے تجوید پڑھتا ہوں آجکل قاری صاحب دو مہینے کے واسطے باہر گئے ہوئے ہیں میں بیکار تھا لہٰذا اصلاح نفس کے لئے آیا ہوں۔ دیکھئے ایسا فضول اور زائد کام سمجھا کہ آؤ آجکل بیکار ہیں اسے ہی کر لو تفریح بھی ہو جائیگی، افسوس۔ میں نے کہا کہ مجھے معاف فرمائیے میں اس کام کو انجام نہیں دے سکتا، جناب کو یکسوئی نہ ہوگی کبھی یہاں کا خیال ہوگا کبھی وہاں کی فکر ہوگی کشمکش میں اصلاح نفس نہیں ہوا کرتی دوسرے اتنی مدت میں ہو بھی کیا سکتا ہے ؎

صوفی نشود صافی تا در نکشد جامے بسیار سفر باید تا پختہ شود خامے

(صوفی صاف و پاک نہیں ہو سکتا جب تک کہ جام کا تلخ گھونٹ حلق سے نہ اتار خام و ناقص آدمی کے پختہ و کامل ہونے کے لئے بہت سفر درکار ہے)

بھائی تم تو اپنی طرف سے اس مہتم بالشان امر کے لئے ایک وسیع وقت نکالو گو شیخ کی توجہ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تھوڑے ہی دنوں میں کام ہو جائے مطلب برآئے لیکن تمہارا عزم تو وسیع ہونا چاہئے اپنی طرف سے تو کوتاہی نکرو جب انسان کوئی کام کرنا چاہے تو اول اسکو معلوم کر لینا چاہئے کہ اس کام کے لئے کس قدر وقت کی ضرورت ہے اور کتنی مقدار زمانہ کی اس کام کے لئے کافی ہے لیکن چونکہ یہاں کام کرنا مقصود ہی نہیں محض نام ہی مطلوب ہوتا ہے اس لئے دل بھی نہیں لگتا اور زیادہ مدت بھی نہیں دی جاتی۔

الحاصل اخلاق حمیدہ اور اخلاق ذمیمہ کے التباس کے سبب انسان کبھی ایسی پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے جس سے خلاصی محال معلوم ہونے لگتی ہے پھر کبھی تو اس پریشانی میں صرف ایمان کا اندیشہ ہوتا ہے اور گاہے جان کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔ اللہ اکبر! اکثر لوگوں نے تو خودکشی کر لی ہے۔ اسی صدمہ و رنج میں جان دیدی ہے۔ لہٰذا ضرورت ہے ایک شیخ کامل و مبصر کی کہ اخلاق ذمیمہ کو

اخلاق ذمیمہ بنا دے اور انکے معالجہ میں کوشاں ہو اور اخلاق حمیدہ کو اخلاق حمیدہ بنا دے اور انکے بقاء و دوام کی کوشش کرے دودھ کا دودھ علیحدہ کرے اور چھاچھ کی چھاچھ۔ کوئی امر مشتبہ اور ملتبس نہ رہے روز روشن کی طرح سب معاملہ صاف ہو جائے۔ غور کیجئے مثلاً ایک شخص مرض دق میں مبتلا ہے اور اپنے آپکو مریض نہیں سمجھتا بلکہ صحیح خیال کرتا ہے جس طرح یہ شخص ایک بڑی غلطی میں مبتلا ہے اسی طرح اسکا مقابل بھی اس سے زیادہ غلطی میں گرفتار ہے یعنی جو شخص کہ اچھا خاصا ہو لیکن ایک دن جو گرمی میں زیادہ پسینہ آگیا اور حرارت شمس کی وجہ سے بدن گرم ہو گیا تو وہ یہ سمجھ گیا کہ مجھے بخار ہو گیا لگا ہائے ہو کرنے، قبل از مرگ واویلا شروع کر دیا گھر آتے ہی بیوی پر غصہ شروع کر دیا مُردار تو اِدھر اُدھر پھرتی ہے میں بخار میں مر رہا ہوں میرا برا حال ہے کوئی دم کا مہمان ہوں اس نے کہا کہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ تم کو تو بخار. خاک بھی نہیں ہے محض وہم ہے۔ اسکا کیا علاج؟ جواب میں کہا تیرا کیا ہے اگر میں مر جاؤں گا۔ تو ظاہر ہے اس شخص کی غلطی پہلے شخص سے بھی زیادہ ہے اور اسکا رفع ہونا بہت مشکل ہے بعض اکابر نے فرمایا ہے اِنْ تَمَارَضْتُمْ تَمْرَضُوْا (اگر تبکلف مریض بنو گے تو واقعی مریض ہو جاؤ گے) کسی شاعر نے کہا ہے ع۔ مزن فال بد کآورد حال بد (فال بد مت نکالو کیونکہ بد فالی بد حالی لاتی ہے، فال بد کا حال بھی بد ہی ہوتا ہے)

بدگمانی سے احتراز

فال بد کی ممانعت اس وجہ سے نہیں کہ اس میں کچھ اثر ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ اس سے خدا تعالےٰ کے ساتھ سوء ظن و بدگمانی پیدا ہوتی ہے کہ اب اللہ میاں کوئی بلا ضرور بھیجیں گے وَاَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ (میں اپنے بندہ کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا کہ وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے) جب اس نے اللہ تعالےٰ سے بدگمانی کی وہ بھی بعض دفعہ اسکی سزا میں ویسا ہی کر دیتے ہیں جیسا اس نے گمان کیا تھا ہمارے استاد حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ

دہلی میں مومن خان شاعر تراویح میں قرآن شریف سننے آیا کرتے تھے ایک ڈوم بھی قرآن شریف سننے آیا کرتا تھا اس نے کہا کہ خاں صاحب جس روز وہ سورت آئے جس کا نام نہیں لیا کرتے جو مردوں پر پڑھی جاتی ہے تو مجھے بتا دینا میں اسے نہیں سنوں گا یعنی سورۂ یٰسین، عوام جہلا رسورۂ یٰسین کا نام سننے سے بھی ڈرتے ہیں اسکو موت کی علامت سمجھتے ہیں، خان صاحب شاعر آدمی تھے آپ کو مذاق سوجھا اپنی شوخ اور چلبلی طبیعت سے نہ رہ سکے گو وہ بڑے متقی اور متورع شخص تھے خدا معلوم سچ یا جھوٹ کہدیا کہ وہ تو رات پڑھی بھی گئی اسکو تو تو نے سن لیا انکو ہنسی ہوگئی اور اسکا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کرنے لگا ہوش اڑ گئے، حواس باختہ ہوگیا روح تحلیل ہونے لگی سہ

لکھکر ہمارا نام زمیں پر مٹا دیا　　انکا تو کھیل خاک میں ہمکو ملا دیا

غرض وہ دوسرے یا تیسرے روز مرگیا الغرض صحت کو بیماری سمجھنا بھی غلطی ہے اس غلطی میں جان کا بھی اندیشہ ایمان کا بھی خطرہ، روحانی نقصان بھی جسمانی زیاں بھی۔ اس قسم کی غلطیوں سے لوگوں نے خودکشی کرلی ہے۔ ایسے وقت میں مرشد کامل رہبری نہ کرے تو انسان بجز جان دینے کے اور کچھ چارہ ہی نہیں رکھتا جان اور ایمان کے لفظ پر محض لفظی مناسبت سے مجھے ایک لطیفہ یاد آگیا میں مکہ شریف سے واپس آرہا تھا بمبئی میں کوسیٹھ کے مسافرخانہ میں قیام ہوا وہاں کے لوگوں کو میرے آنے کی اطلاع ہوئی اور سب نے وعظ کی درخواست کی میں نے کہا مجھے معاف کرو میں یہاں وعظ نہیں بیان کرونگا کیونکہ دو حال سے خالی نہیں یا تو ناحق کہونگا تو ایمان کا اندیشہ یا حق کہوں گا تو جان کا اندیشہ لہٰذا میں جان وایمان کو خطرہ میں نہیں ڈالتا اور بمبئی میں وعظ نہیں کہتا مجھے جان وایمان دونوں محبوب ہیں اور شرعاً دونوں کی حفاظت ضروری ہے، البتہ تمکو اگر ایسا ہی شوق ہے تو یہیں مسافرخانہ میں کہہ دوں گا جس کا دل چاہے آکر سن لے چنانچہ وہیں مسافرخانہ میں بیان کیا اتفاقاً مجمع

بہت زیادہ ہو گیا تھا غرض جان جیسے طبعاً و عقلاً عزیز ہے اسی طرح شرعاً بھی واجب الحفظ ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی نعمت ہے۔ نیز ارشاد ہے لَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ (اپنی جانوں کو قتل مت کرو) ــــ اگر جان ہماری چیز ہوتی تو ہم کو اس میں تصرف کرنے سے منع نہ کیا جاتا۔

جان و ایمان کی حفاظت

دوسرے مقام پر ارشاد ہے لَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ کہ اپنی جان کی حفاظت کرو مصائب و نوائب سے بچو، اپنے نفوس کو قتل مت کرو، جان بوجھ کر مصیبت میں پھنسو، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اِنَّ لِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقًّا اِنَّ لِعَيْنِكَ عَلَيْكَ حَقًّا (بیشک تمھاری جان کا بھی تم پر حق ہے اور بیشک تمھاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے) جب نفس اور جان کا ہم پر حق ہے تو اسکی حفاظت کیوں نہ ضروری ہوگی انسان جان اور زندگی ہی کے ذریعے سے مدارج کمالات کو طے کرتا ہے ہر دنیوی و دینی، طبعی و شرعی ترقی اسی پر موقوف ہے۔ تمام اعمال و افعال کا موقوف علیہ یہی ہے تو اسکی حفاظت کیسی کچھ ضروری ہوگی۔ اسی طرح وہ پریشانی بھی ممنوع ہے جس سے اعضاء ظاہری و باطنی قلب وغیرہ پر کچھ برا اثر ہو انکی حفاظت بھی ضروری ہے کیونکہ یہ اعضاء مقدمہ و آلہ ہیں روح و جان کے ساتھ، مقصود اصلی مرغوب ہوتا ہے اسی طرح اس کے مقدمات بھی ہوتے ہیں مقدمات کا احترام اور انکی نگہداشت مقصود ہی کی نگہداشت ہے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں کسی شخص نے تسبیح دیکھی کہا حضرت آپکو تسبیح کی کیا حاجت ہے یہ تو مبتدیوں کے واسطے موزوں ہے فرمایا اسی کی بدولت تو ہم کو یہ دولت ملی ہے، اسی کی وجہ سے تو آج اہل الی اللہ ہوئے ہیں اور اسی کو چھوڑ دیں ایسے رفیق کو چھوڑا نہیں جا سکتا یہ تو کفران اور ناشکری ہے کہ جس چیز کی وجہ سے نعمت غیر مترقبہ حاصل ہو اس سے ہی اعراض کیا جائے۔ اسی طرح یہ اعضاء اور نفس مطلوب بالذات یعنی قرب حق کے لئے آلہ ہے لہٰذا

انکی عزت و حرمت بھی ضروری ہے۔ خوب کہا ہے ؎

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

(میں اپنی آنکھ پر ناز کرتا ہوں جس نے تیرا حسن وجمال دیکھا ہے اور اپنے پاؤں پر گرتا ہوں جو تیری گلی میں پہونچا ہے)

ہردم ہزار بوسہ زنم دست خویش را کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

(ہر وقت اپنے ہاتھ کو بوسہ دیتا ہوں جس نے تمھارا دامن پکڑ کر میری طرف کھینچا ہے۔)

غرض چونکہ وہ نفس اور اعضاء وسیلہ اور ذریعہ ہیں مقصود کے لئے انکی حفاظت گو آلہ ہی کے درجے میں سہی لیکن ضروری تو ہے اور ایمان کی حفاظت میں تو کسی قسم کا شبہ و شک ہو ہی نہیں سکتا اسکی حفاظت تو جان سے بھی بدرجہا زیادہ و اولیٰ ہے کیونکہ یہ تو خود مقصود ہے، اس کی حفاظت مقصود کے درجہ میں ہوگی اور ظاہر ہے کہ مقصود ہمیشہ مقدمات سے ہر اعتبار سے بڑھا ہوا ہوتا ہے اب سمجھ لیجئے کہ اس غلطی سے جو پریشانی ہوگی وہ کس قدر زیادہ سخت ہے حق تعالیٰ شانہٗ محفوظ رکھیں اور اس سے معلوم ہوگیا ہوگا کہ جمعیت شرعاً بھی مطلوب ہے اور پریشانی سے جس پر یہ مضرتیں مرتب ہوں بچنا ضروری ہے شریعت مقدسہ میں اسکی تعلیم اہتمام سے دی گئی ہے۔ چنانچہ جو شخص محزون و غمگین ہو اسکی تعزیت مامور بہ ہے جسکے معنی تسلی دینے کے ہیں یعنی اسکو دلاسہ دیا جائے اسکی جمعیت خاطر میں کوشش کیجائے احادیث میں اسکی بہت فضیلت ہے کہ اپنے بھائی مسلمان کی پریشانی دور کی جائے اسکی حاجت رفع کیجائے نیز جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی و طمانیت ہی کے لئے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو ایک طویل تعزیتی خط لکھا ہے وہ خط حصن حصین میں منقول ہے۔

مصائب سے نجات اور خود حق تعالےٰ جل جلالہٗ عم نوالہٗ فرماتے ہیں:
وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ

قَالُوْا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں کو مژدہ سنا دیجئے جو صابر ہیں اور مصیبت اور سختی کے وقت خدا تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اناللہ پڑھتے ہیں۔ اس میں حق تعالیٰ نے رنج وغم اور پریشانی دور کرنے کا ایک طریقہ بتلایا ہے جس کا عنقریب بیان آتا ہے۔ معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ کو مسلمانوں کی پریشانی گوارا نہیں جب ہی تو اسکے رفع کا طریقہ بتلایا ہے اور وہ طریقہ تسلی وتشفی میں دو وجہ سے موثر ہے ایک تو اس وجہ سے کہ وہ ذکر ہے اور پریشانی کے وقت خدا کی یاد میں لگ جانا پریشانی کے دفع کرنے میں کافی وافی ہو جاتا ہے جس میں کچھ انا للہ کی تخصیص نہیں بلکہ ہر ذکر میں یہی خاصہ ہے جیسے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ سبحان اللہ استغفر اللہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم وغیرہ لیکن مصیبت و پریشانی کے وقت کے ساتھ انا للہ کو ایک تعلق ہے وہ یہ کہ اس میں علاوہ ذکر کے مضمون بھی ایسا ہے کہ اسکا استحضار پریشانی کا استیصال کر دینے والا ہے کیونکہ حاصل آیت کا یہ ہے کہ غم میں دو باتوں کا خیال رکھے ایک تو اِنَّا لِلّٰہِ کہ ہم ہر اعتبار سے خدائے قادر کے مملوک بندے ہیں وہ ہم میں جس طرح سے چاہے تصرف کرے اسے اختیار ہے۔ دوسرے اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ کہ ہم سب کا مرجع ومآل وہی ایک ذات ہے انا للہ میں تو اس امر کی تعریف ہے کہ اپنے واسطے اپنی عقل و رائے سے کچھ تجویز نہ کرے بس اس پر جما رہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ہیں وہ جو چاہے کرے اسکے فعل میں چوں وچرا کا کسی کو حق نہیں اور جب یہ حالت راسخ ہو جائیگی تو کبھی بھی رنج نہ ہوگا، پریشانی کا نام بھی نہ آئے گا۔ پریشانی تو جب ہی ہوتی ہے کہ ہم خود اپنے لئے کچھ سے کچھ تجویز کر لیتے ہیں مثلاً یہ کہ ہمارا مال ہمیشہ ہمارے پاس رہے، ہماری اولاد ہمیشہ زندہ رہے، ہم ہمیشہ تندرست رہیں، ہمیشہ برسرِ ملازمت رہیں کبھی برخاست نہ ہوں وغیرہ وغیرہ۔ اور اسکے خلاف ہونے میں غم میں مبتلا ہو سکتے ہیں کہ ہائے یہ کیوں ہوا وہ کیوں ہوا میری تو ساری امیدیں خاک میں مل گئیں، میں تو کیا سوچ رہا تھا اور ہو کیا گیا۔

(جاری)

بدعت ایک سنگین گناہ

(قسط ۲)

(اس کی پہلی قسط جنوری ۱۹۹۵ء میں شایع ہو چکی ہے)

بدعت اعتقادی گمراہی ہے

ایک ہوتی ہے عملی کوتاہی یعنی ایک شخص کسی عملی کوتاہی کے اندر مبتلا ہے اس سے غلطیاں ہو رہی ہیں، گناہ سرزد ہو رہے ہیں اور ایک ہوتی ہے اعتقادی گمراہی کہ کوئی شخص کسی ناحق بات کو حق سمجھ رہا ہے اور گناہ کو ثواب سمجھ رہا ہے کفر کو ایمان سمجھ رہا ہے پہلی چیز یعنی عملی کوتاہی کا مداوا تو آسان ہے کہ کبھی نہ کبھی توبہ کرے گا تو معاف ہو جائیگی لیکن جو شخص گناہ کو ثواب سمجھ رہا ہو اسکی ہدایت بہت مشکل ہے اسی لئے آپ نے فرمایا کہ بدترین گناہ بدعت کا گناہ ہے۔ اسی لیے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بدعت سے اتنا بھاگتے تھے کہ کوئی حد نہیں

بدعت کی سب سے بڑی خرابی

بدعت کی سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ آدمی خود دین کا موجد بن جاتا ہے حالانکہ دین کا موجد کون ہے؟ صرف اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے جو دین بنایا وہ ہمارے لئے قابل اتباع ہے لیکن بدعت کرنے والا خود دین کا موجد بن جاتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ دین کا راستہ میں بنا رہا ہوں اور در پردہ وہ اس بات کا دعویٰ کرتا ہے کہ جو میں کہوں وہ دین ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کا جو راستہ بتایا اور جس پر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے عمل کیا میں ان سے بڑھکر دیندار ہوں میں دین کو ان سے زیادہ جانتا ہوں، تو یہ شریعت کی اتباع نہیں ہے بلکہ اپنی خواہش نفس کی اتباع ہے

دنیا میں کھلی خسارہ اور آخرت میں کھلی خسارہ

ہندو مذہب میں کتنے لوگ دریا کے کنارے اللہ کو راضی کرنے کے لئے ایسی ایسی ریاضتیں اور ایسی ایسی محنتیں کرتے ہیں جن کو دیکھکر انسان حیران رہ جاتا ہے، کوئی آدمی اپنا ہاتھ بلند کرکے سالہا سال تک اسی طرح کھڑا ہے ہاتھ نیچے کبھی نہیں کرتا۔ کسی آدمی نے سانس کھینچا ہوا ہے اور گھٹنوں

ٹھیک سانس نہیں لے رہا ہے اور حبس دم کر رہا ہے اس سے اگر پوچھا جائے کہ تو یہ کام کیوں کر رہا ہے؟ جواب دے گا کہ یہ میں اسلئے کر رہا ہوں کہ میرا اللہ راضی ہو جائے اب چاہے وہ اللہ کو بھگوان کا نام دے یا کچھ اور کہے لیکن بتایئے کہ اس کے اس عمل کی کوئی قیمت ہے؟ حالانکہ اسکی نیت بظاہر درست معلوم ہوتی ہے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ کے یہاں اسکی کوئی قیمت نہیں اس لئے کہ اللہ کو راضی کرنے کا جو طریقہ اس نے اختیار کیا ہے وہ اللہ اور اللہ کے رسول کا بتایا ہوا نہیں ہے بلکہ وہ طریقہ اس نے اپنے دل اور دماغ سے گھڑ لیا ہے اس واسطے اللہ کے یہاں اسکا کوئی عمل مقبول نہیں ایسے اعمال کے بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے:-

وَقَدِمْنَا اِلٰى مَا عَمِلُوْا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنٰهُ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا

(سورۃ الفرقان: ۲۳)

جو لوگ ایسے عمل کرتے ہیں ہم ان کے عمل کو اس طرح اڑا دیتے جیسے ہوا میں اڑائی ہوئی مٹی اور گرد وغبار، عمل کیا لیکن اکارت گیا محنت کی لیکن بیکار گئی۔

اور دوسری جگہ پر کتنے پیارے اور شفقت بھرے انداز سے قرآن کریم نے فرمایا

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا

(سورۃ الکہف: ۱۰۴)

قرآن کریم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ آپ لوگوں سے کہیں، کیا میں تمھیں بتاؤں کہ اس دنیا میں سب سے زیادہ خسارے میں کون لوگ ہیں؟ پھر فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں کہ جنکا عمل اس دنیا میں اکارت ہو گیا اور دل میں یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ لوگ اسلئے خسارے میں ہیں کہ جو فاسق و فاجر تھا یا جو کافر تھا اس نے کم از کم

دنیا میں عیش کرلے، آخرت اگرچہ تباہ ہوئی لیکن دنیا میں تو عیش کر گیا اور یہ شخص تو اپنے دنیا کے عیش و آرام کو بھی خراب کر رہا ہے اور محنت اٹھا رہا ہے اور آخرت کو بھی بگاڑ رہا ہے اس واسطے کہ اس نے عبادت کا وہ طریقہ اختیار کیا ہوا ہے جو اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتایا۔

اسی لئے بدعت کے بارے میں فرمایا "شر الامور" سارے کاموں میں بدترین کام بدعت ہے اس لئے کہ آدمی محنت تو کرتا ہے مگر حاصل کچھ نہیں ہوتا

دین نام ہے اتباع کا

اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ہمارے اور آپ کے دلوں میں یہ بات بٹھا دے کہ دین اصل میں اللہ اور اللہ کے رسول کی اتباع کا نام ہے اپنی طرف سے کوئی بات گھڑنے کا نام دین نہیں ہے۔ عربی زبان میں دو لفظ استعمال ہوتے ہیں ایک اتباع اور دوسرا ابتداع، اتباع کے معنی ہیں کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے حکم کی پیروی کرنا اور ابتداع کے معنی ہیں اپنی طرف سے کوئی چیز ایجاد کرکے اسکے پیچھے چل پڑنا۔ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو سب سے پہلے جو خطبہ دیا اس میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے کہ :-

إِنِّي مُتَّبِعٌ وَلَسْتُ بِمُبْتَدِعٍ (طبقات ابن سعدؒ جلد ثالث ص ۱۸۳)

میں اللہ اور کے رسول کے احکام کا متبع ہوں مبتدع نہیں۔ یعنی کوئی نیا راستہ ایجاد کرنے والا نہیں ہوں لہذا ساری قیمت اللہ کے حکم کے آگے سر جھکانے کی ہے اپنی طرف سے جو بات کی جائے اسکا کوئی وزن کوئی قدر و قیمت نہیں۔

ایک عجیب واقعہ

ایک واقعہ آپ نے بکثرت سنا ہوگا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی رات کے وقت مختلف صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے حالات دیکھنے کیلئے نکلتے تھے کہ کون کیا کر رہا ہے، ایک مرتبہ تہجد کے وقت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے نکلے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس سے

گزرے آپ نے دیکھا کہ وہ عاجزی کے ساتھ نہایت آہستہ آواز سے تہجد کی نماز میں تلاوت کر رہے ہیں آگے جا کر دیکھا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تہجد پڑھ رہے تھے اور اس میں بلند آواز سے قرآن کریم کی تلاوت کر رہے ہیں اور انکی تلاوت کی آواز باہر تک سنائی دے رہی تھی حضور آپ دیکھتے ہوئے واپس تشریف لے آئے۔ بعد میں آپ نے حضرت صدیق اکبر اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہما دونوں کو اپنے پاس بلایا اور پہلے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میں رات کو تہجد کے وقت تمہارے پاس سے گزرا تو تم بہت آہستہ آواز سے تلاوت کر رہے تھے اتنی آہستہ آواز سے کیوں تلاوت کر رہے تھے اس کے جواب میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کیا خوبصورت جملہ ارشاد فرمایا کہ اَسْمَعْتُ مَنْ نَاجَيْتُ یا رسول اللہ! جس ذات سے میں مناجات کر رہا تھا جس سے تعلق قائم کیا تھا، جس ذات کو میں سنانا چاہتا تھا اسکو تو سنا دیا اب آواز بلند کرنے کی کیا ضرورت ہے اس لئے میں آہستہ تلاوت کر رہا تھا۔

پھر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم زور زور سے تلاوت کر رہے تھے اسکی کیا وجہ تھی انھوں نے جواب میں فرمایا کہ إِنِّیْ أُوْقِظُ الْوَسْنَانَ وَ اَطْرُدُ الشَّيْطَانَ میں زور سے اس لئے تلاوت کر رہا تھا تاکہ جو لوگ پڑے سو رہے ہیں وہ بیدار ہو جائیں اور شیطان بھاگ جائے اس لیے جتنی زور سے تلاوت کروں گا شیطان بھاگے گا اس لئے میں زور سے تلاوت کر رہا تھا

اب ذرا دیکھئے کہ دونوں کی باتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بات بھی صحیح کہ میں تو اللہ میاں کو سنا رہا ہوں، کسی دوسرے کو سنانے کی کیا ضرورت؟ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی بات بھی درست کہ میں سونے والوں کو جگا رہا تھا شیطان کو بھگا رہا تھا لیکن اسکے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے ابوبکر! تم نے اپنی سمجھ سے یہ راستہ اختیار کیا کہ بہت آہستہ

تلاوت کرنی چاہیئے اور اے فاروق! تم نے اپنی سمجھ سے یہ راستہ اختیار کیا کہ زور سے تلاوت کرنی چاہیئے لیکن تم دونوں نے چونکہ اپنی اپنی سمجھ سے یہ راستہ اختیار کیا تھا اس لئے یہ پسندیدہ نہیں ہے، لیکن اللہ تعالٰی نے یہ فرمایا کہ نہ زیادہ زور سے تلاوت کرو اور نہ زیادہ آہستہ تلاوت کرو بلکہ معتدل آواز سے تلاوت کرو اسی میں زیادہ نور اور برکت ہے۔ اور اسی میں زیادہ فائدہ ہے۔ اس کو اختیار کرو۔

(ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب رفع الصوت بالقرأۃ فی صلاۃ اللیل)

معلوم ہوا کہ عبادت کے اندر اپنی طرف سے کوئی راستہ اختیار کرلینا اللہ تعالٰی کے نزدیک زیادہ پسندیدہ نہیں جتنا اللہ اور اللہ کے رسول کا بتایا ہوا راستہ پسندیدہ ہے بس جو راستہ ہم نے بتایا ہے وہ راستہ اختیار کرو، اسمیں جو نور اور فائدہ ہے وہ کسی اور میں نہیں۔

دین کی ساری روح یہ ہے کہ اطاعت اور عبادت اللہ اور اللہ کے رسول کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق کرنی ہے اپنی طرف اپنی طرف سے کوئی طریقہ گڑھ لینا درست نہیں۔

ایک بزرگ کا آنکھیں بند کرکے نماز پڑھنا

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ بیان کیا ہے جو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مواعظ میں بیان کیا کہ انکے قریب کے زمانے میں ایک بزرگ تھے وہ جب نماز پڑھا کرتے تھے تو آنکھیں بند کرکے نماز پڑھتے تھے اور فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ نماز میں ویسے تو آنکھ بند کرنا مکروہ ہے لیکن اگر کسی شخص کو اسکے بغیر خشوع حاصل نہ ہوتا ہو تو اسکے لئے آنکھ بند کرکے نماز پڑھنا جائز ہے کوئی گناہ نہیں۔ تو وہ بزرگ نماز بہت اچھی پڑھتے تھے تمام ارکان میں سنت کی رعایت کے ساتھ

پڑھتے تھے لیکن آنکھ بند کر کے نماز پڑھتے تھے اور لوگوں میں انکی نماز
مشہور تھی کیونکہ نہایت خشوع وخضوع اور نہایت عاجزی کے ساتھ نماز
پڑھتے تھے وہ بزرگ صاحب کشف بھی تھے ایک مرتبہ انھوں نے
اللہ تعالیٰ سے درخواست کی یا اللہ! میں جو یہ نماز پڑھتا ہوں میں اسکو
دیکھنا چاہتا ہوں کہ آپ کے یہاں میری نماز قبول ہے یا نہیں؟ اور کس درجہ
میں قبول ہے اور اسکی صورت کیا ہے؟ وہ مجھے دکھا دیں، اللہ تعالیٰ
نے انکی یہ درخواست قبول فرمائی اور ایک نہایت حسین وجمیل عورت
سامنے لائی گئی جس کے سر سے لیکر پاؤں تک تمام اعضاء میں نہایت
تناسب اور توازن تھا، لیکن اسکی آنکھیں نہیں تھیں بلکہ اندھی تھی
اور ان سے کہا گیا یہ ہے تمھاری نماز۔ ان بزرگ نے پوچھا یا اللہ! یہ
اتنے اعلیٰ درجہ کی حسن وجمال والی خاتون ہے مگر اسکی آنکھیں کہاں ہیں
جواب میں فرمایا کہ تم جو نماز پڑھتے ہو وہ آنکھیں بند کر کے پڑھتے ہو،
اس واسطے تمھاری نماز ایک اندھی عورت کی شکل میں دکھائی گئی ہے۔

نماز میں آنکھ بند کرنے کا حکم

یہ واقعہ حضرت حاجی صاحب قدس اللہ
نے بیان فرمایا اور حضرت تھانوی
قدس اللہ سرہٗ اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بات دراصل یہ تھی کہ اللہ
اور اللہ کے رسول نے نماز پڑھنے کا جو سنت طریقہ بتایا وہ یہ تھا کہ آنکھیں
کھول کر نماز پڑھو، سجدہ کی جگہ پر نگاہ ہونی چاہیئے، یہ ہمارا بتایا ہوا طریقہ
ہے اگرچہ دوسرا طریقہ جائز ہے گناہ نہیں ہے لیکن سنت کا نور اس پر
حاصل نہیں ہوسکتا، اگرچہ فقہاء کرام نے یہ فرمایا کہ اگر نماز میں خیالات بہت
آتے ہیں اور خشوع حاصل کرنے کیلئے اور خیالات کو دفع کرنے کے لئے کوئی
شخص آنکھیں بند کر کے نماز پڑھتا ہے تو کوئی گناہ نہیں جائز ہے مگر یہ طریقہ
خلاف سنت ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری عمر کبھی کوئی نماز

بند کرکے نہیں پڑھی اسکے بعد صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین
بھی کوئی نماز آنکھ بند کرکے نہیں پڑھی اسلئے فرمایا کہ ایسی نماز میں
ت کا نور نہیں ہوگا

(لم یکن من ھدیہ صلی اللہ علیہ وسلم تغمیض عینیہ فی الصلاۃ. زاد المعاد لابن قیم ج۱)

یں وساوس اور خیالات

اور یہ جو خیال ہورہا ہے کہ چونکہ نماز میں
خیالات و وساوس بہت آتے ہیں
، آنکھ بند کرلے نماز پڑھ لو، تو بھائی اگر خیالات غیر اختیاری طور پر آتے
: اللہ تعالیٰ کے یہاں اس پر کوئی مواخذہ کوئی پکڑ نہیں، وہ نماز جو آنکھیں
ر اتباع سنت میں پڑھی جارہی ہے اور اس میں غیر اختیاری خیالات
ے ہیں وہ نماز پھر بھی اس نماز سے اچھی ہے جو آنکھ بند کرکے پڑھی
ی ہے اور اس میں خیالات بھی نہیں آرہے ہیں اسلئے کہ وہ نماز
یم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں ادا کی جارہی ہے اور یہ دوسری
اتباع رسول میں نہیں ہے۔

بھائی یہ سارا معاملہ اتباع کا ہے اپنی طرف سے کوئی طریقہ گڑھنے
ں، اسی کا نام دین ہے۔ اب ہم نے یہ جو سوچ لیا کہ فلاں عبادت اس طرح
ور فلاں عبادت اس طرح ہوگی تو یہ سب اللہ تعالیٰ کے یہاں غیر مقبول
، اسلئے فرمادیا کہ "کل بدعۃ ضلالۃ" کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

ت کی صحیح تعریف اور تشریح

ایک بات اور عرض کردوں جس کے
بارے میں لوگ بکثرت پوچھا کرتے
، وہ یہ ہے کہ جب ہر نئی بات گمراہی ہے تو یہ پنکھا بھی گمراہی ہے، یہ ٹیوب
، بھی گمراہی ہے۔ یہ لبس بھی یہ موٹر بھی گمراہی ہے اس لئے کہ یہ
یں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہیں تھیں بعد میں پیدا ہوئی
انکے استعمال کو بدعت کیوں نہیں کہتے؟

خوب سمجھ لیجئے اللہ تعالیٰ نے بدعت کو جو ناجائز اور حرام قرار دیا تو یہ وہ بدعت ہے جو دین کے اندر کوئی نئی بات نکالی جائے، دین کا جزو اور دین کا حصہ بنالیا جائے کہ یہ بھی دین کا حصہ ہے مثلاً یہ کہنا کہ ایصال ثواب اس طرح ہوگا جس طرح ہم نے بتاؤ یعنی تیسرے دن تیجہ ہوگا پھر دسواں ہوگا پھر چہلم ہوگا جو اس طریقہ سے ایصال ثواب نہ کرے وہ مردود ہے۔

میت کے گھر میں کھانا بنا کر بھیجو

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اگر کسی کے گھر میں صدمہ ہو تو دوسرے لوگوں کو چاہیے کہ اسکے گھر میں کھانا تیار کرکے بھیجیں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ غزوہ موتہ کے موقع پر شہید ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں سے فرمایا

اصنعوا لآل جعفر طعاما فانه قد اتاهم امر شغلهم (ابو داؤد، کتاب الجنائز باب صنعة الطعام لاهل الميت، حديث نمبر ۳۱۳۲)

جعفر کے گھر والوں کے لئے کھانا بنا کر بھیجو اسلئے کہ وہ بے چارے مشغول ہیں اور صدمہ کے اندر ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ اس کے لئے کھانا بناؤ جس کے گھر صدمہ ہوگیا تاکہ وہ کھانا پکانے میں مشغول نہ ہو انکو صدمہ ہے۔

آجکل کی الٹی گنگا

آجکل الٹی گنگا یہ بہتی ہے کہ جس کے گھر صدمہ ہے وہ کھانا تیار کرے اور نہ صرف یہ کہ کھانا تیار کرے بلکہ دعوت کرے شامیانے لگائے دیگیں چڑھائے اور اگر دعوت نہیں دیگا تو برادری میں ناک کٹ جائیگی۔ یہاں تک سننے میں آیا ہے کہ جو بے چارہ مرگیا ہے اسکو بھی نہیں بخشتے اسکو بھی بھلا برا کہنا شروع کر دیتے ہیں مثلاً یہ کہا جاتا ہے کہ "مرگیا مردود نہ فاتحہ نہ درود" اگر مرنے والے کے گھر میں دعوت نہ ہوئی تو پھر اسکی بخشش نہیں ہوگی۔ معاذ اللہ۔ اور پھر وہ دعوت بھی مرنے والے کے ترکے سے ہوگی جس میں اب سارے ورثاء کا حق ہوگیا ان میں نابالغ بھی ہوتے ہیں اور نابالغ کے مال کو ذرہ برابر چھونا شرعاً حرام ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے پھر بھی یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور جو شخص یہ سب نہ کرے وہ مردود ہے۔

(جاری)

حامل مضامین تصوف وعرفان ۰ افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۶، ۷ - محرم الحرام ۱۴۱۶ھ مطابق جون ۱۹۹۵ء - جلد ۱۸

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ سالانہ زر تعاون ستّر روپیہ ششماہی پینتیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک : پاکستان سو روپیہ - غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۵/۲۳ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر - پبلشر - صغیر حسن : اسرار کریمی پریس جانسن گنج - الہ آباد

ترتیب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ :

جیسا کہ قارئین رسالہ جانتے ہیں کہ خانقاہ حضرت مصلح الامۃ قدس سرہٗ کی طرف سے قربانی کا نظم کیا جاتا ہے ان امور کی انجام دہی کے لئے مدرسہ وصیۃ العلوم کے اساتذہ اور مفتیان کرام متعین کئے جاتے ہیں تاکہ جانوروں کی خرید و فروخت اور قربانی کے فرائض سنت و شریعت کے مطابق کما حقہٗ دوسروں کی جانب سے ادا ہوسکیں۔ خانقاہ مصلح الامت علیہ الرحمہ سے تعلق خاطر اور حضرت قاری صاحب مدظلہٗ کی ذاتِ بابرکات پہ اعتماد کی بنا پر شہر و بیرون شہر اور ممالک غیر سے کثیر تعداد میں اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے اہل ادارہ کو ذمہ دار بنایا جاتا ہے، الحمد للہ امسال بھی ان سب ہی لوگوں کی جانب سے یہ فریضہ ادا کردیا گیا جنھوں نے رقوم اور ناموں کی فہرست بذریعہ ٹیلیفون یا خط روانہ کرکے رابطہ قائم کیا۔ رقم موصول ہوجانے پر بذریعہ پوسٹ کارڈ مطلع کردیا جاتا ہے۔ چونکہ قربانی کرانے کے بعد انفرادی طور پر ہر شخص کو مطلع کرنا مشکل ہے لہٰذا اس رسالہ کے ذریعہ تمام شرکاء کو اطلاع دیجاتی ہے کہ الحمد للہ سب ہی کی جانب سے قربانی کرادی گئی

ادارہ ان تمام احباب کا ممنون ہے جو اس سلسلہ میں اپنی گراں قدر مصروفیات کے باوجود وقت نکال کر بالواسطہ مدرسہ وصیۃ العلوم کی اعانت کرتے ہیں۔ رب العزت والجلال ان تمام لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے اور انکی مساعیٔ جمیلہ کو قبول فرمائے۔

الحمد للہ رسالہ ہر ماہ پابندی کے ساتھ شایع ہورہا ہے قارئین کرام اس سے کما حقہٗ استفادہ بھی کر رہے ہیں اس سلسلہ میں ایک مکتوب محترم جناب قاری عبدالسلام مضطر صاحب کا پیش خدمت ہے اسکے ساتھ ہی انکی ایک نظم بعنوان "نماز" بھی ہدیۂ ناظرین ہے

(نقل خط قاری عبدالسلام مضطر صاحب)

مجبی و مخدومی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ امید کہ مزاج گرامی بعافیت ہونگے ماہ مبارک کا زمانہ قریب آگیا ہے، ملاقات کی امید ہوگئی ہے۔ حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم

مولانا احمد مکین سلمہٗ کی خدمات عالیہ میں سلام مسنون عرض فرمادیں اور دعائے مغفرت وحسن خاتمہ کی درخواست بھی پیش فرمائیں، رسالہ برابر مل رہا ہے اور ایمان وعمل کی دبی ہوئی چنگاریوں کو کرید کرید کر زندگی عطا کر رہا اور انھیں شعلہ بنا رہا ہے الحمدللہ ہند کے ظلمات میں یہ جو سوئے آبِ حیات برابر جاری ہے تو دعا کرتے ہیں کہ یہ فیضان وصی اللّٰہی تا قیامت جاری رہے۔ والسلام

خاکروب آستان وصی اللّٰہی ——— عبدالسلام

نماز

سن پاتا ہوں جب نام تمھارا میں اذاں میں
ہوتا ہے بپا ایک تلاطم رگِ جاں میں

آجاتی ہے کانوں میں مری روح سمٹ کر
ٹھنڈک دل و دیدہ میں، شکر کام و دہاں میں

گزرے جو نمازوں میں مری زیست کے اوقات
تھے انکی توجہ کے، عنایت کے وہ لمحات

معلوم نہیں مار دیا منہ پہ الٹ کر
یا پیش کئے جانے کے قابل تھی وہ سوغات

دراصل نمازیں ہیں حقیقت تجلہ کی
یہ اک عملی مشق ہے اس قولِ وفا کی

مشغول بہ خالق رہے، مخلوق سے یکسو
اثبات فقط حق کا، نفی غیرِ خدا کی

آیا ہوں ترے در پہ ہر اک شغل سے کٹ کر
اک روز تو آنا ہی تھا گھربار سے ہٹ کر

جن چیزوں کو کرتا تھا کبھی تیرے حوالے
اب انکو تجھے چھوڑ کے کیا دیکھوں پلٹ کر

مجرم ہے ترے سامنے اور ہاتھ بندھا ہے
اقرار گناہوں کا ہے احساس خطا ہے

دربار میں تیرے یہ مرا جسمِ گنہگار
پیشانی کے بل خاک پہ اوندھا پڑا ہے

رسالہ وصیۃ العرفان کے خوشنویس جناب رضوان قدسی صاحب کی اہلیہ محترمہ (ہمشیرہ مولانا مفتی عبدالرحمٰن صاحب جامی علیہ الرحمہ) طویل علالت کے بعد رحلت کر گئیں انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحومہ اپنی گوناگوں صفات بالخصوص جذبۂ شفقت اور خدمت خلق کی بنا پر اپنے اور پرائے سبھی میں ہردل عزیز تھیں ادارہ اور جملہ اہل خانہ سے انکا تعلق بہت گہرا اور مخلصانہ تھا۔

اعزہ واقرباء کے غم میں اہل ادارہ برابر کے شریک ہیں، ناظرین کرام سے گذارش ہے کہ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل مرحمت فرمائے۔

(سلسلہ ۲)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں مسلمانوں نے جب بیت المقدس
محاصرہ کیا تو اہل شہر نے مسلمانوں سے کہا کہ تم لوگ اپنے خلیفہ کو بلاؤ ہماری کتاب میں
انکا حلیہ لکھا ہوا ہے اگر مطابق ہو جائیگا تو ہم بغیر جنگ کے قلعہ کا دروازہ کھولدیں گے اور شہر تمہارے
سپرد کردیں گے چنانچہ مسلمانوں کے سپہ سالار نے خلیفۃ المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس
یہ اطلاع بھیجی اور آپ شام کیلئے روانہ ہوگئے تو آپکا حال یہ تھا کہ پیوند لگے ہوئے معمولی کپڑے
پہنے ہوئے تھے اور سواری کیلئے اونٹ تھا یہ دیکھکر اسلامی سپہ سالاروں نے درخواست کی کہ آپ مسلمانوں
کے خلیفہ ہیں لہٰذا اچھے اور صاف کپڑے پہن لیں اور اس گھوڑے پر سوار ہوکر چلیں۔ حضرت عمرؓ
نے لوگوں کی اس خواہش پر کپڑے بدل لئے اور گھوڑے پر سوار ہوگئے مگر ابھی چند قدم ہی چلے تھے
کہ آپ نے فرمایا کہ میرا نفس ان چیزوں سے پھول رہا ہے لے آؤ میرے پرانے کپڑے اور میرا
اونٹ میں اسی پر چلوں گا چنانچہ آپ نے وہی پیوند والے کپڑے پھر پہن لئے اور اونٹ
پر سوار ہوگئے اور یہ بھی فرمایا کہ نَحْنُ قَوْمٌ اَعَزَّنَا اللّٰہُ بِالْاِسْلَامِ ہم وہ لوگ ہیں جن کو
اللہ نے اسلام کے ذریعہ عزت دی ہے ۔ اللہ اکبر کس قدر اخلاص تھا باوجود اسکے
کہ امیر المومنین ہیں اور مخالفین کے سامنے جارہے ہیں لیکن اچھے کپڑوں میں نفس کو خود
ایسی حرکت ہوئی تو اسکو اتار پھینکا اور کیا ٹھکانا ہے اس اخلاص کا کہ اپنے ماتحتوں سے
یہ ظاہر بھی کردیا کہ میرا نفس ان چیزوں سے پھولنے لگا۔ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو
محض اخلاص اور للہیت سے ایسا کیا مگر اللہ تعالیٰ نے اسکی برکات ظاہر فرمائیں اسطرح کہ
جب آپ قلعہ کے سامنے اسی ہیئت سے پہونچے تو مخالفین نے قلعہ کے اوپر سے آپکے
حلیہ کتاب کے مطابق کرنا شروع کیا چنانچہ طَابَقَ النَّعْلُ بِالنَّعْلِ بعینہٖ یہی حلیہ نکلا کہ ایسے
کپڑے ہونگے اور ایسی سواری ہوگی بس اہل شہر نے قلعہ کے دروازے کھول دیئے اور
شہر مسلمانوں کے سپرد کردیا۔ تو دیکھئے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سب اس مقصد کے لئے
نہیں کیا تھا کہ اس سے قلعہ فتح ہو جائیگا یہ تو آپکی للہیت کا ثمرہ تھا حضرت عمر رضی اللہ
تعالیٰ عنہ کو یہ علم بھی نہ تھا کہ انکی کتاب میں کیا لکھا ہے بلکہ آپنے تو محض اللہ کیلئے ایسا
کیا تھا چنانچہ آپکے ہی اخلاص کی برکتیں ظاہر ہوئیں ان دونوں واقعوں میں اللہ تعالیٰ

نے اخلاص کی کیسی کیسی برکتیں ظاہر فرمائی ہیں بیشک اخلاص ہی سے تمام برکتیں ہیں۔
حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایکبار ایک کرتا پہنا پھر خود ہی اسکی آستین کاٹ کر اسکو عیب دار کر دیا اور فرمایا کہ اس کرتے کے پہننے سے مجھ میں عُجب پیدا ہونے لگا تھا اسلئے میں نے اسکو عیب دار کر دیا۔ تو صاحب نہ ان لوگوں کو کرتا مقصود ہے نہ اونٹ نہ جوڑا مقصود تھا نہ گھوڑا بلکہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنی نیت پختہ طور پر باندھی تھی جہاں ذرا سا اخلاص کے خلاف سمجھا یا نفس کی آمیزش دیکھی بس اسکے موقع ہی کو ختم کر دیا اور علٰحدہ ہو گئے۔

حضرت معروف کرخیؒ اپنے نفس کو مخاطب کر کے فرمایا کرتے تھے کہ اے نفس اخلاص اختیار کر خدا کے یہاں رہائی پا جائے گا بزرگان دین اخلاص کی تجدید کیا کرتے تھے اب لوگ ہر چیز کی تجدید کرتے ہیں مگر اخلاص کی تجدید نہیں کرتے حالانکہ خدا کے یہاں اخلاص مطلوب ہے سارے کام اخلاص ہی سے بنتے ہیں

آج اگر تم سمجھ رہے ہو کہ وقت نازک ہے تو کچھ کام کرو اور وہ کام یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سچا ایمان لاؤ اور نفس کو چھوڑ دو حضور دعا فرما رہے ہیں وَلَا تُسَلِّطْ عَلَيْنَا مَنْ لَّا يَرْحَمُنَا اے پروردگار ہم پر ایسے لوگوں کو مسلط نہ فرمائیے جو ہم پر رحم نہ کریں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو مسلط کیا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلط کیا جاتا ہے لہٰذا جب تک خدا کو راضی نہ کرو گے کچھ حاصل نہ ہوگا اے خدا کے بندو خدا کی طرف توجہ کرتے جاؤ اب سے اخلاص اختیار کرو، یہ جو اعمال تم کر رہے ہو پانچوں وقت نماز پڑھ رہے ہو، قرآن شریف کی تلاوت کر رہے ہو اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے ہو یہ ساری باتیں کچھ کم نہیں ہیں اسی میں اخلاص پیدا کرلو پھر برکتیں دیکھو۔ کوئی کام اگر آپکے لئے مشکل نظر آتا ہے تو خدا کیلئے تو مشکل نہیں ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر قدرت ہے تو تمھارے حالات پر بھی تو اسکو قدرت حاصل ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت محدود نہیں ہے اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے احاطۂ قدرت میں ہیں۔ بس اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا چاہیئے مسلمان جو دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ قبول فرماتے ہیں نصوص میں تصریح ہے۔ آخر آپ لوگ اتنی عبادتیں کرتے ہیں کیا قبول نہیں ہوتیں؟ اگر قبول نہیں ہوتیں تو کرتے کیوں ہیں تو معلوم ہوا کہ قبول ہوتی ہیں اور ضرور قبول ہوتی ہیں۔ بس دعا بھی کیجئے وہ بھی ضرور قبول ہوگی آپ دعا بھی کرتے ہیں مگر انھیں کاموں میں جہاں اسباب مساعد اور موافق دیکھتے ہیں اور

جن امور میں اسباب ناساعد ہوں اس میں دعا ہی نہیں کرتے حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام بوڑھے تھے اور بیوی بانجھ تھیں لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ سے اولاد کی دعا کی اور وہ قبول بھی ہوگئی بلا اسباب کسی بات کا ہوجانا ہمارے لئے خرق عادت ہے مگر اللہ تعالیٰ کیلئے جس طرح اسباب کے ساتھ کسی چیز کو پیدا کردینے پر قدرت ہے اسی طرح بغیر اسباب کے کسی چیز کو پیدا کردینے پر بھی قدرت ہے انکے لئے دونوں برابر ہیں۔ بس مسلمانوں کیلئے پریشانی کے وقت میں دعاؤں سے بڑھکر کوئی چیز نہیں بس اللہ تعالیٰ کو راضی کیجئے اور انھیں سے مانگئے۔ وہ دیتے ہیں اور خوب دیتے ہیں۔ ایک جج صاحب کہتے تھے کہ میرے والد وکالت کیا کرتے تھے اور میں والد صاحب کیلئے تین چیزوں کی دعا کیا کرتا تھا ایک یہ کہ والد صاحب وکالت چھوڑ دیں دوسرے یہ کہ حج کر آئیں اور تیسرے یہ کہ فلاں بزرگ سے مرید ہوجائیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے تینوں دعائیں قبول فرمالیں یعنی والد صاحب نے وکالت بھی چھوڑ دی حج بھی کر آئے اور مرید بھی ہوگئے۔ میں کہتا ہوں کہ بھائی دعا کی قبولیت کوئی جج اور وکیل کے ساتھ خاص نہیں ہے آپ بھی دل لگا کر دعا کیجئے قبول ہوگی۔ اہل مکہ میں سے جو مسلمان ہجرت نہ کرسکے تھے اور کفار مکہ انکو طرح طرح سے ایذاء دیتے تھے تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کرکے ہی مدد چاہی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انکی دعا کو قرآن شریف میں بیان بھی فرمایا ہے وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا (یعنی اپنے پاس سے ہمارا کوئی دوست اور مددگار بنا دیجئے چنانچہ انکی دعا قبول ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیر بنا کر بھیجدیا اور مکہ فتح ہوگیا۔ جب بندہ دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بہت زیادہ تعلق اور قرب ہوجاتا ہے اور دعا میں جتنی رجاء (اور امید) زیادہ ہوتی ہے اتنی ہی قبولیت ہوتی ہے ہم اگر کچھ نہیں کرسکتے تو دعا تو کرسکتے ہیں اپنے اختیار میں جتنا کام ہو اسکو تو کرہی لینا چاہئے۔

ایک بزرگ ایک مسجد میں نماز پڑھنے گئے دیکھا کہ مسجد ویران ہے بستی کے لوگوں سے اسکی وجہ پوچھی کہ لوگ نماز پڑھنے کیوں نہیں آتے تو لوگوں نے بتایا کہ اس بستی میں فلاں شخص بڑا بااثر ہے اگر وہ نماز پڑھنے لگے تو بہت سے لوگ نمازی ہوجائیں یہ سنکر وہ بزرگ اس شخص کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا کہ تم نماز کیوں نہیں پڑھتے اس نے جواب دیا کہ ڈاڑھی چڑھاتا ہوں اور وضو کرنے میں ڈاڑھی اتر جاتی ہے اس لئے میں نماز نہیں پڑھتا ان بزرگ نے اس سے

فرمایا کہ بھائی بے وضو ہی پڑھ لیا کرو چنانچہ اسکو نماز کیلئے کھڑا ہی کر دیا اور اسکے بعد دعا کی کہ یا اللہ میرے اختیار میں بس کھڑا کر دینا ہی تھا جو میں نے کر دیا اب دل کا پھیر دینا تیرے اختیار میں ہے چنانچہ یہ دعا قبول ہوئی اور اس شخص نے سوچا کہ جب ہم اتنی محنت کر کے نماز پڑھتے ہیں تو کیوں نہ وضو بھی کر لیا کریں تاکہ پورا ثواب ملے چنانچہ پھر وہ شخص باوضو نماز پڑھنے کا پابند ہو گیا۔ دیکھا آپنے دعائیں کس طرح قبول ہوتی ہیں۔ اس بات کا یقین کر لینا چاہئے کہ یہ جتنی باتیں پریشانی کی ہو رہی ہیں یہ خدا کی ناراضگی کے سبب ہیں دشمن کی ناراضگی کی وجہ سے نہیں ہیں دشمن کی رضا یا ناراضگی کوئی چیز نہیں ؎

گو ہوا دشمن زمانہ ہو مگر اے دل ہمیں　　　دیکھنا یہ ہے مزاج یار تو برہم نہیں

انسان کو پریشان نہیں ہونا چاہیئے ایک دم سے اخلاص کا اعلیٰ مقام تو حاصل ہو نہ جائیگا بس لگے رہو چلے چلو انشاء اللہ دھیرے دھیرے کمال بھی حاصل ہو جائیگا اور جب تک کسی کام میں اخلاص کا ہونا یا نہ ہونا معلوم نہ ہو تو خیر اس کام کو کرتے رہو لیکن جب کسی کام کے متعلق معلوم ہو جائے کہ اسمیں اخلاص نہیں ہے تو اس کام کو چھوڑ دینا چاہئے۔ بزرگوں نے اخلاص کی خوب خوب بحث کی ہے۔ صاحب اخلاق محسنی نے اپنی کتاب میں اخلاص کا پورا باب ہی قائم فرمایا ہے چنانچہ تحریر فرماتے ہیں کہ عمل کو ریا اور غرض سے پاک کرنا اور نیت کو خالص اللہ کے لئے درست کرنا اخلاص ہے ؎

ہر کہ با اخلاص قدم می زند　　　عیسیٔ وقت است کہ دم می زند

جو شخص اخلاص کے ساتھ چلتا ہے وہ عیسیٰ وقت اور مبارک ہے پس چاہئے کہ کام میں خدا تعالیٰ کو راضی رکھنے کی نیت کرے اور اپنے نفس کو دخل نہ دے کیونکہ اغراض نفسانی اعمال حقانی کو تباہ کر دیتی ہیں۔ حکایت ہے کہ خراسان کے ایک خلیفہ نے ایک مجرم کو سزا کا حکم کیا اس مجرم نے اسی اثناء میں خلیفہ کو گالی دینا شروع کر دیا خلیفہ نے حکم دیا کہ اسکو آزاد اور رہا کر دو ایک درباری نے پوچھا کہ اس وقت جبکہ وہ گستاخی کر کے مزید سزا کا مستحق تھا جہاں پناہ نے اسکو آزاد کیوں کر دیا خلیفہ نے جواب دیا کہ میں اسکو محض اللہ کیلئے تادیب کرتا تھا لیکن جب اسنے مجھکو برا کہنا شروع کیا تو میرے نفس میں حرکت ہوئی اور جوش انتقام پیدا ہوا پس میں نے مناسب نہیں سمجھا کہ جو کام اللہ سبحانہٗ کیلئے خالص تھا اس میں نفس کو دخل دوں کیونکہ یہ بات اخلاص کے خلاف ہے لہٰذا میں اسکی تادیب سے رک گیا ؎

داعیہ نفس چوں بجنود در رد　　　معنیٔ اخلاص بنماند اندر و

(جب کسی کام میں نفس کی آمیزش ہوگی تو پھر اب اس میں خلوص کہاں باقی رہا)

کار کہ از اخلاص نشد بہرہ ور　　　ترک چناں کار سزاوار تر

(اور جس کام میں اخلاص نہ ہو اسکو چھوڑ دینا ہی مناسب ہے کیونکہ بغیر اخلاص کے وہ کچھ سودمند نہیں) اللہ تعالیٰ اخلاص بلا اد[illegible]

[illegible]

اخلاص و اتباع

ایک بزرگ کے پاس ایک شخص گئے جن کا نام علی تھا ان سے ان بزرگ نے فرمایا کہ چلے
جاؤ بس وہ واپس چلے اور راستہ میں یہ سوچتے جا رہے تھے کہ جب یہاں سے نکال دئے گئے تو
زندہ رہنے سے کیا فائدہ کہ زمین میں دفن ہو جائیں گے اُن بزرگ کو کشف ہو گیا اور راستہ ہی سے
ان کو بلا لیا اور اپنے خواص میں اُن کو داخل کر لیا اسی وجہ سے وہ علی الخواص کہے جانے لگے۔ دیکھا
آپ نے وہ امتحان میں پاس ہو گئے اس لئے کہ ان کو ناگوار نہیں ہوا بلکہ رنج و صدمہ ہوا کہ ایسی جگہ
سے ہم نکال دئے گئے تو ہم زمین پر رہنے کے قابل نہیں رہے لہٰذا مر ہی جانا بہتر ہے۔ یہ تمنا انتہائی
ترین اور ان بزرگ سے نہایت خلوص و عقیدت کی بنا پر تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان بزرگ کے
دل میں ڈالا کہ مخلص آدمی ہے اس کو اپنے پاس بلا لو اور اپنا مقرب بنا لو چنانچہ ایسا ہی کیا۔ سُنئے
اللہ تعالیٰ کے راستہ میں صرف بدن سے قرب حاصل نہیں کیا جاتا بلکہ خلوص سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیا
جاتا ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ
الآیۃ قربانی کا گوشت اور خون اللہ تک نہیں پہونچتا بلکہ تمہارا تقویٰ پہونچتا ہے جو اس کے ساتھ ہے
حدیث میں ہے کہ دو قطرے ایسے ہیں جو گرنے سے پہلے ہی مقبول ہو جاتے ہیں ایک تو آنسو کا قطرہ جو اللہ
کے لئے نکلے دوسرا خون کا وہ قطرہ جو اللہ کے واسطے گرے۔ تقویٰ کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ نے اخلاص ہی
سے کی ہے غور کرنے سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اخلاص ہی مراد ہے۔ بزرگان دین فرما رہے ہیں کہ پہلے
اور اب میں جو فرق ہے وہ اسی اخلاص ہی کا ہے ہو سکتا ہے کہ عمل بہت ہو اور آدمی اللہ تعالیٰ تک نہ پہنچے
اور عمل کم ہو مگر اس میں اخلاص ہو تو اس کی وجہ سے خدا تک پہونچ جائے گا اعمال جو مقبول ہوتے ہیں
تو اسی اخلاص ہی کی وجہ سے ہوتے ہیں۔ ایک شخص نماز کے لئے مسجد جا رہے تھے ایک آدمی سے
ملاقات ہوئی جو نماز پڑھ کر مسجد سے واپس آرہے تھے انھوں نے ان سے پوچھا کہ کیا جماعت ہو گئی

اس شخص نے جواب دیا ہاں ہوگئی یہ سن کر انھوں نے ایک ٹھنڈی آہ بھری تو اس شخص نے کہا کہ آپ ہماری نماز کا ثواب لے لیجئے اور اپنی یہ آہ مجھے دے دیجئے۔ مطلب اس شخص کا یہ تھا کہ آپ کو جماعت نہ ملنے سے جو حزن وغم ہوا اس کی وجہ سے جو ثواب ملا۔ وہ میری نماز سے جو میں نے جماعت سے ادا کی ہے بدرجہا زیادہ ہے اس لئے کہ اس میں اس درجہ کا خلوص نہیں تھا۔

میں آپ سے کہتا ہوں کہ آنا جانا بیٹھنا اور دیکھنا یہ سب بہت آسان ہے اور تبرک بنانا بھی بہت آسان ہے لیکن اخلاص سے عمل کرنا بہت مشکل ہے حالانکہ یہ نہیں تو کچھ نہیں۔ حضرت مولانا کے یہاں کچھ مہمان بے وقت قریب دوپہر کے گرمی کے زمانہ میں آئے گرمی شدت کی تھی۔ میں بھی وہیں تھا ایک شخص باہر کے ٹھہرے ہوئے تھے ان کے اہل وعیال بھی وہیں مقیم تھے انھوں نے اپنے گھر میں جاکر کہا کہ فوراً کھانا پکاؤ اور حضرت مولانا کے گھر پر بھیج دو اور خود آکر حضرت مولانا سے کہا کہ حضرت آپ مہمانوں کے لئے انتظام نہ فرمائیں اور گھر میں نہ کہلائیں میں نے اپنے گھر میں انتظام کر دیا ہے کھانا آپ کے یہاں مہمانوں کے واسطے پہونچ جاوے گا حضرت مولانا نے ہم لوگوں سے اس واقعہ کو مدح کے ساتھ بیان فرمایا اور یہ فرمایا کہ میں نے اس وقت یہ کہا کہ اللہ تیرا بھلا کرے۔

میں کہتا ہوں کہ قیامت میں دیکھ لینا یہ شخص اسی سے بخشا جاوے گا۔ یہ اخلاص ہی تو تھا اور جب اخلاص ہوتا ہے تو بات بھی کام کی سمجھ میں آتی ہے اس کو حضرت مولانا تھانویؒ نے مجلس میں بیان فرمایا۔ دیکھئے بزرگوں نے طرح طرح سے دین سکھلایا ہے اگر یہ حضرات اس قسم کے واقعات بیان نہ فرماتے تو ان کی سیرت کیسے معلوم ہوا اور یہ کیسے معلوم ہو کہ اخلاص کسے کہتے ہیں۔ ایک مرتبہ شیخ سعدیؒ بقصد سفارش بادشاہ کے یہاں پہونچے۔ کچھ غلطی صوفیوں سے ہوگئی تھی جس کی وجہ سے بادشاہ نے ان کا وظیفہ بند کر دیا تھا لیکن شیخ کو دربان نے روک دیا کسی طرح اس کی اطلاع بادشاہ کو ہوگئی وہ دوڑ کر آگے بڑھا اور شیخ کو اپنے ساتھ لے گیا۔ شیخ نے کہا کہ ہم کو چھوڑ دو ہم انھیں غلاموں کی صف میں بیٹھ جاویں گے چنانچہ یہ کہہ کر بیٹھنے لگے اس پر بادشاہ بولا کہ اللہ اللہ چہ جائے سخن است۔

گر بر سر وچشم من نشینی	نازت بکشم کہ نازنینی

یعنی بھلا آپ ایسی باتیں کیوں کرتے ہیں ارے آپ تو اگر میرے سر اور آنکھ پر بھی بیٹھیں تب بھی میں ناز کروں گا کیونکہ آپ میرے محبوب ہیں آپ سے مجھ کو عقیدت ہے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر شیخ اُس دربان سے لڑجاتے اور کہتے کہ میں فلاں ہوں میں تمہاری بات نہیں مانوں گا تو شاید ایسا اعزاز واکرام نہ ہوتا۔

اب تک لوگوں کے یہی سمجھ میں نہیں آیا کہ دربان ہوتا کس لئے ہے۔ سچ پوچھئے تو دربان مخصوص لوگوں کے لئے نہیں ہوتا بلکہ دشمنوں کے ضرر سے حفاظت کے لئے ہوتا ہے۔ پہرہ پر سپاہی کا کام یہی ہے کہ وہ ڈاکو اور چور وغیرہ سے آپ کے جان و مال اور عزت وآبرو کی محافظت کرے۔ خواص کو روکنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ دشمنوں کے روکنے کے لئے ہوتا ہے۔ پہرہ کی حالت میں اپنے فرض کی ادائگی کے اعتبار سے وہ سبھی کے لئے ہوتا ہے اسی طرح بزرگان دین کے یہاں طالبین اور مخصوصین کے لئے پہرہ نہیں ہوتا بلکہ اغیار کے لئے ہوتا ہے مگر پہرہ دار تو ہر شخص کو پہچانتا نہیں کہ کون مخصوص ہے اور کون نہیں اس لئے وہ تو سب کو روکتا ہے ورنہ وہ اپنے فریضہ میں سست اور کوتاہ سمجھا جاوے گا۔ دربانی کا حق یہ ہے کہ ذرا بھی اجنبیت اور غیریت کا شبہہ ہو تو روک دے جب سید کو اطلاع ہوگی تو وہ جیسا مناسب ہوگا معاملہ کرے گا اگر مخصوص شخص ہوگا تو خصوصیت کا برتاؤ کرے گا اور عذر کرے گا کہ مجھے معلوم نہ تھا اس لئے ایسا ہوا جیسے کہ بادشاہ نے شیخ سعدیؒ کے ساتھ کیا کہ ان کو مخصوص جگہ بٹھلایا اور ان کا اعزاز واکرام کیا اور ہو سکتا ہے کہ دربان کو ڈانٹا بھی ہو کہ آدمی کو پہچانتے نہیں یہ ہمارے شیخ ہیں اب ان کو کبھی مت روکنا۔

حدیث شریف میں ہے کہ اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ یعنی سخت ابتلا اور امتحان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ہوتا ہے اور جو جتنا زیادہ ان سے قریب ہوگا اس کا اتنا ہی زیادہ امتحان اور ابتلا سخت ہوگا۔ جتنا دین میں آدمی کم ہوگا اتنی ہی مشقت میں کمی ہوگی اور جتنی زیادہ دین کی طلب ہوگی اسی لحاظ سے اس کی آزمائش سخت ہوگی۔

یوں تو دشمن کہتے ہیں کہ ہم ہی اچھے ہیں کہ ان مصائب سے نجات پائے ہوئے ہیں لیکن وہ کیا سمجھیں جو دوست ہے وہ اپنے محبوب کی جانب سے آئی ہوئی آزمائش اور بلا کو بلا اور مصیبت نہیں سمجھتا وہ تو اپنی زبان حال سے یوں مترنم ہوتا ہے کہ ؎

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت　　　سرِ دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

(اے معشوق) خدا نہ کرے کہ تیری تلوار سے دشمن کو قتل ہو جانا نصیب ہو۔ دوستوں کا سر سلامت رہے کہ تو اس پر خنجر آزمائی کرے۔

آپ جانتے ہیں یہ امتحان کیوں ہوتا ہے۔ امتحان اسی لئے ہوتا ہے کہ مخلص اور غیر مخلص میں امتیاز ہو جاوے جو غیر ہوگا وہ بھاگ نکلے گا بلکہ اغیار محبین مخلصین کی آزمائشوں کو دیکھ کر ہمت ہی نہ کریں گے کہ ادھر کا رُخ کریں۔ جو واقعی اللہ تعالیٰ کے محب اور طالب ہوں گے وہی اس راہ میں قدم رکھیں گے اس طرح سے اللہ تعالیٰ کا طریق مدعیوں اور بوالہوسوں سے پاک ہوگا۔

ایک نواب صاحب کے یہاں ایک عالم گئے تھے رات میں کسی ضرورت سے باہر نکلے جب واپس آئے تو پہرہ دار نے روکا اور پوچھا کہ کون ہے انھوں نے سوچا کہ اگر میں اپنے متعلق حقیر فقیر وغیرہ جیسے الفاظ کہتا ہوں تو اتنی دیر میں تو دو چار چھڑی رسید ہی کر دے گا لہٰذا فوراً بولے کہ ہم ہیں بڑے مولانا صاحب دہلی والے۔ یہ سُن کر پہرہ دار عاجزی کرنے لگا۔ ہو سکتا ہے کہ صبح نواب صاحب نے بھی کچھ کہا ہو کہ ہمارے خاص لوگوں کو نہیں پہچانتے لیکن بہرحال جو پہرہ پر ہے اس کا کام ہی یہی ہے اور تنخواہ ہی اسی کی پاتا ہے اگر وہ ایسا نہ کرے تو تنخواہ کا مستحق نہ ہوگا اس لئے آنے والو کا بھی فرض یہی ہے کہ اطلاع کرائیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا الآیۃ۔ یعنی لوگ ہمارے بارے میں مجاہدہ کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستے ضرور دکھا دیں گے۔ دیکھئے اللہ تعالیٰ۔ ہدایت سبیل کے لئے مجاہدہ شرط ٹھہرایا ہے۔

اس راستہ میں اپنے کو گھٹانا ہوتا ہے تواضع اور انکسار اختیار کرنا پڑتا ہے تب کچھ ملتا ہے اور کچھ کشود کار ہوتا ہے۔ جب تک اس کو اختیار نہ کیا جاوے گا کچھ نہیں ملے گا خوب سمجھ لیجئے۔ ع

ہر کجا پستیست آب آنجا رَود

علامہ ابن قیمؒ نے زاد المعاد میں صلح حدیبیہ کے بارے میں خوب لکھا ہے فرماتے ہیں:۔
حقیقت امر کی یہ ہے کہ فتح کے معنی لغت میں مُغلق شئے کے کھولنے کے آتے ہیں اور جو صلح مشرکین کے ساتھ ہوئی تھی وہ مسدود اور مغلق تھی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو فتح فرمایا فتح کے اسباب میں سے ایک اہم سبب یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مشرکین نے بیت اللہ شریف سے روک دیا اور بظاہر یہ چیز مسلمانوں کے لئے ظلم و شکست تھی حالانکہ حقیقۃً در پردہ عزت اور فتح و نصرت تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس صلح کے پیچھے فتح عظیم ملاحظہ فرما رہے تھے

اور اس کے تحت عزت و نصرت دیکھ رہے تھے اسی لئے مشرکین نے جن جن شرائط کا مطالبہ کیا سب منظور فرماتے چلے گئے جنہیں اکثر صحابہ اور ان کے سردار برداشت نہ کر سکے مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس محبوب کو جانتے تھے جو اس مکروہ کے ضمن میں پوشیدہ تھا جیسا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے عَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ الآیۃ یعنی ہو سکتا ہے کہ ایک چیز کو تم لوگ مکروہ سمجھو اور (فی الحقیقۃ) وہ تمہارے لئے بہتر ہو۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح فرمائی۔

بوستاں میں ہے کہ ایک شخص رات میں توبہ کرتا تھا اور صبح وہ ٹوٹ جاتی تھی بہت دنوں کے بعد اُس کی سمجھ میں اس کی وجہ یہ آئی کہ ؎

مگر او توبہ بخشد بماند درست
کہ پیمان ما بے ثبات ست و سست

یعنی حق تعالیٰ ہی توبہ بخشیں تبھی تو وہ ٹھیک رہے گی ورنہ تو نہیں کیونکہ ہمارا عہد و پیمان سب ضعیف اور سست ہے۔

آپ جانتے ہیں کہ جو بار بار توبہ کرتے تھے اور کامیاب نہیں ہوتے تھے تو اس کی وجہ کیا تھی؟

توبہ میں دو نسبتیں ہوتی ہیں ایک نسبت توبہ کی بندے کی طرف ہوتی ہے اور ایک اللہ تعالیٰ کی طرف اس لئے ہماری توبہ کے ساتھ جب ان کی توبہ کا تعلق ہوتا ہے تب وہ قائم رہتی ہے جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو معرفت حاصل ہوگئی اور کام بن گیا اس عدم قبولیت میں یہی راز تھا اور ایک وجہ عدم قبولیت کی اور تھی وہ یہ کہ شروع میں اپنے عمل پر ناز تھا اور ابتدا میں ایسا ہی ہوتا ہے آدمی سمجھتا ہے کہ خود چاہیں تو متقی اور پارسا ہو جاویں تو چونکہ اپنے اختیار پر اعتماد ہوتا ہے اس لئے راستہ طویل ہو جاتا ہے کیونکہ عادۃ اللہ یوں ہی جاری ہے کہ بندہ جب تک اپنا اختیار لگائے رہتا ہے مقصود تک نہیں پہونچتا اور جب عاجز ہو کر گردن ڈال دیتا ہے تو اس کے لئے راستہ مفتوح فرما دیتے اور فرماتے ہیں کہ اچھا آجاؤ۔ ؎

درمیاں میں موسن آگئی بحث جبر و اختیار
قابوئے یار میں ہیں ہم وہ نہیں اختیار میں

ایک بزرگ اپنے کچھ مریدوں کے ساتھ چلے جا رہے تھے بادشاہ محل پر بیٹھا دیکھ رہا تھا ان کو پہچان لیا جب محل کے قریب پہونچے تو اس نے کمند لٹکا دی اور کہا کہ چلے آئیے جب وہ آ گئے تو ان سے پوچھا کہ آپ خدا تک کیسے پہونچے انھوں نے جواب دیا کہ جیسے آپ تک پہونچے یعنی اگر ویسے آپ تک پہونچنا چاہتے تو قلعہ کے سپاہی روک دیتے اور پھر آپ تک خبر پہونچنے میں نہ معلوم کتنی دیر لگتی اور یہ کہ خبر پہونچتی بھی کہ نہیں لیکن جب آپ ہی نے بلانا چاہا تو کمند لٹکا دی میں آپ تک پہونچ گیا۔ دیکھا آپ نے اپنے اختیار سے کوئی نہیں پہونچتا۔ عمل میں اتنا زور نہیں کہ خدا تک پہونچا دے جب اللہ تعالیٰ ہی چاہتے ہیں تو کمند لٹکا دیتے ہیں آپ جانتے ہیں حق تعالیٰ کی کمند کیا ہے حق تعالیٰ کی کمند یہ قرآن شریف ہے کتنے لوگ اس کے ذریعہ سے خدا تک پہونچ گئے آپ بھی اگر اعتقاد اور قلب سے اس کی تلاوت کریں تو آپ بھی اسی کمند کے ذریعہ خدا تک پہونچ سکتے ہیں۔

ایک شخص حضرت نظام الدین اولیاؒ کی خدمت میں بہت دنوں سے آتے تھے ایک دن انھوں نے اپنے دل میں کہا کہ حضرت کے ولی ہونے میں کوئی شک نہیں لیکن ان میں بھی شک نہیں کہ ہم اتنے دنوں سے آرہے ہیں مقامات تو کیا ملتے گناہ تک نہیں چھوٹے۔ حضرت کو اس کا علم کشف یا الہام سے ہوگیا بس اسی دن سے گناہ چھوٹنا شروع ہوگئے یہاں تک اس شخص نے آخر میں یہ کہا کہ اب تو حضرت نے اپنی طرف ایسا کھینچ لیا ہے کہ اگر گناہ کرنا چاہتے بھی ہیں تو نہیں کر سکتے۔

دیکھو سمجھنے کی بات ہے سب جگہ تو تم اپنی رائے، عقل اور اختیار کو دخل دے سکتے ہو اور منازعت کر سکتے ہو لیکن اہل اللہ کے یہاں منازعت کرنا اور اپنی عقل و رائے کو دخل دینا یہ منافی ہے اتباع کے اتباع اس سے فوت ہوتی ہے۔ لہٰذا ان کے یہاں اپنا اختیار اور اپنی رائے کو ترک کر دینا چاہئے۔ اس لئے کہ یہ حضرات جو اللہ تعالیٰ تک پہونچے ہیں تو اسی ترک منازعت ہی سے پہونچے ہیں انھوں نے نصوص کی اتباع کی ہے تو یہی چیز اپنے یہاں آنے جانے والوں کو بھی سکھاتے ہیں کہ اتباع کرو منازعت نہ کرو۔ سب جگہ آپ رائے پیش کر سکتے ہیں مگر یہ جگہ دوسری ہے یہاں خود رائی اور چھینا جھپٹی سے کچھ نہیں ملے گا۔ یہ لوگ خود اپنے اختیار میں نہیں ہوتے، بعض وقت مریدوں کے بارے میں ان پر ڈانٹ تک پڑ جاتی ہے۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی بڑے صاحب کشف و کرامت بزرگ تھے ایک شخص کو اپنے یہاں سے ہٹا دیا اور خود ہی ان کا ہاتھ پکڑ کر مسجد سے باہر لائے اور پھر

ن کا سب سامان بھی مسجد سے باہر کر دیا وہ پھر جا کر بیٹھ گئے کئی مرتبہ ایسا کیا آخر کار ان کو انھیں کے
ان پر چھوڑ دیا وہ اسی طرح مسجد میں بیٹھے رہے جب کھانے کا وقت آیا تو حضرتؒ نے ان کے لئے کھانا
بھیجا انھوں نے انکار کر دیا پھر حضرت خود تشریف لائے اور کھانے کے لئے کہا انھوں نے کہا کہ نہیں
ائیں گے اسی وجہ سے نہ نکالتے تھے پھر حضرت مولاناؒ نے بہت خوشامد کی اور کہا کہ بھائی یہاں پر دنیادا
ت آتے ہیں اس لئے ایسا کرتا ہوں وہ بولے کہ دیندار بھی تو آتے ہیں آخر دیکھتے کیوں نہیں پھر مولانا رہ
، بہت بہت خوشامد کی تب وہ راضی ہوئے۔ دیکھا آپ نے یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر اللہ کا کوئی خاص بندہ
تو ڈانٹ بھی خدا کی طرف سے پڑ جائے گی۔ اسی طرح سے ایک واقعہ اور سنئے۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ رات میں خانقاہ میں تھے تہجد سے فارغ ہو کر ذکر کر رہے تھے اتنے میں
نک کچھ آہٹ سی معلوم ہوئی جیسے کوئی بار بار آجا رہا ہو حضرت نے پوچھا کون۔ ایک شخص سامنے
کھڑا ہو گیا اور کہا کہ حضور میں ہوں بہت بھوکا ہوں حضرت فوراً اٹھے اور اندر جا کر کچھ میوے
رہ جو چیزیں ملیں کافی مقدار میں لا کر اس کو دیں وہ بہت خوش ہوا اس سے حضرت سمجھے ہوں گے
یسا بھی ہوتا ہے پھر کافی اہتمام کیا ہوگا کہ آئندہ کوئی بھوکا نہ رہے۔

بہرحال بزرگوں کے یہاں فنائے ارادہ اور فنائے اختیار بس انھیں دونوں چیزوں
رورت ہے جب تک اپنی چیزوں پر نظر رہے گی کامیابی نہیں ہوگی۔ یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ اعمال
ہیں علت نہیں علت بس محض فضل خداوندی ہے۔ مجاہدے وغیرہ سب شرائط ہیں علت
، رحمت اور فضل ہے جب مجاہدہ کو علت سمجھو گے تو کامیابی نہیں ہوگی اگر کوئی شخص مجاہدہ نہ کرے
ا ایسا ہی ہے جیسے کوئی بغیر وضو کے نماز پڑھے۔ وضو نماز کے لئے شرط ہے نماز سے خارج ایک
ہے وضو کے بعد نماز بہت سے ارکان پر مشتمل ہے۔

حاصل کلام یہ کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اصل اخلاص ہے یہی خدا تک پہونچتا ہے اور یہی مقبول
ہے اور اعمال جو مقبول ہوتے ہیں تو اخلاص ہی کے مقرون ہونے کی وجہ سے مقبول ہوتے ہیں
ناص کے اعمال کا کچھ بھی اعتبار نہیں۔

نیز دوسری بات یہ کہ ہر جگہ اپنی رائے اور عقل کو پیش کیا جا سکتا ہے مگر اہل اللہ کی خدمت
ئے کو فنا ہی کر دینا چاہئے اپنے اختیار اور اپنی عقل و دانش کو ان کے مقابلہ میں استعمال نہ کرنا

چاہیے کیونکہ ے

فکرِ خود و رائے خود در مذہب رندی نیست کفر است دریں مذہب خود بینی و خود رائی

مذہب رندی میں اپنی فکر اور رائے کی گنجائش نہیں اس مذہب میں خود بینی اور خود رائی کفر ہے

بزرگوں کی خدمت میں جانے کی اصل غرض تو یہی ہے کہ نصوص کی اتباع کی جائے اور نفس و شیطان کی منازعت سے چھوٹا جائے۔ یہ حضرات چونکہ منازعت سے نجات پاچکے ہیں اور اتباع نصوص کو اپنے اوپر لازم کر لیا ہے تو یہی چیز دوسروں کو بھی سکھلاتے ہیں کہ اسی سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو سکتا ہے۔ نص میں اتباعِ رسول کا حکم ہے چنانچہ ارشاد ہے قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اتباع فرض ہے چنانچہ اس نص کو حضرات صحابہؓ نے خوب سمجھا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی اتباع کی کہ دُنیا اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ احادیث میں ان کے عجیب عجیب واقعات آئے ہیں جن کے دیکھنے سے ایمان تازہ ہوجاتا ہے۔ ایک موقع پر صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اگر آپ حکم دیں تو ہم دریا میں پھاند جائیں۔ سبحان اللہ کیا اتباع ہے۔

سنئے! اصل اتباع تو اللہ اور اس کے رسول کا ہے مگر علماء ربانی اور مشائخ حقانی رسول کے نائب ہوتے ہیں اور یہ حضرات ہر قول اور ہر فعل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری اتباع کئے ہوتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عملی نمونہ ہوتے ہیں اس لئے ان حضرات کی اتباع بھی بواسطہ رسول کے ضروری ہوئی جیسا کہ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے۔ وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ۔ جو لوگ میری طرف رجوع ہیں ان کی اتباع کرو۔ اس آیت سے بھی اتباع کی ضرورت معلوم ہوئی۔ خوب سمجھ لیجئے۔

(مکتوب نمبر ۸۵)

سوال: نقل لفافہ مبارک حضرت مولانا ۔ ۔ ۔ صاحب درج ذیل ہے
کرم فرمائے من جناب حکیم ۔ ۔ ۔ خالصاحب سلمہ اللہ تعالیٰ
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آج صبح ہی سے میرے دل میں بسیاختہ تقاضا پیدا ہورہا ہے کہ آپ کو بیعت وتلقین کی اجازت دیتا ہوں، اللہ تعالیٰ برکت عطا فرمائیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ یہ اجازت آپ کے لئے اور مخلوق خدا کے لئے مفید ثابت ہوگی۔ للہ آپ اجازت کی لاج رکھئے۔ اس اجازت کی اطلاع آپ اپنے خاص احباب کو بھی کردیں۔

۔ ۔ ۔ غفرلہٗ غلام حضرت تھانویؒ

تحقیق: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

آپ ایک مدت سے مجھ سے خط وکتابت کر رہے ہیں، میں سمجھتا تھا کہ آپ مجھکو مانتے ہیں اور کچھ سمجھتے ہیں مگر آپ کے اس خط سے معلوم ہوا کہ آپ دوسرے بزرگوں سے بھی تعلق رکھتے ہیں یہ کتنی بے اصولی کی بات ہے یہ طریق کے بالکل منافی ہے۔ پھر آپنے ایک بزرگ کی طرف سے بیعت وتلقین کی اجازت کا بھی ذکر کیا ہے ظاہر ہے کہ انھوں نے کچھ دیکھ اور سمجھ کر ہی ایسا کیا ہے آپ اگر اپنے کو اسکا اہل سمجھتے ہیں تو ٹھیک ہے اسکو قبول کیجئے، میرے پاس کیوں لکھتے ہیں میں یا تو اسکا انکار کرونگا یا اقرار کروں گا۔ اگر انکار کرتا ہوں تو گویا ان بزرگ پر اعتراض کر رہا ہوں حالانکہ میں اسکے لئے تیار نہیں کیونکہ بزرگوں پر اعتراض کرنا ہمارا طریقہ نہیں، ہم کیوں کسی بزرگ کا انکار یا اعتراض کریں۔ اور اگر اقرار کروں تو ضروری نہیں کہ جو معیار ان بزرگ کا تھا وہی میرا بھی ہو، ہوسکتا ہے کہ آپ انکے

معیار پر پورے اترتے ہوں اور میرے معیار کے خلاف ہوں پھر اسکے لکھنے کی کیا وجہ ہے غالباً مجھ پر دباؤ ڈالنا مقصود ہے یہ تو بالکل طریق کے خلاف ہے

(اس کے جواب میں یہ خط آیا)

حال: والا نامہ کل صادر ہوا اگر پاسپورٹ کی پابندی حائل نہ ہوتی تو بالفور سر کے بل چل کر حضرت اقدس کی خدمت میں حاضری کا شرف پاتا۔ احقر اپنے کو سراپا قصوروار گردانتا ہے تحقیق: الحمد للہ
حال: اور صمیم قلب سے معافی کا خواستگار ہے۔ تحقیق: معاف ہے
حال: کہ للہ مجھے معاف فرمایا جائے کہ آنجناب کو احقر کے عریضہ سے بہت ہی ملال پیدا ہوا جسکا بیّن اثر مجھے محسوس ہو رہا ہے۔ تحقیق: الحمد للہ
حال: اتنی ضروری عرضداشت بھی ہے کہ احقر نے ہر دو بزرگان علیہ الرحمۃ اجمعین (حضرت مولانا محمد حسن صاحبؒ و حضرت مولانا ولی محمد صاحبؒ) کی وفات کے بعد سے آنجناب سے تعلقِ اصلاح کا شرف پایا ہے اور اسکی نسبت آنجناب نے میرے عریضہ سے یہ اخذ فرمایا ہے کہ احقران دو بزرگوں سے بھی آنجناب کی غلامی کے ساتھ ساتھ اپنا تعلق اصلاح رکھے ہوئے ہے جو کہ حقیقت نہیں ہے۔
تحقیق: خط کھولتے ہی یہی مضمون نظر سے گذرا جس سے سمجھا کہ حال کا واقعہ ہے مگر تفصیل دیکھنے سے معلوم ہوا کہ مولانا امرتسریؒ کے سامنے کا واقعہ ہے انکی نظر سے گزر چکا ہے اس لئے جو جواب آپکو گیا ہے اس سے آپکو تکلیف ہوئی ہوگی معاف فرمائیے گا۔ آپ سے بہت خوش ہوں۔

(اس جواب کے ساتھ گذشتہ خط کا جواب بھی دیا گیا)

ل : گرامی نامہ ملنے اور پڑھنے پر ایک نور و انشراح نصیب پایا۔
یق : الحمدللہ
ل : اور نور بڑھتا گیا تا باختتام والا نامہ گویا کہ کریمہ لقد من اللہ علی
لمومنین اذ بعث فیھم رسولا ۔ ۔ ۔ کا مظہر پایا۔ تحقیق : اللہ تعالیٰ کا کرم و احسان
ال : احقر کے لئے دنیا میں سب سے مشکل کام آنجناب کی طرف خط لکھنا
ہے اور پھر با جواب گرامی نامہ کی آمد پر پڑھنے سے پہلے ایک خوف عظیم طاری
ہتا ہے اور زاں بعد پڑھ لینے پر ایک انشراح عظیم اور انبساط۔ اور یہ خوف و
رجا احقر کیلئے پل صراط پر چلنے کے مرادف ہے جو کہ محض اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل ہی
طے ہو سکتی ہے ورنہ معاملہ عمر بھر کا خوف و رجا کا پل ہے۔ کریمہ ایاک نعبد و ایاک نستعین
سے ہی تسلی یاب ہوں۔ تحقیق : صحیح فرما رہے ہیں طالب صادق کا یہی حال ہوتا ہے۔
ل : وصیۃ الاحسان ص۵۶ پر آنجناب کی طرف منسوب یہ ارشاد ہے۔
فرمایا کہ " علامہ ابن قیم کی تحقیق کے موافق حسن خلق مخلوق کے ساتھ خاص
معلوم ہوتا ہے، اور میں کہتا ہوں کہ —" اہل اللہ نے فرمایا ہے کہ جب
تک اخلاق درست نہیں ہوتے مثلاً کبر ہے تو وصول الی اللہ اور تقویٰ
تک رسائی نہیں ہو سکتی تو حسن خلق کا دخل جس طرح مخلوق کے تعلق
استوار کرنے میں ہوا اسی طرح خالق کے صحیح تعلق میں کھلی ہوا"—
— یہ تحقیق عالی جناب ہی کا حصہ ہے۔ تحقیق : الحمدللہ
ال : طبیعت تو معمولات ادا کرنے کو چاہتی تھی مگر ہمت نہ تھی اگر ہمت
کر کے کام کرتا تو مزید صحت پر برا اثر پڑتا اور آئندہ کے معمولات متاثر ہوتے تو کیا ایسے حالات
میں صرف قرآن حکیم ایک دو سطر اور مناجات مقبول دس پندرہ منٹ
نہ پڑھ لیا جائے تاکہ نفس کو راحت نہو۔
تحقیق بہت ٹھیک ہے
ال : تہجد کی دعا پڑھنے سے قلب میں سیرابی پاتا ہوں اور نور توحید

باری تعالیٰ عجب طور پر دل پر کیفیت آگیں ہوتا ہے، بیان سے فزوں ہے یہ حق تعالیٰ کی رحمت عظیم نظر آتی ہے اور حق تو یہ ہے کہ یہ محض آنجناب کا کرم در کرم ہے۔ میرے لئے اب حضور کی برکت سے تہجد آسان ہوگئی ہے، ہر چند نفس کا غلبہ بہ شکل صورت پسندی بھی ساتھ ساتھ ہے لہٰذا مداومت کے لئے درخواست دعاء ہے۔ تحقیق: دعاء کرتا ہوں۔

(جواب کے ساتھ حسب ذیل تحریر بھی گئی)

آپ نے "وصیۃ الاحسان" سے شاہ فقیر اللہ صاحبؒ اور حضرت مجدد صاحبؒ کی عبارات متعلقہ خلافت بر اجازت نقل کرکے اس پر اپنے تاثر کا اظہار فرمایا ہے یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ الحمد للہ آپ کو یہ بات پسند ہوئی چونکہ آپ میری باتوں کی قدر کرتے ہیں اسلئے آپ سے کہتا ہوں کہ مشائخ نے یہ کام خوب کیا اور انکا یہ فعل انکی انتہائی دیانت و خلوص پر مبنی تھا اور اس زمانے میں طالبین میں خلوص تھا کہ مشائخ جس حد پر انکو رکھدیتے تھے اور جتنی اجازت انکو دیدیتے تھے اس سے سرمو تجاوز نہیں کرتے تھے یہ سمجھتے تھے کہ اس کے خلاف کرنا ہم کو جائز نہیں۔ اور آج طریق اس سرعت کے ساتھ بدل رہا ہے کہ لوگوں میں کوئی بات ہی طریق کی نظر نہیں آتی بالکل اسکو دنیا بنالیا گیا ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ یوں رسم کے درجہ میں تو آج سب کچھ جاری ہے پیر بھی ہیں مرید بھی ہیں خلیفہ اور خلافت بھی ہے ذکر و شغل بھی ہے مگر لوگوں میں دین کا نام تک نہیں ہے حتیٰ کہ آج اگر کوئی شیخ کسی کو مجاز صحبت بنا دے تو وہ ہرگز یہ نہ سمجھے گا کہ میں ابھی ناقص ہوں مجھے کسی کامل سے اپنی تکمیل کرانی چاہئے بلکہ کامل کا مقابلہ کرنے لگے گا اور نہ صرف کامل بلکہ مکمل ہونے کا دعویٰ کرے گا اگر زبان سے نہ سہی تو قول و عمل سے تو کرے ہی گا

یہ سب کیوں ہے اسی لئے کہ دین کو آج لوگوں نے دنیا بنالیا ہے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْن اور ناقص کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ دعوی کمال کا کرے ان حالات کا خود تجربہ و مشاہدہ کر چکا ہوں اس لئے اس معاملہ میں بہت محتاط اور سخت ہوگیا ہوں ۔ دیکھا جاتا ہے کہ پیر تو مرید کا اعتبار کرتا ہے اسکو اجازت تک دے دیتا ہے مگر مرید معتقد تک نہیں ہوتا شیخ کے مذاق سے بالکل مختلف مذاق رکھتا ہے کیا ایسا ہی شخص خلیفہ ہوا کرتا ہے اور خلیفہ کے معنی یہی ہیں کہ متخلف عنہ کے بالکل خلاف ہو۔

یہ صحیح ہے خلیفہ بنانا امر مسنون ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء ہوئے ہیں مشائخ نے خلفاء بنائے ہیں لیکن زمانہ کے انکے بدلتے ہوئے حالات کے پیش نظر میں اس میں جلد بازی کو پسند نہیں کرتا۔ اور یہ سمجھتا ہوں کہ طریق کا تحفظ اسی طریق میں ہے ۔

اگر اس امر میں حزم و احتیاط اور تیقظ کو کام میں نہیں لایا گیا تو طریق رخصت تو ہوتا ہی جارہا ہے جہاں کل ختم ہونے کو آج ہی ختم ہو جائے گا اور اسکا سبب ہم ہوں گے اپنے اس خیال کی تائید کے لئے صراط مستقیم سے ایک عبارت نقل کرتا ہوں اسکو ملاحظہ فرمائیے ۔

(یہ عبارت کبھی بھیجی گئی)

" محبت و تعظیم را غایاتی و اغراضی می بود ۔۔۔۔ عند ربک للمتقین

(ص۸۲ صراط مستقیم)

(ترجمہ) محبت اور تعظیم کے لئے اغراض و مقاصد ہوا کرتے ہیں انھیں اغراض و مقاصد کے موافق محبت اور تعظیم مختلف ہوتی اور بدلتی رہتی ہے مثلاً ایک شخص خدا کے نام کے ذکر کی پابندی قیود و شرائط کا لحاظ ۔۔۔ رکھتے ہوئے پورے اہتمام کے ساتھ کرتا ہے اور غرض یہ ہوتی ہے کہ

اس نام پاک کی برکت سے چند روپیہ کی نوکری میسر آجائے یا کسی سردار یا امیر کی نگاہ میں معزز ہو جاؤں، جس قدر یہ غرض عزیز ہوگی اسی قدر تعظیم اور محبت زیادہ ہوگی۔ دنیاوی اغراض و مقاصد میں سب سے اعلیٰ مقصد سلطنت اور بادشاہت کا حصول ہے جس قدر اس اعلیٰ مقصد کے لئے خدا کے نام کا ذکر کرے گا اسکے پاک نام کی محبت اور عظمت اسکے دل میں احاطہ بیان سے زائد ہوگی، لیکن رب الارباب کے واجب الاطاعت فرمان قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ (کہدیجئے کہ دنیا کا سامان بہت ہی تھوڑا ہے) کے مطابق اور حضرت رسالت پناہ علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام کے ہدایت نشان بیان لَوْ کَانَتِ الدُّنْیَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللہِ جَنَاحَ بَعُوْضَۃٍ مَّا سَقٰی کَافِرًا مِّنْھَا شَرْبَۃَ مَاءٍ (اگر دنیا کی وقعت اللہ کے نزدیک مچھر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا) کے موافق دنیا ایک فانی قلیل اور ذلیل چیز ہے جس نے خدا کے نام کو اسکے حصول کا واسطہ بنایا اس نے اس بلند نام کے قدر اور مرتبہ کو نہ پہچانا اور ایسا بہت ہوتا ہے کہ یہی حقیقت دنیا دیندار ہی کے لباس میں ظاہر ہوتی ہے اور خود کو اسکے لباس میں ملبوس کر کے جلوہ گر ہوتی ہے مثلاً اذکار پر مواظبت اس نیت کے ساتھ کرنا کہ میں کوئی کمال حاصل کروں اور اسکی وجہ سے بادشاہ امراء باعزت اور معتبر لوگ میرے سامنے سر جھکائیں اور میرے پاس اپنی التجائیں لائیں، میرا نام و نشان اور میرے کمالات کی شہرت زمانہ طویل تک باقی رہے اور دور دراز شہروں اور ملکوں میں میری ولایت اور بزرگی کی شہرت پھیل جائے اور درحقیقت اِنْ کُلُّ ذٰلِکَ لَمَّا مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃُ عِنْدَ رَبِّکَ لِلْمُتَّقِیْنَ (یہ سب سامان صرف دنیاوی زندگی کی چند روزہ کامرانی ہے اور آخرت تو آپکے پروردگار کے یہاں خدا ترسوں ہی کے لئے ہے)

(مکتوب نمبر ۸۵۸)

ال خدمت اقدس میں گذارش ہے کہ میری زندگی نہایت پریشان کن
حالات سے گذر رہی ہے تنگدستی، بیماری، افکار و آلام کے علاوہ دین
سے دوری ناقابلِ برداشت عقوبت ہے۔ پنجوقتہ نمازیں کبھی برابر
نہیں ادا ہو رہی ہیں۔ ۱۹۵۳ء میں میں نے بقید حبس دم ذکر اسم ذات
شروع کیا تھا اور اللہ کا ذکر بذریعہ پاس انفاس کرتا رہا اللہ کا
فضل وکرم شامل حال رہا میرا قلب بفضل خداوندی ذاکر ہوگیا تھا۔
۱۹۵۵ء میں میری بیوی کا انتقال ہوگیا مجھے بیوی سے بے پناہ محبت
تھی انکے انتقال کا صدمہ میں برداشت نہ کرسکا اور دماغی توازن برقرار
نہ رہ سکا۔ چار سال تک عجیب عالم رہا نہ جانے کیسے کیسے دن رات
گذر گئے مگر افسوس اس بات کا ہے کہ سارے اذکار و ظائف چھوٹ
گئے۔ ۱۹۵۹ء میں والد محترم کا انتقال ہوا اور میں نے یتیمی محسوس کی پھر نماز کی
طرف بڑھا مگر قائم نہ رہ سکا بہت کوشش کرتا ہوں کہ اللہ کی راہ میں پھر
قدم بڑھاؤں مگر مداومت نہیں ہوتی آج تقریبًا دو سال سے بڑی الجھنوں
کے دن گذار رہا ہوں اور تنگدستی کے علاوہ کچھ نہ کچھ بیماری بھی لگی رہتی
ہے۔ تین مہینہ قبل پھر ذکر شروع کیا تھا مگر چند دنوں کے بعد پھر چھوٹ
گیا۔ بمبئی کے ماحول سے اور طبیعت گھبراتی ہے۔

مجھے امید ہے کہ آپ میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے
اپنی محبت اور ذکر میں لگا لے۔

میرا منہ نہیں کہ میں آپ سے بیعت کی شرف یابی چاہوں مگر
آپ کی فیاض دل سے امیدوار ہوں کہ آپ میرے لئے کچھ نصیحت فرمائیں
جس پر میں عمل کروں اور توفیق عمل کی دعا فرمائیں۔

تحقیق : بزرگوں نے فرمایا ہے کہ مَا قَطَعَ مُرِيدٌ وِرْدَهُ يَوْمًا اِلَّا قَطَعَ اللّٰهُ عَنْهُ الْاِمْدَادَ ذٰلِكَ الْيَوْمَ یعنی کسی مرید نے اپنا وظیفہ نہیں ترک کیا مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس دن اس سے اپنی امداد قطع فرما لیتے ہیں۔ اور فرمایا کہ تَارِكُ الْوِرْدِ مَلْعُونٌ ورد کا تارک ملعون ہے۔

یہ مشائخ کی تعلیمات ہیں میں بھی یہی تعلیم کیا کرتا ہوں۔ ان تعلیمات پر عمل کرنا آپ کا کام ہے۔ جو لوگ عمل کرنے کے بعد چھوڑ دیتے ہیں ان کا معاملہ اہم ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کو ان سے بغض اور دشمنی ہو جاتی ہے۔

آپ تو فرائض کے بھی تارک ہیں الامان والحفیظ لہٰذا جلد توبہ کیجئے اور سب اذکار شروع فرما دیئے اور شروع کر کے اطلاع کیجئے۔

دعا بھی کرتا ہوں۔ والسلام

(مکتوب نمبر ۹۵۸)

حال : آپ کے خلوص اور اخلاص کی تعلیم سے کافی متاثر ہوا ہوں۔

تحقیق : الحمد للہ

حال : جو آج کی دنیا میں کہیں خال خال نظر آرہی ہے تحقیق : ٹھیک کہتے ہو

حال : بلکہ میں نے تو پہلی بار آپ میں دیکھا ہے تحقیق : الحمد للہ

حال : تربیت اور اخلاق کی درستگی کا اہتمام جتنا کہ آپ کے یہاں ہے شاید کہیں ہو۔ تحقیق : سچ کہتے ہیں

حال : کرامت، معجزہ، سحر کا قرآن سے دلائل وغیرہ اس حسن وخوبی سے سمجھا رہے تھے کہ جی چاہ رہا تھا کہ یہ بحث مکمل ہونے سے پہلے نہ اٹھوں۔ موسیٰ علیہ السلام کے متعلق آپ نے جو معلومات بہم فرمائی اب تک کان اس سے ناآشنا تھے۔

خداوند تعالیٰ سے دعا ہے کہ مجھ ناچیز کو صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے نیز آپ سے استدعا ہے کہ دعا فرمائیں کہ دین کی سمجھ عطا ہو۔ تحقیق : آمین۔

(۱۰۶۶) فرمایا کہ بعض امراض متعدی ہوتے ہیں لیکن اس طرح نہیں کہ انکا تعدیہ ضروری اور لازم ہو کہ تخلف ہی نہو بلکہ مثل دیگر اسباب مظنونہ کے اگر حق تعالیٰ کو منظور ہوا تو تعدیہ ہوا اور منظور نہوا تو نہ ہوا۔

(۱۰۶۷) ایک شیعی نے استفادہ کی درخواست کی اس پر فرمایا کہ کہ اختلاف مذہب کی حالت میں مناسبت نہیں ہو سکتی اور بدون مناسبت دینی نفع نہیں ہو سکتا۔

(۱۰۶۸) فرمایا کہ عقل دنیوی کی قلت نقص نہیں چنانچہ حدیث میں ہے قَلِیْلُ التَّوْفِیْقِ خَیْرٌ مِّنْ کَثِیْرِ الْعَقْلِ وَالْعَقْلُ فِیْ اَمْرِ الدُّنْیَا مَضَرَّۃٌ وَالْعَقْلُ فِیْ اَمْرِ الدِّیْنِ مَسَرَّۃٌ یعنی تھوڑی توفیق زیادہ عقل سے بہتر ہے (کیونکہ اگر عقل ہو اور توفیق نہو تو اس عقل سے کبھی منتفع نہیں ہو سکتا مثلاً خیر و شر کی عقل ہے لیکن بدون توفیق کے نہ خیر کو حاصل کر سکتا ہے اور نہ شر سے بچ سکتا ہے بخلاف اس کے کہ توفیق ہو گو عقل کامل نہو۔ مگر ضروری درجہ اسکا نافع ہوتا ہے کہ اس خیر کو حاصل کرے گا اور شر سے بچیگا) اور (صرف) امر دنیوی میں عقل موجب مضرت ہے (کیونکہ اس سے انہماک فی تحصیل الدنیا پیدا ہوگا جیسا کفار یا اشباہ کفار کی حالت دیکھی جاتی ہے) اور امر دین میں عقل موجب مسرت ہے (کیونکہ اس سے دین حاصل کرے گا جو اصل مسرت ہے)۔

ف: یہ اس مضمون کی اصل ہے جو صوفیہ میں مشہور ہے جَذْبَۃٌ مِّنْ جَذَبَاتِ الْحَقِّ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِ الثَّقَلَیْنِ (اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایک جذبہ اور ہلکی سی کشش جن و انس کے عمل سے کہیں بہتر ہے) اس جذبہ کا حاصل وہی توفیق ہے اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل اللہ کا دنیا کے نشیب و فراز اور تدبیرات دقیقہ سے واقف نہونا علامت نقص عقل نہیں بلکہ کمال عقل مقصود ہے۔

(۱۰۶۹) فرمایا کہ تعلق بالتکوین ایک خاص منصب ہے جس کو عطا ہوتا ہے اسکا علم ضروری غیر استدلالی اسکو دیا جاتا ہے نہ اس میں تدریج ہے نہ تدبیر و تفکر، صاحب تکوین کی شان تو حضرت خضر علیہ السلام یا ملائکہ سی ہوتی ہے کہ وہ بلا تلعثم ۔ یعنی بلا تردد و توقف، یہ کہہ سکتا ہے وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ اور صاحب تکوین صاحب تفویض ہوتا ہے اور یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ تائید اور تفویض متغائر ہیں تائید فجور کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے چنانچہ ارشاد ہے اِنَّ اللّٰہَ قَدْ یُؤَیِّدُ ھٰذَا الدِّیْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ (اللہ تعالیٰ اس دین کو کبھی مرد فاجر کے ذریعہ قوت پہونچا دیتے ہیں) مگر تفویض فجور کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی ۔

(۱۰۷۰) فرمایا کہ ایسے شخص کو جس کے ذمہ بہت سی قضا نمازیں ہوں یہ مشورہ دینا کہ بجائے نفل و تہجد کے قضا نمازیں پڑھ لیا کرو بالکل مناسب ہے مگر مصلحت یہ ہے کہ دو چار رکعت تہجد کا بھی مشورہ دیا جاوے ورنہ نفس یہ مشورہ دے گا کہ قضا تو دن میں بھی ممکن ہے نیند خراب کرنے سے کیا فائدہ تو اٹھنے کی عادت کبھی بھی نہ ہوگی ۔

(۱۰۷۱) فرمایا کہ ذاکر کو ضروری سامان طہارت وغیرہ کا سوتے وقت مہیا رکھنا ضروری ہے تاکہ عین وقت پر تنگی نہو اور ناغہ معمولات کا نہو۔

(۱۰۷۲) فرمایا یوں تو ہر عمل میں دو درجے ہیں ایک عمل کا درجہ ہے اور ایک سہولت عمل کا خود تو جی یہی چاہتا ہے کہ سہولت کی تدبیر تبلائی جاوے مگر شیخ کی طرف سے انتظار ہوتا ہے کہ اپنی کوشش ختم کرکے دکھلاؤ جب عاجز ہو جاؤگے تب اہل تصرف اپنے تصرف سے اور اہل تدبیر اپنی تدبیر سے اسکا ازالہ انشاء اللہ کردیں گے ۔

(۱۰۷۳) فرمایا کہ بعضے لوگ اپنے گھروں میں بے پکارے چلے جاتے ہیں بڑی گندی بات ہے نہ معلوم گھر کی عورتیں کس حالت میں ہیں یا کوئی

محلہ کی غیر محرم عورت گھر میں ہو اذن لیکر جب بلایا جاوے تب گھر میں داخل ہونا چاہیئے۔

(۱۰۷۴) مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ ہوائے نفسانی حریص ہے یہ توقتی مصلحت کو دیکھتی ہے اور وہی مشورہ دیتی ہے جس میں مصلحت وقت ہو برخلاف عقل معاد کے کہ اسکو روز جزا کا خیال رہتا ہے اور وہ چشم انجام بیں رکھتی ہے اور اس گل کے لئے خار کی تکلیف برداشت کرتی ہے جو نہ فرسودہ ہوگا نہ خزاں سے گر یگا بلکہ ابدًا قائم رہے گا، خدا کرے کہ اسکی بو کسی نااہل کو نصیب نہو ۔

کیں ہوا پُرحرص وحالے بیں بود عقل را اندیشہ یوم الدیں بود
عقل را دو دیدہ در پایان کار بہرآں گل می کشید از رنج خار
کہ نہ فرساید نہ ریزد در خزاں باد ہر خرطوم زحشم دور ازآں

(۱۰۷۵) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ کسی سے الجھنا مت اور اگر کوئی الجھے تو سب رطب و یابس اسکے سامنے رکھکر الگ ہو جاؤ واقعی اس قیل وقال اور رد وکد میں نفسانیت ضرور آجاتی ہے اور ایک باطل کا رد ہوتا ہے نیک نیتی سے اور حدود کے اندر یہ تو مامور بہ ہے اور اور ایک ہوتا ہے محض جدال و بدنیتی سے یہ مامور بہ نہیں بلکہ اندیشہ ہے کہ اس پر موا خذہ ہو۔

(۱۰۷۶) ایک مرید نے لکھا کہ نہ نماز میں جی لگتا ہے نہ ذکر میں نہ کلام مجید پڑھا جاتا ہے۔ اور دنیا کا کوئی کام بھی نہیں ہوتا کہ فرصت نہ ہو، فرمایا کہ کام تو جس طرح آن پڑے کرنا ضروری ہے خواہ ناقص ہی ہو تکمیل کا یہی طریقہ ہے۔ اگر بدنویس اسلئے مشق کرنا چھوڑ دے کہ اچھا نہیں لکھا جاتا تو اسکو اچھا لکھنا کبھی نہ آئے گا۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ عمل ناقص کو بھی چھوڑنا نہ چاہیئے جیسے بنیاد کے مضبوط ہونے کا اہتمام تو کرتے ہیں مگر اس کے

خوشنما ہونے کے پیچھے نہیں پڑتے اور اس میں روڑے وغیرہ بھر دیتے ہیں اور بعد میں اس پر بڑے بڑے محل اور کوٹھیاں تیار ہوتی ہیں۔ اسی طرح عملِ ناقص بنیاد ہے عملِ کامل کی بنیاد کے کمال اور نقص پر نظر نہ کی جاوے جو کچھ اور جس طرح ہو سکے کرتا رہے اصول کے موافق ہو چاہے اس میں نقصان ہی ہو جیسے نماز گو ناقص ہو مگر حدود میں تو ہو جاتی ہے بلکہ ایسی عبادت پر اجر زیادہ ہوتا ہے جسمیں جی نہ لگے کیونکہ وہ مجاہدہ ہے۔ یہ طریق بہت ہی نازک ہے محض کتابیں پڑھ لینے سے کام نہیں چلتا فہم کامل اور ذوقِ سلیم کی ضرورت ہے اور یہ اسکو عطا ہوتا ہے جس پر حق تعالیٰ اپنا فضل فرمادیں۔

(۱۰۷۷) قوتِ یقین کے متعلق یہ حکایت بیان فرمائی کہ علاء بن حضرمی رضی ایک صحابی ہیں جس وقت اسلامی لشکر لیکر بحرین کو روانہ ہوئے ہیں درمیان میں سمندر حائل تھا کنارے پہونچکر سب نے رائے دی کہ کشتیوں کا انتظام کیا جاوے انھوں نے فرمایا کہ خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی تھی کہ کہیں ٹھہرنا نہیں، میں ٹھہر نہیں سکتا ابھی جاؤں گا اور حق تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ آپ نے موسیٰ علیہ السلام کو سمندر میں راستہ دیا تھا ہم نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہیں ہم کو بھی سمندر میں راستہ دیدیجئے، یہ کہکر سمندر میں گھوڑا ڈالدیا پھر تو سب ساتھ ہوگئے اور صاف سمندر سے پار ہوگئے۔ دیکھنے کے قابل یہ بات ہے کہ اس پر اطمینان کس قدر تھا، خطرہ تک اسکے خلاف قلب پر نہیں گزرا۔ کیا ٹھکانہ ہے انکی قوتِ ایمانیہ کا کون ان حضرات کی ریس کر سکتا ہے۔ آجکل باتیں بگھارتے پھرتے ہیں پہلے ان جیسا ایمان تو اپنے اندر پیدا کرلیں نتیجہ یہ ہوا کہ ہیبت چھاگئی تمام بحرین پر کہ یہ آدمی ہیں یا فرشتے۔ قوتِ یقین وہ چیز ہے۔

(۱۰۷۸) فرمایا کہ اہل تجربہ نے اس سے بھی منع کیا ہے کہ محض قلب سے ذکر کا خیال رکھا جائے اس میں دھوکہ ہو جاتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ذکر زبان سے جاری رکھو خواہ قلب بھی حاضر نہو کیونکہ قلب سے ذکر کا خیال رکھنا اس کا دوام مشکل ہے اور دیرپا بھی نہو گا زبان سے ذکر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ کوئی وقت ذکر سے خالی نہ جائے گا اور قلب چونکہ ایک وقت میں دو طرف متوجہ نہیں ہو سکتا اس لئے اسمیں ذہول ہونا بعید نہیں۔ پس زبان سے ذکر جاری رکھنا احوط و اسلم۔

(۱۰۷۹) فرمایا کہ یہ مرض عام ہو گیا ہے لوگ چاہتے یہیں کہ سہولت پہلے ہو اسکے بعد کام شروع کریں، شرائع کی خاصیت یہ ہے کہ پہلے کام شروع کریں اسکے بعد سہولت ہوگی، لوگوں نے اسکا عکس کر رکھا ہے بڑی چیز اس طریق میں شیخ پر اعتقاد ہے بدون اسکے کام نہیں چل سکتا پھر سہولت کا انتظار کیا۔

(۱۰۸۰) فرمایا کہ یہ طریق بہت ہی نازک ہے اس میں قدم رکھنے سے پہلے اپنی شان اپنے کمالات سب کو فنا کر دے اور مصلح کی ہر بات اور ہر تدابیر پر عمل کرنے کے لئے اپنے کو آمادہ کر لے اس راہ کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ ایسا بن جاوے فرماتے ہیں سہ

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بجاں　　شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

(لیلیٰ کی منزل کا راستہ خطرات سے بھرا ہوا ہے (اگر اس راہ پر چلنے کا ارادہ ہے تو سمجھ لو کہ) اسکی پہلی شرط یہ ہے کہ دیوانہ بن جاؤ)

حتیٰ کہ جوتیاں تک کھانے کو تیار ہو جائے اور جو جوتیں کھانے کو تیار ہو گیا اس نے گویا جوتیاں کھا ہی لیں اور اسکی اصلاح ہو ہی گئی۔ آمادہ ہونا ہی تو مشکل ہے اسلئے کہ آمادگی وہی معتبر ہے جو خلوص دل سے ہو اور خلوص دل سے وہی آمادہ ہوتا ہے جو اپنی شان نہیں رکھتا اور یہی اصل چیز ہے کام کی کہ اپنے کو مٹا دے فنا کر دے ورنہ محض جوتیاں کھانے سے بھی کیا ہوتا ہے۔

(۱۰۸۱) فرمایا کہ میں اہل طریق کے لئے ہمیشہ اس کا خیال رکھتا ہوں کہ ہر کام سہولت سے ہو جائے حتی کہ بڑے بڑے مقاصد سہولت سے حاصل ہو جاتے ہیں اور یہ موقوف ہے صحبت پر۔ مرید کو شیخ کی صحبت میں ایک مدت خاص تک رہنا ضروری ہے اس سے مقصود میں خاص خاص سہولت ہو جاتی ہے۔ رہا یہ کہ کس قدر مدت میں کام ہو جاتا ہے اس کا تعین مشکل ہے یہ مناسبت پر موقوف ہے اگر اہل استعداد ہوتا ہے بہت جلد کام ہو جاتا ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کل پینتالیس روز رہے اس کے بعد حضرت حاجی صاحبؒ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہم دے چکے جو کچھ دینا تھا۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ اس وقت کا یہ فرمانا کہ ہم دے چکے جو کچھ دینا تھا سمجھ میں نہ آیا کہ کیا دیا مگر پندرہ برس کے بعد معلوم ہوا کہ یہ دیا تھا پھر اس پر مولانا گنگوہی نے مزاحًا فرمایا کہ اگر ہم جانتے کہ یہ چیز ہے تو اتنی محنت کیوں کرتے اس پر حضرت مولاناؒ نے مزاحًا فرمایا کہ مل جانے پر فرماتے تھے ورنہ پندرہ برس تو معلوم ہونے ہی میں لگ گئے۔

(۱۰۸۲) فرمایا کہ اس طریق میں مصلح کے ساتھ مناسبت ہونا بڑی چیز ہے بدون مناسبت کے طالب کو نفع نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ میں عدم مناسبت کی بناء پر طالب کو مشورہ دیتا ہوں کہ مجھ سے تمکو نفع نہ پہونچیگا اگر تم چاہو تو کسی دوسرے مصلح کا نام بتلا دوں

(۱۰۸۳) فرمایا اگر پیر کامل بھی پیر ہو اور اسکی طرف میلان نہ ہو تو اس سے نفع نہوگا۔

(۱۰۸۴) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یاجوج ماجوج کی غذا کیا ہے؟ فرمایا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا (حضرت کتابیں بہت دیکھتے تھے اس لئے باتیں زیادہ معلوم تھیں)

کہ غذا یاجوج ماجوج کے لشکر کی ایک سانپ ہے جو آسمان کی جانب سے روزانہ گرتا ہے اور وہ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ سب کو کافی ہو جاتا ہے۔

(۱۰۸۵) فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ یاجوج ماجوج کی تبلیغ ہو چکی ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رات بھر اس دیوار کو چاٹتے ہیں اور کھودتے ہیں جو ان کے درمیان حائل ہے جب وقت آویگا تو وہ یہ کہیں گے کہ انشاء اللہ کل اسکو ختم کر دیں گے۔ انشاء اللہ کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انکو اللہ کا نام معلوم ہے اور تبلیغ ہو چکی ہے یہ نئی بات معلوم ہوئی پہلے سے معلوم نہ تھی۔

(۱۰۸۶) فرمایا کہ شیشہ میں جو صورت نظر آتی ہے اسکو دوسری تصاویر پر قیاس نہیں کر سکتے اس لئے کہ اسکی صورت تو یہ ہے کہ آپکی نگاہ کی شعاع جو اس پر پڑتی ہے تو وہ نگاہ واپس ہوکر چہرہ پر پڑتی ہے تو یہ چہرہ نظر آتا ہے اس میں کچھ بھی نہیں مرئی یہ خود ہی ہوتا ہے پس وہاں تصویر ہی کہاں ہوتی ہے جو قیاس کو دخل دیا جائے۔

(۱۰۸۷) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت وعظ سننے کو جی چاہتا ہے فرمایا کہ اب ہمت نہیں رہی مسلسل بولنے سے طبیعت گھبراتی ہے اور نہ اب ربط عبارت پر قدرت ہے اور بلا ربط مضمون کا لطف ہی کیا ہوگا اس ہی وجہ سے چند روز تک وعظ کی یہ صورت اختیار کی تھی کہ کتاب دیکھکر بیان کر دیا کروں مگر میں دیکھتا ہوں کہ اب دماغ اسکا بھی متحمل نہیں اس لئے اب تو جو کچھ مجلس میں بیٹھکر بولتا رہتا ہوں یہی بہت کچھ ہے۔ فرمایا کہ کتاب دیکھکر وعظ کہنے کا معمول مولانا محمد اسحاق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا سنا ہے کہ وہ کتاب سے وعظ فرمایا کرتے تھے اس طرح وعظ کہنے سے دماغ پر تعب نہیں ہوتا۔

(۱۰۸۸) فرمایا ایک رسالہ میں ایک ایسا جامع مضمون لکھا دیکھا کہ اگر وہ ذہن

میں آجائے تو پھر سارے رسالے کی ضرورت ہی نہ رہے کہتے ہیں کہ " شیخ میں دین ہونا چاہیئے انبیاء کا سا اور سیاست یعنی دار و گیر، محاسبہ، معاقبہ سلاطین کا سا۔ تجویز اطباء کی سی کہ وہ ہر شخص کا جدا علاج تجویز کرتا ہے"۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت! شیخ میں انبیاء کا سا دین کیسے ہو سکتا ہے؟ فرمایا یہ مراد نہیں کہ انکے برابر ہو مطلب اخلاص میں تشبیہ ہے یعنی اعمال میں غوائل دنیا اور خواہشات نفس کی آمیزش نہ ہو جس میں یہ باتیں ہوں وہ شیخ ہو سکتا ہے۔

(۱۰۸۹) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہاں کے قانون میں داخل ہے کہ کوئی کسی سے زیادہ نہ ملے، نہ کوئی کسی کے حجرہ میں جائے اپنے کام میں لگا رہے مگر اس پر بھی جب یہ حضرات دوسری جگہ جاتے ہیں اور ایک دوسرے سے ملتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان میں رشتہ اخوت کوٹ کوٹ کر بھرا ہے۔ فرمایا کہ مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں آج ہی سنا ہے وہ بھی ثقہ راوی سے۔ حضرت میں تو ایک چیز کا اہتمام کرتا ہوں یعنی اللہ کے تعلق کا اور اس کا کہ اسکے بُعد کا ضعیف سے ضعیف سبب بھی مرتفع کر دیا جاوے اور دین کو قلوب میں راسخ کر دیا جائے، اسی کی کوشش کرتا ہوں پھر اللہ تو واحد ہیں جب سب ان کو مانیں گے تو متحد تو خود ہی رہیں گے۔

(جاری)

سامنے پیرا نصر ان کو تنہا ملبندی میں کیوں کر ستے ہو کہ اسکے انہدام

سے سرچار۔ حق تعالیٰ کی جناب میں تو تفویض محض ہونا چاہیئے اور جن
لوگوں کو یہ دولت حاصل ہے ان سے راحت اور سامانِ راحت کا
حال پوچھو۔ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں فَوَّضْتُ،
فَاسْتَرَحْتُ (میں نے اپنے کو خدا کے سپرد کر دیا تو آرام پا گیا) یعنی جب تک
سارے کاموں کو اپنے ذمہ رکھا حیران و پریشان رہا اور جب سے سارے
کاموں کو حق تعالیٰ کے سپرد کر دیا راحت و آرام میں ہوں۔ کسی بزرگ نے حضرت
بہلول رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کیا حال ہے کیسے ہو؟ فرمایا کہ اس شخص کی کیا حالت
پوچھتے ہو جس کی خواہش کے مطابق تمام عالم کا نظام چل رہا ہو۔ ظاہر ہے
ایسا شخص تو خوش و خرم رہے گا۔ سائل نے کہا ذرا اسکی شرح فرمایئے
مطلب سمجھ میں نہیں آیا۔ فرمایا میں نے اپنا ارادہ حق تعالیٰ شانہٗ کے ارادہ
میں فنا کر دیا اب جو اس کا ارادہ ہے وہی بعینہ میرا ارادہ ہے اور ظاہر ہے
جو کام ہوتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے ارادہ کے موافق ہوتا ہے پس جب میں
نے اپنے ارادہ کو اس کے ارادہ میں فنا کر دیا تو جس طرح ہر واقعہ
ارادۂ حق کے موافق ہے اسی طرح میرے ارادہ کے موافق ہے اسی
لئے میں ہمیشہ خوش حال و فارغ البال رہتا ہوں۔

حضرت سید احمد رفاعی رحمۃ اللہ علیہ کا قصہ ہے کہ عالم ارواح میں
سب کو جمع کر کے پوچھا گیا کیا چاہتے ہو کسی نے کچھ مانگا کسی نے کچھ مانگا
حَتّٰی دَارَتِ النَّوْبَۃُ اِلٰی ھٰذَا اللَّاشَیْءِ اَحْمَدَ فَقُلْتُ یَارَبِّ اُرِیْدُ
اَنْ لَّا اُرِیْدَ وَ اَخْتَارُ اَنْ لَّا اَخْتَارَ فَاَعْطَانِیْ مَا لَا عَیْنٌ رَأَتْ
وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ مِنْ اَھْلِ ھٰذَا الْعَصْرِ
(یہاں تک کہ اس کمترین احمد کی باری آئی تو میں نے کہا کہ اے رب!
میں تو یہ چاہتا ہوں کہ میرا خود اپنا کوئی ارادہ نہ ہو اور میں یہ پسند کرتا ہوں

کہ میری اپنی کوئی پسند اور اختیار نہ ہو تو مجھے وہ چیز عطا کی جسے نہ کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا نہ اس زمانہ کے کسی فرد بشر کے قلب پر اسکا خیال و خطر گزرا، اور کلمۂ استرجاع اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کا حاصل بھی یہی ہے کہ ہم کو کوئی تجویز نہ کرنا چاہیئے بلکہ تمام امور خدا تعالےٰ کے سپرد کر دینے چاہیئں اور ہم کو تجویز کا حق ہی کیا ہے جب خدا تعالےٰ کے محکوم و غلام ہیں، بھلا غلام کو بھی کبھی تجویز کا حق ہوتا ہے آقا کے سامنے پس کسی شئ کی تعیین کرنا ہمارے لئے مضر ہے، ہم سے محض تسلیم مطلوب ہے۔ آگے دوسرا جملہ ہے اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن اس میں بہت سی کام کی چیز مذکور ہے تقریر اسکی یہ ہے کہ جب انا للہ کے سمجھ لینے سے غم تو ہلکا ہو گیا، طبیعت سے رنج دور ہو گیا اب حق تعالےٰ صرف غم ہی دور کرنے پر بس نہیں فرماتے بلکہ ساتھ ساتھ یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ تم خدا کے پاس جانے والے ہو اس وقت تم کو دار الجزاء و دار الثواب میں صبر کی وجہ سے درجہ ملیگا ترقی دی جائیگی، ثواب جزیل کے امیدوار رہو اور ثواب کی امید وہ چیز ہے کہ انسان اگرچہ صاحب حال بھی نہ ہو جس سے غم غالب نہیں آسکتا لیکن وہ پھر بھی اپنا کیمیائی اثر دکھا کے رہتی ہے اسکا نفع ضرور بالضرور ہوتا ہے آدمی ثواب کی امید میں تمام پریشانیوں سے قطع نظر کرلیتا ہے کوئی مشکل اسکو مشکل نہیں معلوم ہوتی ہم دیکھتے ہیں کہ دنیاوی منافع کی امید پر لوگ مصائب کو مصائب نہیں سمجھتے بے تکلف مشقتیں برداشت کرتے ہیں، زحمتیں جھیلتے ہیں۔ دیکھئے ملازمین ایک ماہ تک کارِ ملازمت کو انجام دیتے ہیں محض اس امید پر کہ ختم ماہ پر تنخواہ ملے گی، مزدور دن بھر ڈلیا ڈھوتا ہے کہ شام کو مزدوری ملے گی، قلیوں کو دیکھ لیجئے کہ مسافر کی صورت دیکھتے ہی آگھیرتے ہیں اور زبردستی اسباب

سر پر رکھ لیتے ہیں صرف اس وجہ سے کہ چار پیسے مل جائیں گے ورنہ بظاہر تو بوجھ سر پر لئے ہوتے ہیں مصیبت میں گرفتار ہیں لیکن پیسوں کی امید اس مشقت پر غالب آجاتی ہے اور اسکو اس بار گراں کے تحمل پر راضی کر دیتی ہے۔ اسی طرح وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کا اثر یہ ہوتا ہے کہ اسکے استحضار سے ثواب کی توقع ہو جاتی ہے تو یہ رنج و غم سب کافور ہو جاتا ہے اور ثواب کی توقع اس رنج پر غالب آنے سے یہ اثر ہوتا ہے کہ جان کو پریشانی سے محفوظ رکھتا ہے۔ غرض حق تعالےٰ کا یہ مقصود ہے کہ اسکی مخلوق پریشان نہو جہاں تک ہو دارین میں راحت و آرام سے رہیں جو شخص صراط مستقیم پر چلے گا یعنی شریعت مقدسۂ مطہرہ پر عمل کرے گا وہ ہرگز ہرگز ابدالآباد تک پریشان و سرگرداں نہ ہوگا۔

وساوس کا اثر جناب فخر دارین رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہی مطلوب ہے کہ آپ کا کوئی امتی حیران و پریشان نہو لیکن اگر کوئی شخص خواہ مخواہ پریشانی میں پھنسے تو اسکا کیا علاج مثل مشہور ہے خود کردہ را علاجے نیست۔ اسی طرح باطنی معاملات میں بعض دفعہ سالک کو وساوس اور توہمات سے پریشانی ہوتی ہے مثلاً کفر کے خیالات آنے لگتے ہیں جس سے یہ اپنے آپ کو کافر سمجھنے لگتا ہے حالانکہ یہ غلطی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف فرما دیا ہے اِنَّ اللہَ تَجَاوَزَ عَنْ اُمَّتِیْ مَا وَسْوَسَتْ بِہٖ صُدُوْرُھَا (بیشک اللہ تعالےٰ نے میری امت سے ان خیالات و وساوس کو معاف فرما دیا ہے جو دلوں میں آتے ہیں) پس کفر کے وسوسے سے آدمی کافر نہیں ہوتا بلکہ مومن کامل رہتا ہے اس میں مبتلا ہونے والوں کی بالکل ایسی مثال ہے کہ کسی شخص کا دھوپ میں یا چولھے کے پاس

بیٹھنے سے ہاتھ گرم ہو جائے بس اسکی روح نکلنے لگے کہ اب
جان گئی مصیبت آئی اب بچنا دشوار ہے جھٹ پٹ حکیم صاحب
کے پاس جائے کہ میں سخت مرض میں مبتلا ہوں علاج کر دیجئے حکیم صاحب
نے نبض دیکھی کہا ارے میاں تم تو اچھے خاصے تندرست ہو تمکو بیمار
کس نے کہا ہے یہ تو محض تمھارا وہم ہے۔ کہا واہ صاحب میں تو سخت
مریض ہوں بخار چڑھا ہوا ہے مجھے تو خدا کے واسطے جلاب و مسہل دو
تاکہ مادہ کا خروج ہو جائے۔ حکیم صاحب نے کہا تم کو تو یہ حرارت عارضی
ہے خود جاتی رہے گی کچھ فکر کی بات نہیں لیکن اسکی سمجھ میں نہیں آتا۔
تو اسکو گو مرض نہیں لیکن وہم کیا تھوڑا مرض ہے اور اس وہم کا منشار
محض ناواقفیت ہے اسی طرح سالک ناواقف کو وساوس سے
وہم اور وہم سے غم پیدا ہو جاتا ہے جو کہ گور میں جا سلاتا ہے۔
صاحبو! وسوسہ کا علاج تو صرف بے فکر اور بے التفات ہو کر مسرور
وخوش ہونا ہے نہ کہ غم کو لیکر بیٹھ جانا ہے جتنا فکر کرو گے اتنا ہی غم بڑھتا
جائیگا ع مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے
جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے وساوس وخطرات کی
شکایت کی آپ نے فرمایا اَوَجَدْتُمُوْهُ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ ذَاكَ صَرِيْحُ
الْاِيْمَان (کیا واقعی تم اسکو پاتے ہو، صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہاں!
پاتے ہیں، آپ نے فرمایا یہ تو صریح اور کھلا ہوا ایمان ہے) سبحان اللہ
حضور نے وسوسہ کے غم کا کیا عجیب علاج فرمایا کہ وہ تو پریشان آئے تھے
آپ نے بشارت کمال ایمان کی سنا کر مسرور واپس کر دیا۔ عارفین اور
صوفیہ کرام نے اس سے مستنبط کیا ہے کہ وسوسہ کا علاج مسرور ہونا ہے
جس کو یہ مرض لاحق ہو اسکے لئے لازم ہے کہ محزون نہ ہو ہمیشہ مسرور وخوش
رہے تاکہ حدیث پر عمل ہو اور اسکی حالت سنت کے موافق ہو اور اس کے

رہنے سے وسوسہ دفع ہونے کا راز یہ ہے کہ شیطان انسان کو محزون وغمگین رکھنا چاہتا ہے جب تم اسکے خلاف کروگے اور اسکو اسکی سعی وکوشش میں کامیاب نہ ہونے دوگے یعنی اپنے کو خوش وخرم رکھوگے، رنج وغم نہ کروگے تو وہ مایوس ہو جائے گا اور تم کو نہیں ستائے گا سمجھے گا کہ وساوس ڈالنے سے تو یہ الٹا خوش ہوا اور اسکو خوش ہونا گوارا نہیں اس لئے وسوسے ڈالنا چھوڑ دے گا۔ یاد رکھو یہ شیطانی وسوسے اس وجہ سے نہیں کہ اپنے نفس سے سوءظن پیدا ہو اور تم معاصی سے بچنے لگو بلکہ یہ کمبخت پرانی دشمنی کی وجہ سے دل میں اس لئے وسوسے پیدا کرتا ہے تاکہ تم کو یاس ہو جائے یاس کا فر بن جاؤ، اس سے بھلائی کبھی متصور نہیں ہوسکتی حتی کہ اگر یہ کوئی اچھا کام بھی کرتا ہے تو اس میں بھی برائی کا پہلو ضرور مضمر ہوتا ہے اس پر مجھے ایک حکایت یاد آئی ایک شخص شیطان پر ہر روز ایک مرتبہ لعنت بھیجا کرتا تھا ایک روز یہ دیوار کے نیچے سو رہا تھا کہ ایک شخص آیا اور کہا کہ جلدی اٹھو فوراً یہاں سے علحدہ ہو جاؤ جیسے ہی وہ علحدہ ہوا معاً دیوار گر پڑی، اس نے کہا آپ صاحب کون ہیں کیا نام ہے

چہ نامی کہ مولائے نام توام درم ناخریدہ غلام توام

(آپ کیا نام رکھتے ہیں کہ میں تو آپ کے نام کا بندہ ہوں اور بغیر خریدے ہوئے آپ کا غلام ہوں)

اس نے کہا کہ جب آپکو معلوم ہو جائے گا تو پھر احسان نہ مانوگے، میرا نام نہ پوچھو کہا نہیں ضرور نام بتلائیے، کہا میرا نام ابلیس ہے جس پر ہر روز ہزار مرتبہ لعنت کیا کرتے ہو۔ اس نے کہا پھر تو تو میرا دشمن تھا تو نے مجھ پر یہ احسان کیوں کیا کہا خدا نہ کرے جو میں تجھ پر احسان کروں، میں نے تجھکو ایک خیر سے روک دیا کیونکہ وہ دیوار اگر تجھ پر گرتی تو تو مرجاتا اور جو شخص ہدم الجدار سے مرجائے وہ شہید ہوتا ہے اس لئے میں نے تجھکو بیدار کر دیا کہ تو ایک نعمت عظمیٰ سے

محروم رہے اور تجھکو شہادت نصیب نہ ہو۔

مولانا رومیؒ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکایت لکھی ہے نہ معلوم کہاں سے نقل فرمائی ہے کہ ایک دفعہ حضرت معاویہؓ کو شیطان نے نماز کے لئے آکر بیدار کیا اور کہا حضرت صلواۃ تہجد سے فارغ ہوجایئے وقت جارہا ہے آپ نے دریافت کیا تو کون ہے کہا میں ابلیس ہوں فرمایا تونے مجھکو کیوں بیدار کیا کہا پُرانے جذبہ کی وجہ سے بیدار کردیا کیونکہ کیونکہ میں کبھی عابد تھا۔ مگر۔

کبھی ہم کبھی تم کبھی تھے آشنا تمھیں یاد ہوکہ نہ یاد ہو

یہ صحابی تھے اسکی چال میں کب آنے والے تھے فرمایا بس بس کیوں بہکاتا ہے سچ سچ بتا میں تیری ایک نہیں سنوں گا، کہا حق یہ ہے کہ میں نے فلاں روز آپکی صلواۃ تہجد فوت کرادی تھی اس پر آپ نے بیحد تاسف و افسوس کے ساتھ آہ کی جس کی وجہ سے آپ کے درجات میں بہت ترقی ہوئی جو تہجد سے کبھی نہ ہوسکتی تھی اس لئے میں نے آج اول ہی سے بیدار کردیا کہ آپ کو دوبارہ ایسی ترقی نہ ہو اور تہجد ہی تک درجہ رہے یہ سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اٹھ بیٹھے اور تہجد میں مشغول ہوگئے اگر کوئی جاہل ہوتا تو مخالفت شیطان کی بنا پر سو رہتا یہ محقق تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ تھے حق بات سن کر عمل کرنے لگے۔ تو حاصل یہ ہے کہ شیطان انسان کے پیچھے لگا ہوا ہے جب اسے موقع مل جاتا ہے تو نیش زنی کرتا ہے اسکا علاج مخالفت ہے پس جب یہ وسوسہ ڈالے اور محزون و غمگین کرنا چاہے تو اور زیادہ مسرور و خوش ہونا چاہیئے وہ ناامید ہوکر خود ہی تمکو چھوڑ دے گا۔

خلاصہ یہ کہ وسوسہ کا مرض مضر نہیں بلکہ محمود و مرغوب ہے لیکن بعض لوگ شیطان کے دھوکہ میں آکر وسوسہ کو مرض سمجھکر خودکشی کرلیتے ہیں۔

غلطیوں کا احساس

اسی طرح صدہا چیزیں اشتباہ و التباس کی ہیں مثلاً تواضع تذلل، استغنار و تکبر جس کا بیان کر رہا ہوں ان میں کبھی بعض اوقات التباس ہو جاتا ہے جس کے امتیاز کے لئے سالک کی رائے کافی نہیں بلکہ ضرورت ہے ایک شیخ کامل مبصر کی کہ مراحل سلوک میں جانچ پڑتال کرتا رہے جو غلطی محسوس ہو اس کا ساتھ دفعیہ کرتا جائے مگر شیخ کے تنبیہ کے نافع ہونے کی شرط یہ ہے کہ طالب میں انقیاد ہو جس کو وہ غلطی بتا دے طالب اسکو غلطی مان لے تاویل نہ کرے خصوص علمار و طلبار کو اس انقیاد و تسلیم کی زیادہ ضرورت ہے کیونکہ ان میں یہ مرض استنکاف اور تاویل کا زیادہ ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ علم کی بدولت ان میں یہ رذائل کم ہوتے کیونکہ حق تعالیٰ شانہ فرماتے ہیں هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ (کیا علم والے اور جہل والے برابر ہوتے ہیں) لیکن دیکھا یہ جاتا ہے کہ آجکل ان امراض میں زیادہ تر مولوی صاحبان ہی مبتلا ہو رہے ہیں خصوصاً کبر میں کہ اپنی خطا اور غلطی ماننے سے انکو عار آتی ہے طالبعلمی کی ابتدا سے تاویل و توجیہ کی عادت ہو جاتی ہے ہر غلطی میں توجیہ کی ہچر لگا دیتے ہیں کبھی غلطی و خطا کا اقرار نہیں کرتے میرے پاس جو لوگ طالب حق ہو کر آتے ہیں ان میں مولوی صاحبان بکثرت غلطیوں کی تاویلیں کیا کرتے ہیں خطا کا اقرار کرتے ہوئے موت آتی ہے جہاں کسی امر خلاف شان پر متنبہ کیا فوراً تاویل گڑھ لی میں تو کہہ دیتا ہوں کہ جب تم مجھ سے زیادہ جانتے ہو کہ میں تو ایک بات کسو مرض کہوں تم اسکو صحت بتلاتے ہو تو یہاں آنے کی کیا حاجت تھی گھر بیٹھے تاویلوں اور توجیہوں سے اصلاح نفس کر لی ہوتی بغرض میرا تجربہ و مشاہدہ ہے کہ عیب پر تنبیہ کرنے کے وقت مولوی صاحبان خطا پر زیادہ اصرار کرتے ہیں

یہ کبھی توجیہ سے نہیں چوکتے گویا انکے اندر کوئی عیب ہی نہیں پایا جاسکتا بالکل بے عیب ہیں ۔ میں یہ بیان کر رہا تھا کہ ہر شئے اپنی حد تک پسندیدہ و مرغوب خاطر ہے جب افراط تفریط سے کام لیا جائے گا ہمیشہ غلطی میں مبتلا ہوگا اور مبنیٰ ایسی غلطی کا اکثر اشتباہ بَیْنَ الْاَمْرَیْن ہوتا ہے دو ضدوں میں تمیز نہ کرنے سے انسان کو غلطی ہوا کرتی ہے مثلاً تکبر و استغناء میں التباس ہو کر کبھی تکبر کو استغنا سمجھا جاتا ہے ۔ اسی طرح تذلل کو تواضع سمجھتے ہیں اور تواضع کو تذلل، اسراف کو سخاوت و بالعکس، حالانکہ ان میں دن رات کا فرق ہوتا ہے اور اس فرق کا زیادہ تر مدار تعلیم شیخ و تنبیہ شیخ پر ہے خود بہت کم محسوس ہوا کرتا ہے۔ اسی لئے میں نے بقدر ضرورت تواضع کی حقیقت بتلا دی باقی پورا انکشاف کسی کی صحبت میں رہ کر ہو سکتا ہے زیادہ تفصیل و تطویل کی احتیاج نہیں ۔ اس وقت اتنا سمجھ لو کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں دو اخلاق ذمیمہ سے منع فرمایا ہے ایک تکبر دوسرے تذلل کہ ان سے بچو یہ دونوں منہی عنہ ہیں اور دو اخلاق حمیدہ کا حکم فرمایا ہے ایک تواضع دوسرے استغناء کہ انکو اختیار کرو یہ دونوں مامور بہ ہیں البتہ امر و نہی کا درجہ متعین نہیں ہوا کہ امر وجوب کے واسطے یا استحباب وغیرہ کے لئے ہے ایسے ہی نہی حرمت کے لئے ہے یا کراہت کیلئے ہے تو درجہ کی تعیین دوسرے نصوص و دلائل سے ہو جائیگی ۔ اب ان دلائل کو سنئے :۔

تکبر حرام ہے حق تعالیٰ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (بیشک اللہ تعالےٰ کسی تکبر کرنے والے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا)

(جاری)

دین کا حصہ بنانا بدعت ہے

لہٰذا دین کا حصہ بنا کر لازم اور ضروری قرار دیکر دین میں کوئی چیز ایجاد کی جائے وہ بدعت ہے ہاں اگر کوئی چیز دین کا حصہ نہیں ہے بلکہ کسی نے اپنے استعمال اور آرام کے لئے کوئی چیز اختیار کرلی مثلاً ہوا حاصل کرنے کے لئے پنکھا بنالیا روشنی حاصل کرنے کے لئے بجلی استعمال کرلی، سفر کرنے کے لئے کار استعمال کرلی یہ کوئی بدعت نہیں کیونکہ دنیا کے کاموں میں اللہ تعالیٰ نے کھلی چھوٹ دے رکھی ہے کہ مباحات کے دائرے میں رہتے ہوئے جو چاہو کرو، لیکن دین کا حصہ بنا کر یا کسی غیر مستحب کو مستحب قرار دیکر یا کسی غیر سنت کو سنت کہکر یا کسی غیر واجب کو واجب کہکر جب کوئی چیز ایجاد کی جائے گی تو وہ بدعت ہوگی اور حرام ہوگی۔

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا بدعت سے بھاگنا

حضرات صحابہ کرام بدعت سے انتہا درجہ کا پرہیز کرتے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ ایک مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے تشریف لے گئے اذان ہوگئی ابھی جماعت نہیں کھڑی ہوئی تھی کہ اس موذن نے لوگوں کو جمع کرنے کے لئے آواز دے دی کہ اَلصَّلٰوۃُ جَامِعَۃٌ کہ نماز کھڑی ہو رہی ہے آجاؤ، اور ایک مرتبہ شاید۔ حی علی الصلوٰۃ" بھی دوبارہ کہہ دیا تاکہ جو لوگ اب تک نہیں آئے وہ جلدی سے آجائیں جب حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ سنے تو فوراً اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ اُخْرُجْ بِنَا مِنْ عِنْدِ هٰذَا الْمُبْتَدِع (سنن ترمذی، ابواب الصلاۃ باب ماجاء فی التثویب فی الفجر حدیث نمبر ۱۹۸)

مجھے اس بدعتی کے پاس سے نکالو اس لئے کہ یہ شخص بدعت کر رہا ہے اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اذان کا طریقہ بتایا تھا وہ تو ایک مرتبہ ہوتی ہے اور وہ ہو چکی دوبارہ اعلان کرنا یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ

نہیں ہے یہ طریقہ بدعت ہے لہٰذا مجھے اس مسجد سے نکالو میں جارہا ہوں۔

قیامت اور بدعت دونوں ڈرنے کی چیزیں ہیں

لہٰذا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث کے اندر جہاں اپنی امت کو اس بات سے ڈرا رہے ہیں کہ ایک لشکر صبح یا شام کے وقت میں تم پر حملہ آور ہونے والا ہے وہاں ساتھ ساتھ آئندہ آنے والی گمراہیوں سے بچانے کے لئے یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ بدترین چیزیں وہ ہیں جو انسانوں نے اپنی طرف سے گھڑ لی ہیں اور انکو دین کا حصہ بنا دیا ہے جبکہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کا وہ طریقہ نہیں بتایا، اس سے پرہیز کرو ورنہ وہ تمھیں گمراہی کی طرف لیجائیگی

ہمارے حق میں سب سے زیادہ خیرخواہ کون

پھر اگلا جملہ ارشاد فرمایا کہ اَنَا اَوْلیٰ بِکُلِّ مُؤمِنٍ مِنْ نَفْسِہٖ۔ میں ہر مومن سے اسکی جان سے زیادہ قریب ہوں، یعنی انسان خود اپنی جان کا اتنا خیرخواہ نہیں ہو سکتا جتنا میں تمھارا خیرخواہ ہوں جیسے باپ اپنے بچے پر شفقت کرتا ہے کہ اپنے اوپر مشقت جھیل لے گا، محنت اٹھالے گا لیکن اولاد کی تکلیف برداشت نہیں کر سکتا اس لئے آپ نے فرمایا میں تمھارے لئے تمھاری جان سے زیادہ قریب ہوں، جو کچھ میں تم سے کہہ رہا ہوں وہ کوئی اپنے مفاد کی خاطر نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ تمھارے فائدے کے لئے کہہ رہا ہوں اسلئے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ کہیں یہ قوم گمراہی میں مبتلا ہو کر اپنے کو جہنم کا مستحق نہ بنالے، آگے فرمایا کہ

مَنْ تَرَكَ مَالاً فَلِاَهْلِهٖ وَمَنْ تَرَكَ دَيْناً اَوْضِيَاعاً فَاِلَيَّ وَعَلَيَّ

یعنی آخرت میں تو میں تمھارا خیرخواہ ہوں ہی دنیا کے اندر بھی یہ معاملہ ہے کہ اگر کوئی شخص کچھ مال بطور ترکہ کے چھوڑ کر گیا ہے تو وہ میراث اسکے گھروالوں کے لئے ہے شریعت کے مطابق وہ میراث آپس میں تقسیم کرلیں

لیکن اگر کوئی شخص اپنے اوپر قرضہ چھوڑ کر گیا ہے اور ترکہ میں اتنا مال نہیں ہے کہ اس سے قرضہ ادا کیا جا سکے یا ایسی اولاد چھوڑ گیا جس کی کوئی کفالت کرنے والا نہیں ہے تو وہ قرضے اور وہ اولاد میرے پاس لے آؤ میں زندگی بھر انکی کفالت کروں گا۔ یہ سب اسلئے فرمایا کہ یہ یقین ہو جائے کہ مجھے تمھاری خیرخواہی مطلوب ہے، تمھارا روپیہ پیسہ مطلوب نہیں ہے۔ جیسا کہ پچھلی حدیث میں فرمایا کہ میں تمھاری کمریں پکڑ پکڑ کر جہنم سے روکنا چاہتا ہوں اور تم اس میں گرے جار ہے ہو اور میں تمھیں بچار ہا ہوں کہ خدا کے لئے ان گناہوں سے رک جاؤ، خدا کے لئے ان بدعتوں سے باز آجاؤ تاکہ اس عذاب جہنم سے نجات پا جاؤ۔

(فَأَنَا آخِذٌ بِحُجَزِكُمْ عَنِ النَّارِ وَأَنْتُمْ تَقَحَّمُونَ فِيهَا صحیح بخاری کتاب الرقاق، باب الانتہاء عن المعاصی حدیث نمبر ۶۴۸۳)

صحابہؓ کی زندگیوں میں انقلاب کہاں سے آیا | حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ باتیں تھیں جنھوں نے

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگی میں انقلاب برپا کیا اور ایسی تبدیلیاں لائیں کہ ایک صحابی کہاں سے کہاں پہونچ گیا، جب بات دل سے نکلتی تھی دل پر اثر کرتی تھی اس لئے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک جملے نے لوگوں کی زندگیاں بدل دیں، آج ہم گھنٹوں تقریر کرتے ہیں، گھنٹوں دین کی باتیں کرتے ہیں لیکن کوئی تبدیلی اور انقلاب نہیں آتا، کوئی ٹس سے مس نہیں ہوتا اس لئے کہ بسا اوقات کہنے والا خود اس پر کاربند نہیں ہوتا اور ہمارے دل میں وہ جذبہ اور درد نہیں جبکی وجہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں سے صحابہ کی زندگیوں

میں انقلاب برپا ہوا آج بھی جتنا اثر براہ راست کتاب اللہ کے کلمات میں ہے اور براہِ راست نبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات میں ہے کتنی لچھے دار تقریریں کرلو انمیں وہ اثر نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو اسکی قدر کرنے کی توفیق دے۔

بدعت کیا ہے؟ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک بدعت حسنہ اور ایک بدعت سیئہ یعنی بعض کام بدعت تو ہوتے ہیں لیکن اچھے ہوتے ہیں اور بعض کام بدعت بھی ہیں اور برے بھی ہیں، لہٰذا اگر کوئی اچھا کام شروع کیا جائے تو اسکو بدعت حسنہ کہا جائے گا اور اس میں کوئی خرابی نہیں۔

بدعت کے لغوی معنی خوب سمجھ لیجئے کہ بدعت کوئی اچھی نہیں ہوتی جتنی بدعتیں ہیں وہ سب بری ہیں اصل بات یہ ہے کہ بدعت کے دو معنی ہوتے ہیں ایک لغوی اور ایک اصطلاحی اگر آپ لغت اور ڈکشنری میں بدعت کے معنی دیکھیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ لغت میں اسکے معنی نئی چیز کے ہیں لہٰذا جو بھی نئی چیز ہے اس کو لغوی اعتبار سے بدعت کہہ سکتے ہیں مثلاً یہ پنکھا، یہ بجلی، یہ ٹرین اور ہوائی جہاز وغیرہ لغت اور ڈکشنری کے اعتبار سے سب بدعت ہیں کیونکہ یہ چیزیں ہمارے دور ہی کی پیداوار ہیں مسلمانوں کے اولین دور میں انکا وجود نہ تھا یہ سب نئی چیزیں ہیں۔

لیکن شریعت کی اصطلاح میں ہر نئی چیز کو بدعت نہیں کہتے بلکہ بدعت کے معنی یہ ہیں کہ دین میں کوئی نیا طریقہ نکالنا اور اس طریقہ کو از خود مستحب، لازم یا مسنون قرار دینا جس کو نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین نے مسنون قرار نہیں دیا اس کو بدعت کہیں گے

اس اصطلاحی معنی کے لحاظ سے جن چیزوں کو بدعت کہا گیا ہے ان میں سے کوئی بدعت اچھی نہیں ہوتی اور ایسی کوئی بدعت "حسنہ" نہیں ہے بلکہ ہر بدعت بری ہی ہے۔

شریعت کی دی ہوئی آزادی کو کسی قید کا پابند کرنا جائز نہیں

البتہ کچھ چیزیں اللہ تعالیٰ نے مباح قرار دی ہیں یا کچھ چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسنون اور اجر و ثواب کا موجب تو قرار دی ہیں لیکن ان چیزوں میں شریعت نے کوئی خاص طریقہ مقرر نہیں کیا کہ اس طرح کرو گے تو ثواب زیادہ ملے گا اور اس طرح کرو گے تو ثواب کم ملے گا ایسے کاموں کو جس طریقے سے بھی انجام دے لیا جائے موجب ثواب ہے۔

ایصال ثواب کا طریقہ

مثلاً کسی مردہ کو ایصال ثواب کرنا بڑی فضیلت کی چیز ہے جو شخص کسی مرنے والے کو ایصال ثواب کرے تو اسکو دُگنا ثواب ملتا ہے ایک اس عمل کے کرنے کا ثواب اور دوسرے ایک مسلمان کے ساتھ ہمدردی کرنے کا ثواب لیکن شریعت نے ایصال ثواب کے لئے کوئی طریقہ مقرر نہیں کیا کہ ایصال ثواب صرف قرآن پڑھکر ہی کرو، یا صدقہ کرکے کرو یا نماز پڑھکر کرو جس وقت جس نیک کام کی توفیق ہو جائے اس نیک کام کا ایصال جائز ہے، تلاوت کلام پاک کا ایصال ثواب کر سکتے ہیں، صدقہ کا بھی کر سکتے ہیں، نفلی نماز پڑھکر اسکا ایصال ثواب کر سکتے ہیں ذکر و تسبیح کا بھی کر سکتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کوئی کتاب لکھی ہے اور کوئی تصنیف و تالیف کی ہے اسکا بھی ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے، اگر کوئی وعظ و نصیحت کی ہے تو اسکا بھی ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے غرض یہ کہ جتنے بھی نیک کام ہیں سب کا ایصال ثواب کیا جا سکتا ہے اور اسیطرح

شریعت نے ایصال ثواب کے لئے کوئی دن مقرر نہیں کیا کہ فلاں دن کرو اور فلاں دن نہ کرو بلکہ جس وقت اس شخص کا انتقال ہوا ہے اسکے بعد سے جس وقت چاہیں ایصال ثواب کر سکتے ہیں چاہے پہلے دن کرے چاہے۔ دوسرے دن کرے چاہے تیسرے دن کرے جب چاہے کرے کوئی دن مقرر نہیں ہے اب اگر کوئی شخص ایصال ثواب کا کوئی بھی طریقہ اختیار کرے جس کی شریعت نے اجازت دی ہے تو تو اس میں کوئی خرابی نہیں

کتاب تصنیف کر کے ایصال ثواب کر سکتے ہیں

مثلاً میں نے عام مسلمانوں کے فائدے کے لئے ایک کتاب لکھی اور کتاب لکھنے کا مقصد تبلیغ و دعوت ہے اور کتاب لکھنے کے بعد دعا کرتا ہوں کہ یا اللہ! کتاب لکھنے کا ثواب فلاں شخص کو پہونچا دیجئے، تو یہ ایصال ثواب درست ہے حالانکہ کتاب لکھکر ایصال ثواب کرنے کا عمل نہ تو کبھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا اور نہ صحابہ کرام نے کیا۔ اسلئے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ نے کوئی کتاب لکھی ہی نہیں لیکن آپ نے ایصال ثواب کرنے کی فضیلت بیان فرمائی لہٰذا یہ جو میں ایصال ثواب کر رہا ہوں یہ بدعت نہیں ہے لیکن اگر میں یہ کہوں کہ کتاب لکھکر ایصال ثواب کرنے کا طریقہ دوسرے طریقوں سے افضل اور بہتر ہے اور یہی طریقہ سنت ہے اس صورت میں میرا یہی عمل جو موجب اجر و ثواب تھا بدعت ہو جائے گا اس لئے کہ میں نے اپنی طرف سے دین میں ایک ایسی چیز داخل کر دی جو دین کا حصہ نہیں تھی۔

تیسرا دن لازم کر لینا بدعت ہے

اسی طرح ہر دن ایصال ثواب کرنا جائز تھا پہلے دن بھی دوسرے

دن بھی اور تیسرے دن بھی، فرض کرو کہ ایک شخص تیسرے دن گھر پر بیٹھے ایصال ثواب کر رہا ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں جائز ہے لیکن اگر کوئی کہے کہ یہ تیسرا دن خاص طور پر ایصال ثواب کے لئے مقرر ہے اور اس تیسرے دن میں ایصال ثواب کرنا زیادہ فضیلت کا باعث ہے یا یہ سنت ہے، یا یہ کہے کہ اگر کوئی شخص تیسرے دن ایصال ثواب نہیں کرے گا تو اسکو ناواقفوں کی لعنت و ملامت کا شکار ہونا پڑے گا اب یہ ایصال ثواب بدعت ہو جائے گا اسلئے کہ اس عمل کو اپنی طرف سے ایک خاص دن میں لازم و ضروری قرار دے دیا۔

جمعہ کے دن روزہ کی ممانعت فرمادی

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن کی کتنی فضیلت بیان فرمائی ہے اور حضرت ابو ہریرہؓ رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ قَلَّ مَا كَانَ يُفْطِرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ (ترمذی، کتاب الصوم، باب ماجاء فی صوم یوم الجمعہ حدیث نمبر ۷۴۲)۔ "یعنی بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ جمعہ کے دن آپؐ نے روزہ نہ رکھا ہو" بلکہ اکثر جمعہ کے دن روزہ رکھا کرتے تھے اس لئے کہ یہ فضیلت والا دن روزے کے ساتھ گزرے تو اچھا ہے لیکن آپکو دیکھکر رفتہ رفتہ لوگوں نے بھی جمعہ کے دن روزہ رکھنا شروع کر دیا اور جمعہ کے دن کو روزہ کے ساتھ اس طرح مخصوص کر دیا جس طرح یہودی لوگ ہفتہ کے دن کو مخصوص کرتے ہیں، اسلئے کہ یہودیوں کے یہاں ہفتہ کے دن روزہ رکھا جاتا تھا اور انکے ذہنوں میں ہفتہ کے دن روزہ رکھنے کی خاص فضیلت اور اہمیت تھی چنانچہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دیکھا تو آپ نے جمعہ کے دن روزہ رکھنے سے صحابۂ کرام کو منع فرمادیا اور باقاعدہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جمعہ کے روز کوئی شخص روزہ نہ رکھے یہ آپ نے اسلئے فرمایا کہ کہیں ایسا نہو کہ جس دن کو اللہ تعالیٰ

روزے کیلئے متعین نہیں کیا لوگ اسکو اپنی طرف سے متعین کردیں اور وہ عمل دوسروں کی نظر میں ضروری سمجھا جانے لگے اسلئے آپ نے روزہ کے لئے جمعہ کی تعیین کر لینے سے منع فرمادیا کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسکو لازمی نہیں سمجھتے تھے نہ دوسروں کے لئے اس طرح کا کوئی اہتمام والتزام جاری کرانا چاہتے تھے۔

(ترمذی ۔کتاب الصوم باب ماجا فی کراھیۃ الصوم یوم الجمعۃ وحدہ حدیث ۷۴۲)

تیجہ، دسواں، چالیسواں کیا ہیں؟

بہرحال میں جو عرض کر رہا تھا کہ یہ تیجہ، دسواں، بیسواں چالیسواں جائز نہیں ہے یہ اسلئے کہ لوگوں نے ان دنوں کو ایصال ثواب کے لئے مخصوص کر دیا ہے لیکن اگر کوئی شخص ایصال ثواب کے لئے کوئی دن مخصوص نہ کرے بلکہ اتفاقاً وہ تیسرے دن ایصال ثواب کر لے تو اس میں بھی کوئی خرابی نہیں البتہ چونکہ آجکل تیسرے ہی دن کو لوگوں نے لازم سمجھ رکھا ہے اس لئے انکی مشابہت سے بچنے کے لئے بطور خاص تیسرے دن یہ کام نہ کرے تو زیادہ بہتر ہے۔

انگوٹھے چومنا کیوں بدعت ہے

آپ نے مسجد سے اذان کی آواز سنی اور اذان کے اندر جب اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه سنا آپ کے دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا داعیہ پیدا ہوا اور محبت سے بے اختیار ہوکر آپ نے انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگا لئے تو بذات خود یہ عمل کوئی گناہ اور بدعت نہیں اسلئے کہ اس نے یہ عمل بے اختیار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں کیا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت ایک قابل تعریف چیز ہے اور ایمان کی علامت ہے اور انشاء اللہ اسی محبت پر اجر و ثواب ملے گا ــــ لیکن!

(جاری ہے)

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۷ - صفر ۱۴۱۶ھ مطابق جولائی ۱۹۹۵ء - جلد ۱۸

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ سالانہ زر تعاون ساٹھ روپیہ ششماہی پینتیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک: پاکستان سو روپیہ - غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر- پبلشر- صغیر حسن : اسرار کریمی پریس جانسٹن گنج الہ آباد

ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

پیش لفظ: ہندوستان اپنی ساخت اور شناخت کے اعتبار سے مختلف رنگ و نسل
وطن و خطہ، دین و مذہب، رسم و رواج اور عادات و اطوار والے افراد کا ملک ہونے کی حیثیت
سے پہچانا جاتا ہے۔ اسی بنا پر یہاں کی عدلیہ عائلی قوانین کا لحاظ مدنظر رکھتی ہے اور
اور آئین سازوں نے دفعہ ۲۵ کے ذریعہ انکو حق دیا ہے کہ وہ اپنے پرسنل لا پر عمل کر سکیں لیکن
جب سے اسلام اور مسلم دشمنی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے مسلم پرسنل لا میں تبدیلی اور یکساں
سول کوڈ کے نفاذ کا مطالبہ شدت اختیار کرتا جا رہا ہے، ماضی میں بھی یہ کوششیں ہوئیں
اور اس تبدیلی کے مطالبہ کو کچھ زرخرید نام نہاد مسلمانوں کی جانب سے پیش بھی کیا گیا لیکن
مسلم پرسنل لا بورڈ کی کوششوں اور عام مسلمانوں کی اجتماعی مخالفت کی بنا پر یہ فتنہ
دب گیا مگر فی الوقت عدالت عالیہ کے جج کے ذریعہ وزارت عظمیٰ کو یکساں سول کوڈ
کے نفاذ کا حکم دیا گیا ہے اسکا انداز جداگانہ ہے اور انداز تخاطب بھی تحکمانہ ہے اور
ساتھ میں اس انتباہ کے ساتھ کہ اگر اسکا نفاذ نہیں ہوا تو سپریم کورٹ خود ہی دفعہ ۴۴
کے تحت ۱۹۹۶ء تک یکساں سول کوڈ نافذ کر دیگی۔ اسلئے اب یہ خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ
مسلم پرسنل لا بورڈ کی کوششوں اور مسلمانان ہند کے احتجاج اور مظاہرے
کے باوجود کہیں اسکا نفاذ نہ ہو جائے کیونکہ ادھر ماضی قریب میں مسلمانوں کے اکثر
جائز مطالبات کو درخور اعتنا نہیں سمجھا گیا اور دیدہ و دانستہ انھیں ٹھکرا دیا گیا۔

ایسی نازک صورت حال میں خود ہم کو اپنی تہذیب، شناخت اور زبان کی
حفاظت کرنی ہوگی، بالخصوص اسلامی تشخص کے تحفظ کے لئے خود کو اسلامی تعلیمات اور
احکامات کا پابند بنانا ہوگا ہم خود اپنا محاسبہ کریں کہ اپنے دین کا مطالبہ کس حد تک
ادا کر رہے ہیں؟ اور کیا اس کے مطالبے کو ہم خود تو نہیں نظر انداز کر رہے ہیں؟
جب تک یہ احساس پیدا نہیں ہوگا ہماری ہر آہ بے اثر اور ہر فریاد نارسا رہے گی۔
کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ

مشہور عالم دین امیر جماعت تبلیغ نظام الدین مولانا انعام الحسن علیہ الرحمہ کا سانحۂ ارتحال عالم اسلام کیلئے سخت صدمہ کا باعث ہے۔ حضرت موصوف اپنے زہد وتقوی اور علم وفضل کے ساتھ بہترین انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے آپ ہی کے دورِ امارت میں جماعت تبلیغ کو فروغ عالمی سطح پر ہوا اور دعوت وتبلیغ کی تحریک دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچ گئی، بانی تبلیغ حضرت مولانا الیاس علیہ الرحمہ کے خوابوں کی بڑی حد تک تکمیل ہوگئی۔ اللہ رب العزت موصوف علیہ الرحمہ کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (آمین)

ایک نہایت افسوناک خبر مولانا اسمٰعیل مرغوب احمد صاحب کے خط سے موصول ہوئی کہ محترم جناب مولانا ابرار احمد صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر ۱۷ ذی الحجہ کو رحلت فرما گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف گرامی ایک طویل عرصہ سے صوبہ گجرات میں قیام فرما تھے اور درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ کی خدمات انجام دے رہے تھے، اپنے تبحر علمی، شگفتہ مزاجی، طلاقت لسانی، نکتہ رسی اور نرم مزاجی کے باعث عام وخاص ہر ایک میں مقبول اور ہر دل عزیز تھے۔ قدرت نے افہام وتفہیم اور وعظ وتقریر کی بے پناہ صلاحیت عطا فرمائی تھی، فقہ، حدیث اور تفسیر کا درس بھی ممتاز اور نمایاں خوبیوں کی بنا پر طالبان علم میں مقبول تھا۔ تقریباً ۱۲ سال آپ فلاح دارین ترکیسر میں تعلیم دین کی خدمات انجام دیتے رہے۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے فراغت کے بعد داعی وقت مصلح الامت عارف باللہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ سے اصلاح وتربیت کا رشتہ قائم کیا تا حیات خدمت اقدس میں حاضر ہوکر اخذ فیض کرتے رہے آپ حضرت مصلح الامۃ قدس سرہٗ کے مجاز صحبت بھی ہوئے۔ حضرت مصلح الامۃ علیہ الرحمہ کی وفات کے بعد آپ نے اپنا تعلق حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے قائم کیا حضرت حکیم الاسلام نے آپکو بیعت وارشاد کی اجازت بھی مرحمت فرمائی۔

قارئین سے گذارش ہے کہ مولانا موصوف کی مغفرت اور بلندی درجات کے لئے دعا فرمائیں۔ جملہ اہل ادارہ بھی اعزہ واقربا کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور انکے لئے صبر جمیل کی دعا کرتے ہیں۔

اخلاص اور اسکے ثمرات

فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ سب سے پہلی چیز جس کا بندے سے قبر میں سوال ہوگا طہارت ہے چنانچہ عام طور سے عذاب قبر طہارت میں کوتاہی کی وجہ سے ہوگا حدیث شریف میں ہے کہ عذاب قبر تین وجہ سے ہوگا، غیبت، چغلی اور پیشاب سے عدم احتیاط کی بنا پر، طہارت فرض ہے اسکے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی احکام ظاہری میں سب سے اول طہارت ہی ہے جس طرح کہ اعمال باطنی میں سب سے اہم اور مقدم اخلاص ہے اخلاص کے بغیر بھی کوئی عمل مقبول نہیں۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے یہ حدیث دیکھی کہ مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا ظَهَرَتْ يَنَابِيْعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهٖ عَلٰى لِسَانِهٖ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے چالیس دن اخلاص (کے ساتھ عبادت) کرے گا تو اللہ تعالیٰ اسکے قلب سے اسکی زبان پر حکمت کے چشمے جاری فرمادیں گے۔ چنانچہ اس نے اس لالچ میں کہ حکمت کے چشمے قلب سے جاری ہو جائیں گے چالیس دن عبادت کی مگر چشمے جاری نہ ہوئے اس کے متعلق ایک صاحب دل سے دریافت کیا انھوں نے فرمایا کہ بھائی حدیث شریف میں تو ہے کہ مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰهِ یعنی اللہ کے لئے اور خلوص کے ساتھ عبادت کیجائے اس پر یہ وعدہ ہے اور تم نے تو چشمے جاری کرانے کے لئے عبادت کی تھی تو خلوص کہاں رہا؟ اس جواب کو بزرگوں نے بہت پسند کیا کہ خوب چور پکڑا۔

ہمارے اسلاف کے یہی حالات تھے کہ انھوں نے خود بھی اخلاص اختیار کیا اور دوسروں کو بھی سکھلایا۔ اسکی وجہ سے کامیاب ہوئے۔ آدمی میں جب اخلاص ہوتا ہے تو اسکی فہم بھی درست ہو جاتی ہے اور اسکے قول وفعل میں ایک نور پیدا ہو جاتا ہے جس سے دوسرے لوگ مستفید ہوتے ہیں۔

حضرت زکریا ملتانیؒ کا واقعہ میں نے آپ کو پہلے بھی سنایا ہے کہ جب

وہ ملتان آئے تو وہاں کے مشائخ کی جانب سے امتحان لیا گیا یعنی وہاں کے علماء اور مشائخ نے باہم متفق ہو کر حضرت کی خدمت میں دودھ سے لبریز ایک پیالہ بھیجا خادم نے مجلس میں پیش کیا، حضرت نے اس پر ایک پھول رکھکر واپس فرمایا۔ حاضرین مجلس نے کہا کہ حضرت یہ تو ہدیہ تھا اور وہ بھی دودھ کا ہدیہ آپنے اسے قبول نہیں فرمایا اور اس طرح اضافہ کے ساتھ جو اسکو واپس فرما دیا تو اس میں کیا راز تھا۔ فرمایا کہ بات یہ ہے کہ یہاں کے مشائخ نے لسانِ اشارت (اشارۃً) میں مجھ سے یہ کہا کہ یہاں کی اقلیم اسی طرح سے پُر ہے جیسا یہ دودھ کا پیالہ پُر ہے لہٰذا یہاں آپکی گنجائش نہیں ہے۔ آپ کہیں اور تشریف لیجائیے میں نے پیالہ پر پھول رکھکر انکو یہ جواب دیا کہ جس طرح اس پیالہ میں مزید دودھ یا پانی کی گنجائش تو نہیں ہے لیکن پھول کی گنجائش اب بھی ہے اسی طرح میں بھی یہاں پھول کی مانند رہوں گا اور آپ حضرات پر بار خاطر نہ ہونگا۔ وہاں کے علماء کو حضرت کا یہ جواب بہت ہی پسند ہوا سنجیدہ ہو گئے اور حضرت کے فضل کے معتقد ہو گئے۔ یہ حضرت کے اخلاص کا ثمرہ تھا کہ ایسے سخت موقع پر نہ صرف یہ کہ کوئی فتنہ نہیں ہونے دیا بلکہ سب کو اپنا معتقد بنا لیا۔

اسی طرح دہلی میں ایک بزرگ تھے ان پر لوگوں کو کچھ اعتراض تھا، علماء کو بھی تھا ان لوگوں نے کہا کہ مناظرہ کر لیا جائے وہ بزرگ تیار ہو گئے۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ ثالث (اور حَکَم) (فیصل) کون ہوگا فرمایا کہ زکریا ملتانی۔ چنانچہ وقت مقررہ پر سب لوگ جمع ہو گئے۔ بادشاہ بھی آیا یہ بزرگ بھی تشریف لائے اور کنارے جوتیوں کے پاس بیٹھ گئے لوگوں نے بلایا کہ یہاں آگے تشریف لائیے فرمایا کہ میرے اوپر الزام ہے اسلئے مجھے یہیں رہنے دیجئے۔ سب لوگ منتظر بیٹھے ہی تھے کہ اتنے میں زکریا ملتانیؒ تشریف لائے اور آتے ہی ان بزرگ کا جوتا اپنے سر پر رکھا اور سینے سے لگایا، زکریا ملتانیؒ کی شخصیت مسلّم تھی جب لوگوں نے یہ دیکھا کہ انھوں نے ان بزرگ کے ساتھ یہ معاملہ کیا تو سمجھے کہ یہ کوئی بڑے شخص ہیں ہم لوگوں سے غلطی اور بے ادبی ہوئی جو ہم نے ان پر اعتراض کیا۔

اسی طرح سے ہندوستان میں بڑے بڑے بزرگانِ دین گذرے ہیں انکی بڑی خدمات ہیں اسی بنا پر لوگوں نے انھیں مانا ہے اب کوئی یہ چاہے کہ صرف زبان سے انکی برابری کرلے تو نہیں ہوسکتا اللہ تعالیٰ مخلص اور غیر مخلص کو برابر نہیں کرتے ۔ مخلص شخص کا اخلاص چھپا ہوا نہیں رہتا اللہ تعالیٰ اسکو دوسروں پر ظاہر فرمادیتے ہیں۔

حافظ یعقوب صاحب[1] کی جانب اشارہ کرکے فرمایا کہ ڈاکٹر ان سے کہتا تھا کہ تمھاری عبادت قبول ہوگئی تمھارا لڑکا اچھا ہو رہا ہے حالانکہ ہم لوگ اس سے ناامید ہوگئے تھے (حافظ صاحب کا لڑکا بمبئی کے اسپتال میں داخل تھا اور اس کے دماغ کا آپریشن ہوا تھا جو کہ بہت ہی اہم اور نازک آپریشن سمجھا جاتا ہے انتہائی مجبوری کی حالت میں آپریشن کرایا گیا تھا۔ ڈاکٹر کو یقین تھا کہ شاید یہ آپریشن کا ہی تحمل نہ کرسکے گا لیکن آپریشن ہوا حضرت نے دعا فرمائی اور کامیاب آپریشن ہوا اسکے بعد اسکی طبیعت کچھ سنبھلی، اسی کو دیکھ کر ڈاکٹر نے حافظ صاحب سے کہا تھا کہ بھائی تمھاری عبادت قبول ہوگئی کیونکہ دیکھتا تھا حافظ صاحب اسپتال میں اکثر اوقات ذکر و تلاوت اور مناجات و دعا وغیرہ میں لگے رہتے تھے)

میں کہتا ہوں کہ اسی نماز روزہ سے بہت کام ہوا ہے جس کو آجکل آپ لوگ کچھ نہیں سمجھتے حالانکہ بزرگوں کے پاس آنے جانے کی اصل غرض یہی ہونی چاہیئے کہ آدمی اپنی طاعت اور عبادت کو ٹھیک کرے، نماز روزہ کو درست کرے۔ اب یہ دیکھتا ہوں کہ لوگ ہمارے پاس جمع ہوتے ہیں اور ہم لوگوں کو دیکھکر معلوم نہیں کیوں سنک جاتے ہیں یعنی اپنا دماغی توازن ہی ختم کرلیتے ہیں اور ایسی ایسی حرکتیں کرنے لگ جاتے ہیں جن سے ہم لوگوں کو کچھ تکلیف ہی پہونچ جاتی ہے اور جب ان پر گرفت ہوتی ہے تو رونے لگتے ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ تم کو اگر مجھ سے محبت ہے تو اس کو حد پر رکھو اسکے لئے یہ کیا ضروری ہے کہ اپنا دماغی توازن ہی ختم کردو، ایسا کروگے تو کام

[1] حافظ صاحب ادری ضلع مئو کے رہنے والے [illegible]

کیسے چلے گا اور یہ بھی کہتا ہوں کہ محبت حد پر رہنے نہیں دیگی جبتک اس میں معرفت شامل کرلی جائے محبت کا تو یہ خاصہ ہی ہے کہ وہ آدمی کے اندر ایک جوش پیدا کردیتی ہے اور اسکو اڑائے پھرتی ہے معرفت سے اسمیں اعتدال پیدا ہوتا ہے۔ منصورؒ نے جو انا الحق کہا تو یہ محبت ہی کا کرشمہ تھا مگر معرفت کی کمی تھی اسی کو شیخ عبدالحقؒ ردودلوی فرماتے ہیں کہ "منصور بچہ بود کہ از یک قطرہ بفریاد آمد اینجا مردانند کہ دریاہا فرو برند و آروغ نہ زنند" یعنی منصور بچہ تھا کہ ایک ہی قطرہ میں اسقدر شور مچا دیا یہاں ایسے ایسے مرد ہیں کہ دریا کے دریا پی گئے ہیں اور ڈکار تک نہیں لی ہے۔ حضرت ردودلوی بڑے شخص تھے ان کو یہ کہنے کا حق ہے، میں نے یہ اس پر بیان کیا کہ آدمی حد سے جب تجاوز کرتا ہے تو افراط محبت کی وجہ سے اور جب عقل و معرفت غالب ہوتی ہے تو حد پر رہتا ہے۔

حضرت منصورؒ کو جب لوگ سولی پر چڑھانے کیلئے حجرہ سے باہر لانے لگے تو انکے حجرہ کا دروازہ تنگ ہوگیا ایسا کہ اس میں سے نکلنا ہی ممکن نہ تھا لوگ بہت پریشان ہوئے جاکر اس واقعہ کو انکے شیخ حضرت جنیدؒ سے بیان کیا حضرت تشریف لائے اور فرمایا کہ جب ایک بات زبان سے نکالی ہے تو اب اسکے متعلق جو شریعت کا حکم ہے اسکو بھی تسلیم کرو یہ اطاعت و امتثال کا وقت ہے کرامت دکھلانے کا وقت نہیں ہے یہ سنتے ہی حضرت منصورؒ باہر نکل آئے۔ حضرت جنیدؒ کے خلیفہ حضرت شبلیؒ بھی تھے اور حضرت منصورؒ بھی مگر حضرت جنیدؒ حضرت شبلیؒ سے خوش رہتے تھے اور حضرت منصورؒ سے کچھ خفا رہا کرتے تھے چاہتے تھے کہ یہ انا الحق نہ کہیں انکو منع بھی فرماتے رہے ہونگے مگر وہ باز نہیں آتے تھے حضرت شبلیؒ کے اندر بھی یہ کیفیت اور حال موجود تھا مگر وہ اس پر قابو پائے ہوئے تھے۔ حالات غیر اختیاریہ ہوتے ہیں مگر حال کو قلب میں رہنا چاہیئے یہ کیا ضروری ہے کہ آدمی اسکو زبان سے بھی کہدے۔ حضرت جنید اسی کو منع فرماتے تھے کہ حال قلب سے متعلق ہے اسکو قلب میں لئے رہو زبان سے کچھ مت کہو، حکیم تھے جانتے تھے کہ یہ مغلوب الحال ہیں، زبان سے کہنے میں بھی عنداللہ ان پر مواخذہ نہیں ہے لیکن بعد میں چلکر انکے سلسلہ میں یہ رسم بن جائے گی اور ایک طریقہ ہی بن جائے گا قلب میں حال بالکل نہ موجود ہوگا اور نقلاً لوگ انا الحق کہنے لگیں گے۔

(جاری)

قرآن پاک کا ایک نہایت عبرتناک واقعہ

سنئے! حضرت یونس علیہ السلام اور انکی قوم کا قصہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمایا ہے یہ واقعہ نہایت عبرتناک ہے قوم یونس علیہ السلام پر عذاب آچکا تھا مگر ان لوگوں نے نہایت صدق و اخلاص سے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم فرمایا اور عذاب کو زائل فرمادیا چنانچہ فرماتے ہیں فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ آمَنَتْ فَنَفَعَهَا إِيمَانُهَا إِلَّا قَوْمَ يُونُسَ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ إِلٰى حِينٍ[1] کوئی بستی ایمان نہ لائی کہ ایمان لانا (عذاب آجانے کے بعد) اسکو نافع ہوتا مگر یونس علیہ السلام کی قوم کہ جب وہ لوگ ایمان لائے تو ہم نے رسوائی کے عذاب کو دنیوی زندگی میں ان پر سے ٹال دیا اور انکو ایک خاص وقت تک عیش[2] دیا۔ قوم یونس علیہ السلام کا قصہ جیسا کہ صاحب روح المعانی نے تحریر فرمایا ہے یہ ہے کہ یونس علیہ السلام ارض موصل سے اہل نینویٰ کیطرف بھیجے گئے وہ لوگ کافر و مشرک تھے حضرت یونس علیہ السلام نے انکو ایمان باللہ کی طرف دعوت دیا اور خود بھی عبادت اصنام (بت پرستی) نہیں کیا تو ان لوگوں نے حضرت یونس علیہ السلام کی تکذیب و انکار کیا بس حضرت یونس علیہ السلام نے ان لوگوں کو اس بات کی خبر دی کہ تین دن کے بعد عذاب خداوندی آجائیگا۔ جب تیسری رات ہوئی تو درمیان رات میں آپ ان لوگوں سے جدا ہو گئے جب صبح ہوئی تو عذاب نے انکو ڈھانک لیا اور بالکل ان کے سروں پر عذاب آگیا۔

یہ بھی روایت ہے کہ آسمان پر نہایت سیاہ ہولناک بدلی چھا گئی، سخت دھواں اڑنے لگا حتیٰ کہ نیچے آکر انکے شہر کو گھیر لیا انکی چھتیں اسکی وجہ سے سیاہ ہو گئیں جب ہلاکت کا ان لوگوں نے یقین کر لیا تو اپنے نبی کو تلاش کیا مگر انکو نہ پایا۔

آخر وہ لوگ اپنی عورتوں، بچوں اور چوپایوں کو لے کر صحرا میں گئے اور ٹاٹ

---

[1] ۔۔۔

[2] اس سے معلوم ہوا کہ انکو ایمان لانے اور توبہ کرنے کے بعد دنیوی ترقی بھی ملی۔ از ناقل۔

پہن لیا اور ایمان و توبہ کو ظاہر کیا، جانوروں اور انسانوں ہر دو جماعت کی ماؤں اور بچوں میں جدائی کر دی اسکی وجہ سے ماؤں کو بچوں کی طرف اور بچوں کو ماؤں کی طرف سخت کشش اور اشتیاق ہوا گریہ وزاری سے آوازیں بلند ہوگئیں اور سب خوب چیخنے اور چلانے لگے اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں خوب تضرع کیا اور نیت کو خالص کیا تو انکے رب نے ان پر رحم فرمایا اور انکی دعا کو قبول فرما لیا اور جو عذاب ان پر نازل ہوا تھا ہٹ گیا۔ وہ دن عاشورہ اور جمعہ کا تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ انکی توبہ اس درجہ کی تھی کہ آپس کے مظالم کو رد کیا یہاں تک کہ وہ پتھر جس کو اپنے گھروں کی بنیاد میں رکھا تھا کھود کر جس کا ہوتا تھا اسکو واپس کر دیا

ایک روایت میں حضرت قتادہؓ سے یہ بھی آیا ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے چالیس دن تک گریہ وزاری کرتے رہے یہاں تک اللہ تعالیٰ نے عذاب کو دور فرما دیا۔ امام احمد نے کتاب الزہد میں اور ابن جریر وغیرہما نے غیلان سے تخریج کیا ہے کہ جب قوم یونس پر عذاب چھا گیا تو وہ لوگ اپنے بقیہ علماء میں سے ایک شیخ کے پاس گئے اور یہ کہا کہ آپ اسوقت ہمارے لئے کیا مناسب سمجھتے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ تم لوگ یہ دعا پڑھو یَا حَیُّ حِیْنَ لَا حَیَّ وَیَا حَیُّ مُحْیِ الْمَوْتیٰ وَیَا حَیُّ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ (اے وہ زندہ جو اس وقت بھی زندہ تھا جبکہ کسی زندہ کا نام و نشان نہ تھا اور اے وہ زندہ جو مردوں کو زندگی بخشنے والا ہے اور اے وہ باحیات کہ کوئی معبود نہیں سوا تیرے) اسی دعا کو لوگوں نے پڑھا تو اللہ تعالیٰ نے عذاب کو کشف فرما دیا۔ اور حضرت فضیل بن عیاضؒ نے فرمایا کہ قوم یونس نے یہ دعا پڑھی اَللّٰھُمَّ اِنَّ ذُنُوْبَنَا عَظُمَتْ وَجَلَّتْ وَاَنْتَ اَعْظَمُ وَاَجَلُّ فَافْعَلْ بِنَا مَا اَنْتَ اَھْلُہٗ وَلَا تَفْعَلْ بِنَا مَا نَحْنُ اَھْلُہٗ (اے اللہ بیشک ہمارے گناہ عظیم اور بڑے ہیں اور آپ بہت عظیم اور بہت ہی بڑے ہیں تو ہمارے ساتھ اپنی شایانِ شان معاملہ فرمائیے اور ایسا معاملہ نہ فرمائیے جس کے ہم لائق اور سزاوار ہیں)

آگے صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ ظاہر آیت مستدعی اس بات

کی ہے کہ قوم نے عذاب کا مشاہدہ کرلیا تھا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے کَشَفْنَا (یعنی ہم نے دور کردیا اور ہٹا دیا) فرمایا نیز اکثر اخبار اسی کی مقتضی ہیں اور اسی کی طرف اکثر مفسرین گئے ہیں بعد مشاہدۂ عذاب کے ایمان کا نفع دینا، انھیں کی خصوصیات سے ہے اسلئے کہ کفار کا ایمان بعد مشاہدۂ عذاب کے ایمان یأس ہے جو نافع نہیں اسلئے کہ اسوقت تکلیف مرتفع ہوجاتی ہے۔ اللہ تعالےٰ کی عادت یونہی ہے کہ بعد عذاب آجانے کے بعد بغیر مہلت کے ہلاک فرمادیتے ہیں جیساکہ فرعون کو ہلاک کردیا۔ (روح المعانی ص۱۷۱)

عذاب آجانے بعد ایمان لانا اور صدق دل سے توبہ کرنے کے بعد عذاب کا ٹل جانا یہ قوم یونس علیہ السلام کی خصوصیات سے ہے اور بیشک ان لوگوں نے جس انداز سے توبہ کی اور جس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری کی وہ انھیں کی خصوصیات سے ہے۔ شرعاً جیسی توبہ ہونی چاہیئے ویسی ہی توبہ کی ان کا دہشت زدہ ہوجانا محض طبعاً نہیں تھا بلکہ واقعی دل میں ایمان آگیا تھا اس کے تقاضے کی بنا پر توبہ کی، چنانچہ مندرجہ بالا روایت سے معلوم ہوا کہ جتنے مظالم کئے تھے اور حقوق کو تلف کیا تھا ان سب کو ادا کیا حتّیٰ کہ جو پتھر اپنی بنیادوں میں رکھا تھا وہاں سے نکال کر صاحب حق کو لوٹا دیا یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اور سب لوگ ٹاٹ پہنکر میدان میں گئے۔ اپنے ساتھ سب عورتوں بچوں اور جانوروں کو بھی لے گئے اور مزید گریہ و زاری کے لئے یہ صورت اختیار کی کہ جانوروں اور اطفال کی ماؤں کو انکے بچوں سے جدا کردیا تاکہ ایک دوسرے کے فراق اور جدائی کی وجہ سے مائیں اور بچے خوب خوب روئیں اور پریشان ہوں اور گریہ وزاری کا ایک سماں بندھ جائے اور جانوروں کو اسلئے لے گئے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو انکی بیگناہی اور معصومی کو دیکھکر رحم آجائے تو ان سے عذاب ہٹا دیں اور انکے طفیل میں ہم لوگوں سے بھی عذاب ٹل جائے

چنانچہ یہ انسان اور جانور ماں اور بچے مل کر خوب خوب روئے اور ایک

روایت کے مطابق چالیس دن تک اسی طرح روتے رہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے رحم فرمایا اور انکی توبہ کو قبول فرمایا اور عذاب کو ٹال دیا یہ کوئی معمولی قصہ نہیں ہے۔ عذاب کے ٹل جانے کا یہ قصہ قرآن میں وارد ہے اپنے بیان میں یہ بے نظیر ہے۔ یونس علیہ السلام اور قوم یونس علیہ السلام کے قصہ کو شارح قصیدہ بردہ نے نہایت تفصیل سے بیان فرمایا ہے اسلئے اسکو بعینہٖ نقل کرتا ہوں۔

قصہ حضرت یونس علیہ السلام کا مختصراً یہ ہے کہ حضرت مذکور اہل شہر نینوا کی طرف جو موصل کے مقابل میں واقع ہے اور دریائے دجلہ دونوں کے بیچ میں بہتا ہے مبعوث ہوئے تھے وہاں کے باشندے بت پرست تھے حضرت نے انکو ایک عرصۂ دراز ہدایت خدا پرستی کی کی مگر وہ راہ پر نہ آئے اور قوم مذکور نے حضرت یونسؑ سے سوال کیا آپ میں سے آگ نکال دیجئے اور اسکو بے سوختہ کے روشن رکھئے چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کر دکھایا مگر وہ ایمان نہ لائے جب حضرت یونسؑ انکے ایمان لانے سے ناامید ہوگئے تو آپ کے پاس حضرت جبرئیلؑ آئے اور کہا کہ آپ اپنی قوم کے پاس جائیے عذاب عنقریب آنے والا ہے اس پر بھی وہ راہ پر نہ آئے جب رات ہوئی تو حضرت موصوف نے مع اپنی زوجۂ شریفہ اور دونوں بیٹوں کے ان سے مفارقت کی۔ اور حق تعالیٰ نے قدرے باد سموم دوزخ و دخان کو ان پر مسلط کردیا یہ حال دیکھکر حضرت یونسؑ کو تلاش کیا مگر وہ نہ ملے تو انکو عذاب کا یقین ہوگیا اور درگاہ خداوندی میں عجز و زاری کرنی شروع کی اور بت پرستی سے تائب ہوگئے اور بغرض حصول رحمت اولاد کو انکی ماؤں سے جدا کردیا اور ٹاٹ پہن لیا اور جو کسی نے ظلماً کسی کی چیز چھین لی تھی اسکو واپس کردی یہاں تک کہ اگر کسی نے پتھر غصب کرکے بنیاد میں رکھدیا تھا تو وہاں سے نکال کر اسکے مالک کو دیدیا اور وہ لوگ شہر سے باہر نکلے اور عجز و زاری درگاہ ایزدی میں شروع کی اور کہنے لگے کہ بارخدایا ہم تجھ پر اور تیرے نبی یونسؑ پر اور سارے انبیاء پر ایمان لے آئے اب ہمارے گناہ بخشدے اور یہ عذاب دور فرمادے اور یہ کہہ کر سب سجدہ میں گر پڑے اس پر ملائکہ عذاب کو حکم ہوا کہ بس۔

میں موحدوں پر عذاب نہیں بھیجا آخر وہ لوگ مومن ما مون ہوکر شہر واپس آ سئے
علماء میں اختلاف ہے کہ قوم یونس پر عذاب واقع ہوا کہ نہیں ۔ اور صحیح تو یہ ہے کہ عذاب
واقع نہیں ہوا[1] بلکہ آثار عذاب ظاہر ہوئے انکو دیکھکر تائب ہو گئے اور اگر عذاب شروع
ہوجاتا تو انکی تو بہ قبول نہ ہوتی صرف انھوں نے ابر سیاہ خوفناک جس کے ساتھ بکثرت
دخان تھا دیکھا جس نے انکے شہر کا احاطہ کرلیا تھا اور انکے مکانوں کی چھتیں سیاہ
ہوگئی تھیں ۔

اب حضرتؑ نے ارادہ کیا کہ اپنی قوم کا حال دیکھیں اور کیفیت عذاب معلوم
کریں تو ان سے ابلیس بصورت ایک پیرمرد کے ملا اور آپ نے اس سے پوچھا کہ تم
کہاں سے آتے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ شہر نینوی سے ۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ آج وہاں
کے باشندوں پر کیا گذری؟ اس نے کہا کہ یونسؑ نے ہمکو وقوع عذاب کی خبر دی تھی سو کچھ
ظہور میں نہیں آیا ہم کو معلوم ہوگیا کہ وہ کاذب تھے یہ سنکر حضرت یونس علیہ السلام غصہ ہوئے
اور کہا کہ میں ایسی قوم میں جانا نہیں چاہتا جو مجھے جھوٹا جانتی ہے اور حضرت کے ساتھ آپکی
زوجہ اور دو بیٹے تھے جب آپ دجلہ کے کنارے پہنچے تو پہلے آپ بڑے بیٹے کو دریا پار اُتار آئے
بعد ازاں چھوٹے بیٹے کو لینے آئے اور جب اسکو لیکر دریا کے منجدھار میں پہنچے تو پانی زیادہ
ہوگیا اور وہ لڑکا غرق آب ہوگیا اور بڑے لڑکے کو جسکو پار اتار آئے تھے بھیڑیا لے بھاگا
حضرت پانی سے نکل کر لڑکے کو بھیڑیے سے چھڑانے دوڑے سو بھیڑیا بحکم الہٰی بولا اے
یونس واپس جا لڑکا نہیں چھوڑے گا ۔ پھر واپس آئے تو اپنی زوجہ کو وہاں نہیں پایا
تو آپ سخت غمگین ہوئے اور رونے لگے ناچار وہاں سے چل پڑے اور سمندر تک پہنچ گئے
وہاں ایک کشتی تیار پار جانے کو دیکھی اہل کشتی نے آپ پر رحم کیا اور سوار کرلیا جب
کشتی نے کسی قدر فاصلہ طے کیا تو ہوا کا طوفان اٹھا جس سے قریب تھا کہ کشتی ڈوب جائے
کشتی والے جمع ہوئے اور کہا کہ کشتی میں کوئی خطاکار شخص ہے یہ سنکر حضرت یونس
علیہ السلام بول اٹھے کہ کشتی میں ایک غلام ہے جو اپنے مالک سے بھاگا ہے جب تک
تم اسکو دریا میں نہ ڈال دوگے تم نجات نہ پاؤگے اسی اثناء میں ایک بڑی مچھلی نمودار ہوئی

[1] صاحب روح المعانی کی تحقیق یہ ہے کہ عذاب آچکا تھا ۔ کما تقدم بلفظہ ازناقل

اسکا منہ کشتی کی طرف تھا اور ارادہ کرتی تھی اب کشتی کو نگل جائے حضرت یونسؑ نے
کہا یہ سب بلائیں تم پر میرے سبب ہیں مجھکو دریا میں ڈالدو تو تم چین سے ہو جاؤگے۔
ان لوگوں نے کہا یہ امر بے قرعہ ڈالے طے نہیں ہو سکتا البتہ جس پر قرعہ آویگا تو اسکو
دریا میں ڈالدیا جاویگا یہ کہکر انھوں نے تین بار قرعہ ڈالا اور ہر بار یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام
ہی کا نام نکلا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِيْنَ اَيْ مَغْلُوْبِيْنَ
(پس وہ قرعہ اندازی میں شریک ہوئے تو وہ مغلوب ہو گئے) ناچار انکو دریا میں ڈالدیا اور فوراً
انکو ایک بڑی مچھلی نگل گئی اور یہ وقت آدھی رات کا تھا پس وہ تین تاریکیوں میں مبتلا تھے
ایک تاریکی شب کی دوسری دریا کی، تیسری شکم ماہی کی پس حضرت یونس علیہ السلام نے
ان تاریکیوں میں سے اپنے رب کو پکارا ان کلمات لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ
الظَّالِمِيْنَ ○ یعنی تیرے سوا کوئی معبود نہیں آپ پاک ہیں بیشک میں ظالموں اور قصورواروں
میں ہوں"۔ اور خداوند تعالیٰ کا ماہی کو حکم ہوا کہ یونس علیہ السلام کو محفوظ رکھ کہ یہ تیری غذا نہیں
بلکہ تیرا شکم انکا قید خانہ ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام بطن حوت میں بروایت صحیح چالیس روز رہے
اور جب وہ ماہی گھومتے گھومتے اسی جگہ پہونچی جہاں انکو اپنا لقمہ بنایا تھا تو ساحل پر پہونچکر
انکو اگل دیا اس وقت آپکا حال اس بچہ بے بال و پر کے مانند تھا جو انڈے سے نکلتا ہے یعنی
محض مضغۂ گوشت تھے تو خداوند جل شانہ نے انکی آسائش کیلئے اسی وقت درخت کدو
(لوکی) پیدا کر دیا اور جس روز حضرت شکم ماہی سے برآمد ہوئے ساتویں تاریخ محرم کی تھی پھر خدا نے
ایک آہوئے ماده (ہرنی) کو حکم دیا کہ وہ آپ کو اپنا دودھ پلانے لگی اور اسی طرح چالیس روز دودھ
پی کر نبی اجلہ قوت ہو گئی ایک روز جو خواب سے بیدار ہوئے تو دیکھا کہ درخت کدو خشک
ہو گیا ہے اور ہرنی چلی گئی ہے یہ دیکھکر آپ مغموم ہوئے اور رونے لگے اس پر اللہ تعالیٰ
نے وحی اس مضمون کی بھیجی کہ تم ایک ہرنی کے غائب ہو جانے سے جو تمھاری پیدا کی ہوئی
نہ تھی اور ایک درخت کدو کے جاتے رہنے سے جس کو تم نے نہیں بویا تھا روتے ہو اور
لاکھ آدمیوں بلکہ زائد کی ہلاکت پر جو اولاد ابراہیم علیہ السلام سے ہیں تمکو رونا نہ آیا بعد ازاں
ایک فرشتہ دو حلے لایا اور انکو پہنائے اور کہا کہ اے یونس اپنی قوم میں جاؤ وہ تیرے

مشتاق ہیں. پس آپ وہاں سے روانہ ہوئے اور ایک گاؤں میں پہنچے وہاں دیکھا کہ
ایک شخص کے ساتھ ایک عورت ہے اور وہ پکار رہا ہے کہ جو شخص اس عورت کو شہر
نینوی میں یونس ابن متیٰ کے پاس پہنچا دے اسکو سو مثقال زر دیتا ہوں حضرت یونس
علیہ السلام نے جب دیکھا تو وہ آپکی زوجہ تھیں حضرت نے اس مرد سے اس عورت کا قصہ دریافت کیا
اسنے کہا کہ یہ عورت دریا کے کنارے اپنے شوہر کی منتظر بیٹھی تھی کہ وہاں ایک بادشاہ شاہان نواحی
سے گذرا اور اسکو اپنے ساتھ اپنے گھر لے گیا اور اس کے ساتھ ارادہ بد کیا خدا نے اس کے
دونوں ہاتھ اور پاؤں خشک کر دیئے اس نے اس عورت سے درخواست دعائے شفا کی اور کہا
کہ آئندہ کبھی ایسا ارادہ نہیں کرونگا اس عورت نے دعا کی اور وہ اچھا ہوگیا اسنے اس عورت کو میرے
حوالہ کر دیا ہے اور سو مثقال زر خالص کے دیئے کہ اسکو شہر نینوی میں یونس کے پاس پہونچا دوں
اس نے آپکو زر مذکور دیکر عورت سپرد کر دی۔ اسکے بعد آپ دو فرسخ چلے ہوں گے کہ دوسرے گاؤں
میں پہنچے وہاں دیکھا کہ ایک شخص ایک چوپائے پر سوار ہے اور اسکے پیچھے ایک لڑکا بیٹھا ہے حضرت
یونس نے جو اسے دیکھا تو وہ انکا چھوٹا بیٹا تھا آپنے اسے لے لیا اور گلے لگا کر خوب روئے سوارنے
پوچھا تم کون ہو؟ آپنے کہا میں یونس بن متی ہوں اور یہ میرا بیٹا ہے اسنے لڑکا آپکے حوالہ کر دیا حضرت
یونس نے اس سے لڑکے کا قصہ پوچھا اس نے کہا کہ میں ماہی گیر ہوں ایک روز میں نے دجلہ میں
جال ڈالا اس میں یہ لڑکا آگیا اور یہ زندہ تھا غیب سے آواز آئی کہ اس لڑکے کو اچھی طرح رکھ جبتک
تیرے پاس اسکا باپ یونس ابن متی آوے تو اسکو دیدینا پس حضرت یونس روانہ ہوکر شہر نینوی
کے قریب پہونچے تو وہاں ایک لڑکے کو دیکھا کہ وہ سر راہ بکریاں چرا رہا ہے اور یہ دعا کر رہا ہے کہ
الٰہی میرے والد کو میرے پاس پہنچا دے حضرت نے اسے دیکھا تو آپ کا بڑا بیٹا تھا سو دونوں
گلے لگ کر بہت روئے پھر کہا کہ آپکے لئے بکریاں اس گاؤں کے ایک شخص کی ہیں آپ شہر میں ہمارے
ساتھ چلئے کہ بکریاں اسکے حوالہ کر دیں دونوں گاؤں میں آئے اور ایک بڈھے آدمی کو دیکھا کہ اپنے دروازے پر بیٹھا ہے
لڑکے نے اس سے کہدیا کہ یہ میرا پدر ہے وہ اٹھا اور حضرت کے ہاتھ چومنے لگا حضرت یونس نے پیرمرد
سے کہا کہ تم کو اس لڑکے کا قصہ معلوم ہے؟ اس نے کہا ہاں میں ان بکریوں کو چرا رہا تھا میں نے دیکھا
یہ ایک بھیڑیئے کی کمر پر سوار ہے اس درندے نے اس لڑکے کو میرے روبرو اپنی کمر سے ڈالدیا اور

باذن اللہ بولا کہ او چرواہے اس لڑکے کو بحفاظت تمام رکھ جب یونس ابن متی آئے اسکے سپرد کردیجیو کہ یہ اسکا فرزند ہے۔ بعدازاں حضرت یونس وہاں سے چل پڑے، راہ میں انکو ایک چرواہا بکریاں چراتا ملا آپنے اس سے دودھ مانگا اس نے کہا جب سے ہمارے نبی یونسؑ ہم سے غائب ہوئے ہیں ہم نے دودھ نہیں چکھا آپنے فرمایا اچھا ایک بھیڑ میرے پاس لاؤ وہ لایا آپنے اسکی پستان کو ہاتھ لگایا وہ باذن اللہ دودھ اتار لائی آپ نے اسے دوہا یہ دیکھکر چرواہا تعجب میں آگیا اور کہا کہ اگر حضرت یونس زندہ ہیں تو تم ہی ہو۔ آپ نے فرمایا ہاں میں ہی ہوں وہ یہ سنکر آپکے قدموں پر گر پڑا اور چومنے لگا۔ آپنے اس سے فرمایا کہ تو ابھی شہر میں جا اور انکو میرے دیکھنے کی خبر دے اس نے کہا کہ یا حضرت وہ لوگ میری تصدیق نہ کریں گے۔ آپنے فرمایا کہ یہ بکریاں اپنے ساتھ لے جا یہ تیرے قول کی گواہی دینگی۔ آخر چرواہا بکریاں لیکر وہاں سے چلا اور جب وسط شہر میں پہونچا تو باواز بلند کہا کہ لوگو خوش ہو جاؤ ہمارے نبی یونسؑ واپس آگئے اور میں انکو دیکھکر آیا ہوں لوگوں نے اسے جھٹلایا اس نے کہا کہ میں سچا ہوں اور یہ بکریاں میری گواہ ہیں سو بکریاں باذن اللہ اسکی گواہی دینے لگیں لوگوں کو تعجب ہوا پھر یہ خبر وہاں کے بادشاہ کو پہونچی وہ فوراً تخت سے اترا اور اسکے ساتھ تمام اہل شہر سوار ہوئے اور جاکر دیکھا کہ حضرت یونسؑ تشریف رکھتے ہیں آپ ان کو دیکھکر بہت روئے آخر حضرت کو لوگ شہر میں لے گئے اور بادشاہ نے آپکو تخت پر بٹھلایا اور آپ خادمانہ کھڑا ہوا اور اہل شہر بہت خوش ہوئے۔ پھر حضرت یونسؑ انمیں ایک عرصہ تک مقیم رہے اور امر بالمعروف اور منہیات سے منع کرتے رہے یہاں تک کہ وہ بادشاہ مرگیا آپنے اس چرواہے کے لڑکے کو بلاکر بادشاہ کردیا۔ ھٰکذا فی اخبار الدول وآثار الاول۔

اس قصہ میں جو مضمون ہے قرآن کریم میں ایسا کوئی مضمون نہیں ہے وہ یہ کہ عذاب آکر ٹل گیا عذاب انکے کفر و شرک کیوجہ سے آیا تھا عذاب کے آنے کے بعد انکو یقین ہوگیا کہ شرک کفر کی وجہ سے عذاب آیا ہے وہ موحد اور مومن ہوگئے، اہل ایمان اور اہل توحید پر عذاب نہیں آتا دوسرے ان میں انکے اخلاص کا اور توبہ کا ذکر ہے کہ وہ خالص و کامل توبہ تھی اخلاص کی وجہ سے قبول ہوگئی، قصہ کے مضامین سب اخلاص سے بھرے ہوئے ہیں، غور کی ضرورت ہے۔

(مکتوب نمبر ۸۶)

حال: جب سے حضرت والا نے سلسلۂ مکاتبت القطع فرمایا ہے میری عجیب حالت ہے ایک تو مسلسل حیرانی جو پریشانی بھی پیدا کرتی ہے کسی وقت بھی ساتھ نہیں چھوڑتی ہے دوسرے عالم اسباب میں سخت بے برکتی پیدا ہوگئی ہے اور امراض جسمانیہ میں افراطی (زیادتی) ہوتی چلی جارہی ہے میں پہلے ہی سے مریض تھا اور اب حالت قابل رحم حد تک خستہ ہوچکی ہے علاج معالجہ سے امراض میں ترقی ہوتی ہے اور تدبیر الٹ کر موجب نقصان نبتی ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ماضی بعید میں عاجز نے چند بار اعتذار اور معافی نامے بھی ارسال خدمت کئے تھے مگر جواب باصواب سے محروم ہی رہا اب صورت حال اس قدر خراب ہے کہ ممکن ہے کہ سفر آخرت اختیار کرنا پڑے۔ میں چاہتا ہوں کہ حضرت والا دل سے راضی ہوکر میری آخرت کے لئے دعائے خیر فرمائیں۔ اللہ کریم عاقبت محمود گردانے۔ یوں بھی زندہ رہنے میں کوئی لطف نہیں رہ گیا ہے۔ یہ تکالیفات جنکا اوپر مذکور ہوا مجھے بارہا یہ خیال آتا ہے کہ حضرت کی ناخوشی سے پیدا شدہ ہیں۔ اسکا یہ مطلب نہیں کہ حضرت میری مضرت میں خوش ہیں یا حضرت نے کوئی ایسی دعا یا توجہ کی ہے مرگز نہیں مجھے اس قسم کا وہم وگمان تک بھی نہیں۔ بات یہ ہے کہ ماں باپ کی ناخوشی اور بعض صاحب مقام بزرگوں کی ناخوشی خواہ وہ کسی باعث سے ہی کیوں نہو موجب نقصان نبتی ہے خواہ ماں باپ یا وہ بزرگ اسکا قصد بھی نہ کریں یہ کچھ انکے مقام کا اثر ہوتا ہے اس قسم کا پہلے بھی مشاہدہ اور تجربہ کیا جاچکا ہے۔ حضرت والا کا مقام بھی عند اللہ کچھ ایسا ہی ہے کہ آنجناب کا قلب جس طرف سے بند ہوجائے ادہر سے بے برکتی شروع ہوجائے گی۔ اور حضرت والا کی بشاشت اور انشراح قلبی سے متعلقین کو ظاہری و باطنی برکات پہونچتے ہیں۔ یہ بات ادھر میں نے حضرت والا سے دو تعلق یافتہ صاحبوں

یں بچشم خود دیکھی ہے ۔ سو عرض ہے کہ یاس نہ ہو کر صدق دل سے اپنی جملہ لغزشوں کی معافی طلب کرتے ہوئے بصد عجز و نیاز اللہ کی رحمت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت کا وسیلہ پیش کرکے درخواست کرتا ہوں کہ مجھ پر راضی ہوکر دعا خیر فرما دیں کہ اللہ پاک مجھے کامل شفا عطا کرے اور برکت دے ۔

تحقیق: دعا کرتا ہوں ۔

چونکہ آپ نے صدق دل سے معافی طلب کی ہے اسلئے کہتا ہوں کہ آپ جب یہ سمجھ رہے ہیں کہ میں ناراض ہوں تو آخر اسکا منشاء اور سبب بھی کچھ آپ کے ذہن میں ہوگا ہی اسکے بارے میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپ نے کیا سمجھا؟

لہٰذا اس سلسلہ میں یہ کیجئے کہ اپنے خطوط سابقہ کو پھر سے بغور مطالعہ فرمایئے اور میں نے جو جوابات (ہر بات کا اسکے سامنے اپنے طریقہ کے مطابق) دیا ہے اس سے قطع نظر فرماتے ہوئے اپنی اُس تحریر کو غیر کی تصور کرکے آپ ہی اس پر خود جواب لکھئے یعنی ہر ہر جملہ کے سامنے اسکا جو حکم از روئے طریقت اور شریعت کی رو سے ہو اس پر تحریر فرما کر مجھے بھیجئے یعنی آپ کی اس سابقہ تحریر پر آپ ہی کا جواب دیکھنا چاہتا ہوں ۔

مجھے جو ملال ہوا تو اس وجہ سے کہ آپ نے پچھلے خطوط میں میری بہت تعریفیں کیں چنانچہ میں نے آپ کے خطوط مجلس میں سنائے اس سے سامعین نے بھی نہ جانے کیا کیا رائے قائم کی ہوگی بعد میں کچھ اور ثابت ہوا جس سے سمجھا کہ مجھے دھوکا ہوا بس اس وجہ سے کچھ خیال ہوگیا ورنہ تو اس زمانہ میں طریق کا جو حال ہے اس کے پیش نظر کچھ بعید نہیں جو بھی ہو جائے مگر نئے آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ ماں باپ کی ناخوشی اور بعض صاحب مقام بزرگ کی ناخوشی موجب نقصان بنتی ہے تو یہ صحیح ہے چنانچہ اسی لئے لوگ بزرگوں کو راضی کرنا چاہتے ہیں لیکن میں ایک بات اور کہتا ہوں وہ یہ کہ یہ نحوست اور بے برکتی

نہ ایسے شخص کے لازم حال ہوجاتی ہے تو محض اسی بزرگ کے سبب سے
نہیں ہوتی کیونکہ یہاں تو یہ بھی ممکن ہے کہ مرید ہی حق بجانب ہوا ور پیر اپنی
طبیعت کی وجہ سے یا اور کسی وجہ سے مصیب نہ ہو تو اسلئے اس بدحالی کی
نسبت شیخ کی جانب حتماً نہیں کی جاسکتی یعنی یہ کہ یہ اسکی وجہ ہے۔ بلکہ اصل
وجہ یہ ہوتی ہے کہ کوئی شیخ کامل ہوتا ہے اور احکام شریعت اور طریقت کی رو سے
صحیح جاری کرتا ہے اور پھر مرید اسکو قبول نہیں کرتا ہے بلکہ مخالفت کرتا ہے
تو یہ گو بے ادبی ہوتی ہے شیخ کی مگر فی الحقیقت یہ اعراض ہوتا ہے شریعت
سے اور اللہ ورسول کے حکم سے اور یہ شریعت اور طریقت کوئی خیالی چیز نہیں
ہیں بلکہ اللہ ورسول کے احکام ہی ہیں، پس ان سے ابا، موجب بنتا ہے اللہ و
رسول کے سخط کا اور وہ منشاء ہوتا ہے ان تمام تبدحالی (اکابر) اور نحوست کا جنکو ہم اپنی
نظروں سے دیکھتا (نظر آتا) ہے۔ بات دراصل یہ ہے اور اسکو لوگ سمجھتے نہیں اور نہ کوئی
انکو سمجھاتا ہے۔ اس لئے اللہ ورسول کی رضامندی حاصل کرنے کی فکر
ہی نہیں ہوتی اور اسکو پیر ہی کی جانب منسوب کرتے ہیں کہ انکی ناراضگی
سے ایسا ہوا یہی پیر پرستی ہے۔

شیخ تو واسطہ ہوتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ واسطہ کا تکدر بھی
موجب حرمان بنتا ہے مگر کہنا یہ چاہتا ہوں کہ معاملہ صرف یہیں تک کا نہیں رہتا
بلکہ بات دور تک پہونچ جاتی ہے۔

آپ لوگوں کو اس بات کو بھی سمجھنا ہوگا کہ شیخ کی ناراضگی سے وبال
کے قائل ہیں اور اللہ ورسول کی ناخوشی سے کچھ نحوست نہیں سمجھتے بہرحال میں
کچھ نہ سہی مگر شریعت تو کچھ ہے اور طریقت تو کچھ ہے پھر اسکے خلاف کرکے کوئی
کس طرح فلاح حاصل کرسکتا ہے۔ اسکو سمجھنا ہوگا اور اپنے کو تو میں یہ شعر پڑھکر
تسکین دے لیتا ہوں کہ

مابندگی خویش نمودیم ولیکن — خوئے بد تو بندہ نوازی است خدا را

(میں نے اپنی طرف سے خدمت و بندگی پیش کر دی تھی لیکن تمہاری بداخلاقی اس بندہ کو اپنا نہیں بنا سکی)

(یہ تحریر بھی بھیجی گئی)

آپ کا خط حضرت دالا مدظلہ کے اور میرے نام کا ملا حضرت والا کی جانب سے جو جواب جا رہا ہے وہ تو آپ ملاحظہ فرمائیں گے اس سلسلہ میں میں بھی اتنی گذارش کرونگا کہ معاملہ کی نزاکت اور دقت کو سمجھنا چاہئے آپ جیسے اہل علم سے جب اس قسم کا معاملہ ہو جائے کہ ایک وقت میں تو محبت اور عقیدت کا ایسا مظاہرہ ہو کہ لوگوں کو رشک ہونے لگے اور دوسرے وقت میں ایسی کوئی بات قول یا فعل یا تحریر سے صادر ہو جس سے شک ہی پڑ جائے تو آپ خود سمجھئے کہ شیخ کے قلب نازک و مصفاپر اسکی وجہ سے کس قدر کلفت ہوگی اور کس قدر وہ ملول اور افسردہ ہو جائیگا بالخصوص جبکہ اہل زمانہ سے اس قسم کے اور بھی تجربات ہوتے رہتے ہوں اور عجب نہیں کہ وہ شیخ کامل بوجہ اپنے احساس صحیح کے یہ سمجھ لے کہ اس زمانہ میں بالعموم اہل زمانہ کا یہی حال ہے اور اس خیال کے ماتحت وہ تمام لوگوں سے کبیدہ خاطر اور انکی جانب سے غیر مطمئن ہو جائے تو ظاہر ہے کہ جو شخص اسکی اس بدلی کا سبب بنے گا وہ وبال میں تو پڑ ہی جائے گا خود خیال فرمائیے کہ جس شخص کے حالات، مقالات اور خطوط کے مضمون کو سنکر لوگوں نے مرید صادق، خلیفہ یا جو کچھ بھی سمجھ رکھا ہو جب لوگ اسکو دوسرے حال میں دیکھیں گے تو اسکو تو جو سمجھیں گے سمجھیں ہی گے ان کے شیخ کے متعلق کیا انکو بدگمانی نہ ہوگی کہ معلوم ہوتا ہے وہی کچھ نہیں ہیں۔ دیکھو فلاں جس کی رائے پہلے ایسی ایسی تھی اب ویسی نہیں ہے۔ اب اگر وہ شیخ کامل ہوا تو خود سمجھئے یہ کم وبال کی بات ہے کہ جہاں یہ شخص دوسروں کے لئے سبب ہدایت بن رہا تھا اب دوسروں کے رجوع ہونے سے مانع ہو رہا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت والا یوں نہایت ہی رحم دل شفیق اور نرم خو ہیں مگر جب کسی طالب کی جانب سے اس قسم کی کوئی بات دیکھتے ہیں تو سخت گرفت اور مواخذہ فرماتے ہیں اس لئے کہ صوفیائے مصلحین نے اپنے اپنے زمانہ میں ایسا ہی کیا ہے اور یہی طریق کا حکم ہے۔ قدماکا یہی طرز رہا ہے۔ اب چونکہ اصلاح و تربیت سب ختم ہے اس لئے لوگ اس طرز سے نامانوس ہیں اور اسکو سختی پر محمول کرتے ہیں حالانکہ یہ عین شفقت اور تقاضائے دین و دیانت ہے لہذا جو شخص اپنے کو اصلاح کے لئے پیش کرتا ہے اس سے ایسا معاملہ اسکی مصلحت کے پیش نظر ہوتا ہے ورنہ کسی کو کچھ نہیں کہتے بالکل خاموش رہتے ہیں اور صرف ملنے اور ملاقات کرنیوالوں سے تو اس انداز محبت و تواضع سے ملتے ہیں اور ایسے اخلاق پیش فرماتے ہیں کہ وہ شرمندہ ہی ہو جاتا ہے۔

بہر حال جب حضرت والا کو جواب لکھیں تو اس میں اس میری تحریر اور مضمون کو بھی پیش نظر رکھیں اور ایسا جواب دیں کہ ان امور کی بھی رعایت ہو جائے۔ میری بعض باتیں آپ پسند فرماتے ہیں اس لئے بلا تکلف عرض کر دیا اگر ناگوار خاطر ہوں تو معاف فرمائیے گا اور کوئی بات کام کی نکل آوے تو دعائے خیر سے یاد فرمائیے گا۔

والسلام

(مکتوب نمبر ۱۸۶)

حال: الحمد للہ جب سے حضرت سے تعلق ہوا دین کی اہمیت بڑھ گئی اور الحمد للہ کہ عمل میں کافی فرق ہو گیا ہے۔ **تحقیق**: الحمد للہ

حال: ہمیشہ ہی ارادہ رہا کہ حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر قدم بوسی حاصل کروں الحمد للہ کہ یہ دلی آرزو پوری ہوئی۔ **تحقیق**: الحمد للہ، بارک اللہ

حال: اللہ تعالیٰ نے فضل عظیم فرمایا۔ **تحقیق**: بیشک

حال: کہ حضرت کے دیدار سے آنکھوں کو شاد فرمایا **تحقیق**: الحمد للہ۔

حال: اور حضرت کے ارشادات عالیہ سے دل مسرور ہوا۔ الحمد للہ کہ بہت سی باتیں سیکھیں۔ تحقیق: الحمد للہ

حال: اور انشاء اللہ تعالیٰ حضرت کی توجہ کی برکت سے یاد بھی رہیں گی۔
تحقیق: انشاء اللہ تعالیٰ۔

حال: اور انشاء اللہ تعالیٰ اس پر عمل بھی کرونگا۔ تحقیق: اللہ تعالیٰ توفیق دے

حال: مولوی صاحب بعد ظہر کتاب سناتے ہیں ان سے بھی برابر سنتا رہا۔ اور حضرت کی مختلف تصانیف متبرکہ کا مطالعہ بھی کیا ہے۔ تحقیق: الحمد للہ

حال: اعمال میں اخلاص پیدا کرنا اور اخلاق کی درستگی خاص چیز میں نے حضرت سے اور حضرت کی تصانیف سے پائی۔ اسی طرح سے اتباع شیخ اور ادب، پھر اپنے بزرگوں پر اعتراض نہ کرنا، ذکر کرنا وغیرہ یہ سب چیزیں بھی الحمد للہ حضرت کی صحبت کی برکت سے ملیں۔ تحقیق: الحمد للہ

حال: حضرت دعاء برکت فرمائیں۔ تحقیق: دعاء کرتا ہوں۔

حال: حضرت تعلقات کی مجبوری سے کل مجھے جانا ہے، خوشی سے اجازت فرمادیں۔ تحقیق: اجازت ہے

حال: اور پھر جلد حاضری کے لئے دعاء فرمادیں۔ تحقیق: دعاء کرتا ہوں۔

حال: اور بیعت ظاہری کا بھی شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں۔
تحقیق: آج بعد ظہر آجائیے۔

(مکتوب نمبر ۸۶۲)

حال: حضور کے اس جملہ نے کمر توڑ دی کہ "اور کسی سے تعلق کرلو" میری دانست میں حضور کے سوا میرے لئے اور کوئی ایسا شفیق مصلح نہیں مل سکتا ہے۔
تحقیق: آپ نے اس مصلح سے کیا فائدہ اٹھایا ہے۔

حال: حضور والا کی ڈانٹ ڈپٹ جوتیاں سب گوارا ہیں لیکن حضور کے قدموں سے

الگ ہونے کی دھمکیاں بھی اس گنہگار کے لئے سوہان روح بن جاتا ہے۔ حضور والا کے ان تہدیدی جملوں نے کہ "میں تعلیم کے لائق کب ہوں، میں نے کب تعلیم دیا ہے۔ اب خط نہ لکھیو۔ اور کسی سے تعلق کر لو۔" مجھے ایسا چونکا دیا کہ
تحقیق: تعجب ہے آپ اس سے چونک گئے
حال: میرے دل و دماغ و ہاتھ پاؤں سست پڑ گئے۔
تحقیق: چونکے بھی اور سست بھی پڑ گئے۔
حال: میں اپنی غلطی کو سمجھ نہیں سکا تھا پریشانی کے عالم میں اپنے چند خاص احباب پر اپنی کیفیت پیش کی۔ میرے استاد کرم فرما جناب مولوی عبدالرشید صاحب نے مجھے میری غلطی پر متنبہ فرمایا تو مجھے ہوش آیا کہ واقعی میں نے بڑی غلطی کی ہے۔
تحقیق: اچھا! خود بھی نہیں جب دوسروں نے سمجھایا تب سمجھا۔

(مکتوب نمبر ۸۶۳)

حال: الحمدللہ بندے کو حاضر خدمت ہونے کی توفیق ہوئی حضور والا کی مجلس مبارک کے شرف سے بندے کا ذوق و دلی جذبہ جہل سے نکلکر علم کی جانب بڑھ گیا یعنی بہ نسبت پہلے کے زیادہ دینی سمجھ پیدا ہوگئی کام کی ہمت اور امید بندھ گئی بھٹکے ہوئے کو راہ منزل مل گئی۔ تحقیق: الحمدللہ۔ حال: الحمدللہ کہ کلمہ طیبہ کی فضیلت و فوائد کے مسلسل بیان سے بندے کا علاج ہو گیا۔ تحقیق: خوب۔
حال: جو کہ امراض کو لاعلاج سمجھکر سسکیاں لیتا ہوا بس اللہ تعالیٰ کے فضل کا امیدوار ہو بیٹھا تھا، اب تو الحمدللہ ایسا نتیجہ ہاتھ آیا۔ تحقیق: الحمدللہ۔
حال: جو کہ (ہر درد کی دوا ہے صل علیٰ محمد) غفلت و وساوس اور خطرات کا دفع اور دفع شیطان اور تطہیر قلب کے لئے کافی ہے۔
تحقیق: الحمدللہ علیٰ احسانہ۔

حال: اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذریعہ ہے۔ تحقیق: بیشک۔

حال: قرب و وصال حق کا ذریعہ ہے۔ تحقیق: بیشک یہی ہے۔

حال: الحمدللہ صراحۃً معلوم ہوا کہ تحقیق: الحمدللہ۔

حال: یہی کہ شریعت و طریقت، حقیقت و معرفت ہے، ساری مصیبتوں کا
ازالہ اور حصول راحت کا ذریعہ ہے۔ تحقیق: بیشک

حال: صدور کبیرہ اور اصرار صغیرہ سے ولایت سے خارج کردیا جانا اور ولی کیلئے
مواظب علی الطاعات اور مجتنب عن المعاصی کا ہونا وغیرہ بھی معلوم ہوا تحقیق: الحمدللہ

حال: دین کی بے احترامی اور بد اعتقادی سے قوم کا گمراہ ہونا اور کفر تک
پہونچنا اور غیبت کی تعریف بھی معلوم ہوئی۔ اسی طرح اور بھی بہت سی باتیں
سمجھ میں آئی ہیں۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: جو صاحب مجلس کی باتیں نقل کرتے ہیں میں ان سے نقل کرلیتا ہوں
تحقیق: اچھا کرتے ہیں

حال: تاکہ اسکو ذہن نشین کرکے زیادہ بصیرت حاصل کرسکوں۔ دعا فرمائیں کہ
یہ سفر میرے لئے مبارک ہو۔ تحقیق: دعا کرتا ہوں۔

حال: اس میں جو غنیمتیں میں نے پائی ہیں۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: میرے لئے ذریعہ نجات و توشہ آخرت بنے۔ تحقیق: آمین۔

حال: میرے گھر والے اور متعلقین اس خزانہ سے مالامال ہوں۔ تحقیق: آمین

حال: دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہمت استقامت اور بلند حوصلگی عطا فرمائیں
توفیق ایزدی سے میرا قلب درست ہوجائے۔ طاعت میں اخلاص پیدا
ہوجائے۔ تحقیق: آمین۔

حال: ذکراللہ کرتا ہوں الحمدللہ کہ فائدہ بھی محسوس ہورہا ہے۔ تحقیق: الحمدللہ

حال: اللہ تعالیٰ اسمیں برکت عطا فرمائیں۔ تحقیق: آمین۔

(۱۰۹۰) فرمایا کہ ایک صاحب نے مجھکو لکھا کہ لوگ مجھے مشورہ دیتے ہیں کہ بانوں کی دوکان کرلو کوئی کہتا ہے کہ دواؤں کی دوکان کرلو تو مجھکو کیا کرنا چاہیئے؟ میں نے لکھدیا کہ میرا باپ نہ کھٹ بنا تھا نہ پنساری مجھے ان چیزوں میں تجربہ نہیں کسی تجربہ کار سے معلوم کرکے عمل کرو۔ میرے دو کام ہیں ایک دعا کرالو چاہے وہ دنیا ہی کے لئے سہی وہ بھی عبادت ہے دوسرے اللہ کا نام پوچھ لو۔ پھر فرمایا کہ اتنا تو یہ لوگ بھی سمجھتے ہیں کہ انکو تجربہ نہیں مگر پھر ایسی بات پوچھنے کی کیا وجہ؟ یوں سمجھتے ہیں کہ اللہ والوں سے اسلئے پوچھ کر کرنا چاہیئے کہ انکے دل میں وہی آوے گی جو ہونے والی ہے حالانکہ یہ غلو ہے۔ حاصل یہ کہ اس مشورہ کا منشاء عقائد کی خرابی ہے۔ میں اس جہل سے بھی لوگوں کو بچانا چاہتا ہوں کہ دھوکے میں نہ رہیں۔ اور بعض حضرات جنکا مجھ سے بے تکلفی کا تعلق ہے ان سے یہ معلوم ہوا کہ عوام کا یہ عقیدہ ہے کہ یہ جو کہتے ہیں وہی ہوجاتا ہے۔ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت یہی میرا بھی عقیدہ ہے کہ وہی ہوجاتا ہے۔ فرمایا اعتقاد میں بھی درجات ہیں اور بنا جدا جدا ہیں۔ عوام کے اعتقاد کی نوعیت تو بہت ہی خراب ہے وہ تو یہ سمجھتے ہیں کہ فلاں بزرگ بھی نہیں سکتا بخلاف اہل علم کے انکا اعتقاد اس درجہ کا نہیں ہوسکتا۔

(۱۰۹۱) فرمایا کسی کے پاس نرے رہنے سے کیا ہوتا ہے جبتک انسان کو اپنی اصلاح اور تربیت کی فکر نہو۔

(۱۰۹۲) فرمایا کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ظاہری محاسبہ نہ تھا مگر برکت اتنی زبردست تھی کہ محاسبہ میں وہ کام نہیں بن سکتا جو حضرتؒ کے یہاں بلا محاسبہ ہی بن جاتا تھا یہ محض حضرت کی برکت تھی۔

(۱۰۹۳) فرمایا کہ میں نے جو لوگوں کے زعم میں ایک بات جاری کی ہے جو اپنے بزرگوں میں بھی اس درجہ نہ تھی اور وہ محاسبہ ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اس وقت بغیر اس کے کام چلنا دشوار تھا اسکی نظیر یہ ہے کہ قد خمر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مقرر کی جو نہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں تھی نہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں۔ اگر حضرت عمرؓ پر کوئی بھی اعتراض کرے تو محض [illegible]

بزرگوں نے نہیں کیا تو مجھ کو اب اسکا حضرت عمرؓ کی طرف سے ہوگا وہی اس عمر کی
ی میری طرف سے بھی خیال کرلیا جاوے وہ جواب یہی ہے کہ ان حضرات کے
امنے میں تعزیر و محاسبہ کی ضرورت نہ تھی اب ہے۔

۱۰۹۴) فرمایا کہ صاحبو! اہل اللہ کی مجالست میں نیت یہ ہونا چاہئے کہ وہاں
ین کی باتیں سنیں گے، وعظ و نصیحت کی باتیں کان میں پڑیں گی۔ اور بزرگوں
ی نیت بھی دین کی باتیں سنانے کی ہونا چاہئے۔ ہاں مباح باتوں کی بھی اجازت
ہے۔ اس کا مزاج پوچھ لیا گھر کی حالت پوچھ لی یا اسکی طبیعت کے موافق اور کوئی
ت کرلی خواہ ظاہر میں فضول ہی ہو مگر اس خیال سے کہ اسکا دل کھلے گا، انس ہوگا
شت دور ہوگی تو اس غرض کے بعد وہ فضول نہ رہے گی اور یہ باتیں اس طرح
ے کہ وہ یہ سمجھ جاوے کہ شیخ کو ایسی باتوں سے ہماری رعایت مقصود ہے۔ ان
ں کے بعد پھر کام کی باتیں شروع کردے۔ دین کی باتیں سنا دے۔ اگر اس نے
یسا نہ کیا تو اس نے اپنا فرض منصبی پورا نہ کیا۔

۱۰۹۵) فرمایا کہ فقہی کتاب میں تصوف ہی ہے کیونکہ اسکے ذریعہ سے حلال
حرام کی تمیز ہوگی حرام سے بچیں گے تو اس سے نور پیدا ہوگا علم و عمل کی توفیق ہوگی
اس سے بھی قرب الٰہی نصیب ہوگا یہی تو تصوف ہے۔

۱۰۹۶) فرمایا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کافر کا مال جس طرح ہو لوٹ لو حالانکہ شریعت
نے غدر و سرقہ کو کافر کے ساتھ بھی حرام کیا ہے۔ بلکہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ فرماتے تھے
کافر کا حق رکھنے سے تو مسلمان کا حق رکھ لینا اچھا ہے کہ نیکی اگر جاوے تو اپنے
ائی مسلمان ہی کے پاس جاوے دشمن کے پاس کیوں جاوے۔

۱۰۹۷) فرمایا کہ مشہور ہے کہ حاتم سخی تھا حالانکہ سخاوت یہ ہے محل میں خرچ
ورنہ سخاوت ہی نہیں (مثلاً اگر دریا میں کوئی شخص لاکھ روپیہ پھینکدے تو کیا
ہ سخی ہو سکتا ہے) اور محل معلوم ہوتا ہے شریعت سے جب اسکو محل ہی معلوم
تھا اور شریعت کی اسکو خبر ہی نہ تھی تو وہ سخی کیسے ہوا پس اول تو وہ سخی نہیں اھ

اور اگر ہو بھی تو کیا ہوا جب باغی تھا اور باغی کا کوئی کمال کمال نہیں۔

(۱۰۹۸) فرمایا کہ آدمی گناہ کرے اور اپنے کو گنہگار سمجھے یہ اچھا ہے اس سے کہ گناہ کو رنگ عبادت میں ظاہر کردے یہ بہت ہی برا ہے گناہ کو گناہ تو سمجھو۔

(۱۰۹۹) فرمایا کہ یہ ممکن ہے کہ ایک دن بیٹھکر کچھ دیر تک ذکر کرلو مگر دوام ذکر نور بخش بغیر اصلاح کے نہیں ہوتا اور یکسوئی اور ہر وقت کی توجہ جو کہ ثمرہ اور اثر ذکر ہے بغیر اصلاح کے نہیں ہوتی کیونکہ اسکی طرف توجہ خدا تعالیٰ کی توجہ سے ہوتی ہے یعنی وہب سے جو کہ خدا تعالیٰ کے اختیار میں ہے ورنہ توفیق بھی نہیں ہوتی اسکی حقیقت اہل دل خوب سمجھتے ہیں عوارف میں جو شیخ شہاب الدین سہروردی کی کتاب ہے اس میں ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے کہ ایک دن وہ ذکر کرنا چاہتے تھے مگر زبان نہیں اٹھتی تھی ارادہ بھی تھا شعور بھی تھا مگر زبان نہیں چلتی بڑے پریشان ہوئے گریہ وزاری کے ساتھ التجا کی کہ یا اللہ اگر قصور ہوا ہو مطلع فرمائیے تاکہ توبہ واستغفار سے تدارک کروں الہام ہوا کہ فلاں وقت گستاخی سے ایک برا کلمہ کہا تھا آج اسکا خمیازہ بھگت رہے ہو۔ بہت روئے پیٹے گریہ وزاری کی تب زبان چلی۔

(۱۱۰۰) فرمایا کہ اگر ذکر اللہ کو اپنا اصلی کام سمجھ لو تو جو کام اسمیں مخل ہوگا اس سے جی گھبرا اسنے لگا اور معاصی سب اس میں مخل ہیں اس لئے ان سب سے نفرت ہو جائیگی پھر رفتہ رفتہ فضول مباحات سے بھی نفرت ہونے لگے گی۔

(۱۱۰۱) فرمایا کہ تجربہ ہے کہ تسبیح ہاتھ میں رکھنے سے خدا یاد آتا ہے اسی لئے صوفیہ نے اسکا نام مذکرہ رکھا ہے۔ اگر یہ کہو کہ تسبیح ہاتھ میں رکھنے سے لوگ ہنسیں گے تو جواب یہ ہے کہ لوگ چاہے ہنسیں مگر تم نہ روؤ گے۔ اب لوگ تم پر ہنسیں گے اور کل قیامت میں تم ان پر ہنسو گے بس انکو اب ہنسنے دو۔ اگر تم کو کہیں سے ہزار روپئے ملتے ہوں مگر ان کے لینے میں لوگ ہنستے ہوں تو انصاف سے کہو کہ وہاں سے روپئے لیتے ہو یا ہنسی کے خیال سے چھوڑ دیتے ہو یقیناً لے لیتے ہو اور انکی ہنسی کی کوئی پرواہ نہیں کرتے

آخر وجہ کیا کہ وہاں تو ہنسی کی پرواہ ہے اور یہاں نہیں ؟ بات یہ ہے کہ اسکو نفع کی چیز سمجھتے ہو اور نفع کی چیز میں ہنسی کی پروا نہیں کیجاتی ۔ پھر کیا یادِ خدا نافع نہیں ہے اگر نافع ہے تو اسکی کیا وجہ کہ روپیہ کے لینے میں ہنسی مانع نہیں ہے اور ذکر خدا میں مانع ہے اور یہ ہنسی بھی جب ہی تک ہے کہ پہلے پہلے کام کر رہے ہو پھر چند روز کے بعد کوئی نہیں ہنستا بنظر غائر دیکھئے تو اصل میں یہ ہنسی غفلت پر ہوتی ہے یعنی پہلے جو تمکو غفلت تھی وہی سبب اس وقت ہنسنے کا ہے چنانچہ جو شخص پہلے سے غفلت میں نہو بلکہ ہمیشہ سے ذاکر ہو اس پر کوئی بھی نہیں ہنستا تو خدا کے بندے جب بات پر ہنسی ہوئی تھی تم اب پھر اسی میں رہنا چاہتے ہو ۔ تسبیح ہاتھ میں لو چند روز کے بعد کوئی نہیں ہنسے گا بلکہ جب یہ معلوم ہو جائے گا کہ اب اسکی غفلت جاتی رہی تو اب ہنسنا کہاں اب تو اسکے پاؤں چومیں گے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کفار اسلام پر ہنستے تھے اور قرآن پر ہنستے تھے اِتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّ لَعِبًا اسکو کھیل کود بنا رکھا تھا " تو کیا انکے ہنسنے سے صحابہؓ نے اسلام چھوڑ دیا تھا ۔

(۱۱۰۲) فرمایا کہ نیک کام کرتے رہو جیسے بھی ہو سٹم پسٹم کئے جاؤ کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ اول اول انتظام سے نہیں ہوتا ، جی نہیں لگتا تو اسکی پرواہ مت کرو جیسے ہو کرو ، جس دن توفیق ہو کرو یہ خیال نہ کرو کہ کل تو کیا نہیں آج کرنے سے کیا فائدہ ہوگا جیسے بھی بنے کئے جاؤ ۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

دوست دارد دوست ایں آشفتگی کوششِ بیہودہ بہ از خفتگی

(اللہ تعالےٰ کو یہ آشفتہ حالی اور پریشانی پسند ہے ۔ بیکار کوشش کرنا بھی سونے اور غفلت میں پڑے رہنے سے بہتر ہے ۔

اندریں رہ می تراش و می خراش تا دمِ آخر دمے فارغ مباش

(اس راہِ مولیٰ میں تراش و خراش ، دوا دوش اور عیش میں لگے رہو تو تمکا ایک لمحہ بھی فارغ ہو کر نہ بیٹھو)

یعنی دُھن ہونا چاہئے اگرچہ عمل میں کوتاہی ہو جاوے ، ناغہ ہو جاوے ہونے دو ممکن نہیں کہ راہ پر نہ آوے ۔

(۱۱۰۳) فرمایا کہ منفعت قابل اعتبار وہ ہے جو ضرر پر غالب ہو اسی طرح

در قابل اعتبار وہ ہے جو نفع پر غالب ہو اور دنیا کی منفعت سے آخرت کی منفعت بڑھی ہوئی ہے اور دنیا کی مضرت سے آخرت کی مضرت بڑھی ہوئی ہے بلکہ دنیا کی منفعت و مضرت آخرت کی منفعت و مضرت کے آگے کوئی چیز نہیں پس اصل عقل یہ ہے کہ جس کام میں دنیا کی منفعت ہو مگر آخرت کی مضرت ہو ایسی منفعت کو چھوڑ کر آخرت کی مضرت سے بچنے کا اہتمام کرے۔ اسی طرح اگر کسی کام میں دنیا کی تو مضرت ہو اور آخرت کی منفعت ہو تو اس چھوٹی سی مضرت کو بڑی منفعت کے لئے گوارا کرلینا چاہیئے۔

(۱۰۴) فرمایا خدا اگر کسی کو بے فکری سے کھانے کو دے تو یہ نعمت ہے لیکن اس میں ایک مضرت بھی ہے کہ کبر، ناز و عجب، غرور، غفلت، غریبوں کی تحقیر۔ کمزوروں پر ظلم اس سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسکا علاج اور تدارک یہ ہے کہ تدبر اور تفکر سے کام لے اور سوچے کہ اللہ تعالٰے نے مجھ پر اپنا فضل فرمایا ہے ورنہ میں بالکل نااہل تھا مجھ میں کوئی کمال بھی نہ تھا بلکہ اپنے گناہوں پر نظر کرکے سوچے کہ میں تو سزا کا مستحق تھا اور اگر بالفرض مجھ میں کوئی کمال بھی تھا تو مجھ سے بہت زیادہ کمال رکھنے والے پریشاں حال پھرتے ہیں۔ پھر اسکا فضل ہی تو ہے جو اس نے ان نعمتوں سے سرفراز فرمایا اب میں ناز کس بات پر کروں ۔

اگر روزی بدانش برفزودے   زناداں تنگ تر روزی نبودے

رزق کا مدار عقل پر نہیں۔ لیاقت سے رزق کا ملنا قارون کا عقیدہ ہے

(۱۱) فرمایا بعض سمجھدار ایسے ہوتے ہیں کہ باوجود امارت و دولت نہایت متواضع ہیں ع نہد شاخ پرمیوہ سر بر زمیں (پھلوں سے بھری ہوئی شاخ زمین کی طرف جھکی رہتی ہے) کے مصداق ہیں مگر غالب اسکے خلاف ہی ہے ان متکبروں کو سمجھنا چاہیئے کہ ہم ایسی چیز پر تکبر کرتے ہیں جسکا حصول ہمارے اختیار میں نہیں اور حصول تو کیا اختیار میں ہوتا بقا بھی تو اختیار میں نہیں پھر ایسی چیز پر تکبر کرنے سے کیا فائدہ۔ یہ تو

تکبر کا علمی علاج ہے اور عملی علاج یہ ہے کہ غربا کی تعظیم و تواضع کریں۔ خوشی نہ ہو سکے
تو بہ تکلف ہی کریں خوش خلقی، نرمی اور شیریں کلامی سے پیش آئیں اور وہ جب
ملنے آئیں تو کھڑے ہو جایا کریں انکی دلجوئی کریں۔

(۱۱۰۶) فرمایا کہ اگر کوئی نوکر ہماری نافرمانی کرے اور ہمارا بس چلے تو بدون خون
پئے نہ رہیں اور اسی پر اکتفا نہ کریں بلکہ اسکے ساتھ اسکے خاندان بھر سے انتقام لیں پھر بھی
دل ٹھنڈا نہ ہو، تو کیا خدا تعالیٰ اپنے نافرمانوں کو برباد نہیں کر سکتے انکو کون چیز مانع ہے
مگر باوجود اس قدرت و عظمت کے انکی تو یہ شان ہے۔ ع

گنہ بیند و پردہ پوشد بہ حلم

(گناہ کو دیکھتے ہیں اور حلم سے پردہ پوشی فرماتے ہیں)

یعنی نافرمانی پر سزا دینی کیسی فضیحت بھی تو نہیں کرتے بلکہ وہی دنیا کی عزت
ہے وہی سواریاں ہیں وہی آرام و عیش ہے بلکہ نافرمانوں کو مال و دولت
اتنا دیتے ہیں کہ دیکھنے والے یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ انکو زیادہ چاہتے ہیں۔
اللہ اللہ کیا ٹھکانا ہے حلم کا۔

(۱۱۰۷) فرمایا کہ جس طرح والدین بچے کے دنبل کا آپریشن کرتے ہیں اسی
طرح اللہ تعالیٰ قلوب کا آپریشن کرتے ہیں جبکہ دلوں میں غفلت بڑھ جاتی
اور گناہوں کی ظلمت سے دل پر پردے پڑ جاتے ہیں تو مصیبت اور بلا کے نشتروں سے
دلوں کا خراب مادہ نکالا جاتا ہے اور انکی اصلاح کی جاتی ہے پس یہاں بھی
بالفعل تکلیف ہے اور وہاں بھی مگر انجام دونوں کا راحت ہے۔ فرق اتنا ہے
کہ وہاں راحت قریب ہے کہ پندرہ بیس ہی دن میں دنبل میں نشتر دینے کے بعد
صحت ہو جاتی ہے اور یہاں بعید ہے کہ قیامت میں اسکا ظہور ہو گا جبکہ مصائب
کا ثواب ملے گا۔

(۱۱۰۸) فرمایا کہ ہم لوگ قیامت کو دور سمجھتے ہیں ورنہ حقیقت میں وہ بہت ہی
قریب ہے چنانچہ ارشاد ہے اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَّنَرٰىهُ قَرِيْبًا اور اس میں

سلہ - وہ لوگ اس دن کو دور دیکھ رہے ہیں اور ہم اسے قریب دیکھ رہے ہیں۔

کچھ تعجب کی بات نہیں کہ ایک چیز آپکے نزدیک دور ہو اور خدا کے نزدیک قریب ہو دیکھئے چیونٹی کے نزدیک ایک فرلانگ اتنی دور ہے جتنا آپ کے نزدیک یہاں سے امریکہ اور آپ کے نزدیک ایک فرلانگ بہت ہی قریب ہے اور اگر اس مثال کے بعد بھی کسی کی سمجھ میں قیامت کا قرب نہ آوے تو وہ یوں سمجھ لے کہ قیامت کبری گو دور سہی مگر قیامت صغریٰ یعنی موت تو قریب ہے کیونکہ زندگی کا ایک لمحہ کیلئے بھی بھروسہ نہیں ہے۔ شاید ہمیں نَفَس نَفَس واپسیں بود۔ (شاید یہی سانس آخری سانس ہووے) کوئی آج مرا تو بس اسی وقت سے جزاء سزا کا سلسلہ شروع ہو جاوے گا۔

(۱۱۰۹) فرمایا کہ میں بقسم کہتا ہوں کہ کوئی عبادت فوراً جزا سے خالی نہیں ہوتی اسی طرح کوئی معصیت فوراً سزا سے خالی نہیں ہوتی مگر صحت ذوق کی ضرورت ہے اہل ذوق کو طاعت سے اس قدر انبساط اور فرح ہوتا ہے جیسا انبساط قریب قریب جنت میں ہوگا اور اس وقت دنیا کی سلطنت کی بھی ان کی نظروں میں کچھ حقیقت نہیں ہوتی۔ چنانچہ ایک عارف کہتے ہیں۔

بفراغ دل زمانے نظرے بماہ روے
به ازاں کہ چتر شاہی ہمہ روز ہاؤ ہوئے

(فراغ دل کے ساتھ تھوڑی دیر بھی نظر کرنا نصیب ہو جائے یہ اس سے کہیں بہتر ہے کہ چتر شاہی سر پر ہو اور تمام دن ہاؤ ہو اعیش و نشاط میں گذرے۔

پس از سی سال ایں معنیٰ محقق شد بخاقانی
کہ یکدم با خدا بودن بہ از ملک سلیمانی

(تیس سال کے بعد خاقانی پر یہ بات واضح ہوئی کہ تھوڑی دیر بھی خدا کی یاد میں مشغول رہنا سلطنت سلیمانی سے بھی بہتر ہے)

نہیں یہ انبساط و فرح کیسے ہو ہم کو دنیا کے سانپ نے ڈس لیا ہے جس سے ذائقہ بگڑ گیا ہے اگر ہم بھی صحیح ذوق پیدا کرلیں تو اسکی لذت محسوس ہو اسی طرح معصیت سے قلب میں سقدر تنگی اور پریشانی ہوتی ہے کہ سر پر ہزاروں تلواریں پڑیں تب بھی ایسی کلفت نہ ہو۔ مولانا اسی کو فرماتے ہیں ؎

بر دل سالک ہزاراں غم بود گر ز باغ دل خلالے کم بود

(رہرو راہ مولیٰ (سالک) کے دل پر ہزاروں غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں اگر اسکے دل کے باغ سے ایک تنکا بھی کم ہو جاتا ہے)

(۱۱۱۰) فرمایا کہ ایک بزرگ کسی کے یہاں تشریف لے گئے دروازہ پر پہنچکر پکارا اندر سے جواب آیا نہیں ہیں پوچھا کہاں ہیں جواب ملا خبر نہیں تو یہ بزرگ صرف اتنی بات پر تیس برس تک روتے رہے کہ میں نے ایسا فضول سوال کیوں کیا؟ کہ کہاں ہیں؟ میرے نامۂ اعمال میں ایک فضول بات درج ہو گئی حالانکہ مومن کی شان یہ ہے وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْن اب اندازہ کیجئے کہ جس کو ایک لغوبات سے اس قدر تکلیف ہوگی اسکو گناہ کی کلفت کا کس قدر احساس ہوگا

(۱۱۱۱) ایک صاحب نے لکھا کہ نماز میں پورا پورا انشاط حاصل نہیں ہوتا اور ذکر میں سرور ونشاط کی کیفیت ہوتی ہے فرمایا کہ ذکر میں بہ نسبت نماز کے ایک شان بساطت کی ہے اور نماز میں بہ نسبت ذکر کے شان ترکیب کی ہے اس لئے ذکر میں اجزار مختلفہ کی طرف توجہ نہیں ہوتی اسلئے یکسوئی جلد ہو جاتی ہے اور نماز میں توجہ اجزار مختلفہ کی طرف ہوتی ہے اسلئے تشتت رہتا ہے اسکا علاج یہی ہے کہ نماز میں توجہ ایک طرف رکھی جاوے جسکی صورت یہ ہے کہ قیام کے وقت اس طرف التفات نہ کرے کہ اسکے بعد قومہ کرنا ہے وعلیٰ ہذا بلکہ ہر رکن میں صرف اسی رکن کو مقصود بالذات سمجھے اور اسی طرف متوجہ رہے اسی طرح پھر دوسرے رکن میں الیٰ آخر الصلوٰۃ اگر ایسا کیا جاوے تو نماز میں اسقدر یکسوئی ہوگی کہ ذکر میں بھی نہ ہوگی کیونکہ ذکر میں گو کہ یکسوئی ہے مگر ہر وقت خطرہ رہتا ہے کہ دوسرا شخص آکر اس یکسوئی کو فوت کر سکتا ہے یا خود ہی ذکر ترک کر کے شغل میں لگ سکتا ہے اور نماز میں اطمینان ہے کہ سلام پھیرنے تک کوئی شخص اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتا نہ خود کوئی کام کر سکتے ہیں۔ وهذا الذى كتبت ورد على قلبى فى فرض الظهر جربته فيه وفى سنة البعدية ولله الحمد (یہ بات جو میں نے لکھی ہے یہ ظہر کے فرض ادا کرنے کی حالت میں میرے قلب پر وارد ہوئی اور میں نے اسی کے اندر اسکا تجربہ کر لیا اور فرض کے بعد کی سنتوں میں بھی، پس اللہ ہی کیلئے تعریف ہے)

ف۔ اور وہ لوگ لغو باتوں سے برکنار رہنے والے ہیں۔

تکبر حرام ہے

حق تعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُوْرٍ (بیشک اللہ تعالیٰ کسی تکبر کرنے والے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتا) نیز صحیح مسلم میں جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کے قلب میں رائی برابر تکبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔ حق تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا ہے اَلْکِبْرِیَاءُ رِدَائِیْ وَالْعَظْمَۃُ اِزَارِیْ فَمَنْ نَازَعَنِیْ فِیْہِمَا قَصَمْتُہٗ (بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میری ازار ہے جو مجھ سے ان کے بارے میں نزاع کرے گا میں اسکی گردن توڑ دونگا) ان نصوص سے معلوم ہوگیا کہ تکبر حرام ہے۔ اب اس کے مقابل کو لیجئے جب تکبر کی نہی حرمت کے لئے ہے جیسا کہ ترتب وعید سے معلوم ہوتا ہے تو اسکی ضد کا امر وجوب کے لئے ہوگا کیونکہ جیسے امر بالشئی مستلزم ہوتا ہے اسکی ضد سے نہی کو اسی طرح نہی عن الشئی مستلزم ہے اسکی ضد کے امر کو اور اصولی قاعدہ ہے کہ ایک امر کے ضد کا جو درجہ ہوگا دوسری کی نہی کا بھی وہی درجہ ہوگا اور جو درجہ ایک ضد کی نہی کا ہوگا وہی درجہ دوسری ضد کے امر کا ہوگا۔ پس تکبر کی ضد ہے تواضع اور تکبر کی نہی حرمت کے لئے ہے تو اسکی حرمت سے تواضع کا وجوب ثابت ہوگیا، اب رہا استغناء و تذلل تو اسکی تعیین درجہ ایک چھوٹے سے مقدمہ کے ملانے سے ہوجائیگی یہ دیکھنا چاہئے کہ تذلل کو کیوں اختیار کیا جاتا ہے اس سے مقصود کیا ہوتا ہے۔

حقیقت مال و جاہ

سو ظاہر ہے کہ تذلل سے تحصیل دنیا اور تحصیل مال مقصود ہوتا ہے چونکہ اس شخص کو مال کی جانب رغبت ہے اس لئے اس کے مقابلے میں عزت کو بھی ہیچ سمجھا جاتا ہے آبرو کی بھی پروا نہیں کیجاتی، پس تذلل کا سبب حب دنیا اور حب مال ہے اور نصوص سے ثابت ہے کہ یہ سب سے بڑھکر گناہ اور سب خطاؤں کی جڑ ہے حضرت فخر بنی آدم رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں حُبُّ الدُّنْیَا

رَاسُ کُلِّ خَطِیْئَۃٍ کہ تمام مفاسد کا منشا رحب دنیا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسی چیز
حرام ہوگی بس جو شئے اس سے پیدا ہو وہ بھی اسکے حکم میں ہوگی کیونکہ ناشی
عن الشئی کو شئی ہی کا حکم دیا جایا کرتا ہے۔ گناہ کا بچہ گناہ ہی ہوگا بس اس سے تذلل
کی حرمت ثابت ہوگئی اور تذلل کی حرمت سے اسکی ضد یعنی استغناء کا وجوب
ثابت ہوگیا۔ تکبر اور تذلل میں حُبِّ دنیا مشترک ہے یعنی تکبر میں تو جاہ مطلوب
ہے متکبر کا یہی مقصود ہوتا ہے کہ جاہ بڑھ جائے وہ بھی دنیا ہے اور تذلل
سے مال و متاع مقصود ہوتا ہے اسی لئے لوگوں کی سخت سست سنتے
ہیں خوشامد کرتے ہیں، ہر قسم کی ذلت برداشت کرتے ہیں، وہ بھی دنیا ہے حالانکہ
اِذْلالُ النفس (نفس کو ذلیل کرنا) منہی عنہ ہے اس لئے حق تعالےٰ نے ارشاد
فرمایا ہے لَایَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (وہ لوگوں سے لپٹ کر نہیں مانگتے) یعنی
مانگنے میں اصرار وابرام نہ کرو، لوگوں پر بوجھ نہ ڈالو، دیں دیدیں اور نہ دیں تو
کچھ زور نہیں، اجارہ نہیں آجکل کے مدعی درویشوں کو دیکھئے پیٹ کے لئے الحاف
کو گوارا کرتے ہیں اکثر لوگ ان کے سوال سے خواہ تہذیب سے ہو یا بے تہذیبی
سے تنگ ہوتے ہیں یہی الحاف ہے میرے خیال میں اگر حاجت بھی ہو تو
صلحاء غرباء سے سوال کرلے اور ان رؤسا امراء کے تو پاس بھی نہ پھٹکے ان سے
تو دور ہی رہنا مصلحت ہے ان میں محض ظاہری تہذیب ہوتی ہے ورنہ دل
میں حقیر سمجھتے ان کو تو چھوڑنا چاہیئے البتہ اگر ان سے ملنے میں کوئی شرعی مصلحت
ہو اور وہ واقع میں مصلحت ہو تسویل نفس نہ ہو تو ملنے کا مضائقہ نہیں
بلکہ اگر ذلت کا احتمال نہ ہو تو ترغیب چندہ میں بھی حرج نہیں۔ غرض یہ کہ
تذلل حبِّ مال سے ہوتا ہے اور تکبر حب جاہ سے ہوتا ہے اور دونوں زہر
قاتل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ اُرْسِلَا
فِیْ غَنَمٍ بِاَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِیْنِهٖ
کہ اگر دو بھوکے بھیڑیئے بکریوں میں چھوڑ دیئے جائیں تو وہ بکریوں کو اتنا ضرر

نہیں پہنچاتے جتنا ضرر انسان کے دین کو حب مال وحب جاہ پہنچاتے ہیں ہم لوگ بکثرت ان دونوں مرضوں میں مبتلا ہیں اسی وجہ سے اس مضمون کو اختیار کیا ہے اور عوام ہی کی کیا شکایت اس مرض میں خواص کو بھی ابتلائے عام ہے عوام الناس کا مبتلا ہونا زیادہ موجب تعجب نہیں ہے کیونکہ ان میں رادع کم ہوتا ہے، موانع قریب قریب مفقود ہوتے ہیں بلکہ سب شرائط موجبۂ امراض اور روکنے والے پائے جاتے ہیں علم سے بھی بے بہرہ ہوتے ہیں، صحبت سے بھی محروم ہوتے ہیں تعجب تو ان خواص سے ہے کہ وہ باوجود علم کے ان امراض میں کیونکر مبتلا ہیں خصوصًا ان لوگوں سے جو ابھی مخدومیت کی شان کو بھی نہیں پہنچے ابھی صاحب کمال کہلانے کے بھی مستحق نہیں تکبر کا کوئی داعی ابھی تک ان میں نہیں بلکہ موانع موجود ہے، موانع کی قوت کے مقابلہ میں کسی داعی کو قوت نہیں ہے اگر کوئی مخدوم ہو تو کسی نہ کسی درجہ میں وہاں داعی تو موجود ہے گو مانع بھی قوی موجود ہے لیکن خیر سے یہاں مخدوم بھی نہیں پھر ان میں تکبر کیسا ؟ خصوصًا طلبہ تو اس مرض میں زیادہ مبتلا پائے جاتے ہیں۔ میں خصوصیت سے انھیں کی اصلاح کے متعلق بیان کرتا ہوں کیونکہ انھیں کی فرمائش سے میں یہ وعظ کر رہا ہوں لہٰذا وہ احق بالعلاج ہیں دوسرے بالتبع شامل ہیں جو شخص اپنے مکان پر کسی حکیم کو بلا کے لائے اسکا علاج ضروری ہے ہمسایہ کا حق اس وقت کچھ نہیں اسکو حاجت ہو تو دوبارہ بلا دے لیکن اگر وہ کوئی نسخہ ہمسایہ کو بھی لکھدے تو اسکی عنایت اور اسکی جانب سے تبرع ہے پس میں طلبہ کی عَامَّۃُ الْوُرُوْد غلطی پر متنبہ کرتا ہوں لیکن باوجود اسکے بہت ادب سے ساتھ عرض کرتا ہوں کیونکہ یہ لوگ مجھ سے بڑے صاحب رتبہ ہیں واللہ میں ہر طالب علم کا اپنے کو خادم سمجھتا ہوں چونکہ انھوں نے خود ایک خدمت کیلئے مجھے بلایا ہے اس لئے میں اپنا کام کئے دیتا ہوں گو وہ بعد میں تاویلیں توجیہ کرتے پھریں تاویل اور توجیہ سے شے کی حقیقت نہیں بدلاکتی اسکی ماہیت

ہیں کچھ فرق نہیں ہوتا، محض من سمجھوتی ہی ہوتی ہے اگر کسی مضر شئے کی تاویل کرلو تو اس سے اسکی مضرت نہیں جاتی رہے گی اگر سنکھیا کی توجیہ کرلو کہ یہ تو نمک ہے یا مصری ہے تو اسکی سمیّت نہیں باطل ہوجائے گی تاویل کرکے مخلوق کو دھوکہ دے سکتا ہے لیکن حق تعالیٰ کے علم کو معاذ اللہ نہیں بدل سکتا۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

گہ گہے آہے دروغے میزنی   از برائے مسکہ دوغے میزنی

(کبھی کبھی جو تم جھوٹی آہیں بھرا کرتے ہو تو (گویا) مکھن (حاصل کرنے) کے لئے دہی متھتے ہو)

خلق را گیرم کہ بفریبی تمام   در غلط اندازی تا ہر خاص و عام

(میں نے مانا کہ ساری مخلوق کو فریب دے دوگے اور ہر خاص و عام کو غلطی میں ڈال دوگے)

کارہا با خلق آری جملہ راست   با خدا تزویر و حیلہ کے رواست

(اور مخلوق کے ساتھ تمام کام ٹھیک کرلوگے (لیکن) اللہ تعالیٰ کے ساتھ جھوٹ، فریب، مکر و حیلہ کیسے چل سکتا ہے)

کار با او راست باید داشتن   رایت اخلاص و صدق افراشتن

(لہٰذا اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ صحیح اور درست رکھنا چاہئے اور سچائی اور اخلاص کا جھنڈا بلند کرنا چاہیئے)

شرعی وضع کی ضرورت بھائیو! ان تاویلات و توجیہات کو چھوڑنا چاہئے صدق و خلوص سے کام لینا چاہئے اہل رسم کے اتباع کی حاجت نہیں اپنا نیک و بد خود سمجھنا چاہئے آپ لوگ اہل علم ہیں جاہل اور عوام نہیں ہیں اَلْعَاقِلُ تَکْفِیْہِ الْاِشَارَۃ (عقلمند کے لئے اشارہ کافی ہے) اگر ہم لوگ فکر صحیح سے کام لیں تو دیکھیں گے کہ ہم لوگوں کے ضمیر میں ضرور تفاخر ہے الا ما شاء اللہ کوئی فرمایا چکا جو اس

وبا عام میں مبتلا ہو رفتار میں تفاخر، گفتار میں تفاخر، نشست و برخاست میں تفاخر، معاشرت و معاملہ میں تفاخر، خوراک پوشاک میں تفاخر، محض تفاخر و ریار کے لئے قیمتی گراں بہا لباس پہنا جاتا ہے۔ روٹی تو کھاویں مسجدوں کی خرچ کریں زکوٰۃ وغیرہ کا مال، مگر لباس قیمتی ہی ہوگا گو قرض لیکر ہو مگر شان میں فرق نہ آئے یہ تو اچھا خاصا لباس زیور ہے (عورت کا لباس) ہر کپڑے میں یکتائی سوجھتی ہے۔ رضائی کے لئے چھینٹ لیں گے جو محلہ بھر میں بھی کسی کے پاس نہ ہو بلکہ شہر بھر میں بھی کسی کے پاس نہ ہو اور گو ہو چھینٹ لیکن مخمل نما ہو پھر مشورے ہوتے ہیں کہ اسکو گوٹ کیسی خوبصورت رہے گی! مغزی کیسی خوشنما معلوم ہوگی؟ استر کیسا ہونا چاہئے؟ کرتا ہے وہ ایسا ہی، ٹوپی ہے وہ ایسی ہی، یہ تو وہ لوگ ہیں جو اپنی شان کے موافق شرعی لباس پہنتے ہیں، وضع علماء کی اختیار کرتے ہیں مگر اس میں تفاخر برتتے ہیں اور بعض حضرات طلبہ مزید برآں نئے فیشن پر مٹے ہوئے ہیں۔ ٹوپی دیکھئے تو ترکی، پاجامہ، پتلون، اچکن، شیروانی، جوتا ہمیشہ گرگابی کا زنگھائی لگی ہوئی ہے جو کہ فی الحقیقت ناک کٹائی ہے، نام ہی بڑا خوبصورت ہے مگر لوگ ان پر مرے ہوئے ہیں بعض دفعہ لباس قیمتی نہیں ہوتا لیکن اسکو اس طرز سے تراشا جاتا ہے اور ایسے طور پر سلوایا جاتا ہے جس سے بہت قیمتی معلوم ہو دیکھنے والا یہ سمجھے کہ یہ طالب علم نہیں کوئی نواب صاحب ہیں یا کوئی امیرزادے ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ میلے کچیلے رہو اپنے لباس اور بدن کو پاک و صاف نہ رکھو بلکہ یہ کہتا ہوں کہ اپنی حیثیت سے نہ بڑھو جتنی چادر ہے اتنے ہی پیر پھیلاؤ اپنی وسعت کا خیال رکھو علمی و شرعی وضع کو نہ چھوڑو۔ کتنی شرم کی بات ہے کہ تم عالم ہو کر جاہلوں کا اتباع کرو انکی تقلید کرو چاہئے تو یہ تھا کہ جاہل تمھاری تقلید کرتے تم تو الٹا امام و مقتدا بن جائیں یوں تاویلیں توجیہیں کرکے نہ مانو تو اسکا علاج تو کچھ نہیں۔ ذرا

تم غور کرو خوض وعقل سے کام تو لو کہ تم نے یہ طریقہ کہاں سے اخذ کیا ہے
ظاہر ہے کہ اسکو تم نے اہل باطل سے سیکھا ہے اس لباس میں کفار کو اپنا
پیشوا بنایا ہے اس سے مقصد بجز تفاخر اور ریا وغیرہ کے اور کوئی دوسری
چیز نہیں ہے علاوہ ازیں جس وضع کو تم نے دوسروں سے لیا ہے وہ تمھارے
تحمل سے بھی باہر ہے اور عقلاً و شرعاً انسان کو وہ کام کرنا چاہئے جسکی برداشت
وتحمل کر سکے۔ تجمل بقدر تحمل ہونا چاہئے میں تمکو ایک معیار وقاعدہ بتاتا ہوں
اس سے اس وضع کے جواز وعدم جواز کا اندازہ کرلیا کرو کہ قیمتی وخوش وضع
لباس پہننے کے بعد تمھارے قلب میں کچھ تغیر وتبدل ہوتا ہے کچھ عجب و فخر
معلوم ہوتا ہے یا نہیں اگر تمھاری حالت ویسے ہی ہے جیسے پہلے تھی بیشک
قیمتی وخوش وضع لباس میں کچھ حرج نہیں ہے بشرطیکہ اور کوئی شرعی مانع نہو
اور اگر کچھ خودداری وعجب کی بو آئے تو حرام۔ باقی وہ وضع ہر حال میں حرام
رہے گی جو کفار سے اخذ کی گئی ہے کیونکہ اس میں منشا، حرمت صرف تفاخر
نہیں بلکہ تشبہ بھی علت ہے پس صرف تفاخر کی نفی سے حرمت کا انتفاء
نہ ہوگا جبکہ دوسری علت باقی ہے۔ نیز ہر وقت لباس کی فکر ویسے بھی تو
مضر ہے جو شخص ہر وقت اسی دھن میں رہتا ہے وہ کسی کام کا نہیں رہتا
ایک حکیم فرماتے ہیں ؎

عاقبت سازد ترا از دیں بری ایں تن آرائی وایں تن پروری

(انجام کار تجھ کو دین سے بیزار کردیگی یہ تیری بدن کی آرائش اور تن پروری
اور راحت طلبی)

حضرات آپ کا کمال آپ کا جمال تو صرف علم وعمل ہے اسکا خیال
رکھئے اس میں مشغول ہوجائیے، اس لباس سے زینت حاصل کیجئے وَفِي ذٰلِكَ
فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُونَ (اور ایسی ہی چیز کی حرص کرنی چاہئے حرص کرنیوالوں کو)
آپکو علم وعمل کے ہوتے ہوئے کسی دوسری شے کی ایسی احتیاج

نہیں ہے جس کیلئے تشویش و ذلت میں مبتلا ہوں اسکا حصول تمام اشیاء سے مستغنی و بے نیاز کر دیتا ہے کسی امر کی ضرورت نہیں رہتی ؎

زعشق ناتمام ما جمال یار مستغنی است بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبا را

(ہمارے ناتمام عشق سے دوست کا حسن و جمال بے نیاز ہے اسلئے کہ حسین چہرہ کے لئے آب رنگ خط و خال (بناؤ سنگار) کی ضرورت نہیں ہوتی)

نباشد اہل باطن درپئے آرائش ظاہر بہ نقاش احتیاجے نیست دیوار گلستاں را

(صاحب باطن اپنا ظاہر سنوارنے کے درپے نہیں رہتے کیونکہ چمن کی دیوار کو نقاش اور اسکی تزئین کی حاجت نہیں ہوتی)

بس ان زنانے پن کی زینت کو چھوڑنا چاہیئے سادگی سے بود و باش کرنا چاہیئے ؎

غرض از جامہ دفع حر و برد است ندارد میل زینت ہر کہ مرد است

(کپڑا پہننے کا مقصد صرف گرمی و سردی کا دفع کرنا ہے، مردوں کو بناؤ سنگار کا شوق ہی نہیں ہوتا)

علامت ایمان حدیث میں ہے کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اَلْبَذَاذَةُ مِنَ الْاِیْمَان ، یعنی سادگی سے رہنا ایمان کی علامت ہے۔ آپ لوگ مقتدا ہیں نائب رسول ہیں آپ اگر اس فیشن کے لباس وضع کو اختیار کریں گے تو عوام کا کیا حال ہوگا وہ تو اچھے خاصے انگریز ہی ہو جائیں گے۔

بنیم بیضہ کہ سلطاں ستم روا دارد زنند لشکریانش ہزار مرغ بسیخ

(آدھے انڈے کے برابر بھی اگر بادشاہ ظلم جائز رکھے گا تو اس کے سپاہی ہزار مرغ سیخ پر لگا دیں گے)

عوام اس سے غفلت میں پڑ جائیں گے اور انکو آپ پر حق احتجاج حاصل ہوگا۔ اور اس سب کا وبال آپ لوگوں کی گردن پر ہوگا۔ دیکھیئے حدیث میں قصہ

آتا ہے کہ کوئی خلیفہ باریک کپڑے پہنکر خطبۂ جمعہ کو آئے ایک صحابی نے فوراً اعتراض کیا کہ اُنْظُرُوْا اِلٰی اَمِیْرِنَا هٰذَا یَلْبَسُ لِبَاسَ الْفُسَّاقِ (ہمارے اس امیر کو دیکھو کہ وہ فساق و فجار کا لباس پہنے ہوئے ہے) دیکھئے خلیفۃ المسلمین کو محض باریک کپڑے پہننے پر جو اس وقت شعار اوباش کا تھا مجمع عام میں کیسا ٹانڑا گیا حدیث شریف میں جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (جو کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کرے گا وہ انھیں میں شمار ہوگا) اور ظاہر ہے کہ اگر آپ کا طریقہ زینت یا فیشن کا اہل کفر یا اہل غفلت سے ماخوذ ہوگا تو آپ بھی ان ہی میں شمار ہونگے، طلبار کے لئے یہ لباس ہرگز شایان نہیں اس سے علم کی ناشکری بیعتدری ہوتی ہے خصوصاً طالب علمی کی حالت میں تو بالکل فقرار و مساکین کی طرح سادہ لباس سادہ مزاج رہنا چاہئے میں قیمتی لباس سے منع نہیں کرتا خدا تعالےٰ نے جسکو دیا ہے وہ پہننے میں ترفع و تفاخر سے روکتا ہوں۔ باقی جن لوگوں میں یہ تفاخر اور بڑائی کا مادہ نہو وہ کیسا ہی بڑھیا لباس پہنیں جب بھی ان کی طالب علمی کی شان میں ضرر رساں نہیں ہوتا کیونکہ وہ بڑھیا لباس میں بھی ایسے الول جلول رہتے ہیں کہ صورت سے آثار طالب علمی صاف نظر آتے ہیں اور جو لوگ زینت و وضع کی فکر میں رہتے ہیں یا نئے فیشن کو اختیار کرتے ہیں انکی صورت پر طالب علمی کی شان نہیں ہوتی، بلکہ افسوس سے کہا جاتا ہے کہ آجکل اس طرز و وضع کو اس لئے اختیار کیا جاتا ہے کہ کہیں لوگ طالب علم نہ سمجھ لیں گویا یہ چاہتے ہیں کہ عوام ہمکو زمرۂ طلبہ سے علحدہ سمجھیں یا ایک شاندار و ممتاز طالب علم تصور کریں اور تاویل یہ کرتے ہیں کہ جہلار اور عوام کی نظروں میں ذلیل نہ ہوں، صاحبو! ذرا گریبان میں منہ ڈالکر دیکھو کہ یہ کیسی عزت ہے جس کے عزت ہونے پر اہل جہل کی نظر سے استدلال کیا جاتا ہے اس جہالت کا بھی کوئی ٹھکانا ہے عزت تو وہ ہے جس کو اہل نظر عزت کہیں۔

(جاری)

انگوٹھے چومنا کیوں بدعت ہے

آپ نے مسجد سے اذان کی آواز سنی اور اذان کے اندر جب اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ سنا آپ کے دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا داعیہ پیدا ہوا اور محبت سے بے اختیار ہو کر آپ نے انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے لگا لئے تو بذات خود یہ عمل کوئی گناہ اور بدعت نہیں اسلئے کہ اس نے یہ عمل بے اختیار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں کیا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وعظمت ایک قابل تعریف چیز ہے اور ایمان کی علامت ہے اور انشاء اللہ اسی محبت پر اجر و ثواب ملے گا۔ لیکن اگر کوئی شخص ساری دنیا کے لوگوں سے یہ کہنا شروع کر دے کہ جب کبھی اذان میں اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّداً رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھا جائے تو تم سب اس وقت اپنے انگوٹھوں کو چوما کرو اس لئے کہ اس وقت انگوٹھوں کو چومنا مستحب یا سنت ہے اور جو شخص انگوٹھوں کو نہ چومے وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والا نہیں تو وہی عمل جو محبت کے جذبے سے بالکل جائز تھا اب بدعت بن گیا اس میں باریک فرق ہے کہ اگر یہ جائز عمل صحیح جذبے سے کیا جا رہا ہے اور اس میں خود ساختہ کوئی قید نہیں ہے تو وہ بدعت نہیں ہے اور جب اسی عمل کو اپنے اوپر لازم کر لیا اسکو سنت سمجھ لیا اور اگر کوئی دوسرا شخص وہ عمل نہ کرے تو اس کو مطعون کرنا شروع کر دیا بس وہی عمل بدعت بن جائے گا۔

یا رسول اللہ کہنا کب بدعت ہے؟

میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ ایک شخص کے سامنے کسی مجلس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا نام گرامی آیا اور اسکو بے اختیار یہ تصور آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سامنے موجود ہیں اور اس نے یہ تصور کر کے کہدیا اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اور حاضر ناظر کا عقیدہ اسکے دل میں نہیں تھا بلکہ جس طرح ایک آدمی غائب چیز کا تصور کر لیتا ہے کہ یہ چیز میرے سامنے موجود

ہے تو اس تصور کرنے میں اور یہ الفاظ کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں۔

لیکن اگر کوئی شخص یہ الفاظ اس عقیدے کے ساتھ کہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہاں پر اسی طرح حاظر ناظر ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہیں تو یہ شرک ہو جائے گا۔ معاذ اللہ۔ اور اگر اس عقیدے کے ساتھ تو نہیں کہے لیکن یہ سوچا کہ الصَّلوٰۃ والسَّلام علیک یا رَسولَ اللہ کہنا سنت ہے اور اس طرح درود پڑھنا ضروری ہے اور جو شخص اس طرح یہ الفاظ نہ کہے گویا اس کے دل میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں تو پھر یہی عمل بدعت ضلالت اور گمراہی ہے۔

عمل کا ذرا سا فرق

لہٰذا عقیدے اور عمل کے ذرا سے فرق سے ایک جائز چیز ناجائز اور بدعت بن جاتی ہے۔ آپ جتنی بدعتیں دیکھیں گے ان میں سے اکثر ایسی ہیں جو بذات خود مباح تھیں اور جائز تھیں لیکن جب اسے فرض کی طرح لازم کرلیا گیا تو اس سے وہ بدعت بن گئیں

عید کے روز گلے ملنا کب بدعت ہے

عید کے دن آپ نے عید کی نماز پڑھی اور عید کی نماز کے بعد دو مسلمان بھائیوں نے خوشی کے جذبہ میں آکر آپس میں ایک دوسرے سے گلے مل لئے تو اصلاً گلے ملنا کوئی ناجائز فعل نہیں یا مثلاً آپ ابھی یہاں مجلس سے اٹھیں اور کسی سے گلے مل لیں تو کوئی گناہ کی بات نہیں جائز ہے لیکن اگر کوئی شخص یہ سوچے کہ عید کی نماز کے بعد گلے ملنا عید کی سنت ہے اور یہ بھی عید کی نماز کا حصہ ہے اور جب تک گلے نہیں ملیں گے اس وقت تک عید نہیں ہوگی تو یہی عمل اس وقت بدعت بن جائے گا اس لئے کہ ایک ایسی چیز کو سنت قرار دیا جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت قرار نہیں دیا اور صحابہ کرامؓ نے اسے نہ سنت قرار دیا اور نہ اسکی پابندی کی، اب اگر کوئی شخص گلے ملنے سے انکار کرد

کہ میں تو نہیں ملتا اور آپ اس سے کہیں کہ آج عید کا دن ہے کیوں گلے نہیں ملتے؟ اسکا مطلب یہ ہے کہ آپ نے عید کے دن گلے ملنے کو لازمی قرار دیدیا اور از خود لازمی قرار دے لینا ہی اسکو بدعت بنا دیتا ہے۔ لیکن ویسے ہی اتفاقی طور پر گلے ملنے کو دل چاہا اور گلے مل لئے تو یہ بذات خود بدعت نہیں۔

بہرحال! کسی بھی مباح عمل کو لازم قرار دینے یا اسکو سنت یا واجب قرار دینے سے وہ بدعت بن جاتی ہے۔

کیا "تبلیغی نصاب" پڑھنا بدعت ہے؟

ایک صاحب مجھ سے پوچھنے لگے کہ یہ تبلیغی جماعت والے تبلیغی نصاب پڑھتے ہیں اور لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور صحابہ کرام کے زمانے میں تبلیغی نصاب کون پڑھتا تھا اور خلفائے راشدین کے زمانے میں کون پڑھتا تھا؟ لہٰذا یہ تبلیغی نصاب پڑھنا بھی بدعت ہوگیا لیکن میں نے آپ کے سامنے جو تفصیل بیان کی اس سے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ علم اور دین کی بات کہنا اور اسکی تبلیغ کرنا ہر وقت اور ہر آن جائز ہے۔ مثلاً ہم اور آپ جمعہ کے روز عصر کے بعد یہاں جمع ہوتے ہیں اور دین کی بات سنتے اور سناتے ہیں اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضور کے زمانے میں تو ایسا نہیں ہوتا تھا کہ لوگ خاص طور پر جمعہ کے روز عصر کے بعد جمع ہوتے ہوں اور پھر ان کے سامنے دین کی بات کی جاتی ہو لہٰذا یہ ہمارا جمع ہونا بھی بدعت ہے، خوب سمجھ لیجئے کہ یہ اس لئے بدعت نہیں کہ دین کی تعلیم و تبلیغ ہر وقت اور ہر آن جائز ہے لیکن اگر ہم میں سے کوئی شخص یہ کہنے لگے کہ جمعہ کے دن عصر کے بعد مسجد بیت المکرم ہی میں یہ اجتماع مسنون ہے اور اگر کوئی شخص اس اجتماع میں شریک نہ ہو تو اسکو دین کا شوق نہیں ہے اسکے دل میں دین کی محبت و عظمت نہیں ہے اس لئے کہ بیت المکرم میں جمعہ کے دن نہیں آتا تو اس صورت میں

یہی اجتماع کا عمل جو ہم آپ کر رہے ہیں بدعت بن جائیگا۔ اللہ تعالےٰ محفوظ رکھے۔ اب ایک آدمی یہاں آنے کے بجائے کسی دوسری جگہ پر چلا جاتا ہے اور وہاں جاکر دین کی باتیں سن لیتا ہے تو وہ بھی ثواب کا کام کر رہا ہے اب اگر کوئی اس شخص سے کہے کہ بیت المکرم ہی میں دین کی باتیں سننے کے لئے آئے اور جمعہ کے دن ہی آئے اور عصر کے بعد ہی آئے اور بیان بھی فلاں شخص ہی کا ہو تو اس صورت میں یہی عمل بدعت بن جائیگا۔

اسی طرح لوگ تبلیغی نصاب پڑھتے ہیں اور دینی اعمال کی فضیلتیں سناتے ہیں یہ بڑے ثواب کا کام ہے اب اگر کوئی اسکو متعین کرے کہ تبلیغی نصاب ہی پڑھنا ضروری ہے اور یہی سنت ہے اور اس کے علاوہ اگر کوئی دوسری کتاب پڑھی جائیگی تو وہ مقبول نہیں تو اس صورت میں یہ تبلیغی نصاب پڑھنا بھی بدعت بن جائے گا۔ لہٰذا کسی بھی عمل مباح کو یا اجر و ثواب والے عمل کو خاص وقت اور خاص حالات کے ساتھ مربوط کر کے لازم قرار دیا جائے تو وہی بدعت بن جاتا ہے۔

سیرت کے بیان کے لئے خاص طریقہ مقرر کرنا

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان کرنا کتنے اجر و فضیلت کا کام ہے وہ لمحات جس میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کسی بھی حیثیت سے ہو وہ حاصل زندگی ہے ؎

اوقات ہماں بود کہ با یار بسر کرد

حقیقت میں قابلِ قدر اوقات تو وہی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر میں صرف ہو جائیں۔ لیکن اگر کوئی شخص اسکے لئے کوئی خاص طریقہ متعین کردے، خاص دن متعین کرے۔ خاص مجلس متعین کرلے اور یہ کہے کہ اس خاص دن اور صورت ہی میں اجر و ثواب منحصر ہے تو یہی قیود ات اس جائز اور مبارک عمل کو بدعت بنا دیں گی۔

درود شریف پڑھنا بھی بدعت بن جائیگا

اسکی آسان سی مثال سمجھئے نماز میں التحیات پڑھنے کے بعد درود شریف پڑھنے کی تلقین کی گئی ہے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ یہ درود شریف پڑھنا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھا دیا اسکو پڑھنا جائز اور مسنون ہے اب اگر کوئی شخص دوسرا درود شریف پڑھے جس کے الفاظ اس سے مختلف ہوں مثلاً اللھم صل علی محمد النبی الامی و علی الہ و صحبہ و بارک وسلم پڑھے تو یہ بھی جائز ہے کوئی گناہ نہیں اور درود شریف پڑھنے کی سنت ادا ہو جائے گی لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ وہ درود شریف نہ پڑھو بلکہ یہ دوسرا والا درود شریف پڑھو اور یہی پڑھنا سنت ہے تو اس صورت میں درود شریف پڑھنا جو بڑی فضیلت والا عمل تھا بدعت بن جائے گا۔

دنیا کی کوئی طاقت اس کو سنت نہیں قرار دے سکتی

خوب سمجھ لیجئے کہ لوگوں نے بدعت کی قسمیں نکال لی ہیں کہ ایک بدعت حسنہ ہوتی ہے اور ایک بدعت سیئہ ہوتی ہے ایک اچھی ہوتی ہے ایک بری ہوتی ہے یاد رکھو بدعت کوئی حسنہ نہیں کوئی بدعت اچھی نہیں جو طریقہ نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اور حضرات خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ضروری قرار نہیں دیا اور سنت قرار نہیں دیا، مستحب قرار نہیں دیا دنیا کی کوئی طاقت اسکو واجب، سنت اور مستحب قرار نہیں دے سکتی، اگر کوئی ایسا کرے گا تو وہ ضلالت اور گمراہی ہوگی اسلئے کہ اسکا مطلب یہ ہوگا کہ اصحاب کرام دین کو اتنا نہیں سمجھتے تھے جتنا ہم سمجھتے ہیں

ایک عجیب کہاوت

میرے والد ماجد قدس اللہ سرہ ہندی زبان کی

ایک کہاوت سنایا کرتے تھے کہ "بنئے سے سیانا سو باؤلا" ہندو بنئے تاجر ہوا کرتے تھے اور ان کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ یہ ہندو بنیا تجارت اور اور پیسے بڑھانے میں بہت سیانا، چالاک اور ہوشیار ہوتا ہے تو ان کے بارے میں یہ کہاوت مشہور تھی کہ "بنئے سے سیانا سو باؤلا" یعنی اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں تجارت اور پیسے بڑھانے میں بنئے سے زیادہ سیانا ہوں وہ درحقیقت باؤلا اور پاگل ہے بے وقوف اور احمق ہے اس لئے کہ کاروباری معاملات میں تجربہ یہ ہے کہ برصغیر میں بنئے سے زیادہ سیانا کوئی نہیں، اس کہاوت سے حضرت والد صاحب قدس اللہ سرہٗ یہ نتیجہ نکالا کرتے تھے کہ اصحاب کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین دین کے سیانے تھے اب اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں دین میں ان سے زیادہ سیانا ہوں یعنی جن کاموں کو انھوں نے ضروری اور لازم قرار نہیں دیا میں انکو لازم اور ضروری قرار دیتا ہوں تو حقیقت میں وہ باؤلا، بے وقوف اور احمق ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ بعض نئی چیزیں تو وہ ہوتی ہیں جن کو کوئی بھی شخص دین کا حصہ نہیں سمجھتا مثلاً یہ پنکھا، یہ لائٹ، ٹرین، ہوائی جہاز وغیرہ یہ چیزیں اسلئے بدعت نہیں ہیں کہ انکو کوئی بھی دین کا حصہ اور لازم اور ضروری نہیں سمجھتا اور دین کے جن کاموں کو انجام دینے کا اللہ اور اللہ کے رسول نے کوئی خاص طریقہ نہیں بتلایا ان کاموں کو جسطرح چاہیں انجام دے سکتے ہیں لیکن اگر ان کاموں کے لئے اپنی طرف سے کوئی خاص طریقہ نہیں بتلایا ان کاموں کو جس طرح چاہیں انجام دے سکتے ہیں لیکن اگر ان کاموں کے لئے اپنی طرف سے کوئی خاص طریقہ مقرر کر لیا جائے اور اسی طریقہ کو لازم اور ضروری قرار دیدیا جائے تو وہ بدعت بن جائے گا۔ یہ بات اگر ذہن میں رہے تو اس سلسلہ میں پیدا ہونے والے تمام شبہات دور ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بدعت سے اجتناب کی توفیق عطا فرمائے اور دین کی صحیح فہم عطا فرمائے۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

ذکر و فکر اور مقام شکر

فرمایا ہمکو ذکر اللہ کی عادت ڈالنی چاہیئے پھر اصل ذکر تو قلب ہی سے ہونا چاہیئے لیکن پہلے زبان ہی سے کرتے رہیں پھر ذکر لسانی کرتے کرتے کبھی دل تک بھی اسکے اثرات کی ایک دفعہ لہر پہنچ جاتی ہے اور ذکر قلبی کی دولت بھی رفتہ رفتہ میسر ہونے لگتی ہے جب ذکر لسانی کے ساتھ ذکر قلبی بھی جاری ہو جاتا ہے تو پھر تمام عالم امکان ہمارے لئے ذکر قلبی کا محرک اور باعث بن جاتا ہے جس طرح تسبیح مذکر ہے ذکر لسانی کے لئے اسی طرح اس کائنات کی ایک ایک شے ذکر قلبی کے لئے مذکر ہو جاتی ہے اور ہمارے تمام امور زندگی معاملات، معاشرت اور سانحات و حوادث اور سامان عیش و راحت غرضیکہ گرد و پیش کی تمام چیزیں ذکر قلبی کی فضا میں مظاہر تجلیات الٰہیہ بن جاتی ہیں کیونکہ یُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ ذکر قلبی دعوت فکر دیتا ہے احساس فکر اور تقاضائے فکر پیدا کرتا ہے بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ فکر و تدبر کا مادہ جو خوابیدہ اور چھپا ہوا تھا اسکو ابھار دیتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات کے تمام مظاہر ہمارے لئے اپنی طرف متوجہ کرنے کے واسطے پیدا فرمائے ہیں، جو لوگ دائماً ذکر و فکر میں محو رہتے ہیں بے ساختہ اقرار کرتے ہیں رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا کہ اے رب آپ نے کوئی شے بیکار نہیں پیدا فرمائی اسی طرح ہمارے حالات زندگی کسی نوعیت کے ہوں خوشگوار یا ناخوشگوار سب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور انکے اندر جو حکمت و مصلحت ہے وہ سراسر ہمارے لئے رحمت ہی رحمت ہے۔ تجلی جمال بھی ہمارے لئے اور تجلی جلال بھی ہمارے لئے۔ ان دونوں کے بغیر معرفت کی تکمیل نہیں ہوتی شکر سے بھی معرفت پیدا ہوگی اور صبر سے بھی اور معرفت سے محبت الٰہیہ حاصل ہوگی۔ یہ محبت کی گرویدگی کس نے پیدا کردی انھیں گرم و سرد اور تلخ و شیریں حالات زندگی نے جبکہ ہم نے انکو منجانب اللہ سمجھکر ان پر صبر کیا یا شکر ادا کیا اور یہ صبر و شکر بھی اپنے اپنے مقام پر ذکر اللہ ہی کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہ عیش و نشاط، یہ رنج و غم اور زندگی کے نشیب و فراز سب انھیں

کی رحمت کے عنوانات ہیں اور رب العٰلمین کے ذکر مع الشکر سے معمور رہیں سے

کوئی جو ناشناس ادا ہو تو کیا علاج
انکی نوازشوں میں تو کوئی کمی نہیں

بس کچھ دن دیوانوں کی طرح یہی رٹ لگانی چاہئے کہ یہ سب کچھ میرے لئے ہے۔ عالم کائنات ہے اور میں ہوں جو کچھ ہو رہا ہے سب میرے لئے ہو رہا ہے ہر چیز اللہ تعالیٰ نے میرے لئے پیدا کی ہے۔ زندگی کے لمحات کہہ رہے ہیں کہ ہم بھی موجود اور تم بھی موجود، اپنا لو ہم کو یہی ہمارا مصرف ہے۔ یہ لمحات اللہ تعالیٰ نے میرے لئے پیدا کئے ہیں اور اپنے تعلق اور معرفت کے لئے عطا کئے ہیں اَللّٰھُمَّ لَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ۔

سورج طلوع ہو رہا ہے میرے لئے آج کائنات کو حیات نو عطا کی جا رہی ہے میرے وجود کیلئے میرے ہزاروں تقاضے پوری کرنے والی اور اللہ کی طرف متوجہ کرنے والی چیزیں موجود ہیں یہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے پیدا کی ہیں اسکی ذرا جھلک آئی اور شکر ادا کر لیا، آتے آتے یہ جھلکیاں تند و تیز ہو جائیں گی اور آپ اپنے آپ کو انعامات الٰہیہ میں ڈوبا ہوا پائیں گے ان جھلکیوں کو پیدا کرنے کے لئے اپنی زندگی میں چند لمحات ضرور نکال لیجئے۔

اہل اللہ کی صحبتوں سے اور استحضار انعامات الٰہیہ سے قلب کی صلاحیتیں درست ہوتی ہیں، ادراکات و احساسات بیدار ہوتے ہیں۔ عالم موجودات میں یوں تو لاکھوں چیزیں یادو ہانی کے لئے موجود ہیں اگر ان میں سے چند کا شکر بھی ادا کرو گے کامیاب ہو جاؤ گے اور جس روز اس مراقبہ میں بار جاؤ گے اسی روز دروازہ معرفت کا کھل جائے گا پکار اٹھو اے اللہ میں تو ان انعامات و احسانات کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اے اللہ تو توفیق عطا فرما کہ میں آپکی رضا کیلئے صحیح طور پر آپ کے انعامات و احسانات کی قدر دانی کے ساتھ یہ چیزیں استعمال کروں۔ اے اللہ! مجھے اپنا شکر گزار اور فرماں بردار بندہ بنا لیجئے یہی حاصل ہے طریق کا اور یہی ثمرہ ہے ذکر و فکر کا۔ وَفِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ

حامل مضامین تصوف و عرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

شمارہ ۸ ربیع الاول ۱۴۱۶ھ مطابق اگست ۱۹۹۵ء - جلد ۱۸

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ سالانہ زر تعاون ستر روپیہ ششماہی پینتیس روپیہ

سالانہ بدلِ اشتراک: پاکستان سو روپیہ - غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ
مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار
الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر - پبلشر - صغیر حسن : اسرار کریمی پریس جانسن گنج - الہ آباد

علماء کے لیے شریعت کی حفاظت و صیانت نہایت ضروری ہے شریعت خدا کی طرف سے ہے سب اسکے پابند ہیں کوئی ہو عامی ہو کہ عالم ہو، اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا ثُمَّ جَعَلْنَاكَ عَلٰی شَرِيعَةٍ مِّنَ الْأَمْرِ فَاتَّبِعْهَا " پھر ہم نے آپکو دین کے ایک خاص راستہ پر کیا ہے پس آپ اسکا اتباع کیجیے "۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو شریعت کا علم سکھلایا ہی تھا صحابہ نے بھی اسکا اتباع کرکے دکھا دیا پھر بعد میں علمائے امت نے ہر زمانہ میں شریعت کا لحاظ رکھا۔ چنانچہ سب سے بڑا کمال انسان کا شریعت کی اتباع ہے۔ حضرت منصورؒ کا وہ کلمہ ظاہر شرع کے خلاف تھا اسی لئے حضرت جنیدؒ نے انکو روکا اور علماء نے انکے قتل کا فتویٰ دیا۔ اس واقعہ سے یہ بھی سبق ملا کہ شیخ کا تکدر مہلک ہوتا ہے۔ اور شریعت کا اتباع اسی وقت ہو سکے گا جب دماغ درست ہوگا یعنی آدمی اپنے قول فعل حال سب میں با ہوش ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں درجات اسی وقت ملیں گے جب کہ قلب میں اخلاص ہو اور جس طرح کہ مخلصین کی صحبت سے اخلاص حاصل ہوتا ہے اسی طرح سے انسان میں اخلاص پیدا کرنے کیلئے ان حضرات کا تذکرہ اور انکے حالات کا بیان بھی معین ہے۔

اب لوگ ہم سے پوچھتے ہیں کہ کیا بیان کریں کہ مسلمانوں پر اثر ہو، میں کہتا ہوں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حالات بیان کرو اور بزرگوں کے واقعات لوگوں کو سناؤ دیکھو انکے قلب میں حرکت پیدا ہوجاتی ہے یا نہیں۔ میں نے اپنے ایک مضمون میں لکھدیا ہے کہ ۔

" دین اصل میں نام ہے قلب کی حیات کا اور وہ حیات پیدا ہوتی ہے فکر آخرت سے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ظاہر دین یعنی نماز روزہ، وعظ و جلسہ، تعلیم و تعلم، مکتب و مدرسہ سب کچھ موجود ہے اور پہلے سے زیادہ موجود ہے لیکن اہل احساس سمجھ رہے ہیں کہ ان میں کچھ جان

باقی نہیں ہے صرف دین کی صورت رہ گئی ہے روح ختم ہو چکی ہے۔ اور یہ اسلئے کہ جس خطہ اور جس دیار میں کوئی اہل قلب اہل صلاح، اہل اصلاح نہ ہوگا تو وہاں لوگ باطن اور قلب سے متعلق امور کو کیا جانیں گے اور جب انکا علم ہی نہ ہوگا تو اسپر عمل کس طرح کریں گے؛ پھر جب عمل نہ ہوگا تو حال کیونکر پیدا ہوگا؛ بس صرف ظاہری نماز روزہ رہ جائے گا اور حقیقت اور روح کے اعتبار سے وہ جگہ فاسد ہو جائیگی اس اعتبار سے وہاں ضلالت اور گمراہی عام ہو جائے گی"

یہ اسلئے کہہ رہا ہوں کہ ہر جگہ پر ایک آدمی اور صاحب باطن کا رہنا ضروری ہے آج اسی کی طرف توجہ نہیں۔

(ملفوظ حضرت مصلح الامۃ)

"آجکل لوگوں نے دین کو صرف ظاہر میں منحصر کر لیا ہے لباس و صورت ظاہری دینداروں کی طرح بنا لیا۔ کچھ ظاہری عبادات نماز روزہ وغیرہ کر لیا اور سمجھے کہ ہم کامل دیندار ہو گئے حالانکہ انکا باطن بالکل فساق، فجار جیسا ہے۔ فاسقوں جیسے اخلاق، فاسقوں جیسے معاملات، انھیں جیسی گندی معاشرت اور پھر دیندار کے دیندار باطن کی اصلاح کی طرف آجکل لوگوں کو متوجہ کرنا مشکل ہے پہلے تو آدمی یہ کوشش کرتا ہے کہ مصلح پر ہمارا باطن ظاہر ہی نہو اور اگر اسنے اپنی فراست سے اسکے باطن کو سمجھ لیا تو اول وہلہ میں آدمی اسکا اقرار نہیں کرتا بلکہ نفس اس سے گریز کرتا ہے جب دلائل اور واقعات سے اور ایسے اقوال و افعال سے جو وقتاً فوقتاً اس شخص سے صادر ہوئے ہیں کوئی ثابت کرتا ہے کہ تمھارا باطن ایسا ہی ہے جیسا تشخیص کیا گیا ہے اس وقت کہیں جاکر وہ اصلاح کی طرف توجہ کرتا ہے"

اخلاص اور تصحیح نیت

فرمایا کہ یہ بخاری شریف ہے اس میں سب سے پہلی حدیث جو امام بخاریؒ نے بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے :-

فرماتے ہیں کہ : حدیث بیان کی ہم سے حمیدیؒ نے کہا کہ ہم سے بیان کیا سفیانؒ نے یحییٰ ابن سعید انصاریؒ سے انھوں نے کہا کہ خبر دی مجھے ابراہیم تیمیؒ نے کہ انھوں نے علقمہ ابن وقاص لیثی کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کو منبر پر یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا۔ فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آپ فرماتے تھے کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰی فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُھَا اَوْ اِلٰی امْرَأَۃٍ یَنْکِحُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ یعنی اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے اور ہر انسان کے لئے وہی چیز ہے جسکی وہ نیت کرے۔ پس جسکی ہجرت دنیا حاصل کرنے کیلئے ہے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کیلئے ہے تو اسکی ہجرت اسی کیلئے ہو جسکے لئے اس نے ہجرت کی ہے"

بخاری کی یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں بھی ہے لیکن وہاں کچھ الفاظ زائد ہیں یعنے اِنَّمَا لِکُلِّ امْرِئٍ مَا نَوٰی کے بعد اس میں یہ ہے فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَھِجْرَتُہٗ اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اور اسکے بعد وہی ہے کہ وَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلٰی دُنْیَا الخ یعنی اس میں یہ جزو زائد ہے کہ جس کی ہجرت اللہ اور اسکے رسول کے لئے ہے تو اسکی ہجرت اللہ اور اسکے رسول کے لئے ہے یعنی جس کی نیت اور قصد اپنی ہجرت سے اللہ اور رسول کی رضا ہے تو اسکی ہجرت صحیح اور مقبول ہے اور صحیح معنوں میں یہی شخص مہاجر الی اللہ ہے اور اپنی ہجرت میں مخلص ہے اسکا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اگرچہ

وہ راستہ ہی میں مرجائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ، اور جو شخص اپنے گھر سے اس نیت سے نکلا کہ اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کرے گا پھر اسکو موت آجائے تب بھی اسکا ثواب اللہ کے ذمہ ثابت ہو گیا ۔

مشکوٰۃ کے الفاظ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں پوری بات بیان کی گئی ہے یعنی پہلے فرمایا کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ یعنی اعمال کا دارومدار نیت پر ہے جیسی نیت ویسی برکت یعنی جو شخص جیسی نیت کرے گا ویسا ہی پھل پائے گا۔ اسی کو آگے فرمادیا کہ وَاِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰى پھر آگے اس اجمال کی تفسیر فرمائی کہ جسکی نیت اپنی ہجرت سے خیر کی ہوگی یعنی اس نے اللہ اور اس کے رسول کی خوشنودی کی خاطر ہجرت کی ہوگی تو اسکی ہجرت مقبول اور درست ہوگی اور وہ شخص مخلص سمجھا جائے گا۔ برخلاف اسکے جسکی نیت اپنی ہجرت سے کسی دنیوی غرض کی تحصیل ہوگی یا کسی عورت سے نکاح وغیرہ مقصود ہوگا تو اسکی ہجرت انھیں اغراض کی خاطر سمجھی جائیگی اور اللہ ورسول سے اسکا کچھ تعلق نہ ہوگا۔

(۳) حدیث میں لِدُنْيَا يُصِيبُهَا کے بعد اَوِامْرَاَةٍ يَّنْكِحُهَا کو جو ذکر فرمایا تو اس لئے کہ نکاح کے لئے ہجرت کئے جانے کا ایک خاص واقعہ پیش آگیا تھا ورنہ توظاہر ہے کہ وہ بھی ایک دنیاوی ہی غرض ہے جو پہلی شق میں داخل ہے مگر خصوصیت کے ساتھ اس لئے ذکر کیا کہ حدیث کے بیان کرنے کا سبب وہی واقعہ بنا۔ وہ واقعہ یہ ہے :-

عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے درمیان ایک شخص تھا جس نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا اس عورت کا نام ام قیسؓ تھا اس نے نکاح کی شرط ہجرت لگائی چنانچہ اس نے ہجرت کی اور نکاح کیا عبداللہ ابن

ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد سے ہم لوگ اسکو مہاجر ام قیس کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اعمال کی مقبولیت کے لئے اخلاص شرط ہے۔ ہجرت بھی ایک عمل ہے یہ دنیا کے لئے بھی ہوتی ہے اور اللہ کے لئے بھی۔ علماء نے فرمایا ہے کہ دیکھو! یہاں ان صحابیؓ نے نکاح کے لئے ہجرت کی تھی جو کہ سنت ہے اس کے باوجود انکی ہجرت کو خالص نہیں کہا گیا اسی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ اگر کسی اور دنیوی غرض کی آمیزش ہو جائے تو کسقدر اللہ اور رسول کے منشار سے دور ہوگا۔

امام بخاریؒ نے تفصیل میں فَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ والے حصہ کو بیان نہیں فرمایا اس کے متعلق علماء پریشان ہیں کہ یہ کیا ہوا؟ کیوں نہیں بیان کیا؟ کسی نے کہا امام بخاریؒ بھول گئے لیکن یہ بات نہیں ہے، امام بخاری بھولے نہیں کتنے بھولے ہوؤں کو تو انھوں نے راستہ بتایا ہے اور خود ہی بھول جائیں گے اور وہ بھی کتاب شروع کرتے ہی اور پہلی ہی حدیث میں، یہ نہیں ہوا بلکہ انھوں نے اپنے نفس کو مخاطب کر کے اخلاص فی النِّیَّۃ (نیت میں صدق و خلوص اختیار کرنے) کیجانب اسکو متوجہ کیا، وہ اس طرح کہ اپنے پیش نظر اسے کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جمع کرنے کا مسئلہ ایک عظیم الشان مسئلہ ہے اس میں بھی نیت درست کرنے کی سخت ضرورت ہے باقی یہ کہ میری نیت اپنے اس فعل سے اللہ اور رسول کی رضا ہے اسکا دعویٰ آسان نہیں ہے اس لئے جس جملے سے اس کا اظہار ہوتا تھا اسکو ہی حذف کر دیا اور نفس کو تنبیہ کرنے کے لئے غیر اخلاص والی شق کو بیان کیا تاکہ یہی سامنے رہے اور اپنے کو اس سے بچانے کی فکر رہے۔

علماء کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے اس عنوان کے ذریعہ کسر نفسی اور تواضع

اختیار کی یعنی انھوں نے اپنے نفس کو دنیا داروں میں شامل کر کے اسی شق
کو بیان کیا کہ میں بھلا ایسا کہاں کہ میری نیت اللہ و رسول کی خالص خوشنودی
ہوتی اس لئے کہ نفس کے شر اور کید سے میں بھی مامون نہیں ہوں چنانچہ میں نے جو
یہ کام کیا تو ہو سکتا ہے کہ نفس نے بھی اپنا حصہ اس سے لے لیا ہو! اس لئے
میرے مناسب حال تو حدیث شریف کا یہی جزو ہے کہ جس کی نیت ہجرت سے
دنیا کی تحصیل یا عورت سے نکاح وغیرہ ہوگا تو اسکی ہجرت اسی کے لئے ہے جس
نیت سے اس نے ہجرت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے ۔

میں کہتا ہوں امام بخاری نے طلبۂ علم پر یہ احسان عظیم فرمایا کہ ابتداء
ہی میں تصحیح نیت پر انکو تنبیہ فرمادی اور یہ بتا دیا کہ آدمی کو دعویٰ اور اپنا
تزکیہ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ نفس کی جانب سے ہر وقت ڈرتے ہی رہنا چاہیئے
اور اس کو متہم ہی سمجھنا چاہیئے کہ یہی راہ اعتدال ہے ۔ حضرت مولاناؒ سے
سنا فرماتے تھے کہ پڑھنے میں اگر آدمی اچھی نیت نہ کرے تو ہو سکتا ہے اسکو
استعداد ہو جائے مگر اللہ کے لئے وہ عمل نہ ہونے کی وجہ سے برکت سے خالی
ہوگا ۔

امام بخاریؒ نے یہ خیال کیا کہ حدیث کا پہلا جملہ ہم جیسوں کے لئے نہیں
ہے بلکہ صحابۂ کرام کے لئے تھا وہی اس نیت کے اہل تھے اور دوسرا جملہ
ہم لوگوں کے لئے ہے ۔ اس خیال سے اس قدر خوف پیش نظر ہوا کہ پہلا جملہ
لکھنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی ۔ غرض اس حدیث میں تصحیح نیت کی ترغیب ہے
کیونکہ نیت شرع میں ارادہ کا نام نہیں ہے بلکہ کسی فعل کی جو غایت (غرض مقصد) ہونی
چاہیئے شریعت میں اسکو نیت کہا جاتا ہے ۔ پس اللہ تعالیٰ کی رضا یہ غایت
ہے علم کی اور عمل کی نیت سے یہاں یہی مراد ہے کہ کسی کام کو اللہ تعالیٰ کیلئے
کرنا ، اس نیت میں اور فلسفی ارادہ میں فرق ہے ۔ شرعی نیت چونکہ غایت
(اور غرض و مقصد کے معنی میں ہے اس لئے تصور (اور وجود ذہنی) میں تو یہ

مقدم ہوگی لیکن حصول اسکا بعد میں ہوگا اور فلسفی جسے نیت وارادہ کہتے ہیں اسکا تحقق فعل سے پہلے ہوتا ہے بدون اسکے فعل وجود میں آ ہی نہیں سکتا اسی لئے یہ لوگ کہتے ہیں کہ عاقل بالغ کا ہر فعل مسبوق بالارادہ (یعنی ارادہ کے بعد) ہوتا ہے اور شرعی نیت بھی اگرچہ تصور میں مقدم ہوتی ہے کیونکہ وہی عمل کی محرک ہوتی ہے لیکن ظہوراً اسکا بعد میں ہوتا ہے۔ یہ ہے فرق شرعی نیت اور فلسفی ارادے میں۔

اس کے بعد راقم سے فرمایا کہ مجھے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکا آج لوگ بہت جمع ہیں اب کچھ تم سنا دو بلکہ ابھی جو میں نے بیان کیا ہے اسی مضمون کو دہرا دو۔

احقر نے عرض کیا کہ حضرت والا نے ابھی جو باتیں ارشاد فرمائی ہیں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ بخاری شریف کے متعلق علماء نے فرمایا ہے کہ بُخَارِیُّ اَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ الْبَارِیْ ہے یعنی قرآن شریف کے بعد اسی کا درجہ ہے اس پایہ کی تو یہ کتاب ہے لیکن اس کے مولف یعنی امام بخاریؒ نے اس میں پہلی حدیث جو بیان کی ہے وہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کی حدیث ہے۔ کتاب کے شروع میں اس حدیث کے لانے سے غرض امام بخاریؒ کی خود اپنی نیت کی تصحیح بھی ہے نیز طلبۂ علم کو تنبیہ کرنا بھی مقصود ہے کہ تحصیلِ علم سے پہلے تصحیح نیت کا اہتمام کریں کیونکہ اگر نیت نہیں درست ہوگی تو حدیث وقرآن بھی مفید نہ ہوگا۔

اصل میں پوری حدیث یوں تھی اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِکُلِّ امْرِئٍ مَّا نَوٰی فَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلَی اللہِ وَرَسُوْلِہٖ فَھِجْرَتُہٗ اِلَی اللہِ وَرَسُوْلِہٖ وَمَنْ کَانَتْ ھِجْرَتُہٗ اِلٰی دُنْیَا یُصِیْبُھَا اَوِ امْرَأَۃٍ یَّنْکِحُھَا فَھِجْرَتُہٗ اِلٰی مَا ھَاجَرَ اِلَیْہِ یعنی اعمال کا مدار نیت پر ہے اور ہر انسان کے لئے وہی ہے جس کی نیت اس نے کی یعنی جس کی نیت ہجرت سے

(مثلاً) اللہ و رسول کی خوشنودی ہے اور انکی رضا کی تحصیل ہے تو یہ شخص تو مخلص اور صادق النیۃ ہے بلاشبہ اسکی ہجرت اللہ و رسول ہی کے لئے ہے اور جس کی ہجرت تحصیل دنیا کے لئے ہے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہے تو اسکی ہجرت انھیں امور کے لئے ہے جو اسکی نیت میں ہیں۔

امام بخاریؒ نے اس حدیث کا پہلا جملہ یعنی فَمَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهُ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ حذف کردیا بعض شارحین نے اسکی تاویل یہ کی کہ امام بخاریؒ سے سہو ہوگیا لیکن حضرت کو یہ تاویل پسند نہیں آئی یہ فرمایا کہ امام بخاریؒ نے جان بوجھ کر اسکو حذف کیا ہے اس ٹکڑے کو چھوڑنے میں انھوں نے انتہائی کسر نفسی اور تواضع کا ثبوت دیا ہے انھوں نے اپنی اس اہم کتاب کو اس جملہ سے شروع اس لئے نہیں کیا کہ اس میں دعوی کا شائبہ تھا کہ گویا ہم اپنی کتاب کو اللہ اور رسول کے لئے لکھ رہے ہیں یہ اخلاص کے خلاف تھا اس لئے انھوں نے اس جملہ ہی کو حذف کردیا اور صرف دوسری شق کو ذکر کرکے گویا اپنے نفس کو مخاطب کیا کہ تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ترہیب پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسکو یوں سمجھئے کہ بخاریؒ پر اس قدر خوف و خشیت کا غلبہ ہوا کہ انھوں نے صحیح نیت کرنے کے بعد بھی اپنے کو متہم کرلیا تاکہ اخلاص کا دامن ہاتھ سے نہ جائے اور اپنے اس عمل پر نظر نہ ہونے پائے۔ اللہ تعالیٰ ان اکابر کے اخلاص سے ہمیں بھی حصہ نصیب فرمائے،

ایمان اور اخلاص کا اصل مزاحم و مانع

مشکوٰۃ کی حدیث ہے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اسکی خواہشات اور اسکا میلان نفس میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہوجائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ ایک چیز ہے شریعت اور دوسری چیز اسکے بالمقابل ہے ہوائے نفس اور ان دونوں میں تضاد ہے یعنی جو نفس کا بندہ ہے وہ شریعت کا مطیع اور اللہ تعالیٰ کا بندہ نہیں ہے اور جو شریعت کا پابند اور اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے وہ نفس کا بندہ نہیں۔ چنانچہ ہر زمانہ میں قبول حق کا سب سے بڑا مانع انسان کا نفس رہا ہے۔ دیکھئے انبیاء کرام کی دعوت کی حقانیت کو کبھی کبھی معاندین کا دل بھی قبول کرلیتا ہے مگر انکی خواہشات نفس مزاحم بن کر قبول حق سے انکو روک دیتی ہیں۔ اسی طرح مومن کو بھی اتباعِ حق سے روکنے والی چیز یہی اتباعِ نفس ہے۔

الاعتصام میں ہے کہ اِنَّ الشَّرِیْعَةَ مَوْضُوْعَةٌ لِاِخْرَاجِ الْمُکَلَّفِ عَنْ دَاعِیَةِ هَوَاهُ یعنی شریعت کی وضع ہی اس لئے ہوئی ہے کہ ہر مکلف کو اسکی ہوا کے تقاضے یعنی اسکی خواہشاتِ نفس سے اسکو نکالے تاکہ وہ خدا کا بندہ بن جائے اور الموافقات میں ہے کہ اَلْمَقْصَدُ الشَّرْعِیُّ مِنْ وَضْعِ الشَّرِیْعَةِ اِخْرَاجُ الْمُکَلَّفِ عَنْ دَاعِیَةِ هَوَاهُ حَتّٰی یَکُوْنَ عَبْدَ اللّٰهِ اِخْتِیَارًا کَمَا هُوَ عَبْدُ اللّٰهِ اِضْطِرَارًا (ص ۱۶۹ ج ۲) "یعنی شریعت کا مقصد احکام مقرر کرنے سے مکلف کو اسکی ہوی کے داعیہ سے اور تقاضے سے نکالنا ہے تاکہ اب تک جو وہ اضطراری اور تکوینی طور پر خدا کا بندہ تھا تو اب ان احکام پر عمل کرکے اختیاری اور تشریعی طور پر بھی خدا کا بندہ بنجائے"۔ اور اختیاری طور پر خدا کا بندہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اب تک جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کا اِضطراری، تکوینی، قسری، جبری اور قہری طور پر خدا کا بندہ تھا تو اب شریعت پر عمل کرکے اس کے ساتھ ساتھ اپنے طوع و اختیار اور رغبت سے اپنے کو اسکی بندگی میں داخل کرے جس کی صورت یہ ہے کہ اپنی خواہشات سے فانی ہوجائے اور اپنے نفس کے ہوا اختیار

سے فانی ہو جائے اور اپنے رب کے اوامر نواہی کے ساتھ باقی ہو جائے اسکی شریعت کے ساتھ باقی ہو جائے اور اپنے حسن اختیار کے ساتھ باقی ہو جائے۔

مطلب یہ کہ کوئی شخص اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے باہر نہیں ہے۔ چنانچہ امور تکوینیہ میں تو انسان اللہ تعالیٰ کے حکم کے امتثال پر مجبور ہی ہے یعنی اگر وہ بیمار ڈالدیں تو بیمار ہونا پڑے گا روزی تنگ کر دیں تو فاقہ کرنا ہوگا۔ ان سب امور میں تو ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی ہی پڑتی ہے خواہ وہ کافر ہی کیوں نہو مگر شریعت اسلئے آئی ہے کہ جن امور میں انسان کو نیک و بد، بھلے برے، جائز و ناجائز، حلال وحرام دونوں پہلوؤں پر عمل کرنے کا پورا اختیار ہو وہاں شریعت کو مقدم رکھے اور نفس کے تقاضے کو ترک کرے تاکہ اختیاری طور پر بھی وہ اپنے آپ کو خدا کی بندگی کے لئے پیش کر کے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے موافق خدا کا بندہ ہو جائے اور دنیا میں معزز و مقبول اور آخرت میں مرحوم ہو ورنہ اگر شریعت کا اتباع نہ کرے گا تو دنیا میں رسوا و ذلیل ہوگا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوگا۔

جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ انسان کو ایمان سے اور مومن کو اخلاص سے جو چیز روکنے والی ہے وہ اسکا نفس ہے چنانچہ ریا کار مخلص نہیں ہوتا ریا کار کا مقصود اپنی ریا سے نام آوری اور شہرت ہوتی ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کو ان کے اخلاص کی برکت سے یہ سب امور کہیں زیادہ عطا فرماتے ہیں۔ چنانچہ ابوبکر حصاص رازی فرماتے ہیں قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَاللّٰہُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ یعنی اللہ تعالےٰ اس چیز کو ظاہر کرنے والے ہیں جس چیز کو تم چھپاتے ہو اس آیت میں دلیل ہے اس پر کہ بندہ جو خیر و شر چھپاتا ہے اور اس پر مداومت برتتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسکو ظاہر فرما دیں گے

چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اگر کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کی عبادت سات پردے کے پیچھے بھی کرے تو اللہ تعالیٰ اسکو ظاہر فرما دیں گے یعنی یعنی وہ عمل لوگوں کی زبانوں پر آجائے گا۔ اسی طرح معصیت کا حال ہے چنانچہ مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ بنی اسرائیل سے کہہ دیجئے کہ وہ لوگ میرے لئے اپنے اعمال کو مخفی کریں اور یہ مجھ پر ہے کہ میں اسکو ظاہر کردوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ مخلص ہوتے ہیں انکو اپنے اخلاص کا صلہ آخرت میں تو ملے گا ہی دنیا میں بھی ملتا ہے میں نے شیخ عبدالقادر جیلانی کا ملفوظ آپ کو پہلے بھی سنایا ہے اس وقت پھر سناتا ہوں:۔

"ایک دن حضرت جیلانی قدس سرہٗ مجلس میں تشریف لائے اور مجلس کی ابتدا رہی اس واقعہ سے فرمائی کہ عبداللہ ابن مبارکؒ کے پاس کوئی سائل آیا اس وقت انکے پاس صرف دس انڈے تھے خادمہ سے فرمایا کہ وہی دس انڈے جو رکھے ہوئے ہیں اس سائل کو دیدو۔ خادمہ نے نو۹ انڈے تو سائل کو دیئے اور ایک رکھ لیا اس خیال سے کہ شام کو حضرت اس سے افطار کرینگے جب غروب آفتاب کا وقت ہوا تو کسی شخص نے آکر کنڈی کھٹکھٹائی اور آواز دی کہ یہ ٹوکرا لے جاؤ۔ حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ خود ہی باہر تشریف لے گئے، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے منتظر ہی رہے ہوں۔ ٹوکرا اندر لیجا کر دیکھا تو اس میں انڈے تھے انکیں گننا شروع کیا تو نوّے انڈے نکلے اس سے تعجب ہوا کہ شاید کسی اور کے انڈے آگئے ہیں کیونکہ انتظار سوانڈوں کا تھا۔ خادمہ کو بلا کر پوچھا کہ تونے سائل کو کتنے انڈے دیئے تھے؟ اس نے کہا کہ نو۔ ایک انڈا میں نے حضرت کے افطار کے لئے رکھ چھوڑا تھا۔ فرمایا کہ اسے ہے تونے میرے دس انڈوں کا نقصان کردیا"

حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ نے یہ واقعہ سنا کر فرمایا کہ یہ تھے ہمارے اسلاف انھوں نے اپنے رب کے ساتھ ایک معاملہ کیا تھا ان کا ایمان تھا اور قلب سے تصدیق کرتے تھے ان چیزوں کی جو کتاب وسنت میں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ نص میں ہے کہ جو شخص ایک نیکی کریگا اسکا بدلہ دس گنا ملے گا اس پر ایسا اور اتنا جزم ویقین تھا کہ سمجھتے تھے کہ اسکے خلاف ہوہی نہیں سکتا انھوں نے اللہ تعالےٰ کے دروازے کو کھلا ہوا پایا پس اس میں داخل ہو گئے اور غیر اللہ کے دروازے کو بند پایا پس اسکو چھوڑ دیا۔

ہر معاملہ میں ان حضرات کی نظر اللہ تعالیٰ پر رہتی تھی اسی کو نافع[۱] اور ضار[۲] مانع[۳] اور معطی[۴] سمجھتے تھے چنانچہ ان کے اس اعتقاد کی جھلک مخلوق سے معاملہ میں بھی نظر آتی تھی شیخ بدرالدین ایک بزرگ گذرے ہیں انکا واقعہ لکھا ہے کہ کسی نے ان سے درخواست کی کہ میرے لئے ایک سفارشی خط سلطان غیاث الدین کے نام لکھدیجئے شیخ نے منظور فرمالیا اور اسکو لکھا کہ حامل رقعہ کو تمھارے پاس بھیج رہا ہوں فَاِنْ اَعْطَیْتَهٗ شَیْئًا فَالْمُعْطِیْ هُوَ اللّٰهُ وَاَنْتَ الْمَشْکُوْرُ وَاِنْ لَمْ تُعْطِهٖ شَیْئًا فَالْمَانِعُ هُوَ اللّٰهُ وَاَنْتَ الْمَعْذُوْرُ "یعنی تو نے اگر اسکو دیدیا تو سمجھونگا کہ دینے والا حقیقۃً اللہ ہے اور تیرا بھی مشکور رہوں گا (کیونکہ تو اس میں واسطہ بنا اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس نے مخلوق کا شکر ادا نہیں کیا اس نے خالق کا شکر ادا نہیں کیا) اور اگر تو نے اس کو نہیں دیا تو میں حقیقۃً مانع اللہ تعالیٰ کو سمجھونگا اور تجھکو اس نہ دینے میں معذور تصور کروں گا" سبحان اللہ! کیا عمدہ سفارش نامہ لکھا ہے کہ بادشاہ وقت کے پاس سفارش بھی کردی اور اپنے منصب کو بھی محفوظ رکھا یعنی توحید کو ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔ یہ اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق اور اخلاص کی برکت تھی۔ جب اخلاص قلب میں آجاتا ہے تو اس کے مناسب سب آداب آجاتے ہیں ؎

محبت تجھکو آداب محبت خود سکھا دے گی
ذرا آہستہ آہستہ ادھر رجحان پیدا کر

---

۱ نفع دینے والا ۲ نقصان دینے والا ۳ روکنے والا ۴ دینے والا۔

نیت شرعی کی حقیقت اور اسکی تاثیرات

فرمایا کہ میں نے حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کی شرح کرتے ہوئے کچھ باتیں بیان کی تھیں آج اسکی مزید شرح کرتا ہوں صاحب فتح الباری نے بیضاوی کا قول نقل کیا ہے کہ اَلنِّیَّةُ عِبَارَةٌ عَنِ انْبِعَاثِ الْقَلْبِ نَحْوَ مَا یَرَاہُ مُوَافِقًا لِغَرْضٍ مِنْ جَلْبِ نَفْعٍ اَوْ دَفْعِ ضُرٍّ حَالًا اَوْ مَآلًا وَالشَّرْعُ خَصَّصَهٗ بِالْاِرَادَةِ الْمُتَوَجِّهَةِ نَحْوَ الْفِعْلِ لِابْتِغَاءِ رِضَا اللّٰهِ وَامْتِثَالِ حُکْمِهٖ ۔ یعنی نیت کے معنی ہیں قلب میں اس شے کی جانب ایک ابھار پیدا ہونا جسے اپنی غرض کے موافق سمجھتا ہو خواہ نفع حاصل کرنا ہو یا کوئی مضرت دفع کرنی ہو فی الحال یا آئندہ زمانہ میں اور شریعت میں نیت کہتے ہیں اس ارادہ کو جو اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرنے کے لئے اور اسکے امتثال حکم کے لئے کسی فعل کی جانب متوجہ ہو، نہایت عمدہ تعریف فرمائی ہے۔ شرعی نیت یعنی جو نیت کہ عند اللہ مقبول و معتبر ہے وہ یہی ہے کہ کسی کام کے کرنے سے پہلے اسکے کرنے کا جو داعیہ پیدا ہوا سکا منشاء اللہ تعالیٰ کے حکم کا امتثال اور انکی رضاء اور خوشنودی کا طلب کرنا ہو۔ اسی نیت کے اختلاف کی وجہ سے انسان کا فعل مختلف ہوتا ہے۔ آدمی جب کوئی کام خدا کی رضاء کے لئے کرتا ہے اور اسکی نیت محض ابتغاء وجہ اللہ (اللہ کی رضاء اور خوشنودی کی طلب) ہوتی ہے تو یہ شخص مخلص کہلاتا ہے اور اسی فعل کو کوئی شخص اگر کسی دوسری نیت سے کرے تو وہ اخلاص سے خالی ہوگا۔

مخلصین اپنے اعمال میں غیر اللہ کا قصد ہی نہیں کرتے چنانچہ انکا

مقصود دنیا کبھی نہیں ہوتا مگر اللہ تعالےٰ انکو انکے اخلاص کی برکت سے انکی طاعت کا صلہ اس دنیا میں کبھی عطا فرماتے ہیں۔ بزرگوں کے یہاں اسی لئے جایا جاتا ہے تاکہ انسان اپنے قلب میں اخلاص کا کچھ حصہ حاصل کرلے لیکن اس زمانہ میں یہ سب رخصت ہوگیا چنانچہ میں تو ان آنے جانے والوں سے کہتا ہوں کہ تم لوگ یہاں صرف دو کام کے لئے رہو ایک یہ کہ بیوقوف رہو دوسرے یہ کہ بیمار بنے رہو یہ اسلئے کہتا ہوں کہ ان آنے جانے والوں کو دیکھتا ہوں کہ انکا کوئی کام عقل و فہم کے ساتھ نہیں ہوتا نہ خود عقل رکھتے ہیں اور نہ کوئی سکھائے تو سیکھتے ہی ہیں۔

اسی طرح سے جسکو دیکھتا ہوں وہ بیمار ہے اسکے متعلق بھی بہت کہتا رہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ "یعنی جو لوگ نیکوکار ہیں انکے لئے اس دنیا میں بھی حسنہ ہے" اور حسنہ کی تفسیر علما صحت و عافیت سے بھی فرماتے ہیں چنانچہ روح المعانی میں ہے کہ اِنَّ لِلْمُحْسِنِیْنَ جَزَاءً یَسِیْرًا فِی الدُّنْیَا وَهُوَ الصِّحَّةُ وَالْعَافِیَةُ وَاِنَّمَا تَوْفِیَةُ اُجُوْرِهِمْ فِی الْاٰخِرَةِ یعنی محسنین کو انکی نیکیوں کا تھوڑا بہت بدلہ تو اس دنیا میں بھی مل جاتا ہے اور وہ یہی صحت و عافیت ہے باقی انکا پورا پورا بدلہ تو آخرت میں ملے گا۔ میں ان لوگوں سے کہتا ہوں کہ دیکھو صحت و عافیت کو ایمان اور عمل صالح کا صلہ بتایا گیا ہے اور جسطرح صحت و عافیت اعمال صالحہ پر مرتب ہوتی ہے اسی طرح سے اسکے لئے شرط بھی ہے یعنی جب صحت ہی نہ ٹھیک ہوگی تو تم اعمال کیسے کروگے۔ جب صحت نہیں تو اعمال نہیں اور جب اعمال نہیں تو اطمینان نہیں۔

(جاری)

(۱۱۱۲) فرمایا کہ دوام تو اعمال پر ہوتا ہے نہ کہ احوال پر بلکہ تغیرِ احوال میں مصالح ہیں جنکا مشاہدہ اہل طریق کو خود ہوجاتا ہے مثلاً غَیبت کے بعد حضور میں زیادہ لذت ہونا اور مثلاً غَیبت میں انکسار وندامت کا غالب آنا اور مثلاً اپنے عجز کا مشاہدہ ہونا ومثل ذالک۔

(۱۱۱۳) ایک صاحب نے بدگمانی کا علاج دریافت کیا تو فرمایا کہ کسی کیطرف سے بدگمانی قلب میں آوے تو اول علحدہ بیٹھکر یاد کرے کہ اللہ تعالیٰ نے بدگمانی سے منع فرمایا ہے تو یہ گناہ ہوا اور گناہ پر عذاب کا اندیشہ ہے تو اے نفس! اللہ تعالیٰ کے عذاب کو کیسے برداشت کرے گا؟ یہ سوچ کر توبہ کرے اور دعا بھی کرے کہ اے اللہ! میرے دل کو صاف کردے اور جس پر بدگمانی ہو اسکے لئے بھی دعا کرے کہ اے اللہ! اسکو دونوں جہان کی نعمتیں عطا فرما۔ دن رات میں تین مرتبہ ایسا کرے اگر پھر بھی اثر رہے دوسرے تیسرے دن ایسا ہی کرے۔ اگر پھر بھی اثر رہے اب اس شخص سے مل کر کہے کہ بلا وجہ مجھکو تم پر بدگمانی ہوگئی تم معاف کردو اور میرے لئے دعا کردو کہ یہ دور ہوجائے۔

(۱۱۱۴) فرمایا کہ وارد اگر شریعت کے موافق ہو اتباع شریعت کی نیت سے عمل کیا جاوے نہ کہ اتباع وارد کی نیت سے۔ ناقصین کے لئے یہ سخت خطرہ کی چیز ہے۔

(۱۱۱۵) فرمایا کہ مجاہدہ مطلقاً مخالفتِ نفس کا نام نہیں بلکہ جہاں مرغوب نفس ماموربہ نہ ہو۔ ورنہ نفس مطمئنہ کو (خواہ وہ کامل درجہ کا مطمئنہ نہو) بعض اوقات ماموربہ کی رغبت ہوتی ہے حالانکہ اسکی مخالفت مجاہدہ نہیں جُعِلَتْ قُرَّۃُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ (نماز کے اندر میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنادی گئی ہے یعنی نماز مجھے بہت پسند ہے) یقیناً دال ہے مرغوبیت صلواۃ پر اور ظاہر ہے کہ اسکا ترک مطلوب نہیں اور ماموربہ ہونا یہ وحی سے معلوم ہوگا تو مجاہدہ کا محل وحی سے متعین ہوگا نہ کہ محض رغبت یا عدم رغبت سے۔

(۱۱۱۵) فرمایا کہ مجنون اسی طرح مجذوب عقل نہ ہونے کی وجہ سے احکام شرع کا مکلف نہیں ہوتا دونوں جماعت میں فرق کرنا مشکل ہوتا ہے لیکن اس زمانہ کے صلحاء اتقیاء و مشائخ جو اسکے ساتھ برتاؤ کریں احترام کا یا اعراض کا وہی عوام کو کرنا چاہئے ۔ پھر فرمایا کہ اس جماعت سے کوئی امید نفع کی نہیں رکھنا چاہئے حتی الامکان ان لوگوں سے الگ ہی رہنا مناسب ہے کیونکہ انکو عقل تو ہوتی نہیں اسلئے اس کے اندیشہ ضرر ہی کا غالب ہوتا ہے ۔ پھر ایک صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت یہ مجذوب کیسے ہوجاتے ہیں؟ فرمایا کہ حقیقت اسکی یہ ہے کہ کوئی وارد ایسا قوی ہوتا ہے جس سے عقل مسلوب ہوجاتی ہے اور یہ سب مجاہدہ ہی کی برکت ہے کہ یہ درجہ نصیب ہوجاتا ہے اور یہی مجذوب ہیں جن کے سپرد کارخانہ تکوینیہ ہے اور اسکے انتظام کے ذمہ دار ہیں باقی جو اہل ارشاد ہیں وہ نائب رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، وارثان پیغمبر ہیں، انکی شان کہیں ارفع و اعلیٰ ہے ۔

(۱۱۱۷) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت دوزخ میں کفار رکھے جائیں گے اور اعمال بد کی وجہ سے مسلمان بھی تو فرق کیا ہوگا مسلم اور کافر کے عذاب میں؟ فرمایا کہنے کی نوبت نہیں مگر آپ نے سوال کیا اس لئے کہنی پڑی :-

(۱) مومنین کے بارے میں مسلم کی حدیث ہے اَمَاتَهُمُ اللّٰهُ اِمَاتَةً (اللہ تعالیٰ مومنین کو (دوزخ میں) ایک خاص قسم کی موت دیدیں گے) اور اسکا یہ مطلب نہیں کہ جہنم میں مسلمانوں کو عذاب کا احساس نہ ہوگا لیکن ہاں کفار کے برابر نہ ہوگا اسکی بالکل ایسی مثال ہے جیسے کلوروفارم سنگھا کر آپریشن کیا جاتا ہے، پھر آپریشن کی بھی دو قسمیں ہیں ایک سخت اور ایک ہلکا ۔ بعض دفعہ بہت ہی ہلکا آپریشن ہوتا ہے اسلئے ہلکا کلوروفارم کافی ہوتا ہے یہی صورت مسلمان کے ساتھ دوزخ میں پیش آئے گی خلاصہ یہ کہ مسلمان صورۃً جہنم میں جائیں گے حقیقۃً جہنم میں جائینگے

(۲) دوسرا فرق یہ ہے کہ کفار جہنم میں تعذیب کے لئے جائیں گے اس لئے انکو عذاب کا احساس شدید ہوگا اور مسلمان محض تہذیب کے لئے جہنم میں جائیں گے

انکو عذاب کا احساس اسقدر نہ ہوگا۔ جہنم مسلمانوں کے لئے مثل حمام کے ہے وہ اس میں پاک وصاف کیے جاویں گے گو تکلیف حمام کے تیز پانی سے بھی ہوتی ہے۔
(۳) تیسرا فرق یہ ہے کہ مسلمانوں سے وعدہ انقطاعِ عذاب کا ہے یہ وعدہ، عذاب کا زیادہ احساس نہ ہونے دے گا اس کو اس مثال سے سمجھئے جیسے میعادی قیدی کا ایک وقت آرام کا ہوتا ہے ایک وقت کام کا دونوں حالتیں قید ہی میں ہوتی ہیں تو ایک وقت ہلکا ہوا ایک وقت بھاری۔ اس سے بھی آگے توسیع کرتا ہوں ایک وقت قید ہی کی حالت میں سونے کا ہوتا ہے جس میں کچھ بھی احساس نہیں ہوتا کہ میں کہاں ہوں اور کیا مجھ پر عذاب ہے۔ پھر ایک وقت رہائی کا ہوتا ہے کہ وہ قید خانہ کی کلفت کو کم کر دیتا ہے۔ یہ سب گھڑت نہیں بلکہ نصوص میں ہے۔ اور وہ بھی مسلم میں جو اصح الکتب ہے۔
(۱۱۱۸) فرمایا کہ اعمال حسنہ ممتدہ کے ہر جزو پر نیت مستقل اگر نہ ہو تو وہم میں نہ پڑنا چاہیئے کیونکہ افعال اختیاریہ میں صرف ابتدا میں ارادہ کرنا پڑتا ہے ہر ہر جزو پر نیت کی حاجت نہیں ہوتی البتہ مُضاد کی نیت نہ ہونا شرط ہے جیسے کوئی شخص بازار جانا چاہے تو اول قدم پر تو قصد کرنا پڑے گا پھر چاہے کتاب دیکھتے ہوئے یا باتیں کرتے ہوئے چلے جاؤ ہر ہر قدم پر قصد کی ضرورت نہیں۔
(۱۱۱۹) فرمایا کہ ملکاتِ رذیلہ اپنی ذات میں مذموم نہیں ہوسنے مثلاً شہوت ہے وہ بالذات مذموم نہیں چنانچہ مولانا رومی فرماتے ہیں ؎

شہوتِ دنیا مثال گلخن است
کہ ازو حمامِ تقویٰ روشن است

(دنیاوی خواہشات کی مثال بھٹی کی سی ہے اسی سے تقویٰ کا حمام روشن رہتا ہے)
(اگر خواہشات نفسانی نہ ہوتیں تو آدمی متقی نہ ہوتا)
بلکہ جس شخص کی شہوت زیادہ قوی ہے اسکے مقاومت سے زیادہ نور پیدا ہوتا ہے اور جسکی قوت شہوت کمزور ہے اسکی مقاومت سے وہ نور پیدا نہیں ہوتا۔ تو مدار

قرب خداوندی افعال اختیاریہ ہوئے جہاں اختیار کا زیادہ استعمال کیا گیا وہاں قرب زیادہ ہوا۔

(۱۱۲۰) فرمایا خشوع نام ہے حرکت فکریہ کے سکون کا اور اسکے تحصیل کا طریقہ یہ ہے کہ ایک محمود چیز کی طرف متوجہ ہو جاوے اسکے دوسری حرکات غیر محمودہ بند ہو جائینگی اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ اس توجہ میں زیادہ کنج وکاؤکرنا موجب ثقل ہے معتدل توجہ کافی ہے ورنہ حدیث مَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللّٰهُ عَلَيْهِ (جو مشقت پسند ہوگا اللہ تعالیٰ بھی اس پر مشقت ڈالدیں گے) کا مصداق ہوگا اب اس درجہ کے ساتھ دوسرے وساوس مستحضر ہو جاویں تو مضر نہیں کیونکہ یہ اسکا فعل نہیں اسکی ایسی مثال ہے کہ جیسے آنکھ سے کسی خاص لفظ کو قصداً دیکھیں تو اسکے ساتھ اس کے ماحول پر بھی نظر ضرور جاتی ہے مگر چونکہ یہ نظر قصداً نہیں اسلئے یہی کہیں گے کہ فلاں لفظ خاص دیکھا اور ماحول کو خود نہیں دیکھا بلکہ خود نظر آگیا۔

(۱۱۲۱) فرمایا کہ علمائے غیر حنفیہ نے لکھا ہے کہ صلوٰۃ جہری میں مقتدی کا فاتحہ پڑھنا تو حماقت ہے لیکن سری میں پڑھنا چاہیئے کیونکہ سکوت شرعاً عبادت نہیں لیکن ہم کو یہ تسلیم نہیں کیونکہ یہ سکوت مامور بہ ہے اور امتثال مامور بہ عبادت ہے نیز یہ ایسا سکوت نہیں جو عمل نہ ہو بلکہ کف عن الکلام (گفتگو سے رکنا) ہے اور کف عمل ہے بس اسکے عبادت ہونے میں کچھ غبار نہیں۔ جیسے کف عن المناہی (گناہوں سے بازرہنا) عبادت ہے۔

(۱۱۲۲) فرمایا کہ ترک کی دو قسمیں ہیں "ترک وجودی" اور "ترک عدمی" جس ترک کا انسان مکلف بنایا گیا ہے وہ ترک وجودی ہے جو اپنے اختیار اور قصد سے ہو مثلاً کوئی عورت چلی جارہی ہے جی چاہا کہ لاؤ اسے دیکھیں پھر نگاہ کو روک لیا اجر اسی ترک پر ملتا ہے اور ترک عدمی وہ ہے کہ اپنے قصد و اختیار کا اس میں کچھ دخل نہو اور چونکہ اختیار و قصد کا مسبوق بالعلم ہونا ضروری ہے اس لئے یہ ترک (عدمی) مسبوق بالعلم بھی نہیں مثلاً اسوقت ہم ہزاروں گناہوں کو نہیں کر رہے ہیں تو اسپر اجر بھی نہیں۔

(۱۱۲۳) فرمایا کہ جو خدا کے راستہ میں چلنا شروع کرتا ہے تو حق تعالیٰ سب سے پہلے اسکے ملکات کو بدلتے ہیں جس سے اعانت ہوتی ہے طاعت کے دوام اور استقامت پر اور معاصی سے اجتناب پر (کیونکہ افعال تابع ہوتے ہیں ملکات کے جب ملکات درست ہوگئے تو معاصی سے بچنا آسان ہوجاتا ہے اور ملکہ وہ داعیہ ہے جو اندر سے تقاضا کرتا ہے جس کا اثر یہ ہے کہ فعل سہولت سے صادر ہوجاتا ہے) مطلب تبدیل ملکات سے یہ ہے کہ دواعی خیر کے تو قوی ہوجاتے ہیں اور دواعی شر کے ضعیف۔ نیکی کا تو ہروقت تقاضا ہوتا رہتا ہے اور برائی کا بالکل تقاضا نہیں ہوتا بلکہ ترک طاعت اور ارتکاب معصیت ایسا دشوار ہوجاتا ہے کہ اگر اسکا قصد بھی کرے تو اس قدر جی برا ہو کہ گو یا ذبح کرڈالا اور اس تبدیل کو تبدیل ذات یا فنائے حسی کہتے ہیں یعنی مثلاً غصہ کا گویا وجود ہی نہ رہا بلکہ غصہ کے بجائے حلم پیدا ہوگیا جب ایک زمانہ اس حالت پر گذر جاتا ہے اور جو اس میں حکمت خداوندی تھی کہ بندہ خوگر ہوجاوے طاعت کا یعنی نفرت ہوجائے معاصی سے اور دلچسپی ہوجاوے طاعت سے جب یہ مقصود حاصل ہوگیا تو بعض اوقات اس میں ایک اور تغیر ہوتا ہے وہ یہ کہ جن ملکات سیئہ کو مغلوب و مضمحل کیا گیا تھا جب انکی مقاومت بوجہ ملکات حسنہ کے راسخ ہوجانے کے آسان ہوگئی تو اب چاہتے ہیں کہ بندہ کا اجر بڑھانا اسواسطے اس وقت رفتار حکمت کی یہ ہوتی ہے کہ اول امور طبعیہ جو مغلوب ہوگئے تھے پھر ابھرنا شروع ہوتے ہیں لیکن یہ نہیں کہ ابھرتے ابھرتے غالب ہوجاتے ہیں بلکہ اپنی اصلی فطرت پر آجاتے ہیں اب غصہ کے وقت لہجہ بھی سخت ہوجاتا ہے الفاظ بھی سخت نکلنے لگتے ہیں پہلے تو کوئی جوتی بھی مارتا تب بھی چونکہ مجاہدہ کر رہے تھے غصہ بالکل نہ آتا پہلے نہ غم کی باتوں سے غم ہوتا تھا نہ خوشی کی باتوں سے خوشی ہوتی تھی اب غم بھی ہوتا ہے خوشی بھی ہوتی ہے اور یہاں سالک یہ سمجھتا ہے کہ میں مردود ہوگیا میری ساری محنت برباد گئی۔ حضرت محنت برباد نہیں گئی بلکہ تبدیل اول کی عمر ختم ہوگئی۔

اب دوسری تبدیلی شروع ہوئی تنزل نہیں ہوا بلکہ ترقی ہوئی ہے، غم کی بات نہیں بلکہ خوشی کی بات ہے۔ پہلی تبدیلی ذات کی تبدیلی تھی اب صفات کی تبدیلی ہے وہاں تو غصہ کے بجائے حلم پیدا ہوگیا تھا اور یہاں غصہ کا وجود تو ہے لیکن اسمیں اثر وہ ہے جو حلم میں تھا۔ طمع، طمع ہی رہی مگر اس میں وہ اثر ہے جو سخاوت واستغنا میں ہوتا۔ چنانچہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عجیب تحقیق ہے کہ رذائل نفس کا ازالہ نہ کرے بلکہ امالہ کردے۔ بخل رہے بخل ہی مگر اسکا محل بدل دیا جائے، بخل کو کھو کر سخاوت نہ پیدا کی جاوے۔ اسی طرح سمجھو کہ غصہ بھی بڑے کام کی چیز ہے اگر غصہ نہ ہوتا تو اسلام ہی نہ پھیلتا اسلام جو پھیلا تو غصہ ہی کی بدولت کیونکہ مقابلہ میں کافروں کے غصہ ہی میں جان دینا اور جان لینا آسان ہوسکتا ہے اسی طرح اگر بخل نہ ہوتا تو رنڈیوں، بھڑوؤں بدمعاشوں میں خوب مال لٹاتا یہاں تک مستحقین کی بھی نوبت نہ آتی، اب مستحقین ہی کو چھانٹ کر دیتے ہیں یہ بخل ہی کی تو برکت ہے غیر محقین کو نہ دینا۔ لیکن یہ بخل جو ہے سخاوت کی ماں ہے سخاوت خود محتاج ہے اس بخل کی۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر ہم کو پہلے سے خبر ہوتی کہ تصوف میں اخیر میں کیا چیز حاصل ہوتی ہے تو میاں ہم تو کچھ بھی نہ کرتے مدتوں کے بعد معلوم ہوا کہ جس کے لئے اتنے مجاہدے اور ریاضت کئے تھے وہ ذراسی بات ہے۔ حضرت نے تو اپنی عالی ظرفی کی وجہ سے اس ذراسی بات کو نہیں بتلایا میں اپنی کم ظرفی سے بتلاتا ہوں کہ وہ ذراسی چیز ہے کیا؛ جس کو حاصل کرنے کے لئے اتنی محنتیں کرنی پڑتی ہیں وہ یہی ہے جس کو میں نے تبدیل ثانی کے عنوان سے بیان کیا ہے کیونکہ یہی ہے پیدا کرنے والی تعلق مع اللہ کی اور یہی ہے محافظ تعلق مع اللہ کی اور یہی ہے بڑھانے والی تعلق مع اللہ کی۔ غرض وہ ذرا سی بات جو تصوف کا حاصل ہے یہ ہے کہ جس طاعت میں سستی ہو سستی کا مقابلہ کرکے اس طاعت کو کرے اور جس کو یہ بات حاصل ہوگئی اسکو پھر ضرورت نہیں

شیخ کی نہ سید کی نہ مغل کی نہ پٹھان کی، نہیں تو چاروں ذاتوں کی ضرورت ہے

کشند از برائے دلے بارہا
خورند از برائے گلے خارہا

(ایک دل کو ہاتھ لانے کے لئے کتنی مشقتیں برداشت کرتے ہیں اور ایک پھول حاصل کرنے کے لئے کتنے کانٹوں کا زخم کھاتے ہیں۔)

شیخ کا بس یہی کام ہے کہ اسی ذراسی بات کے حاصل کرنے کی تدبیریں بتلاتا ہے اور کچھ نہیں کرتا۔ بدون شیخ کے اسکا حصول متعذر ہے قدم قدم پر گاڑی اٹکے گی یہ پتہ نہ چلے گا کہ ادھر جاؤں کہ اُدھر دونوں چیزیں ایک نظر آئیں گی ؎

بحر تلخ و بحر شیریں ہمعناں
درمیان شاں برزخ لایبغیاں

(دریائے شور اور دریائے شیریں ساتھ ساتھ چل رہے اور بظاہر باہم ملے ہوئے ہیں مگر ان دونوں کے درمیان ایک برزخ (اور آڑ) ہے (جو ایک ہیں دوسرے کو ملنے نہیں دیتا) اور وہ دونوں اپنے موقع سے آگے نہیں بڑھ سکتے)

(۱۱۲۴) فرمایا کہ نعمائے جنت اور آخرت کی طرف جو طبیعت نہیں ابھرتی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ایک تو جس مقصود کو اپنا کو انسان اختیاری نہیں سمجھتا اسکی طرف حرکت نہیں ہوتی اور دوسرے یہ کہ اگر اسباب کو تو اختیاری سمجھتا ہے لیکن اسباب میں اور مقصود میں تعلق نہ معلوم ہو تب بھی حرکت نہیں ہوتی۔ یعنی وہ نہیں سمجھتے کہ اعمال صالحہ اور حصول جنت میں وہی علاقہ ہے جو آگ کے جلانے اور کھانا پکنے میں یا پانی پینے اور پیاس کے بجھنے میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہرگز ہرگز ذہن اس طرف نہیں جاتا کہ اعمال صالحہ پر جنت ضرور مل جاوے گی

(۱۱۲۵) اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے بھی ہیں کہ بلا قصد و بلا علم کسی کے ان سے مخلوق کو نفع پہونچ رہا ہے وہ قرینہ یہ ہے کہ جب کوئی ایسا مقبول بندہ مرتا ہے تجربہ ہے کہ اگر سب قلوب نہیں تو بہت سے قلوب ایسے ہیں کہ انکو اپنے اندر فوراً ایک

تغیر محسوس ہوتا ہے کہ وہ نورانیت اور برکت جوان بزرگ کی حیات میں تھی کم ہوگئی ہے حالانکہ انکے پاس کبھی گئے بھی نہیں خط وکتابت بھی نہیں کی، دعا بھی نہیں کرائی پھر وجہ کیا تغیر کی معلوم ہوتا ہے ادہر سے کچھ مدد پہونچتی تھی وہ کم ہوگئی

۱۱۲۶) فرمایا کہ حدیث میں جو آیا ہے کہ ایک شخص عمر بھر جنتیوں کے عمل کرتا ہے پھر اخیر میں وہ ایک ایسا عمل کرتا ہے جو موجب نار ہوجاتا ہے اسکا مطلب ہے جان بوجھ کر ایسا عمل کرتا ہے اور باختیار خود ناری ہوجاتا ہے یہ نہیں کہ سی غیر اختیاری عمل پر اسکو دوزخ میں بھیجدیا جاتا ہے یعنی ایک تو یہ کہ وہ ت جو موجب نار ہوجاتی ہے وہ چھوٹی بات نہیں ہوتی بلکہ بہت بڑی بات تی ہے دوسرے یہ کہ وہ بات غیر اختیاری نہیں ہوتی تو پس معلوم ہوا دوزخ میں بھی جانا اختیار میں ہے اور جنت میں بھی جانا اختیار میں ہے۔

۱۱۲۷) فرمایا کہ اصطلاح شریعت میں قبر گڈھے کو نہیں کہتے بلکہ عالم مثال کو کہتے ہیں یونکہ وہ مشابہ ہے اس عالم کے بھی یعنی باعتبار آخرت کے تو گویا وہ دنیا ہے اور باعتبار نیا کے گویا وہ آخرت ہے تو وہ سارا عالم ایسا ہے جیسا کہ باغ کا پھاٹک کہ بہ نسبت اندرونی حصہ باغ کے تو گویا وہ باغ نہیں ہے لیکن بہ نسبت خارج حصہ باغ کے گویا کہ وہ باغ ہے یا جیسے دالات کہ بہ نسبت گھر کے تو وہ جیل خانہ ہے مگر بہ نسبت جیل خانہ کے گویا کہ وہ گھر ہے حق اللہ تعالیٰ نے عالم مثال کو دنیا کا بھی نمونہ بنایا اور آخرت کا بھی نمونہ۔

۱۱۲۸) فرمایا کہ تعویذ سے اچھا ہوجانا کچھ تعویذ دینے والے کی بزرگی کی وجہ سے تھوڑا ہی ہوتا ہے بلکہ جس کی قوت خیالیہ قوی ہوتی ہے اسکے تعویذ میں اثر زیادہ ہوتا ہے یہانتک اگر کوئی شخص بہت زیادہ قوت خیالیہ رکھتا ہو تو اسکے محض سوچنے ہی سے جاڑا بخار ر جاتا ہے چاہے وہ کافر ہی ہو کیونکہ یہ قوت تو اس میں بھی موجود ہے اور یہ مشق سے اور بڑھ جاتی ہے بالخصوص بعض طبائع کو تو اس سے خاص مناسبت ہوتی ہے۔

(جاری)

(قسط ۷)

اہل علم کو چاہئے کہ اپنے سلف صالحین اہل علم کا اتباع کریں انکی پیروی کو اختیار کریں اسی میں فلاح دارین تصور کریں، یہ آپ کے بچپن کا زمانہ ہے ابھی جس طرح چاہو نفس کو سدھار سکتے ہو پھر اصلاح مشکل ہوگی ؎

وَالنَّفْسُ کَالطِّفْلِ اِنْ تُهْمِلْهُ شَبَّ عَلٰی
حُبِّ الرِّضَاعِ وَاِنْ تَفْطِمْهُ يَنْفَطِمِ

(یہ انسان کا نفس ایک شیرخوار بچے کی طرح ہے کہ اگر اسے ڈھیل دوگے اور دودھ چھڑانے کی کوشش نہ کروگے تو جوان ہونے پر بھی اسکے دودھ پینے کا شوق ختم نہ ہوگا اور اگر دودھ چھڑا دوگے تو چھوڑ دے گا)

اپنی وضع قدیم کو نہ چھوڑو غرباء و مساکین اور اہل اللہ کے طرز پر رہو اگر تم جہلاء کی نظروں میں اس سے ذلیل بھی ہو تو اس پر فخر کرو کہ یہی ذلت عزت ہے اول تو ذلیل ہوتے نہیں عوام میں بھی اسی عالم کی وقعت ہوتی ہے جو سلف کے طرز پر ہو لیکن اگر کوئی ذلیل بھی سمجھے تو تم یہ جواب دو ؎

ما اگر قلاشِ و گر دیوانہ ایم   مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم

(ہم چاہے مفلس ہوں یا دیوانہ ہوں مگر اسی ساقی کی نگاہ اور اسی گردش پیمانہ کے مست ہیں (یعنی محبوب حقیقی کی محبت میں مست ہیں)۔

او ست دیوانہ کہ دیوانہ نشد   مرعسس را دید و در خانہ نشد

(دیوانہ درحقیقت وہی ہے جو دیوانہ نہیں بنا اور ات کے پہرے دار کو دیکھا اور گھر کے اندر نہیں گیا)

نہ معلوم کس وجہ سے آپ لوگ اپنی وضع بدلتے ہیں ہر طرز ہر طریقہ میں کیوں رد و بدل کرلیا ہے۔ خوب دھڑلے سے انگریزی لباس پہنتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ابھی لندن سے آئے ہیں اور طرہ یہ کہ انگریزی کا ایک حرف بھی نہ جانتے ہوں مگر لباس سے صاحب بہادر بلکہ سانپ بہادر ہی معلوم ہوں گے، میرے خیال میں یہ تو عوام میں بھی ذلت ہی ہے۔ سلف صالحین کا لباس خواص میں تو بالاتفاق وقعت کی

نظروں سے دیکھا جاتا ہے لیکن عوام میں بھی اسی کو عزت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور بہ صورت تسلیم اگر عوام اُس ثقہ لباس میں آپ کو ذلیل سمجھتے ہیں تو اِس نئے لباس میں عوام و خواص دونوں آپکو ذلیل سمجھتے ہیں دونوں طرف سے طعن و تشنیع ہوتی ہے کہ خوا مخواہ سانپ بنے پھرتے ہیں اور نام کو انگریزی کا ایک حرف بھی نہیں جانتے، اس سے بڑھکر ستم یہ کہ تکبر لباس میں تو تھا ہی دل میں بھی تکبر گھسا ہوا ہے چنانچہ کبھی اپنی خطا کے مُقِر نہیں ہوتے، قصور کا اعتراف نہیں کرتے تاویل کو تیار ہو جاتے ہیں ہر بات میں تاویلِ "لیعنی" ٹھنسا ہوا ہے۔ حالانکہ ہر کلامے کہ محتاج لیعنی باشد لایعنی است (جو کلام لیعنی اور تاویل کا محتاج ہو وہ لایعنی اور فضول ہے) ہر امر میں لِانَّ موجود ہے اچکن میں بھی لِانَّ جوتا میں بھی لِانَّ کرتا میں بھی لِانَّ ٹوپی میں بھی لِانَّ لباس کیا ہوا لِانَّ کا مجموعہ ہو گیا جو نہ اوڑھنے کا نہ بچھانے کا

طلب کی شان

اے صاحبو! ان تکلفات باردہ کو چھوڑو تم لوگ طالب علم ہو تو طلب کی شان کو نبھاؤ طلب کے ساتھ توجہ دو چیزوں کی طرف نہیں ہوا کرتی لِاَنَّ النَّفْسَ لَا تَتَوَجَّهُ اِلَى الشَّيْئَيْنِ فِىْ اٰنٍ وَّاحِدٍ (اسلئے کہ ذہن انسانی بیک وقت دو چیزوں کی طرف بیک وقت (پورے طور پر متوجہ نہیں ہو سکتا) ورنہ اسی لباس و پاس میں پھنسے رہ جاؤ گے اور مقصود اصلی سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ اس نئی وضع قطع میں کیا دہرا ہے کون سی سلطنت مل جاتی ہے سلف صالحین کی وضع اختیار کرو یہی کمال ہے یہی جمال ہے یہی عزت ہے یہی حرمت ہے۔ گراں قیمت لباس پہننا شرعًا کمال ہے ہی نہیں دیکھئے تواریخ میں جہاں سلاطین کے حالات لکھے ہیں انکی تعریف کرتے ہیں تو یہ کسی جگہ نہیں لکھتے کہ فلاں بادشاہ بہت خوش لباس تھا بہت قیمتی کپڑے پہنا کرتا تھا بلکہ جو بادشاہ موٹے اور کم قیمت کپڑے استعمال کرتا تھا اسکا خصوصیت سے ذکر کیا جاتا ہے اور خاص مدائح میں شمار ہوتا ہے جہاں اسکے کارنامے وقعت کی نظروں سے

؎ اسلئے کہ۔ اسوجہ سے کہ

دیکھے جاتے ہیں۔ سادگی کا بھی احترام کیا جاتا ہے اور یہ اول نمبر کے محاسن میں سے سمجھا جاتا ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

شنیدم کہ فرماں دہے دادگر قبا داشتے ہر دو رُو آستر

(میں نے سنا کہ ایک عادل حکمراں ایسی قبا رکھتا تھا جس کے دونوں طرف استر (یعنی معمولی کپڑا) تھا۔

دیکھئے چونکہ اسکی قبا میں دونوں جانب استر تھا اس لئے شیخ نے مدح کی اور اسی فرماں روا کی یہ مدح نہیں کی کہ دیباج پہنتا تھا یا اطلس پہنتا تھا علاوہ ازیں کہ راحت و آرام بھی اسی سلف کے لباس میں ہے جہاں چاہا بیٹھ گئے زمین پر بیٹھ گئے تب بھی کچھ حرج نہیں، فرش پر بیٹھ تب بھی کچھ دقت نہیں غرض ہر طرح سے آرام ہوتا ہے اور تکلف کے لباس میں ہر حالت میں تکلیف ہوتی ہے۔ بعض لباس تو ایسے ہیں کہ انکو پہن کر آدمی کرسی یا تخت کے سوا کسی چیز پر بیٹھ ہی نہیں سکتا اور اگر فرش یا زمین پر بیٹھنا بھی ہے تو بہت مصیبت سے۔ پھر جن لوگوں کو لباس کی زینت کا اہتمام ہے انکو ہر وقت اسی کا دھیان رہتا ہے حتیٰ کہ نماز میں بھی یہی خیال دامن گیر ہوتا ہے دامن سمیٹ سمیٹ کر نماز پڑھتے ہیں مبادا کہیں خاک نہ لگ جائے کہیں دھول وغیرہ میں نہ آلودہ ہو جائے۔ جماعت سے نماز پڑھیں گے تو سجدہ سے سب کے بعد اٹھیں گے تاکہ اچکن شریف کسی کے زانوئے کثیف کے نیچے نہ آجائے۔ نماز میں بھی یہی مشغلہ ہے جس سے ساری نماز ہی لباس ہو گئی۔ حالانکہ چاہئے تھا اسکا عکس کہ لباس بھی نماز ہو جاتا اگر کوئی مقام صاف ستھرا ہو تو بیٹھ جائیں گے ورنہ کھڑے رہیں گے۔ اللہ میاں نے یہ اس لباس کی سزا دی ہے ایک صاحب کانپور میں میرے پاس آئے کوٹ پتلون ڈاٹے ہوئے تھے جو شخص کوٹ پتلون پہنے ہوئے ہو وہ کرسی وغیرہ پر تو بآسانی بیٹھ سکتا ہے زمین پر اس سے بآسانی نہیں بیٹھا جاتا ہم غریب لوگ ملا آدمی ہمارے پاس کرسی وغیرہ کہاں تھی

[illegible]

ذکر سکتے تھے مجبور ہو کر بدن کو تول کر اور ہاتھ کی چھڑی پر سہارا دیکر بعد سے گر پڑے بچہ دل میں بہت ہنسی آئی پھرا ٹھنے میں انکو اس سے بھی زیادہ مصیبت ہوئی اگر اسی کا نام آزادی ہے تو ایسی آزادی ہماری قید پر ہزار مرتبہ قربان ہے انا للہ وانا الیہ راجعون
ایک شخص نے کیا اچھی بات کہی کہ لباس تو خادم و مملوک ہے مخدوم و مالک نہیں ہے جب اسی کی دھن میں رہے تو وہ خادم کہاں رہا مخدوم بن گیا قلب موضوع لازم آگیا۔ یہ تو ظاہری خرابی ہے اور شرعی خرابی یہ ہے کہ اس لباس سے کبر پیدا ہوتا ہے اور جب کبھی لباس سے کسی قسم کا ظاہری یا باطنی شرعی مفسدہ لازم آئے وہ نہی میں داخل اور حرمت کے حکم سے موصوف ہو جائے گا۔

کبر و عُجب کا علاج

اس صورت میں اگر کبر و عجب کا علاج کرنا چاہو جو کہ ضروری ہے اور اسکی علت بھی تکلف فی اللباس تو اس کا علاج یہی ہے کہ اسکو بالکلیہ ترک کردو چند روز اس سے پرہیز کرو اسکا نام تک نہ لو، کہنے پر عمل کرو اپنی رائے سے علاج نہیں ہوا کرتا ہے کسی طبیب حاذق سے مشورہ کرو، اطباء بھی اپنا خود علاج نہیں کر سکتے تم تو کس شمار میں ہو؟ یاد رکھو اس صورت میں عجب کے علاج پر بغیر اس لباس کے ترک کے قدرت نہ ہوگی، اگر اپنے کو صحیح سالم رکھنا پسند کرتے ہو تو اس آفت سے فوراً دست بردار ہو جاؤ اور اگر یہ چاہو کہ لباس بھی یہی رہے اور عجب بھی جاتا رہے تو یہ غیر ممکن ہے اور اس شعر کا مصداق ہے ؎

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردۂ باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

(دریا کی گہرائی میں مجھے تختہ بند اور مقید کر کے ڈال دیا ہے اور پھر یہ کہتے ہو خبردار! دامن تر نہ ہونے پائے)

اگر کوئی معالج اپنی ناتجربہ کاری سے اس طریقہ کو تجویز کر چکا ہے تو ہم یہی کہدینگے

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردۂ باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

حضرت آپکو تو یہ تعلیم دی گئی ہے دَعْ مَا یَرِیْبُکَ اِلٰی مَالَا یَرِیْبُکَ (جس کام میں

کھٹک ہوا سے چھوڑ دو اور وہ کام کرو جس میں کھٹک نہ ہو) کہ امور مشکوکہ مشتبہ سے احتراز کرکے امور یقینیہ کو اختیار کرو جن میں مفسدہ کا شبہ بھی نہو فرماتے ہیں لا یَکْمُلُ وَرَعُ الْمُؤْمِنِ حَتّٰی یَدَعَ مَالَابَاسَ بِهٖ حَذَرًا مِمَّابِهٖ بَاسٌ اوکما قال (آدمی کا ورع اور تقویٰ اس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک کہ ان کاموں سے بچنے کے لئے جن میں گناہ ہوتا ہے ان کاموں کو بھی نہ چھوڑ دے جن میں کچھ حرج اور مضائقہ نہیں) یعنی انسان محرمات سے جب ہی اجتناب کر سکتا ہے کہ مشتبہات سے بھی اجتناب کرے۔

تقویٰ کی ضرورت یہی ہے ورع کامل اور یہی ہے اول درجہ کا تقویٰ اسکو اختیار کیجئے۔ اگر آپ لباس میں تاویلیں اور توجیہیں کرکے اسکو جائز بھی کر لیں تب بھی اس کے مشتبہ ہونے میں تو کلام نہیں پھر تم امر مشتبہ کو کیوں اختیار کرتے ہو۔

صاحبو! آپ اپنے سلف صالحین کے کارنامے دیکھئے حضرت علی کرم اللہ تعالےٰ وجہہٗ نے ایک دفعہ ایک کرتا پہنا جو آپ کو اچھا معلوم ہوا نفس کو اس سے حظ آنے لگا آپ نے مقراض (قینچی) لیکر اسکی تھوڑی تھوڑی آستینیں کاٹ ڈالیں تاکہ بدزیب ہو جائے اور نفس کو حظ نہ آئے۔ اگر اور بھی کوئی خرابی نہو تو اس میں تو کوئی شک نہیں کہ آپ یہ نئی وضع قطع محض حظ نفس کے لئے اختیار کرتے ہیں اور آپ کے اسلاف حظ نفس سے بھی پرہیز کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت میں عیسائیوں نے آپکو بیت المقدس کی طرف بلایا آپ معمولی لباس میں اونٹ پر سوار ہوکر تشریف لے گئے اور تشریف اس لئے لے گئے کہ نصاریٰ نے کہا تھا کہ ہماری کتابوں میں فاتح بیت المقدس کا حلیہ موجود ہے اگر خلیفۂ اسلام کا وہی حلیہ ہے تو ہم بدون جنگ کے شہر کھول دیں گے ورنہ اسکو کوئی فتح نہیں کر سکتا چونکہ حضرت عمرؓ کے تشریف لیجانے میں بدون قتل و قتال کے شہر فتح ہوتا تھا اس لئے تشریف لے گئے وہاں پہونچکر لوگوں نے عرض کیا کہ آپ

خلیفہ اور سلطان ہوکر پیش ہوں گے گھوڑے پر سوار ہو جائیں اور عمدہ لباس پہن لیجئے تاکہ انکی نظروں میں عزت اور وقعت ہو آپ نے فی البدیہہ فرمایا کہ نَحْنُ قَوْمٌ اَعَزَّنَا اللّٰهُ بِالْاِسْلَامِ کہ ہم ایسی جماعت ہیں جن کو حق تعالیٰ نے اسلام سے عزت دی ہے" جس سے دوسری عزتیں بالکل ہیچ ہوگئی ہیں مگر آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے اصرار سے رائے کو قبول فرما لیا تاکہ انکی دل شکنی نہ ہو قبول فرمانے کے بعد لباس کی تلاش ہوئی کہ دوسرا جوڑا تبدیل کریں اب وہ لباس کہاں سے آئے خلیفہ کے پاس کپڑوں کی گٹھری ہی نہ تھی! صاحبو! خیر یہ تو وہ جلیل القدر صحابی تھے جن سے شیطان بھی بچکر نکلتا تھا جنکی زبان پر حق تھا اگر انکے پاس گٹھری نہ تھی تو کچھ عجب نہیں، ہمارے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے پاس بھی کپڑوں کی گٹھری نہ تھی نہ کوئی ٹرنک بکس تھا ایک مرتبہ کسی شخص نے مولانا کی خدمت میں چند ٹوپیاں بھیجیں آپ نے انکو تقسیم کرنا شروع کردیا صاحبزادہ نے والدہ صاحبہ کی وساطت سے ایک ٹوپی مانگ لی خود نہیں کہا، فرمایا ہاں تو بھی ایسی ٹوپی پہنے گا، ایسا دماغ بگڑا ہے، اب یہ تکلف سوجھے گا، دیکھ تو میں کیسی ٹوپی پہنتا ہوں؟ اور انکے کپڑوں کی گٹھری دیکھی تقدیر سے صاحبزادے کی گٹھری بھی بھڑکدار نکلی پس آگ بگولہ ہوگئے کہ او ہو اس بھڑکدار گٹھری میں آپکا لباس رکھا ہوا تھا، یوں کپڑے تہ کئے ہیں، یہ اچکن بھی تہ ہوا رکھا ہے، غرض سب کپڑوں کو کھول کھول کر صحن میں پھینک دیا۔ تو جب متبعین کی یہ حالت ہے تو مقتداؤں کی حالت سے کیا تعجب۔ غرض حضرت خلیفہ کے پاس تو لباس ملا نہیں ایک خوش وضع جوڑا مستعار لیا گیا اور آپ اسے پہنکر گھوڑے پر سوار ہوکر چلے ایک دو قدم ہی چلے تھے کہ فوراً اتر پڑے کیونکہ اس لباس اور اس سواری میں نفس کو حظ آنے لگا تھا اور نظر اپنے اوپر پڑنے لگی تھی، سچ ہے ؎

بر دلِ سالک ہزاراں غم بود　　گر ز باغ دل خلالے کم شود

(رہرو راہ مولیٰ کے دل پر ہزاروں غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں اگر اسکے دل کے چمن سے

(پھول نہیں) ایک تنکا بھی کم ہو جاتا ہے)

اور کہتے ہیں ؎

بہر چہ از دوست وامانی چہ کفر آں حرف وچہ ایماں
بہر چہ از یار دور افتی چہ زشت آں نقش وچہ زیبا

(جس چیز کی وجہ سے دوست تک پہونچنے سے عاجز ہو جاؤ وہ چاہے کفر کی بات ہو یا ایمان کی دونوں برابر ہیں، جس کی وجہ سے محبوب سے دور جا پڑو چاہے وہ خوشنما چیز ہو یا بدنما دونوں برابر ہیں (یعنی مانع دونوں ہی ہیں)

اور فرمایا تم نے عمر کو ہلاک ہی کر دیا ہوتا لاؤ میرا پرانا لباس اور اس جنجال کو مجھ سے دور کرو میں اس عاریتی لباس کو نہیں پہنتا ؎

کہن خرقۂ خویش پیراستن بہ از جامۂ عاریت خواستن

(اپنی پرانی گدڑی سنوارنا اور پہننا مانگے ہوئے کپڑوں کے پہننے سے بہتر ہے) بس وہی لباس پہنکر اونٹ پر سوار ہوکر تشریف لے چلے اس میں دینی نفع یہ ہوا کہ اللہ تعالےٰ شانہٗ کے مقبول ہوئے اور دنیاوی فائدہ یہ ہوا کہ وہاں نصاریٰ کو اپنی کتابوں کی پیشین گوئی سے اسکی بھی اطلاع تھی خلیفہ کس شان سے آئیں گے چنانچہ وہ دور سے دیکھتے ہی پہچان گئے ورنہ وہ اُس وضع کو دیکھکر سمجھتے بھی ناکہ خلیفہ کون ہیں؟

میں آپلوگوں کو ایک ضابطہ کلیہ بتائے دیتا ہوں اسکو یاد رکھ لو اور اپنے ہر طرز کو اس معیار پر جانچ لیا کرو۔ یاد رکھو تم جس وقت اپنی نگاہ میں بھلے معلوم ہو اس وقت سمجھ لو تم حق تعالیٰ کی نظر میں بُرے ہو، کسی کمال سے کسی جمال سے کسی علمی تحریر تقریر سے جب تم کو اپنے اندر حسن ظاہر ہو اس وقت حق تعالےٰ کے نزدیک تمھارے اندر قبح ہوگا، یہی پندار اور خود بینی ہے اسی خود بینی کے باب میں ایک صاحب حال اور صاحب فن فرماتے ہیں ؎

فکر خود و رائے خود در عالم رندی نیست کفر است دریں مذہب خود بینی و خود رائی

(اپنی فکر اور رائے کا راہِ سلوک میں کچھ دخل نہیں اس طریق میں خود بینی و خود رائی تو کفر (کے مرادف) ہے)۔

احادیث میں اِعْجَابُ كُلِّ ذِي رَأْيٍ بِرَأْيِهٖ (ہر صاحب رائے کا اپنی رائے کو اچھا سمجھنا اور اس اترانا) ـــــــ خود رائی کی سخت مذمت وارد ہے اور حضور نے عجب کو جو مذموم فرمایا ہے اسکا راز یہی ہے کہ عجب وخود بینی مقدمہ ہے کبر کا کیونکہ انسان عجب سے اول تو اپنے نفس کو حسین وجمیل دیکھتا ہے بعد میں اوروں کو ذلیل سمجھنے لگتا ہے یہی کبر ہے اور مقدماتِ شئے کے لیے بھی شئے ہی کا حکم ہوا کرتا ہے لہذا عجب علاوہ مستقل نصوص کے خود اس دلیل سے بھی حرام ہے اب اس لباس کو پہننے والے سوچ لیں کہ یہ لباس پہنکر انکو عجب ہوتا ہے یا نہیں؟ اب اختیار ہے تاویلیں کرتے رہیں ہمارا کام بتانا تھا بتا دیا ؎ بر رسولاں بلاغ باشد و بس۔ وہ خود جانتے ہیں اہل علم ہیں ـــــــ بَلِ الْإِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ (بلکہ انسان خود ہی اپنی حالت پر خوب مطلع ہے گو وہ اپنے حیلے پیش لائے) یہ تو لباس میں نخر تھا۔

(جاری)

شناخت تکبر کا معیار

فرمایا کہ اگر اپنے علم کو کسی دوسرے سے زیادہ سمجھنے کے وقت اسکا بھی استحضار ہو کہ یہ عطائے حق ہے جب چاہیں سلب کرلیں، نیز اگر میرے اندر ایک کمال ہو تو دوسرے میں ممکن ہے اس سے زیادہ دوسرے کمال ہوں جس کے سبب یہ عنداللہ مجھ سے افضل ہو تو یہ تکبر نہیں ہے۔

انسانی حقوق اور سیرت نبویؐ

حضرات علماء کرام ! جناب صدر محفل اور معزز حاضرین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

ہمارے لئے یہ بڑی سعادت اور مسرت کا موقع ہے کہ آج اس محفل میں جو نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ذکر کے لئے منعقد ہے ہمیں شرکت کی سعادت حاصل ہو رہی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ جمیل انسان کی اتنی بڑی سعادت ہے کہ اس کے برابر اور کوئی سعادت نہیں کسی شاعر نے کہا ہے ؎

ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے

اور حبیب کا تذکرہ بھی حبیب کے وصال کے قائم مقام ہوتا ہے اور اسی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس ذکر کو یہ فضیلت عطا فرمائی ہے کہ جو شخص ایک مرتبہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے دس رحمتیں اس پر نازل ہوتی ہیں۔ تو جس مجلس کا انعقاد اس مبارک تذکرہ کے لئے ہو اس میں شرکت خواہ ایک مقرر اور بیان کرنے والے کی حیثیت میں ہو یا سامع کی حیثیت میں، ایک بڑی سعادت ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اسکی برکات ہمیں اور آپ کو عطا فرمائے۔

تذکرہ سے نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا اور سیرتِ طیبہ ایک ایسا موضوع ہے کہ اگر کوئی شخص اس کے صرف ایک پہلو کو بھی بیان کرنا چاہے تو پوری رات بھی اسکے لئے کافی نہیں ہو سکتی اسلئے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود میں اللہ جل جلالہ نے تمام بشری کمالات جتنے متصور ہو سکتے تھے وہ سارے کے سارے جمع فرمائے، یہ جو کسی نے کہا تھا کہ ؎

حسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، ید بیضا داری

آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

(آپ سخت کا حسن عیشی کا دم اور ید بیضا رکھتے ہیں سب لال کا جو خوبیاں رکھتے تھے آپ تنہا رکھتے ہیں)
تو یہ کوئی مبالغہ کی بات نہیں تھی سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس انسانیت کے لئے اللہ جل جلالہ کا ایک شاہکار بن کر تشریف لائے تھے کہ جس پر کسی بھی حیثیت سے کسی بھی نقطہ نظر سے غور کیجیے تو وہ کمال ہی کمال کا پیکر ہے اس لئے آپ کی سیرت طیبہ کے کس پہلو کو انسان بیان کرے کس کو چھوڑے انسان کشمکش میں مبتلا ہو جاتا ہے ؎

ز فرق تا بقدم ہر کجا می نگرم
کرشمہ دامن دل میکشد کہ جا اینجا ست

(سر سے لیکر قدم تک جہاں کہیں میری نظر پہونچتی ہے کرشمہ دل کا دامن کھینچتا ہے کہ بس جگہ تو یہی ہے (دیکھنے کی)
اور غالب مرحوم نے کہا تھا ؎

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمد است

(غالب ہم نے حضرت خواجہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعریف وثنا خدا کے سپرد کر دی کیونکہ وہی ذات پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ جاننے والی ہے)
انسان کے تو بس ہی میں نہیں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف کا حق ادا کر سکے۔ ہمارے یہ ناپاک منہ یہ گندی زبانیں اس لائق نہیں تھیں کہ ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینے کی بھی اجازت دی جا سکے لیکن یہ اللہ جل جلالہ کا کرم ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ اجازت دی بلکہ اس سے راہنمائی اور استفادے کا بھی موقع عطا فرمایا۔ اس واسطے موضوعات تو بے شمار ہیں لیکن میرے مخدوم ومحترم حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب اللہ تعالیٰ انکے فیوض کو جاری وساری فرمائے انھوں نے حکم دیا کہ سیرت طیبہ کے اس پہلو پر گفتگو کیجائے کہ نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم انسانی حقوق کے لئے کیا ہدایت وراہنمائی لیکر تشریف لائے اور جیسا کہ انھوں نے ابھی فرمایا اس موضوع کی وجہ یہ ہے کہ اس وقت پوری دنیا میں پروپیگنڈہ کا

بازار گرم ہے کہ اسلام کو عملی طور پر نافذ کرلے سے ہیومن رائٹس مجروح ہونگے، انسانی حقوق مجروح ہونگے اور یہ پبلسٹی کی جارہی ہے کہ گویا ہیومن رائٹس کا تصور پہلی بار مغرب کے ایوانوں سے بلند ہوا اور سب سے پہلے انسانوں کو حقوق دینے والے یہ اہل مغرب ہیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی تعلیمات میں انسانی حقوق کا معاذ اللہ کوئی تصور موجود نہیں، تو یہ موضوع جب انھوں نے گفتگو کے لئے عطا فرمایا تو تعمیل حکم میں اسی موضوع پر آج اپنی گفتگو کو محصور کرنے کی کوشش کرونگا لیکن موضوع ذرا تھوڑا سا علمی نوعیت کا ہے اور ایسا موضوع ہے کہ اس میں زیادہ توجہ اور زیادہ حاضر دماغی کی ضرورت ہے تو اس سلسلہ آپ حضرات سے درخواست ہے کہ موضوع کی اہمیت کے پیش نظر اور اسکی نزاکت کو مدنظر رکھتے ہوئے ذرا براہ کرم توجہ کے ساتھ سماعت فرمائیں شاید اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارے دل میں اس سلسلہ کے اندر کوئی صحیح بات ڈال دے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے جس کا جواب دینا منظور ہے کہ آیا اسلام میں انسانی حقوق کا کوئی جامع تصور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں ہے یا نہیں؟ یہ سوال اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ یہ اس دور کا عجیب و غریب رجحان ہے کہ انسانی حقوق کا ایک تصور پہلے اپنی عقل اپنی فکر اپنی سوچ کی روشنی میں خود متعین کرلیا ہے کہ یہ انسانی حقوق ہیں یہ ہیومن رائٹس ہیں اور انکا تحفظ ضروری ہے اور اپنی طرف سے خود ساختہ جو سانچہ انسانی حقوق کا ذہن میں بنایا اسکو معیار حق قرار دیکر ہر چیز کو اس معیار پر پرکھنے اور جانچنے کی کوشش کیجارہی ہے پہلے سے خود متعین کرلیا کہ فلاں چیز انسانی حق ہے اور فلاں چیز انسانی حق نہیں ہے اور یہ متعین کرنے کے بعد اب دیکھا جاتا ہے کہ آیا اسلام یہ حق دیتا ہے کہ نہیں دیتا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حق دیا کہ نہیں دیا؟ اگر دیا تو گویا ہم کس درجہ میں اسکو ماننے کے لئے تیار ہیں؟ اگر

نہیں دیا تو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں ۔

لیکن ان مفکرین اور دانشوروں سے اور ان فکر و عقل کے سورماؤں سے میں ایک سوال کرنا چاہتا ہوں کہ یہ جو آپ نے اپنے ذہن میں انسانی حقوق کے تصورات مرتب کئے یہ آخر کس بنیاد پر کئے؟ یہ کس اساس پر کئے؟ یہ جو آپنے تصور کیا کہ انسانی حقوق کا ایک پہلو یہ ہے کہ ہر انسان کو یہ حق ضرور ملنا چاہیئے یہ آخر کس بنیاد پر آپ نے کہا کہ ملنا چاہیئے؟

انسانیت کی تاریخ پر نظر دوڑا کر دیکھئے تو ابتدائے آفرینش سے لیکر آج تک انسان کے ذہن میں انسانی حقوق کے تصورات بدلتے چلے آئے ہیں کسی دور میں انسان کے لئے ایک حق لازمی سمجھا جاتا تھا دوسرے دور میں اس حق کو بیکار قرار دیدیا گیا، تیسرے کسی ماحول کے اندر ایک خطے میں ایک حق قرار دیا گیا دوسری جگہ اس حق کو ناحق قرار دیدیا گیا، تاریخ انسانیت پر نظر دوڑا کر دیکھئے تو آپ کو یہ نظر آئیگا کہ جس زمانے میں بھی انسانی فکر نے حقوق کے جو سانچے تیار کئے انکا پروپیگنڈہ انکی پبلسٹی اس زور و شور کے ساتھ کی گئی کہ اس کے خلاف بولنے کو جرم قرار دیدیا گیا۔

حضور نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب وقت دنیا میں تشریف لائے تو اس وقت انسانی حقوق کا ایک تصور تھا اور وہ تصور ساری دنیا کے اندر پھیلا ہوا تھا اور اسی تصور کو معیار حق قرار دیا جاتا تھا، ضروری قرار دیا جاتا تھا کہ یہ حق لازمی ہے مثلاً میں آپ کو ایک مثال دیتا ہوں کہ اس زمانے میں انسانی حقوق ہی کے حوالے سے یہ تصور تھا کہ جو شخص کسی کا غلام بن گیا تو غلام بننے کے بعد وہ صرف جان و مال جسم ہی کا اسکا مملوک نہیں ہوا بلکہ انسانی حقوق، انسانی مفادات کے ہر تصور سے وہ عاری ہو گیا۔ آقا کا یہ بنیادی حق ہے کہ وہ اپنے غلام کے گردن میں طوق ڈالے اور اسکے پاؤں میں بیڑیاں پہنائی جائیں، یہ ایک تصور تھا آپکو اسکے اوپر پورا لٹریچر مل جائے گا اس زمانہ کے اندر جنھوں نے اسکو جسٹی فائی

(JUSTIFY) کرنے کے لئے اور اسکو مبنی بر انصاف قرار دینے کے لئے فلسفے
پیش کئے تھے یہ دور کی بات ہے لیکن ابھی قریب سوڈیڑھ سو سال پہلے کی بات
لے لیجئے جب جرمنی اور اٹلی میں فاشزم نے اور نازی ازم نے سر اٹھایا آج
فاشزم اور نازی ازم کا نام گالی بن چکا اور دنیا بھر میں بدنام ہو چکا لیکن آپ
انکے فلسفے کو اٹھا کر دیکھئے جس بنیاد پر انھوں نے فاشزم کا تصور پیش کیا تھا
اور نازی ازم کا تصور پیش کیا تھا اس فلسفے کو خالص عقل کی بنیاد پر اگر آپ
رد کرنا چاہیں تو آسان نہیں ہوگا، انھوں نے یہ تصور پیش کیا تھا کہ جو طاقتور ہے
اسکا ہی یہ بنیادی حق ہے کہ وہ کمزور پر حکومت کرے اور یہ طاقتور کے بنیادی
حقوق میں شمار ہوتا ہے اور کمزور کے ذمہ واجب ہے کہ وہ طاقت کے آگے
سر جھکائے یہ تصور ابھی سوڈیڑھ سو سال پہلے کی بات ہے تو انسانی افکار کی تاریخ
میں انسانی حقوق کے تصورات یکساں نہیں رہے بدلتے رہے کسی دور میں
کسی ایک چیز کو حق قرار دیا گیا اور کسی دور میں کسی دوسری چیز کو حق قرار دیا گیا
اور جس دور میں اس قسم کے حقوق کے سیٹ کو یہ کہا گیا کہ یہ انسانی حقوق کا
حصہ ہے اسکے خلاف بات کرنا زبان کھولنا ایک جرم قرار پایا تو اس بات کی کیا ضمانت
ہے کہ آج جن ہیومن رائٹس کے سیٹ کو کہا جا رہا ہے کہ ان ہیومن رائٹس کا
تحفظ ضروری ہے یہ کل کو تبدیل نہیں ہوں گے، کل کو ان کے درمیان انقلاب
نہیں آئے گا۔ اور کونسی بنیاد ہے جو اس بات کو درست قرار دے سکے؟

حضور نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانی حقوق کے بارے
میں سب سے بڑا کنٹری بیوشن (contribution) یہ ہے کہ آپنے
انسانی حقوق کے تعین کی صحیح بنیاد فراہم فرمائی، وہ اساس فراہم فرمائی جسکی
بنیاد پر یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ کون سے ہیومن رائٹس قابل تحفظ ہیں اور کون سے
ہیومن رائٹس قابل تحفظ نہیں۔ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہنمائی
اور آپ کی ہدایت کو اساس تسلیم نہیں کیا جائے تو اس دنیا کے پاس اس کائنات

کے پاس کوئی بنیاد نہیں ہے جس کی بناء پر وہ کہہ سکے کہ فلاں انسانی حقوق لازماً قابل تحفظ ہیں۔

میں آپ کو ایک لطیفے کی بات سناتا ہوں آج سے تقریباً ایک سال پہلے کچھ مدت زیادہ ہو گئی، ایک دن میں مغرب کی نماز پڑھ کر گھر میں بیٹھا ہوا تھا باہر سے کوئی صاحب ملنے کے لئے آئے کارڈ بھیجا تو دیکھا کہ اس کارڈ پر لکھا ہوا تھا کہ ساری دنیا میں مشہور ادارہ ہے جس کا نام ایمنسٹی انٹرنیشنل ہے جو سارے انسانی بنیادی حقوق کے تحفظ کا علمبردار ہے اس ادارے کے ایک ڈائرکٹر پیرس سے پاکستان آئے تھے وہ ملنا چاہتے تھے خیر میں نے بلا لیا، پہلے سے کوئی اپائنٹمینٹ نہیں تھی کوئی پہلے سے وقت نہیں لیا تھا اچانک آگئے اور پاکستان کی وزارت خارجہ کے ایک ذمہ دار افسر بھی انکے ساتھ تھے۔ آپ کو یہ معلوم ہے کہ ایمنسٹی انٹرنیشنل وہ ادارہ ہے جو انسانی حقوق کے تحفظ کے لئے اور آزادی تحریر و تقریر کا علمبردار کہا جاتا ہے اور پاکستان میں جو بعض شرعی قوانین نافذ ہوئے یا مثلاً قادیانیوں کے سلسلے میں پابندیاں عائد کی گئیں تو ایمنسٹی انٹرنیشنل کی طرف سے اس پر اعتراضات اور احتجاجات کا سلسلہ رہا تو یہ صاحب تشریف لائے انھوں نے آکر مجھ سے کہا کہ میں آپ سے اسلئے ملنا چاہتا ہوں کہ میرے ادارے نے مجھے اس بات پر مامور کیا ہے کہ میں آزادی تحریر و تقریر اور انسانی حقوق کے سلسلے میں ساؤتھ ایسٹ ایشیا کے ممالک کی رائے عامہ کا سروے کروں کہ جنوب مشرقی ایشیا کے مسلمان انسانی حقوق آزادی تحریر و تقریر اور آزادی اظہار رائے کے بارے میں کیا خیالات رکھتے ہیں اور وہ کس حد تک اس معاملہ میں ہم سے تعاون کرنے پر آمادہ ہیں۔ اسکا سروے کرنے کیلئے میں پیرس سے آیا ہوں اور اس سلسلہ میں آپ سے انٹرویو کرنا چاہتا ہوں، ساتھ ہی انھوں نے معذرت بھی کی کہ چونکہ میرے پاس وقت کم تھا اسلئے میں پہلے وقت نہیں لے سکا لیکن میں چاہتا ہوں کہ میرے

چند سوالات کا آپ جواب دیں تاکہ اسکی بنیاد پر اپنی رپورٹ مرتب کر سکوں۔
تو میں نے ان صاحب سے پوچھا کہ آپ کب تشریف لائے؟ کہا کہ میں کل ہی پہونچا ہوں۔ میں نے کہا آئندہ کیا پروگرام ہے؟ فرمانے لگے کہ کل مجھے اسلام آباد جانا ہے۔ میں نے کہا اسکے بعد؟ کہا کہ اسلام آباد ایک یا دو دن ٹھہر کر پھر میں دہلی جاؤنگا۔ میں نے کہا وہاں کتنے دن قیام فرمائیں گے؟ کہا دو دن۔ میں نے کہا پھر اسکے بعد؟ کہا کہ اسکے بعد مجھے ملائیشیا جانا ہے۔
تو میں نے کہا کل آپ کراچی تشریف لائے اور آج شام کو اس وقت میرے پاس تشریف لائے کل صبح آپ اسلام آباد چلے جائیں گے آج کا دن آپ نے کراچی میں گزارا تو آپ نے کیا کراچی کی رائے عامہ کا سروے کرلیا؟ تو اس سوال پر وہ بڑا سٹپٹائے، کہنے لگے واقعی اتنی دیر میں پورا سروے تو نہیں ہو سکتا تھا لیکن اس مدت کے اندر میں نے کافی لوگوں سے ملاقات کی اور تھوڑا بہت اندازہ مجھے ہو گیا ہے۔ تو میں نے کہا آپ نے کتنے لوگوں سے ملاقات کی؟ کہا کہ پانچ افراد سے میں ملاقات کرچکا ہوں چھٹے آپ ہیں، میں نے کہا چھ افراد سے ملاقات کرنے کے بعد آپ نے کراچی کا سروے مکمل کرلیا اب اسکے بعد کل اسلام آباد تشریف لیجائیں گے اور وہاں ایک دن قیام فرمائیں گے چھ آدمیوں سے وہاں پھر آپکی ملاقات ہوگی، چھ آدمیوں سے ملاقات کے بعد اسلام آباد کی رائے عامہ کا سروے ہو جائے گا، اسکے بعد دو دن دہلی تشریف لیجائیں گے دو دن دہلی کے اندر کچھ لوگوں سے ملاقاتیں کرینگے تو وہاں کا سروے آپ کا ہو جائے گا تو یہ بتائیے کہ یہ سروے کا کیا طریقہ ہے؟
تو وہ کہنے لگے آپکی بات معقول ہے واقعتاً جتنا وقت مجھے دینا چاہئے تھا اتنا میں نہیں دے پا رہا، مگر میں کیا کروں کہ میرے پاس وقت کم تھا۔ تو میں نے کہا معاف فرمائیے اگر وقت کم تھا تو کس ڈاکٹر نے آپکو مشورہ دیا تھا کہ آپ سروے کریں اس لئے کہ اگر سروے کرنا ہے تو پھر ایسے آدمی کو کرنا چاہئے جس کے پاس

وقت ہو جو لوگوں کے پاس جاکر مل سکے ، لوگوں سے بات کر سکے اگر وقت کم تھا تو پھر سر
کی ذمہ داری لینے کی ضرورت کیا تھی ؟ تو کہنے لگے بات تو آپکی ٹھیک ہے لیکن ہم
میں اتنا ہی وقت دیا گیا تھا اسلئے ہیں مجبور تھے ۔ میں نے کہا معاف فرمائیے مجھے
آپ کے اس سروے کی سنجیدگی پر شک ہے میں اس سروے کو سنجیدہ نہیں سمجھتا
لہٰذا میں اس سروے کے اندر کوئی پارٹی بننے کو تیار نہیں ہوں اور نہ آپ کے
کسی سوال کا جواب دینے کے لئے تیار ہوں اسلئے کہ آپ پانچ چھ آدمیوں سے
گفتگو کرنے کے بعد یہ رپورٹ دیں گے کہ وہاں پر رائے عامہ یہ ہے ، اس رپورٹ کی
کیا قدر وقیمت ہوسکتی ہے ؟ لہٰذا میں آپکے کسی سوال کا جواب نہیں دے سکتا
وہ بڑا اسٹپٹائے اور انھوں نے کہا ۔ آپکی بات ویسے ٹیکنیکلی صحیح ہے لیکن یہ کہ
میں چونکہ آپ کے پاس ایک بات پوچھنے کے لئے آیا ہوں تو میرے کچھ سوالوں کے
جواب آپ ضرور دیں ۔ میں نے کہا نہیں ، میں آپ کے کسی سوال کا جواب نہیں دونگا
جب تک مجھے یقین نہ ہو جائے کہ آپ کا سروے واقعتا علمی نوعیت کا ہے
سنجیدہ ہے اور علمی شرائط پوری کرتا ہے ۔ تو میں اس سروے کے اندر کوئی پارٹی
بننے کے لئے تیار نہیں ہوں ، آپ مجھے معاف فرمائیں ، میرے مہمان ہیں میں آپ کی
خاطر تواضع کرسکتا ہوں وہ کرونگا باقی کسی سوال کا جواب نہیں دونگا ۔

میں نے کہا بتا دیجئے اگر میری بات میں کوئی غیر معقولیت ہے تو مجھے سمجھا
دیجئے کہ میرا موقف غلط ہے اور فلاں بنیاد پر غلط ہے کہنے لگے بات تو آپکی معقول ہے
لیکن میں آپ سے ویسے برادرانہ طور پر چاہتا ہوں کہ آپ کچھ جواب دیں ۔ میں نے کہا
میں جواب نہیں دونگا البتہ اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں آپ سے کچھ سوال
کرنا چاہتا ہوں ——— ۔ کہنے لگے سوال تو میں کرنے کے لئے آیا تھا
تو آپ کیا سوال کرنا چاہتے ہیں ؟ میں نے کہا میں آپ سے اجازت طلب کر رہا ہوں
اگر آپ اجازت دیں گے تو سوال کروں گا اگر اجازت نہیں دیں گے تو میں بھی سوال
نہیں کرونگا اور ہم دونوں کی ملاقات ہوگئی بات ختم ہوگئی ۔

کہنے لگے نہیں آپ سوال کریجئے۔ تو میں نے کہا میں سوال آپ سے یہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ آزادی اظہار رائے اور انسانی حقوق کا علم لیکر چلے ہیں تو میں ایک بات آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ آزادی اظہار رائے جبکی آپ تبلیغ کرنا چاہتے ہیں اور کر رہے ہیں اور جس کا علم لیکر چلے ہیں یہ آزادی اظہار رائے Absolute یعنی مطلق ہے اس پر کوئی پابندی یا شرط عائد نہیں ہوتی یا یہ کہ آزادی اظہار رائے پر کچھ قیود و شرائط بھی عائد ہونی چاہیے کہنے لگے میں آپکا مطلب نہیں سمجھا! تو میں نے کہا کہ مطلب تو الفاظ سے واضح ہے میں یہ آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ جس آزادی اظہار رائے کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں تو کیا وہ ایسی ہے کہ جس شخص کی جو رائے ہو اسکا برملا اظہار کرے اسکی برملا تبلیغ کرے، برملا اسکی طرف دعوت دے اور اس پر کوئی روک ٹوک کوئی پابندی عائد نہ ہو، یہ مقصود ہے؟ اگر یہ مقصود ہے تو فرمائیے کہ ایک شخص یہ کہتا ہے کہ میری رائے یہ ہے کہ یہ دولت مند افراد انھوں نے بہت پیسے کما لئے اور غریب لوگ بھوکے مر رہے ہیں لہٰذا ان دولت مندوں کے گھروں پر ڈاکہ ڈال کر اور انکی دکانوں کو لوٹ کر غریبوں کو پیسہ پہنچانا چاہئے، اگر کوئی شخص دیانت دارانہ یہ رائے رکھتا ہو اور یہ رائے رکھ کر اسکی طرف تبلیغ کرے اور اسکا اظہار کرے لوگوں کو دعوت دے کہ آپ آئیے اور میرے ساتھ شامل ہو جائیے اور یہ جتنے دولت مند لوگ ہیں روزانہ ان پر ڈاکہ ڈالا کریں گے انکا مال لوٹا کریں گے اور مال لوٹ کر غریبوں میں تقسیم کیا کریں گے تو آپ ایسی اظہار رائے کی آزادی کے حامی ہوں گے یا نہیں؟ اور اسکی اجازت دیں گے یا نہیں؟ کہنے لگے اسکی اجازت نہیں دی جائے گی کہ لوگوں کا مال لوٹ کر دوسروں تقسیم کر دیا جائے۔ تو میں نے کہا کہ یہی میرا مطلب تھا کہ اگر اسکی اجازت نہیں دی جائے گی تو اسکا معنیٰ یہ ہے کہ آزادی رائے اتنی (Absolute) اتنی مطلق نہیں ہے کہ اس

کوئی قید، کوئی شرط کوئی پابندی عائد نہ کیجا سکے کچھ نہ کچھ قید، شرط لگانی
پڑے گی، کہنے لگے ہاں کچھ نہ کچھ تو لگانی پڑے گی تو میں نے کہا مجھے یہ بتائیے
کہ وہ قید و شرط کس بنیاد پر لگائی جائے گی اور کون لگائے گا؟ کس بنیاد پر یہ
طے کیا جائے گا کہ فلاں قسم کی رائے کا اظہار تو جائز ہے اور فلاں قسم کی
رائے کا اظہار کرنا جائز نہیں ہے۔ فلاں قسم کی تبلیغ جائز ہے اور فلاں قسم
کی تبلیغ جائز نہیں ہے۔ اسکا تعین کون کرے گا اور کس بنیاد پر کرے گا؟ اس
سلسلہ میں آپ کے ادارے نے کوئی علمی سروے کیا ہو اور علمی تحقیق کی ہو تو
میں اسکو جاننا چاہتا ہوں؟ کہنے لگے اس نقطہ نظر سے پہلے ہم نے غور نہیں کیا
تو میں نے عرض کیا کہ دیکھئے آپ اتنے بڑے مشن کو لیکر چلے ہیں پوری انسانیت
کو آزادئ اظہار رائے دلانے کے لئے لیکن آپ نے بنیادی سوال نہیں سوچا
کہ آخر آزادئ اظہار رائے کس بنیاد پر طے ہونی چاہئے، کیا اصول ہوں
کیا پرنسپلز ہوں، کیا شرطیں اور کیا قیود ہوں؟ تو کہنے لگے اچھا آپ ہی بتا دیجئے
تو میں نے کہا کہ میں تو پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ میں کسی سوال کا جواب دینے
بیٹھا ہی نہیں میں تو آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ آپ مجھے بتائیے کہ کیا قیود و شرائط
ہونی چاہئیں اور کیا نہیں؟ میں نے تو آپ سے سوال کیا ہے کہ آپکے نقطہ نظر
سے آپ کے ادارے کے نقطہ نظر سے کیا ہونا چاہئے؟

کہنے لگے میرے علم میں ابھی تک کوئی ایسا فارمولا نہیں ہے ایک فارمولا
ذہن میں آتا ہے کہ صاحب ایسی آزادئ اظہار رائے جس میں وائیلنس ہو
جسمیں دوسرے کے ساتھ تشدد ہو نہیں ہونی چاہئے۔ میں نے کہا یہ تو آپکے ذہن
میں آیا کہ وائیلنس کی پابندی ہونی چاہئے کسی اور کے ذہن میں کوئی اور بات
بھی آسکتی ہے کہ فلاں چیز کی آزادی بھی نہیں ہونی چاہیئے یہ کون طے کرے گا
اور کس بنیاد پر طے کرے گا کہ کس قسم کی اظہار رائے کی کھلی چھٹی ہونی چاہیئے
کس کی نہیں۔ اس کا کوئی فارمولا کچھ نہ کچھ معیار ہونا چاہئے کہنے لگے آپ سے

گفتگو کے بعد یہ اہم سوال میرے ذہن میں آیا ہے اور میں اپنے ذمہ داروں
تک اسکو پہونچاؤں گا اور اسکے بعد اگر اس پر کوئی لٹریچر ملا تو آپ کو بھیجونگا
تو میں نے کہا کہ انشاء اللہ میں منتظر رہونگا کہ اگر آپ اسکے اوپر کوئی لٹریچر
بھیج سکیں اور اسکا کوئی فلسفہ بتا سکیں تو میں ایک طالب علم کی حیثیت سے
اسکا مشتاق ہوں۔

جب وہ چلنے لگے ان کو کوئی بات مجھ سے ملی نہیں تو اس وقت میں نے
ان سے کہا کہ میں سنجیدگی سے آپ سے کہہ رہا ہوں، یہ بات مذاق کی نہیں ہے
سنجیدگی سے چاہتا ہوں کہ اس مسئلے پر غور کیا جائے اسکے بارے میں آپ اپنا
نقطہ نظر بھیجیں۔ لیکن ایک بات میں آپ کو بتا دوں کہ جتنے آپ کے نظریات
اور فلسفے ہیں ان سب کو مدنظر رکھ لیجئے کوئی ایسا متفقہ فارمولا آپ پیش
نہیں کر سکیں گے جس پر ساری دنیا متفق ہو جائے کہ فلاں بنیاد پر اظہار رائے
کی آزادی ہونی چاہیئے اور فلاں بنیاد پر نہیں ہونی چاہیئے تو یہ میں آپکو بتا دیتا
ہوں اور اگر پیش کر سکیں تو میں منتظر ہوں، آج ڈیڑھ سال ہو گیا کوئی جواب نہیں آیا

حقیقت یہ ہے کہ مجمل نعرے، یہ اجمالی نعرے کہ صاحب ہیومن رائٹس
ہونے چاہئیں، آزادئ اظہار رائے ہونی چاہیئے، تحریر و تقریر کی آزادی
ہونی چاہیئے، یہ اجمالی نعرے انکی ایسی کوئی بنیاد جس پر ساری دنیا متفق ہو سکے
اور جس کے بارے میں معقولیت سے کہا جا سکے کہ یہ ہے وہ بنیاد جو اس کو
طے کر سکے یہ کسی کے پاس نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ کیوں؟ اس واسطے
کہ جو کوئی بھی یہ بنیادیں طے کرے گا وہ اپنی سوچ اور اپنی عقل کی بنیاد پر کریگا
اور کبھی دو انسانوں کی عقل یکساں نہیں ہوتی، دو زمانوں کی عقلیں یکساں نہیں ہوتیں
دو گروپوں کی عقلیں یکساں نہیں ہوتیں لہذا انکے درمیان اختلاف رہا ہے، رہیگا
اور اس اختلاف کو ختم کرنے کا کوئی راستہ نہیں۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ انسانی
عقل [illegible]

نہیں کر پاتی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پوری انسانیت کے لئے سب سے بڑا احسانِ عظیم یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام معاملات کو طے کرنے کی وہ بنیاد فراہم کی ہے کہ کون سا حق قابل تحفظ ہے اور کون سا حق قابل تحفظ نہیں اسکی واحد بنیاد یہ ہے کہ وہ ذات جس نے اس پوری کائنات کو پیدا کیا وہ ذات جس نے انسانوں کو پیدا کیا اسی سے پوچھو کہ کون سے انسانی حقوق قابل تحفظ ہیں اور کون سے انسانی حقوق قابل تحفظ نہیں۔ وہی بتا سکتا ہے اسکے سوا کوئی نہیں بتا سکتا اور اس ذات کے ساتھ اس خالق کائنات کے ساتھ رشتہ جوڑا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور رشتہ جوڑا وحی کا رشتہ۔ وہ مقام جہاں پر انسان کی عقل آکر ناکارہ ہوجاتی ہے بیکار ہوجاتی ہے صحیح جواب نہیں دیتی اس مقام پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وحی لیکر آتے ہیں اللہ جل جلالہ کی اور وہ بتاتے ہیں کہ یہ ہے وہ بنیاد جس کی روشنی میں تم اپنے مسائل حل کر سکتے ہو۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ پہلے ہمیں یہ بتاؤ کہ اسلام ہمیں کیا حقوق دیتا ہے پھر ہم اسلام کو مانیں گے۔ میں نے کہا اسلام کو تمھاری ضرورت نہیں۔ اگر اسلام کو اس وجہ سے مانا کہ حقوق پہلے اپنے ذہن میں طے کرلئے جائیں کہ یہ حقوق جہاں ملیں گے وہاں جائیں گے اور اسکے بعد پھر اسلام میں اس لئے آتے ہو کہ یہ حقوق چونکہ اسلام میں مل رہے ہیں اس واسطے میں جا رہا ہوں تو یاد رکھو اسلام کو تمھاری ضرورت نہیں۔ اسلام کا مفہوم یہ ہے کہ پہلے اپنی عاجزی درماندگی اور شکستگی پیش کرو کہ ان مسائل کو حل کرنے میں ہماری عقل عاجز ہے اور سوچ عاجز ہے ہمیں وہ بنیاد چاہئے جسکی بنیاد پر ہم مسائل حل کریں جب آدمی اس نقطۂ نظر سے اسلام کی طرف رجوع کرتا ہے تو پھر اسلام ہدایت اور راہنمائی پیش کرتا ہے۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ یہ ہدایت متقین کے لئے ہے۔ متقین کے کیا معنی ہیں متقین کے معنی یہ ہیں کہ جس کے دل میں طلب ہو، یہ ہو کہ ہم اپنی عاجزی کا اقرار کرتے ہیں

اور درماندگی کا اعتراف کرتے ہیں پھر رجوع کرتے ہیں اپنے خالق اور مالک کے سامنے کہ آپ ہمیں بتائیے کہ ہمارے لئے کیا راستہ ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پیغام لیکر آئے لہٰذا یہ جو آج کی دنیا کے اندر ایک فیشن بن گیا ہے کہ صاحب پہلے یہ بتاؤ کہ ہیومن رائیٹس کیا ملیں گے تب اسلام میں داخل ہوں گے، تو یہ طریقہ اسلام میں داخل ہونے کا نہیں ہے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس امت کو پیغام دیا دعوت دی تو آپ نے جتنے غیر مسلموں کو دعوت دی کسی جگہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اسلام میں آجاؤ تمھیں فلاں فلاں حقوق مل جائیں گے بلکہ یہ فرمایا کہ میں تم کو اللہ جل جلالہ کی عبادت کی طرف دعوت دیتا ہوں قُولُوا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تُفْلِحُوْنَ (اقرار کرو کہ کوئی معبود نہیں سوا اللہ کے فلاح پا جاؤ گے)

یہ مادی منافع مادی مصلحتوں اور مادی خواہشات کی خاطر اگر کوئی اسلام میں آنا چاہتا ہے تو وہ درحقیقت اخلاص کے ساتھ صحیح راستہ تلاش نہیں کر رہا ہے۔ پہلے وہ اپنی عاجزی کا اعتراف کرے کہ ہماری عقلیں ان مسائل کو حل کرنے سے عاجز ہیں۔

اور یاد رکھئے یہ موضوع بڑا طویل ہے عقل انسانی بیکار نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے جو ہمیں عقل عطا فرمائی یہ بڑی کارآمد چیز ہے مگر یہ اس حد تک کارآمد ہے جب تک اسکو اسکے حدود میں استعمال کیا جائے اور حدود سے باہر اگر اسکو استعمال کروگے تو وہ غلط جواب دینا شروع کر دے گی

اسکے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک اور ذریعۂ علم عطا فرمایا ہے اسکا نام وحی الٰہی ہے جہاں عقل جواب دے جاتی ہے اور کارآمد نہیں رہتی وحی الٰہی اسی جگہ پر آکر رہنمائی کرتی ہے

دیکھو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں آنکھ دی کان دیئے، زبان دی، آنکھ سے دیکھ کر ہم بہت سی چیزیں معلوم کر سکتے ہیں۔ کان سے سن کر بہت ساری چیزیں معلوم کرتے ہیں۔ زبان سے چکھ کر بہت

ساری چیزیں معلوم کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کا اپنا ایک فنکشن
رکھا ہے۔ ہر ایک کا اپنا عمل ہے اس حد تک وہ کام دیتا ہے اس سے باہر
نہیں دیتا آنکھ دیکھ سکتی ہے سن نہیں سکتی، کوئی شخص یہ چاہے کہ میں
آنکھ سے سنوں وہ احمق ہے، کان سن سکتا ہے دیکھ نہیں سکتا، کوئی شخص
چاہے کہ کان سے میں دیکھنے کا کام لوں تو وہ بیوقوف ہے اس واسطے کہ
اس کام کے لئے پیدا نہیں ہوا اور ایک حد ایسی آتی ہے جہاں نہ آنکھ
کام دے رہی ہے نہ کان کام دے رہے ہیں نہ زبان کام دے رہی ہے
اس موقع کے لئے اللہ تعالیٰ نے عقل عطا فرمائی ہے کہ عقل انسان کی راہنمائی
کرتی ہے۔

دیکھئے یہ کرسی ہمارے سامنے رکھی ہے آنکھ سے دیکھکر معلوم کیا
اسکے ہینڈل زرد رنگ کے ہیں، ہاتھ سے چھوکر معلوم کیا کہ یہ چکنے ہیں لیکن
تیسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ آیا خود بخود وجود میں آگئی یا کسی نے اسکو
بنایا؟ تو وہ بنانے والا میری آنکھوں کے سامنے نہیں ہے اس واسطے میری
آنکھ بھی اس سوال کا جواب نہیں دے سکتی میرا ہاتھ بھی اس سوال کا جواب
نہیں دے سکتا اس موقع کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک تیسری چیز عطا فرمائی
جس کا نام عقل ہے، عقل سے میں نے سوچا کہ یہ جو ہینڈل ہے یہ بڑے قاعدے کا بنا ہوا
ہے یہ خود سے وجود میں نہیں آسکتا کسی بنانے والے نے اسکو بنایا ہے یہ
میں عقل نے میری راہنمائی کی ہے لیکن ایک چوتھا سوال آگے چل کر یہ پیدا
ہوتا ہے کہ اس کرسی کو کس کام میں استعمال کرنا چاہئے؟ کہاں اسکو استعمال کرنے
سے فائدہ ہوگا کہاں نقصان ہوگا؟ یہ سوال جو ہے اسکو حل کرنے کے لئے
عقل بھی ناکام ہو جاتی ہے اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ایک چوتھی چیز عطا
فرمائی اور اسکا نام ہے وحی الٰہی وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے وحی
آتی ہے وہ خیر اور شر کا فیصلہ کرتی ہے، وہ نفع اور نقصان کا فیصلہ کرتی ہے

جو بتاتی ہے کہ اس چیز میں خیر ہے اس میں شر ہے اس میں نفع ہے اس میں نقصان ہے۔ وحی آتی ہی اس مقام پر ہے جہاں انسان کی عقل کی پرواز ختم ہو جاتی ہے لہٰذا جب اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم آجائے اور اپنی عقل میں نہ آئے سمجھ میں نہ آئے تو اسکی وجہ سے اسے رد کرنا کہ صاحب میری تو عقل میں نہیں آرہا ہے لہٰذا میں اسکو رد کرتا ہوں تو یہ درحقیقت اس عقل کی اور وحی الٰہی کی حقیقت ہی سے جہالت کا نتیجہ ہے۔ اسے سمجھ میں نہیں آرہا کہ اگر سمجھ میں آتا تو وحی آنے کی ضرورت کیا تھی۔ وحی تو آئی ہی اسلئے کہ تم اپنی تنہا عقل کے ذریعہ اس مقام تک نہیں پہونچ سکتے تھے اللہ تبارک و تعالےٰ نے وحی کے ذریعہ سے تمہاری مدد فرمائی تو اس واسطے کہ اگر عقل سے خود بخود فیصلہ ہوتا تو اللہ تعالےٰ ایک حکم نازل کر دیتے بس کہ ہم نے تمہیں عقل دی ہے عقل کے مطابق جو چیز اچھی لگے وہ کرو اور جو بری لگے اس سے بچ جاؤ نہ کسی کتاب کی ضرورت نہ کسی رسول کی ضرورت نہ کسی پیغمبر کی ضرورت نہ کسی مذہب اور دین کی ضرورت۔ عقل دی اور اس عقل کے مطابق عمل کرو جب اللہ نے اس عقل دینے کے باوجود اس پر اکتفاء نہیں فرمایا، رسول بھیجے، کتابیں اتاریں، وحی بھیجی تو اسکے معنی یہ ہیں کہ تنہا عقل انسان کی راہنمائی کے لئے کافی نہیں تھی اسکے بعد وحی الٰہی اس لئے آئی تو آجکل لوگ کہتے ہیں کہ صاحب ہمیں چونکہ اسکا فلسفہ سمجھ میں نہیں آیا لہٰذا ہم نہیں مانتے تو وہ درحقیقت دین کی حقیقت ہی سے ناواقف ہیں، حقیقت سے جاہل ہیں، سمجھ میں آ ہی نہیں سکتا اور یہیں سے ایک اور بات کا جواب مل جاتا ہے جو آجکل کثرت سے لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے چاند پر جانے کا کوئی طریقہ نہیں بتایا، خلا کو فتح کرنے کا کوئی فارمولا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں بتایا، یہ سب قومیں اس قسم کے فارمولے حاصل کر کے کہاں سے کہاں پہونچ گئیں

اور ہم قرآن بغل میں رکھنے کے باوجود پیچھے رہ گئے تو قرآن اور سنت نے یہ فارمولے کیوں نہیں بتلائے؛ جواب اسکا یہی ہے کہ اسلئے نہیں بتلایا کہ وہ چیز تمھاری عقل کے دائرے کی تھی اپنی عقل سے اور اپنے تجربے اور محنت سے جتنا آگے بڑھو گے اسکے اندر تحقیقات ہوتے چلے جائیں گے، وہ تمھارے عقل کے دائرے کی چیز تھی، عقل اسکا ادراک کرسکتی تھی اس واسطے اسکے لئے نبی بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی، اسکے لئے رسول بھیجنے کی ضرورت نہیں تھی، اسکے لئے کتاب نازل کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ لیکن کتاب اور رسول کی ضرورت تھی وہاں جہاں تمھاری عقل عاجز تھی جیسے کہ ایمنسٹی انٹرنیشنل والوں کی عقل عاجز تھی کہ بنیادی حقوق اور آزادی تحریر و تقریر پر کیا پابندیاں ہونی چاہئیں کیا نہیں ہونی چاہئیں اس معاملہ میں انسان کی عقل عاجز تھی اسلئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ یہ حق ہے انسان کا جس کا تحفظ ضروری ہے اور فلاں حق ہے جس کے تحفظ کی ضرورت نہیں ہے تو اس لئے پہلے یہ سمجھ لو کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانی حقوق کے سلسلے میں سب سے بڑا کنٹری بیوشن یہ ہے کہ انسانی حقوق کے تعین کی بنیاد فراہم فرمائی کہ کونسا انسانی حق پابندی کے قابل ہے اور کونسا نہیں۔ یہ بات اگر سمجھ میں آجاوے تو اب سنئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا حقوق انسان کو عطا فرمائے۔ کن حقوق کو ریکگنائز (Recognize) کیا، کن کن حقوق کا تعین فرمایا اور پھر اسکے اوپر عمل کر کے دکھایا۔ ریکگنائز Recognize کن حقوق کو کیا، اور آج کی دنیا میں ریکگنائز کرنے والے تو بہت اور اسکا اعلان کرنے والے بہت اسکے نعرے لگانے والے بہت لیکن ان نعروں پر ان حقوق کے اوپر جب عمل کرنے کا سوال آجائے تو وہی ڈھنڈورچی جو یہ کہتے ہیں کہ انسانی حقوق قابل تحفظ ہیں جب انکا اپنا معاملہ آجاتا ہے اپنے مفاد سے ٹکراؤ پیدا ہو جاتا ہے تو دیکھئے پھر انسانی حقوق کس طرح پامال ہوتے ہیں۔

(جاری)

سے منظور کیا۔

حامل مضامین تصوف وعرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

شمارہ ۹ - ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ مطابق ستمبر ۱۹۹۵ء - جلد ۱۸

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ سالانہ زر تعاون ستر (۷۰) روپیہ ششماہی پینتیس (۳۵) روپیہ

سالانہ بدل اشتراک: پاکستان سو (۱۰۰) روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر - پبلشر - صغیر حسن : اسرار کریمی پریس جانسن گنج الہ آباد

گ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ کوئی طریقہ بتاؤ جس سے اطمینان قلبی نصیب ہو میں کہتا ہوں کہ اسکا طریقہ تو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمادیا ہے مگر آپ س پر عمل کریں تب نا۔ ارشاد فرماتے ہیں مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً یعنی جو شخص عمل صالح کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت ہم اسکو حیات طیبہ نصیب فرمائیں گے۔

دیکھئے اس میں اللہ تعالیٰ مومن کے عمل صالح پر حیات طیبہ کو مرتب فرما رہے ہیں اور عمل صالح اسی کو کہتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ کی مرضی طلب کی جائے اور امتثال حکم مقصود ہو۔ پھر جب انسان کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی مرضی اور انکے حکم کا امتثال ہو جائے گا تو اسکے بعد وہ جاتا کہاں ہے؟ آدمی شریعت کے چوگان کی گیند بن جائے گا جدہر وہ اسکو پھینکے گا ادہر جائے گا۔ حضرات صحابہ کرام اپنی اسی نیت کی تصحیح کئے ہوئے تھے چنانچہ اسکے ساتھ جس کام کو کرتے تھے اسکا حق ہی ادا کردیتے تھے ایک صحابی تھے جو جنگ میں شریک ہوتے تھے لیکن ابتداءً انکو جوش نہیں آتا تھا آہستہ آہستہ لڑتے تھے پھر انکو جوش آجاتا تھا جسکی علامت یہ ہوتی تھی کہ ایک لال رومال اپنے سر پر باندھ لیتے تھے اسی سے لوگ سمجھتے تھے کہ ــــــــــ اب انکو پورا جوش آگیا اس کے بعد پھر جب دشمن پر حملہ کرتے تو اسکے چھکے چھڑا دیتے تھے۔ حدیث میں اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ جو فرمایا گیا ہے تو اسکا مطلب یہی ہے کہ اعمال کا کمال اور اسکا تمام حسن نیت کی وجہ سے ہے اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیثیں موجود ہیں لیکن دیکھا جاتا ہے کہ خود پڑھنے پڑھانے والے سے غافل ہیں۔

امام بخاریؒ نے جو ٹکڑا یہاں حذف کردیا ہے تو کسی وجہ سے کیا ہے یہی نہیں کر دیا ہے نہ انکو نسیان ہوا بلکہ اس سے اپنے کو تزکیہ سے

بچایا ہے چنانچہ صاحب فتح الباری لکھتے ہیں کہ حدیث میں اس ٹکڑے کے حذف کرنے کی وجہ سے بخاری پر جو اعتراض کیا گیا ہے یوں تو اسکے بہت سے جوابات دیئے گئے ہیں لیکن سب سے اچھا جواب یہ ہے کہ کہا جائے کہ شاید کہ بخاری کا مقصد یہ ہو کہ اپنی کتاب کے لئے کلی ایک افتتاح (اور مقدمہ) بنائیں جیسا کہ عام مصنفین کا طریقہ ہے کہ وہ اپنی تصنیفات کو ایسے خطبوں سے شروع کرتے ہیں جو تصانیف کے مضامین پر مشتمل ہوتے ہیں پس اسی طرح بخاری نے اپنی کتاب کو نیت کے مضمون سے شروع کیا اور اسکے علم کو اللہ تعالےٰ کے حوالہ کیا کہ اگر اللہ کے علم میں یہ بات ہو کہ میں نے اس سے دنیا کا یا اور کسی دنیوی غرض کا ارادہ کیا ہو تو اللہ تعالےٰ اس نیت کا بدلہ مجھے دیں گے اور ایک شق کو حذف کر گئے تاکہ تزکیہ کا دعویٰ نہو۔ چونکہ اس شق کا اس مقام پر ذکر کرنا موہم دعوئ تزکیہ تھا اسلئے اسکا نہ لانا ہی مناسب سمجھا۔

حاصل اسکا یہ ہے کہ حذف شدہ جملہ قربت محضہ کو مشعر تھا اور اور ذکر کردہ جملہ محتمل تھا دونوں میں یعنی قربت اور عدم قربت میں پس مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے جبکہ حدیث کی اس عبارت سے اپنی اس تصنیف میں اپنی نیت کی خبر دی تھی تو جو جملہ کہ قربت محضہ کو مشعر تھا اسکو تزکیہ سے بچنے کیلئے حذف کر دیا اور جملۂ محتملہ کو باقی رکھا اور معاملہ کو اللہ سبحانہٗ تعالےٰ کیجانب سپرد کیا کہ وہی باطن کے جاننے والے ہیں اور ہر شخص کو اسکی نیت کے اعتبار سے جزا دینے والے ہیں ۱ انتہیٰ فتح الباری ص۱۱ ج۱)

دیکھ رہے ہیں آپ نیت کے متعلق علماء کس قدر پریشان ہیں اور کیسا کیسا لکھ رہے ہیں۔ یہ فرما رہے ہیں کہ نیت نام ہے قلب میں داعیۂ امتثال[۱] کے پیدا ہو جانے کا۔ اب اسکو آپ لوگ سن رہے ہیں جس سے مجھے دھوکا ہوتا ہے کہ مجھے مانتے ہیں اور میری باتوں کو سنتے ہیں لیکن سننا آنکھ سے

---

[۱] تعمیل حکم کا تقاضا اور جذبہ

نہیں ہوا کرتا بلکہ کان سے ہوتا ہے۔ اللہ والوں نے اللہ و رسول کی باتیں سنی ہیں اور اپنی نیت کو صحیح کیا ہے چنانچہ اپنی نیت درست کرنے ہی کی وجہ سے میدان مار لیا ہے۔ ایک بزرگ تھے جو سالن بیچا کرتے تھے لوگ انکو سیدھا سادہ سمجھ کر کھوٹے سکے دے جایا کرتے تھے اور وہ انھیں لے لیتے تھے اور سالن پورا دیتے تھے تو لوگ سمجھتے تھے یہ بیوقوف آدمی ہیں لیکن انکا باطن ایسا اچھا تھا کہ جب وہ مرنے لگے تو اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اے اللہ تو جانتا ہے کہ میں ساری عمر لوگوں کے خراب سکے لیتا تھا لہٰذا آپ بھی آج میرے ردی اور کھوٹے اعمال قبول کر لیجئے زندگی میں میرا معاملہ آپ کے بندوں کے ساتھ جیسا تھا میں چاہتا ہوں کہ اب مرنے کے وقت آپ اپنا معاملہ بھی میرے ساتھ ویسا ہی فرمائیے دیکھا آپ نے لوگ انکو کیا سمجھتے تھے اور وہ کتنے ہوشیار نکلے اپنی حسن نیت کی وجہ سے سالن بیچ کر جنت خرید لی۔

اسی طرح سے ایک اور بزرگ کا واقعہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک راستہ سے جب گذرتے تھے وہاں ایک بازاری عورت رہتی تھی جو برابر ان سے کہا کرتی تھی کہ تمھاری داڑھی اچھی ہے یا میرے بکرے کی سن لیتے تھے مگر کچھ کہتے نہ تھے جب انتقال ہونے لگا اور حسن خاتمہ کے آثار معلوم ہوئے تو لوگوں کو وصیت کی کہ میرا جنازہ اس عورت کے مکان کی طرف سے لے جایا جائے چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا تو جب اسکے مکان کے سامنے پہونچے تو اٹھکر بیٹھ گئے اور داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا کہ آج کہتا ہوں کہ الحمدللہ! میری داڑھی تیرے بکرے کی داڑھی سے اچھی ہے

اسی طرح گلستاں میں ایک قصہ لکھا ہے کہ صالحین میں سے کسی نے خواب میں ایک بادشاہ کو جنت میں دیکھا اور ایک پارسا کو دوزخ میں پوچھا کہ اُسکی جزا اور اِسکی سزا کا کیا سبب ہے حالانکہ لوگوں کا خیال تو

اسکے برعکس تھا نزا آئی کہ یہ بادشاہ درویشوں کا معتقد تھا اور یہ پارسا بادشاہوں کا تقرب تلاش کرتا تھا چنانچہ ہر ایک کے باطن اور نیت کیمطابق اسکے ساتھ معاملہ ہوا اس واقعہ کو لکھکر شیخ فرماتے ہیں کہ ؎

دلقت بچہ کار آید و تسبیح و مرقع　　　خود را ز عملہائے نکوہیدہ بری دار

حاجت بکلاہ برکی داشتنت نیست　　　درویش صفت باش و کلاہ تتری دار

"یعنی تمھیں گدڑی درویشوں کی اور تسبیح و پیوند دار کپڑا کیا کام آسکتا ہے تمھیں چاہیئے کہ اپنے کو برے اعمال یعنی اخلاق رذیلہ سے محفوظ رکھو بزرگوں کی ٹوپی صرف پہن لینا کافی نہیں ہے بلکہ ضرورت اسکی ہے کہ تمھارے اخلاق درویشوں جیسے ہوں پھر ٹوپی چاہے تاتاری ہی کیوں نہ پہنو کچھ حرج نہیں ہے"

دیکھا آپ نے وہاں کا معاملہ باطن پر ہے باطن دیکھا جائے گا ظاہر نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے اس میں بڑی بڑی باریکیاں ہیں جن میں سب سے پہلی چیز نیت ہے۔ علماء نے اسی حدیث سے اس مسئلہ کو مستنبط فرمایا ہے کہ سب کام میں اصل چیز نیت ہے اسکا اہتمام کرو اور اسکا طریقہ یہی ہے کہ ہر عمل سے مقصود ابتغاء وجہ اللہ (طلب رضاء الہی) اور امتثال امر (تعمیل حکم) ہونا چاہیئے یہیں سے صوفیاء نے کبھی بیان فرمایا ہے کہ "وَاَوَّلُ قَدَمٍ لِلْمُرِيْدِ فِي الطَّرِيْقِ يَنْبَغِيْ اَنْ يَّكُوْنَ عَلَى الصِّدْقِ" کہ طریق میں مرید کیلئے پہلا قدم صدق پر ہونا چاہیے" انکی مراد بھی یہاں صدق سے صدقِ نیت ہی ہے۔ ہمارے بزرگوں میں سے ایک بزرگ کہیں جارہے تھے، اللہ تعالیٰ کیطرف سے الہام ہوا کہ ہمارا راستہ اس قدم سے طے کر رہے ہو؟ بس دم بخود ہوگئے اور وہیں ٹھہر گئے، پھر الہام ہوا کہ ہمارا راستہ طے نہیں کرتے ہو ٹھہرے ہوئے ہو تمھیں صبر کیسے آیا؟ پھر چلنے لگے مگر فکر پیدا ہوگئی کہ یا اللہ اب کروں تو کیا کروں، ایک جانب تو قدم سے چلنے پر نکیر فرمائی اور دوسری جانب چلنے کی

ترغیب فرمائی ہے۔ اسی میں حیران و پریشان تھے کہ پھر ندا آئی کہ اچھا ان کو پہنچا دو اللہ تعالیٰ کا راستہ طے کرنا اور وہ بھی اخلاص کے ساتھ طے کرنا یہ کچھ آسان کام نہیں ۔ اللہ تعالیٰ ہی جس کے لئے آسان فرمادیں اسکے لئے آسان ہے۔ اسی لئے کہتا ہوں کہ اپنے طور پر راستہ طے کروگے تو طے نہیں ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو اختیار کرو اسی سے راستہ طے ہوگا اور سب سے بڑی سنت یہ ہے کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ کو پیش نظر رکھو (یعنی صدق و اخلاص اختیار کرو)

ایک بزرگ کے پاس ایک عورت اپنے لڑکے کو لائی اور یہ شکایت کی کہ حضرت یہ گڑ بہت کھاتا ہے اسکو نصیحت فرما دیجئے انھوں نے کہا کہ اچھا اسکو کل لانا دوسرے روز جب وہ پھر آئی تو ان بزرگ نے اس لڑکے سے کہا کہ میاں صاحبزادے گڑ مت کھایا کرو مریدین نے عرض کیا کہ حضرت اتنا تو آپ کل بھی فرما سکتے تھے اس کے لئے آپ نے اسے دوبارہ کیوں بلایا ان بزرگ نے فرمایا کہ بھائی بات یہ ہے کہ میں خود گڑ بہت کھاتا تھا اس لئے جس عیب میں خود مبتلا تھا تو دوسروں کو اگر نصیحت کرتا تو اثر نہ ہوتا تو میں نے پہلے خود اس سے توبہ کی اور اس عادت کو چھوڑ دیا تب آج اسکو نصیحت کی۔ بزرگان دین ظاہری اعمال کم کرتے تھے مگر باطن کا اہتمام رکھتے تھے اسی سے پہونچ جاتے تھے نیت کا معاملہ بھی باطن ہی سے متعلق ہے اور بہت ہی اہم ہے اسی لئے بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اسی کو لیا چنانچہ انکی اسی نیت کا اثر ہے کہ تمام دنیا میں بخاری پڑھی پڑھائی جاتی ہے اور علماء کا تقریباً اتفاق ہے کہ انکی کتاب اَصَحُّ الْکُتُبِ بَعْدَ کِتَابِ اللہ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ امت کی بہت بڑی خدمت کی اور مسلمانوں پر انکا بہت بڑا احسان ہے اور اس میں انھوں نے بہت مشقت اٹھائی علماء نے انکا امتحان بھی لیا ہے یونہی نہیں انکو مان لیا ہے۔

ایک جگہ علماء کا مجمع تھا امام بخاریؒ بھی موجود تھے علم حدیث میں انکی شہرت ہوچکی تھی علماء نے چاہا کہ انکا امتحان کریں تاکہ دیکھیں کہ واقعی ہیں بھی کچھ یا یوںہی انکی شہرت ہوگئی ہے چنانچہ ایک عالم کھڑے ہوئے اور امام بخاریؒ کو مخاطب کرکے کہا کہ حضرت میرے پاس کچھ احادیث ہیں آپکی تصدیق چاہتا ہوں یہ کہکر سند اور متن میں تبدیلی کرکر کے دس حدیثیں سنائیں ہر حدیث کو سنکر امام بخاری یہی فرماتے تھے لَا اَدْرِیْ "یعنی مجھے یہ حدیث نہیں معلوم" اسی طرح سے دس علماء نے باری باری سو حدیثیں پیش کیں جنکے جواب میں امام بخاری لَا اَدْرِی لَا اَعْلَمُ (مجھے نہیں معلوم میں یہ حدیث نہیں جانتا) ہی فرماتے رہے اسکا اثر مجمع پر برا پڑا یعنی عام لوگوں نے یہ خیال کیا کہ اتنے بڑے بڑے علماء حدیثیں سنا رہے ہیں اور امام بخاریؒ کو ایک حدیث بھی نہیں معلوم پھر یہ کیسے محدث ہیں؟ جب علماء سوالات کرچکے تو امام بخاریؒ کھڑے ہوئے اور انھوں نے سائل اول کو مخاطب کرکے فرمایا کہ آپ نے پہلی حدیث اس سند کے ساتھ یوں پڑھی تھی ان لفظوں میں، اس سند کے ساتھ مجھے حدیث نہیں پہونچی ہاں اس سند سے یہ حدیث مجھے پہونچی ہے اسی طرح سے آپ نے دوسری حدیث یوں پڑھی تھی یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اس میں فلاں راوی کے بجائے فلاں راوی ہیں اور فلاں لفظ کے بجائے فلاں لفظ ہے۔ اس طرح پر یہ حدیث صحیح ہے۔ اسی طرح انکی دسوں روایات میں ان کی غلطی پر تنبیہ فرمائی اور یہی معاملہ دسوں علماء کے ساتھ کیا اسکو دیکھکر لوگوں میں تحسین کی صدا بلند ہوئی اور سب نے بخاریؒ کے حفظ اور انکی وسعت معلومات کی داد دی۔ اور اس میں شک نہیں کہ امام بخاریؒ نے کمال ہی کیا صحیح روایتیں جو انکو یاد تھیں انکا بتا دینا اتنا کمال نہ تھا جتنا کہ ان لوگوں کی غلط روایات کو ایک ہی مجلس میں یاد کرلینا اور انکو دہرا دینا کمال تھا چونکہ انھوں نے اپنی نیت کو درست کرلیا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید انکے ساتھ تھی ——— اسی حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ پر سارا تصوف دائر ہے بزرگوں نے نیت درست کرنے کا بڑا اہتمام کیا ہے ایک جگہ ایک جنازہ آیا لوگوں نے نماز پڑھی ایک بزرگ شریک نہوسکے لوگوں نے کہا آپ نماز میں شریک نہیں ہوئے فرمایا کہ بھائی میں تصحیح نیت کررہا تھا چاہتا تھا کہ شریک ہوں لیکن نیت ہی درست کرنے میں سارا وقت گذر گیا۔

فرمایا کہ کئی دنوں سے نیت کے متعلق کہہ رہا ہوں قاضی بیضاوی کا قول آپ کو سنایا کہ وہ فرماتے ہیں کہ شرع میں نیت اس قلبی ارادے کو کہتے ہیں جو کسی کام کی جانب اللہ تعالے کے حکم کے امتثال اور اسکی مرضی طلب کرنے کے لئے پیدا ہو۔

علماء اور مشائخ یہ فرماتے ہیں اور رسول اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ (یعنی اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے) کی شرح میں فرماتے ہیں کہ عمل کی صحت اور اسکا کمال بدون نیت کے نہیں ہوگا۔ آدمی کو ہر عمل سے پہلے نیت درست کرنی چاہیئے۔ امام بخاریؒ نے بھی اسی حدیث کو ابتدائے کتاب میں بیان کرکے اس جانب متوجہ کیا ہے کہ آدمی اگر اپنی نیت ہی درست کرلے تو معمولی عمل کے ساتھ بھی وہ کامیاب ہوسکتا ہے امام نے اس ایک ہی حدیث کے ذریعہ امت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچا دیا اب یہ ان علماء کا کام ہے جو حدیث پڑھتے پڑھاتے ہیں کہ وہ بھی طلباء کو حدیث کے ذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچا دیں اور آپ سے تعلق پیدا کرادیں۔

ایک بزرگؒ حدیث پڑھاتے تھے ایک دن کوئی حدیث آئی آپ پڑھکر بڑی زور سے چیخ ماری طلباء سب بیہوش ہوگئے کتاب بند ہوگئی تھوڑی دیر کے بعد جب طلباء کو ہوش آیا تو فرمایا کہ ہم حدیث اسی طرح پڑھاتے ہیں انکا مطلب یہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے اس میں آپ کے اقوال وافعال اور احوال کا بیان ہے لہٰذا اس پر سرسری طور سے نہیں گذرنا چاہیئے بلکہ حال یعنی ایمان کے ساتھ اسکو پڑھنا چاہیئے اور اس سے اثر لینا چاہیئے۔ مومن اگر اللہ و رسول کے کلام سے متاثر نہ ہوگا تو اثر کے لئے اور کیا چیز ہوگی؟

یہ حضرات چونکہ خود متاثر ہوتے ہیں اسلئے اپنے بیان سے امت کو

ے مراد شاہ فضل الرحمٰن صاحب گنج مرادآبادی قدس سرہٗ ہیں

بھی متاثر کرتے ہیں حضرات علماء کا یہ تاثر و تاثیر مشائخ کے تصرف سے بڑھا ہوا ہے اسکے آگے تصرف وغیرہ کی کچھ حقیقت نہیں ہے۔ اب لوگ ہم سے کہتے ہیں کہ اطمینان کیسے حاصل ہو؟ میں کہتا ہوں تم لوگ یونہی درست ہونے والے ہو؟ تم کو درست کرنے کے لئے اور پہونچانے کے لئے تو ڈنڈا رسید کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک صاحب کہتے تھے کہ ہم خدا تک ایک منٹ میں پہونچا دیں لوگوں نے کہا کیسے؟ کہا ڈنڈا لاؤ زور سے رسید کر دوں بس پہونچ جاؤ گے۔ میں کہتا ہوں اس طرح تو خدا تک پہونچانا آسان ہے مگر حدیث و قرآن سے پہونچانا مشکل ہے اور یہ حضرات علماء اسی طرح پہونچاتے ہیں وہ صاحب ایک منٹ میں اللہ تعالےٰ تک پہونچا دیتے ہوں یا نہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق البتہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ اپنے ایک ہی ارشاد سے اللہ تعالےٰ تک پہونچا دیتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو ابتداء میں اسی لئے ذکر کیا ہے تاکہ تصحیح نیت ہو جائے اور اسکا ایک جملہ اسلئے حذف کر دیا تاکہ تزکیہ سے مجانبت (اور احتراز) ہو جائے۔

اس سے ان کے کس قدر عرفان کا پتہ چلتا ہے اپنے ہی لوگوں کو حق سے حدیث جمع کرنے کا تاکہ انکے خلوص اور انکی للہیت کا دوسروں میں بھی تعدیہ ہو۔ جو شخص جتنا بڑا ہوتا ہے اتنی ہی بڑی اسکی نیت ہوتی ہے۔

اب طلباء جو حدیث پڑھتے ہیں انکو دیکھتا ہوں کہ مدرسہ میں ان سب چیزوں کو نہیں سیکھتے بلکہ مطالبے کرتے ہیں انکو اپنے مقصد کی خبر ہی نہیں ہے یہ ناقص اور مہمل لوگ ہیں کس قدر افسوس کی بات ہے کہ یہ لوگ قرآن و حدیث پڑھتے ہیں لیکن ذرا ادب و تدین ان میں نہیں پیدا ہوتا۔ حضرت مولاناؒ فرماتے تھے کہ کوئی شخص اگر ذی استعداد (باصلاحیت) ہوا اور اس نے محض استعداد کے لئے علم حاصل کیا تو علم حاصل ہو جائے گا لیکن اگر نیت اسکی نہیں صحیح نہ ہوگی تو وہ علم آخرت میں کام نہ آوے گا

ایک صاحب نے مجھ سے کہا کہ یہ کیا بات ہے کہ جو ذی استعداد ہوتے ہیں وہ ادہر (یعنی تصوف و سلوک کی طرف) نہیں آتے ۔ میں نے کہا کہ نہ آنے کی وجہ ادہر کی بے استعدادی ہے ۔ اور جو لوگ ظاہری علم میں بے استعداد ہیں مگر اِدھر کی استعداد ہے تو کچھ حرج نہیں ہے، یہ سنکر چپ ہی تو ہوگئے

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دفعہ مجلس میں بیان فرمایا کہ اگلے زمانہ میں ایک فرقہ ملامتیہ تھا یہ لوگ مخلوق کی نظروں میں اپنا مرتبہ کم کرنے اور اپنے آپ کو تزکیہ سے بچانے کے لئے کوئی کوئی کام خلاف شرع کر لیا کرتے تھے، حضرت نے فرمایا کہ اب اس زمانے میں اسکی ضرورت نہیں ہے آدمی قَالَ اللّٰہُ وَ قَالَ الرَّسُوْل (اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہیں) کہنا شروع کردے بس سب کے سب لوگ فرنٹ ہوجائیں گے یعنی اسکے مخالف ہوجائیں گے اور اسکو ملامت کرنا شروع کردیں گے لہذا اب اس زمانہ میں اُن سب چیزوں کے اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجلس میں ایک عالم صاحب تشریف رکھتے تھے انھوں نے اس بات کو بہت پسند کیا اور عرض کیا کہ حضرت نے بہت ہی خوب بات بیان فرمائی ۔

میں کہتا ہوں کہ عالم کا بڑا کام یہی ہے کہ لوگوں کے قلوب میں شریعت کی محبت پیدا کرے جب شریعت کی محبت اور دین کا حسن قلب میں آجائیگا تو جو کچھ ملنا ہوگا مل جائے گا باقی جب تک شریعت سے محبت نہیں ہوگی عمل نہیں ہوگا، اور جب تک عمل نہ ہوگا محبت نہ ہوگی اور جب محبت ہوجائیگی تو نفس کو بھی مار لوگے اس لئے کہ جس سے محبت ہوتی ہے آدمی اسکے سامنے گیند بن جاتا ہے چنانچہ جب شریعت سے بھی محبت ہوجائے گی تو شریعت چوگان ہوگی اور تم اسکے گیند ہوگے پھر جدہر وہ پھینکے گی ادہر جاؤگے۔

ایک صاحب میرے پاس آتے تھے لیکن انکا حال اچھا نہیں تھا اُکر مجھ سے کبھی کہتے کہ آجکل ٹھیک حال ہے پھر کہتے کہ اب حال خراب

ہو گیا ہے ۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ جو تم میرے پاس آتے جاتے بھی ہو اور پھر تمھارا حال بھی ٹھیک نہیں ہور ہا ہے تو جانتے ہو اسکی وجہ کیا ہے بات یہ ہے کہ تم کو مجھ سے تو محبت ہے اسلئے میرے پاس آتے جاتے ہو لیکن شریعت سے تم کو محبت نہیں ہے اسی لئے تمھارا یہ حال ہے کہ کبھی ٹھیک ہے اور کبھی خراب ۔ شریعت سے محبت کرو اور اسکی صورت یہ ہے کہ یہی نماز روزہ دل لگا کر کرو اسی سے محبت پیدا ہو جائے گی اور جب دین سے محبت ہو جائے گی تو پھر یہ تمھیں اللہ و رسول کی طرف بھی کھینچکر لے جائے گی اور میرے پاس بھی لائے گی محبت ہی کی کمی کی وجہ سے لوگ حدیث اور قرآن کا بھی مطلب نہیں سمجھتے بڑے بڑے علمار کو دیکھا کہ بخاری کے الفاظ کو بھی نہیں سمجھتے اور معانی کا تو کہنا ہی کیا ہے وہ تو جس پر اللہ تعالےٰ کا خاص فضل ہی ہوتا ہے اسی پر کھلتے ہیں ؎

ادھر دیکھا اُدھر دیکھا اِسے دیکھا اُسے دیکھا
نہ دیکھا یار کو اغیار میں دیکھا تو کیا دیکھا

کسی نے حدیث شریف پڑھکر بھی اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت، آپ کے اخلاق کی معرفت، آپکے تعلق مع اللہ کی معرفت اور آپ کے فنا کی معرفت نہ حاصل کی تو اس نے کیا حدیث پڑھا' اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بھی نہیں سمجھی تو وہاں کیا منہ لیکر جاؤ گے ۔

ایک جگہ ایک عالم نے تقریر کی ایک شخص نے اعتراض کیا کہ کلام میں ربط نہیں ہے میں نے سنا تو کہا کہ علما، بخاری شریف کی حدیث اور اسکے ترجمۃ الباب میں ربط بیان کرتے ہیں چنانچہ بعض بعض جگہ یہ ربط بہت ہی خفی اور غامض ہوتا ہے مگر علما اس میں لکھتے ہیں اور نہایت عمدہ ربط بیان کرتے ہیں تو ان ہی کے کلام میں ربط نہوگا یہ کیسے ہو سکتا ہے البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ ربط غامض اور دقیق ہو تو اسکے سمجھنے کے لئے علم درکار ہے

علماء کی بڑی بڑی خدمات ہیں جس زمانہ میں علماء باللہ (اللہ والے) ہوئے ہیں تو بادشاہ تک ان سے عقیدت رکھتے تھے۔

اور یہ جو میں نے کہا کہ شریعت پر عمل کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ شریعت کا استحسان (اسکی خوبی) اور اسکی محبت انسان کے قلب میں ہو یہ بالکل صحیح ہے اسلئے کہ جب قلب میں محبت ہوگی تو جوارح اور اعضاء بھی اسی کے مطابق کام کرینگے۔ ایک صاحب کہتے تھے (میں نے انھیں دیکھا ہے اچھے آدمی تھے وہ کہتے تھے) کہ اگر ہمارے یہ اعضاء اللہ تعالیٰ کے احکام کے تابع نہ ہوں تو بیکار ہیں چنانچہ ابتدا میں یہی ہوتا ہے کہ انسان کے ہاتھ پاؤں بھی اسکے مخالف ہوتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کام کرتے ہیں اسلئے سالک بھی ان سے دشمنی رکھتا ہے لیکن محبت آجانے کے بعد جب یہ سب اعضاء اللہ تعالیٰ کے احکام کے پابند ہو جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ کے مطیع ہو جاتے ہیں تو پھر آدمی کو بھی ان سے محبت ہو جاتی ہے اسی کو ایک بزرگ یوں فرماتے ہیں کہ ؎

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است افتم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است
(یعنی میں اپنی آنکھ پر ناز کرتا ہوں جس نے تیرا جمال دیکھا ہے اور خود اپنے پاؤں پر گرتا ہوں جس نے تیرے کوچے میں مجھے پہنچایا)

ہردم ہزار بوسہ زنم دست خویش را کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است
(یعنی ہردم ہزاروں بوسے اپنے ہاتھوں کو دیتا ہوں اسوجہ کہ اسنے تیرا دامن پکڑ کر میری جانب تجھکو کھینچا ہے)

دیکھئے اہل اللہ اس سے مست ہو گئے ہیں یعنی جب وہ اپنے اعضاء کو مجاہدہ کر کے مطیع کر لیتے ہیں تو اس کی انھیں وجد آتا ہے اور اسوقت یہ اشعار پڑھتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل نہ ہوتی تو میرے یہی اعضاء اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کام کرتے لیکن جب یہ مطیع ہو گئے اور خدا کی مرضی کے مطابق کام کرنے لگے تو ان ہی کے ذریعہ خدا کا قرب حاصل ہو رہا ہے اور یا تو یہ ہمیں خدا سے دور کر رہے تھے یا اب حق تعالیٰ کے قرب میں معین ثابت ہو رہے ہیں۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

کئی دن سے نیت پر گفتگو کر رہا ہوں کہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ اپنی نیت کو درست کرو اور یہ سب کے لئے ہے عالم کے لئے بھی اور عامی کے لئے بھی ہے۔ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ ہر آدمی کو وہی ملے گا جو اس کی نیت ہوگی۔ اس حدیث کی بڑی شان ہے اب یہ حال ہے کہ حج کو جانے کی تیاری ہے مگر نیت کی درستی کا اہتمام بالکل نہیں ہے بلکہ ظاہری انتظام تک نہیں کرتے نہ خود یہاں آتے ہیں اور نہ کوئی کوشش کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ یہ رستہ عشق سے طے کیا جاتا ہے اس میں انتظام کی کیا ضرورت ہے ایک صاحب نے مجھے لکھکر بھیجا کہ سنا ہے کہ تم ذاکرین کی ایک جماعت کو لیکر حج کرنے کے لئے جا رہے ہو تو مجھے یہ لکھو کہ میں درخواست تمھارے پاس بھیجوں یا حج کمیٹی کے نام بھیجوں۔ دیکھتے ہیں آپ جب دین چلا جاتا ہے اور اخلاص ختم ہو جاتا ہے تو دنیا کی بھی عقل رخصت ہو جاتی ہے

یہ حدیث جس طرح ہجرت کے بارے میں ہے اسی طرح سے علم کے بارے میں بھی ہے۔ امام بخاریؒ نے شروع کتاب میں اسے لاکر اس امر کی جانب اشارہ کیا ہے کہ پہلی چیز نیت ہے جس درجہ کی نیت ہوگی اسی درجہ کا عمل ہوگا عمل کا تحقق اور وجود تو بغیر نیت کے ہو سکتا ہے لیکن صحت اور کمال اور قبول، نیت کی وجہ سے ہوتا ہے چنانچہ تصوف کی پہلی چیز بھی یہی نیت ہے۔ نیت کے متعلق علماء نے بڑا زبردست کلام کیا ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ اہل فلسفہ جس چیز کو نیت سے تعبیر کرتے ہیں یعنی کسی کام کے کرنے کا اولاً جو داعیہ اور ارادہ پیدا ہوتا ہے اسے وہ لوگ نیت کہتے ہیں شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ شرعی نیت نہیں ہے بلکہ شریعت میں نیت اسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی تحصیل کے خیال سے کسی کام کے کرنے کا داعیہ قلب میں پیدا ہو چنانچہ عمل سے پہلے کی جاتی ہے لیکن تحقق اور ظہور اس کا

عمل کے بعد ہوتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی ایک حدیث کے ذریعہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ تک پہنچا دیا لیکن ہم لوگ اس حدیث کو پڑھا کر اور سنا کر آپ لوگوں کو اور طلبار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک نہیں پہونچا سکتے ہماری مثال بس ملّا ستین کی سی ہے کہ انھوں نے ایک کتاب (غالباً ہدایہ) کے ساتھ حواشی یاد کر رکھے تھے اور طلبہ کے سامنے بیان کرتے تھے لیکن خود کہتے تھے کہ ہمارا علم ہمارے مصلّے سے تجاوز نہیں کرتا۔ مطلب انکا یہ تھا کہ اتنے علم کے باوجود اسکا نفع مسند درس سے آگے متجاوز نہیں ہوتا۔ یہی آج ہمارا حال ہے کہ اتنی زبردست حدیث ہے اس پر تقریر بھی ہم بہت کر لیتے ہیں لیکن اثر کا یہ حال ہے کہ خود ہمارے ہی قلوب اس سے خالی ہیں تو سامعین پر اسکا کیا اثر ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ فرما رہے ہے کہ بدون نیت کے اعمال صحیح اور مقبول نہیں ہیں لیکن ہمارا یہ حال ہے کہ ہم یہ کہتے ہیں کہ "بسیار کردیم و شد" یعنی ہم نے کتنی ہی بار کیا اور ہو گیا۔

بات یہ ہے کہ نیت کے تصحیح کی فکر نہیں ہے کہ ہمارا عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں مقبول بھی ہے یا نہیں، اسکا کچھ اندیشہ نہیں بس ظاہری اور سرسری عمل کو کافی سمجھتے ہیں بلکہ دنیا کی نیت کرکے دین کا ثواب لینا چاہتے ہیں۔ ہمارے اسلاف کا یہ حال نہیں تھا وہ حضرات تو دین کے لئے اور خدا کے لئے عمل کرتے تھے لیکن اپنی نیت کو متہم سمجھتے تھے

ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ستر بدری صحابیوںؓ سے ملاقات کی سب کے سب اپنے اوپر نفاق کا اندیشہ کرتے تھے۔ صحابۂ کرامؓ کے اسی حال کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اپنے عمل سے پھیلانا چاہتے تھے چنانچہ آپ نے انھیں دیکھا کہ اس ٹکڑے ہی کو حدیث

سے حذف کر دیا جس میں تزکیہ کا ایہام تھا بلکہ اپنی نیت کو عالم سرائر کے حوالہ کر دیا کہ اللہ تعالےٰ ہی میری نیت سے خوب واقف ہیں جیسی میری نیت ہوگی ویسا ہی مجھے بدلہ دے گا اس سے اپنے نفس کو ڈرایا ہے تاکہ تاکہ وہ عُجبؔ میں مبتلا کر کے ایسی عظیم الشان خدمت پر پانی نہ پھیر دے یہ چیز بخاری سے حاصل کرنے کی اور طلبا، کو سمجھانے اور بتلانے کی۔ اہل اللہ نے اسی حدیث کے پیش نظر اپنی نیتوں کو درست کیا۔ ایک جگہ لوگوں نے ایک بزرگ سے مذاق کرنے کے لئے یہ کیا کہ ایک زندہ شخص کو تابوت میں لٹا کر ایک جنازہ تیار کر کے ان کے پاس لائے اور کہا کہ حضرت اسکی نماز پڑھا دیں اور اس سے یہ طے کر رکھا تھا کہ جیسے ہی یہ اللہ اکبر کہیں تم زور سے چیخنا اور اٹھ بیٹھنا جس سے یہ ڈر جائیں گے اور ہم لوگ خوب تالیاں بجائیں گے ـ یہ اسکیم بنا کر جنازہ انکے پاس لے گئے انھوں نے کہا کیا جنازہ کی نماز پڑھا دوں؟ اسکو وہ لوگ نہیں سمجھے کہا ہاں! انھوں نے نماز شروع کر دی، ایک تکبیر کہی دو تکبیر کہی مگر وہ اٹھا نہیں۔ اسکے ساتھیوں کو سخت تشویش ہوئی کہ آخر کیا بات ہے انھوں نے چاروں تکبیر ختم کر کے سلام پھیر دیا مگر وہ اب بھی نہ اٹھا اس کے بعد لوگوں نے جو کپڑا اٹھا کر دیکھا تو وہ مردہ تھا تہلکہ مچگیا مگر اب کیا ہوتا ہے جو ہونا تھا ہو گیا' بزرگوں سے اس قسم کی گستاخی ہلاکت کی بات ہے۔ علماء و مشائخ قرآن و حدیث سنائیں اور تم ان ہی کا مذاق اڑاؤ انتہائی بے ادبی اور شقاوت کی بات ہے۔

(جاری)

ے۔ باطن۔ رموز۔ نیات　　عے خود بینی و خود پسندی۔

(۱۱۲۹) فرمایا کہ نری عقل سے کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ فضل الٰہی نہو خدا کی قسم عقل پر ناز کرنا بے عقلی اور بے راہی ہے اس لئے اگر کسی کو اپنی عقل پر ناز ہو تو اس خیال کو دور کرے نری عقل کچھ کام نہیں آتی بڑے بڑے عقلاء نے ٹھوکریں کھائی ہیں۔ دیکھئے بڑی رفتار گھوڑے کی یہ ہے کہ دامن کوہ تک پہنچا دے اسکے بعد گھوڑا بالکل بیکار ہے وہاں تو ہوائی جہاز کی ضرورت ہے ؎

فہم و خاطر تیز کردن نیست راہ　　جز شکستہ می نگیرد فضل شاہ

(عقل اور سمجھ تیز کرنا یہ راہ حق نہیں ہے کہ اس سے خدا تک رسائی ہو) خدا کا فضل شکستہ دل پر ہوا کرتا ہے)

ہر کجا پستی است آب آنجا رود　　ہر کجا مشکل جواب آنجا رود

(جہاں پستی ہوتی ہے اسی طرف کو پانی بہتا ہے جہاں مشکل ہوتی ہے وہیں جواب پہنچتا ہے)

سالہا تو سنگ بودی دلخراش　　آزموں را یک زمانے خاک باش

(سالہا سال تم دلخراش پتھر بنے رہے بطور آزمائش اور تجربہ ہی کے کچھ دنوں کیلئے خاک بنکر دیکھو لو)

در بہاراں کے شود سر سبز سنگ　　خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

(موسم بہار میں پتھریلی زمین پر سبزہ کہاں اگا کرتا ہے مٹی ہو جاؤ تاکہ اس پر رنگ رنگ کے پھول کھلیں)

چوں تو یوسف نیستی یعقوب باش　　ہمچو او باگریہ و آشوب باش

(جب تم یوسف نہیں ہو تو یعقوب ہی بن جاؤ اور انکی طرح آہ و بکا گریہ و زاری اختیار کرو رنج و غم ہو)

آزمودم عقل دور اندیش را　　بعد ازاں دیوانہ سازم خویش را

بہت دور تک سوچنے والی عقل کو میں نے آزما کر دیکھ لیا (جب اس سے کام نہ چلا تو اسکے بعد میں نے اپنے کو دیوانہ بنالیا (اس سے کام آسان ہوگیا)

یعنی وہاں تو شکستی اور پستی ہی کام دیتی ہے ۔ عقل کچھ کام نہیں دیتی۔

(۱۱۳۰) فرمایا کہ جو شخص تارک دنیا ہوگا وہ تارک امر الٰہی ضرور ہوگا چنانچہ ایک بادشاہ نے اعتراضاً ایک درویش کے سامنے پہونچتے ہی یہ مصرعہ پڑھا
مرد درویش را دریاں نباید (مرد درویش (اللہ والے) کے یہاں د۔ بان اور

پہرہ دار نہ ہونا چاہئے ، اس درویش نے بے دھڑک بادشاہ کو اس مصرعہ کا جواب دیا ع - بباید تا سگ دنیا نیاید (دربان ہونا چاہئے تاکہ دنیا کا کتا نہ آجائے) - پھر فرمایا کہ حضرت مرزا جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ جس روز شہید کئے گئے تھے آپ کو کشف ہوگیا تھا چنانچہ آپ صبح ہی سے نہایت شاداں وفرحاں تھے موت کے خیال سے اور بار بار یہ کہتے تھے ؎

سر جدا کرد از تنم یارے کہ با ما یار بود　　قصہ کوتہ کرد ورنہ دردِ سر بسیار بود

(میرا سر دھڑ سے جدا کردیا میرے ہی ایک یار نے جس سے قدیم یارا نہ تھا اس نے سب قصہ ہی ختم کردیا ورنہ (زندہ رہنے میں) کم دردسر نہ تھا -)

یہ لوگ بڑے بے فکرے ہوتے ہیں انھیں تو بس ایک ہی فکر ہے جیسے عصائے موسیٰ اتنا بڑا سانپ ہوگیا تھا کہ سارے سانپوں کو نگل گیا تھا ایسے ہی انکی یہ فکر ایسی ہے کہ ساری فکروں کو نیست و نابود کردیتی ہے -

(۱۱۳۱) فرمایا کہ حدیث میں ہے کہ جنت ایک چٹیل میدان ہے اور اسکے درخت سبحان اللہ الحمد للہ و لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر ہیں اس سے بعض مبتدعین معتزلہ کو دھوکا ہوا کہ جنت و نعمائے جنت فی الحال موجود نہیں بلکہ ہم جیسے جیسے عمل کریں گے یہ عمل ہی اس شکل سے ظہور کرینگے حالانکہ جنت کا مع نعمائے حسیہ بالفعل موجود ہونا منصوص ہے مگر باوجود ہونے کے ہیں ان ہی اعمال کے ثمرات؛ کیونکہ خدا تعالےٰ کو معلوم ہے کہ کون شخص کیا کیا عمل کرے گا اسی کے مناسب جزا سزا کی صورت پہلے سے بنا کر اسکے وجود واقعی کی خبر دینے کے لئے یہ فرمایا أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ جیسے میزبان کو پہلے سے معلوم ہو کہ میرے مہمان کا مزاج علیل ہے اور وہ پہلے سے اسکے مزاج کے مناسب کھانا تیار کرکے رکھدیوے پس فی نفسہٖ قیعان یعنی چٹیل میدان نہیں بلکہ جنتیوں کے حق میں قیعان ہے جیسے ایک شخص نے دس ہزار روپیہ اپنے خادموں کے لئے خزانے

؎ جہنم کا ذور [illegible]

میں جمع کردئیے اور فی کام دس کا روپیہ علی قدر مراتب نامزد کردئیے پھر وہ شخص سب کو خطاب کر کے یوں کہہ سکتا ہے کہ اتنا روپیہ خزانہ میں رکھا گیا ہے اگر تم خدمت کروگے تو خزانہ میں سب کچھ ہے ورنہ یوں سمجھو کہ بالکل خالی ہے اسکے یہ معنی ہیں کہ قبل خدمتیں کرنے کے تمھارے حق میں گویا خزانہ خالی ہے خدمتیں کرنا شروع کروگے تو اب سمجھو کہ وہ پُر ہوگا۔ واقع میں تو وہ اب بھی پُر ہے لیکن تمھارے حق میں وہ جبھی پُر سمجھا جاوے گا جب تم خدمتیں کروگے تو معنی حدیث کے یہ ہیں کہ اعمال کے ثمرات تو پہلے سے مہیا کردئیے گئے ہیں لیکن ابھی وہ کسی کے ملک نہیں بنائے گئے جیسے جیسے بندے عمل کرتے جاتے ہیں وہ ثمرات انکے نامزد ہوتے جاتے ہیں۔

(۱۱۳۲) فرمایا کہ پل صراط کی حقیقت یہ ہے کہ شریعت میں ہر چیز کا اعتدال مقصود ہے اور اعمال فرع ہیں اخلاق کی۔ اصل محل اعتدال کا اخلاق ہیں۔ انکا بیان یہ ہے کہ اخلاق کے اصول تین ہیں یعنی اصل میں تین قوتیں ہیں جو جڑ ہیں تمام اخلاق کی یعنی جن قویٰ سے اخلاق پیدا ہوئے ہیں تین ہیں قوت عقلیہ۔ قوت شہویہ۔ قوت غضبیہ۔ حاصل یہ ہے کہ اپنے منافع کے حصول اور مضار کے دفع کے لئے خواہ وہ دنیویہ ہوں یا اخرویہ دو چیزوں کی ضرورت ہے ایک تو وہ قوت کہ جس سے منفعت و مضرت کو سمجھے، وہ قوتِ مُدرکہ قوتِ عقلیہ ہے اور ایک کہ منفعت کو سمجھکر اس کو حاصل کرے یہ قوتِ شہویہ کا کام ہے اور ایک یہ کہ مضرت کو سمجھکر اسکو دفع کرے یہ قوت دافعہ قوت غضبیہ ہے۔ پھر ان تینوں سے مختلف اعمال صادر ہوتے ہیں۔ پھر ان اعمال کے تین درجے ہیں افراط۔ تفریط۔ و اعتدال چنانچہ قوت عقلیہ کا افراط یہ ہے کہ اتنی بڑھے کہ وحی کو بھی نہ مانے جیسے یونانیوں نے کیا۔ تفریط یہ ہے کہ اتنی گھٹے کہ جہل و سفہ تک اتر آئے۔ اسی طرح قوت شہویہ کا ایک درجہ افراط ہے کہ حرام و حلال کی بھی

تمیز نہ رہے بیوی اجنبیہ سب برابر ہو جاویں اور ایک درجہ ہے تفریط یعنی ایسا پرہیزگار رہنے کہ بیوی سے بھی پرہیز کرنے لگے یا مال کے ایسے حریص ہوئے کہ اپنا پرایا سب ہضم کرنے لگے یا ایسے زاہد بنے کہ ضرورت کی چیزیں بھی چھوڑ دیں۔ اسی طرح قوت غضبیہ کا افراط یہ ہے کہ بالکل بھیڑیا ہی بنجاویں اور تفریط یہ کہ ایسے نرم ہوئے کہ کوئی جوتے بھی مارلے دین کو بھی برا بھلا کہہ لے تب بھی غصہ نہ آوے یہ تو افراط تفریط تھا ایک تینوں قوتوں کا اعتدال ہے یعنی جہاں شریعت نے اجازت دی ہو وہاں تو ان قوتوں کو استعمال کرے اور جہاں اجازت نہ دی ہو وہاں ان قوتوں سے کام نہ لے تو ہر قوت میں تین درجے ہوئے افراط۔ تفریط۔ اعتدال ان سب درجوں کے نام الگ الگ ہیں جو قوت عقلیہ کے افراط کا درجہ ہے اسکا نام ہے جزبرہ۔ جو تفریط کا درجہ ہے اس کو سفاہت کہتے ہیں۔ جو اعتدال کا درجہ ہے اسکا لقب حکمت ہے۔ اسی طرح قوت شہویہ کے افراط کا درجہ فجور ہے تفریط کا درجہ جمود ہے۔ اعتدال کا درجہ عفت ہے۔ اور قوت غضبیہ کا درجہ افراط تہور ہے اور گھٹا ہوا درجہ جبن ہے۔ اعتدال کا درجہ شجاعت ہے تو یہ نو چیزیں ہوئیں جو تمام اخلاق حسنہ وسیئہ کو حاوی ہیں اور مطلوب ان نو درجوں میں صرف تین درجے اعتدال کے ہیں یعنی حکمت عفت اور شجاعت باقی سب رذائل ہیں تو اصول اخلاق حسنہ کے یہ ہیں اور ان تینوں کے مجموعہ کا نام عدالت ہے اسی لئے اس امت کا لقب امت وسط یعنی امت عادلہ ہے غرض انسان وہ ہے جس میں اعتدال ہو اب آپ دیکھیں کہ دنیا میں بزرگ تو بہت ہیں لیکن انسان کم ہیں چنانچہ شاعر لکھتا ہے ؎

زاہد شدی و شیخ شدی و دانشمند
ایں جملہ شدی ولیکن انساں نشدی

(تم زاہد ہو گئے، شیخ بن گئے اور دانشمند اور عالم بھی ہو گئے، تم سب کچھ ہو گئے لیکن ابتک انسان نہ بن سکے)

جب یہ بات سمجھ میں آگئی تو اب یہ سمجھئے کہ اعتدال حقیقی سب سے زیادہ مشکل ہوا کیونکہ اعتدال حقیقی کہتے ہیں وسط حقیقی کو کہ اس میں ذرہ برابر نہ افراط ہو نہ تفریط اور مشاہدہ سے اسکا دشوار ہونا ظاہر ہے اور پل صراط اسی اعتدال کی صورت مثالیہ ہے اور اسکی دشواری تلوار کی تیزی اور بال سے زیادہ باریکی کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

(۱۱۳۳) اگر کسی خارق کے بعد قلب میں زیادہ تعلق مع اللہ محسوس ہو تب تو وہ کرامت ہے اور اگر اسمیں زیادت محسوس نہو تو ناقابل اعتبار ہے اور کرامت واستدراج میں ایک ظاہری فرق یہ ہے کہ صاحب کرامت متصف بالایمان والعبادۃ وغیرہ ہوگا اور صاحب استدراج افعال منکرہ میں مبتلا ہوگا اور دوسرا فرق اثر کے اعتبار سے ہوگا کہ صاحب کرامت پر انکسار کا غلبہ ہوگا اور صاحب استدراج پر ظہور خارق پر تکبر کا۔

(۱۱۳۴) فرمایا کہ اگر قرآن شریف سنکر نفسانی کیفیت پیدا ہو تو محمود نہ ہوگی مثلاً کسی امرد سے قرآن شریف سنا اسکی آواز یا صورت سے قلب میں ایک کیفیت پیدا ہوئی تو یہاں اسباب کو نہ دیکھیں گے آثار کو دیکھیں گے اور ظاہر ہے کہ وہ کیفیت یقیناً نفسانی ہوگی ایسے ہی سماع کو سمجھ لیا جائے اسکے بھی حدود ہیں ہر شخص کو جائز نہیں جیسا کہ آج کل ہرکس وناکس کو اس میں ابتلا ہے شیخ شیرازیؒ اس فرق کو کہتے ہیں کہ ؎

سماع اے برادر بگویم کہ چیست
مگر مستمع را بدانم کہ کیست

(اے برادر میں تو بتادوں کہ سماع کیا ہے مگر پہلے

سے مجھے یہ معلوم ہو جائے کہ سننے والا کون ہے ؟)
مولانا جامیؒ فرماتے ہیں ؎

زندہ دلاں مردہ تناں را رواست
مردہ دلاں زندہ تناں را خطاست

(زندہ دل لوگوں کے لیۓ جنکی خواہشات نفسانی مردہ ہیں اور تقاضہ سے نکل چکے ہیں سماع جائز ہے اور جنکے دل مردہ ہیں شہوات میں مبتلا ہیں انکے لئے سماع ناجائز اور ناروا ہے)

سلطان نظام الدین قدس سرہٗ اسکے لئے چار شرائط بتاتے (۱) سامع از اہل دل باشد از اہل ہوا و شہوت نباشد (۲) مسمع ۔ باشد زن و کودک نباشد (۳) مسموع مضمون ہزل نباشد ۔ آلہ سماع چنگ و رباب درمیان نباشد ۔

(ترجمہ : (۱) سننے والا صاحب دل ہو صاحب ہوا و ہوس اور شہ نہ ہو (۲) سنانے والا بالغ مرد ہو عورت اور بچہ نہ ہو (۳) جو سنایا جائے وہ مزاحیہ اور فحش نہ ہو (۴) سماع کے آلات رباب ستار و ہارمونیم وغیرہ نہ ہوں ۔

فرمایا کہ میں ایک بار اپنے ایک صاحب سماع بزرگ کو تلا سلطان جی کے عرس میں قبل از وقت عرس حاضر ہوا میں اس ہی کہ ان سے ملنے دہلی آیا تھا میں سمجھا کہ وہ عرس میں ملیں گے وقت تک عرس میں نہ آئے تھے میں قریب نماز ظہر کے لوٹا کہ کچھ مل لوں گا وہاں چشتی ہی چشتی جمع تھے انھوں نے مجھکو گھیرا کہ شروع ہونے کے وقت کہاں چلے میں نے کہا کہ اگر میں شریک ہو تو حضرت سلطان جی خفا ہو جاویں گے اور میں نے اوپر کا ملفو سلطان جی کا پڑھ دیا اور کہا کہ مجھ میں یہ شرائط نہیں ، سب نے

تم تو اسکے اہل ہو مگر ہم اہل نہیں۔ ایسی تبلیغ ہم کو آج تک کسی نے نہیں کی تھی۔

(۱۱۳۵) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت وسوسہ کیا شے ہے فرمایا کہ جو امر منکر بلا اختیار قلب پر وارد ہو جائے ہیں اسی کو وسوسہ سمجھتا ہوں مگر چونکہ بلا اختیار ہے اس لئے مضر نہیں ہے۔

(۱۱۳۶) فرمایا کہ بزرگوں کو جو خطوط لکھے جاویں ان میں اشعار کا لکھنا میں خلاف ادب سمجھتا ہوں ہاں بطور جوش نکل جائے تو دوسری بات ہے قصداً ایسا کرنے کا حاصل یہ ہے کہ انکو اشعار سے متاثر کر کے کام نکالنا چاہتے ہیں نیز اپنی لیاقت کا اظہار ہے طالب کا کوئی فعل معلم کے ساتھ ایسا نہ ہونا چاہئے

(۱۱۳۷) فرمایا کہ حقوق الشیخ کا آسان خلاصہ یہ ہے کہ اسکی دلآزاری نہو نہ قول و فعل سے نہ حرکات و سکنات سے۔

(۱۱۳۸) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت مجدد وقت ہیں فرمایا کہ چونکہ نفی کی بھی کوئی دلیل نہیں اسلئے اسکا احتمال مجھکو بھی ہے مگر اس سے زائد جزم نہ کرنا چاہئے محض ظن ہے اور یقینی تعین تو کسی مجدد کا بھی نہیں ہوا (الحمد للہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیہ علی ھذا الاحتمال)

(۱۱۳۹) فرمایا کہ قطب التکوین کو اپنی تطبیب کا علم ضروری ہے مگر قطب الارشاد کو ضرور نہیں ابدال وغیرہ بھی تکوینیات سے متعلق ہیں۔ قطب الارشاد میں تعدد ضروری نہیں ہاں قطب التکوین متعدد ہوتے ہیں مگر قطب الاقطاب تمام عالم میں ایک ہوتا ہے اسکا نام محدث ہے اہل کشف انکو پہچانتے ہیں۔ قطب التکوین دائماً اور قطب الارشاد حیاناً متعدد بھی ہوتے ہیں۔ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ زمانۂ تحریک خلافت میں خانقاہ کے پاس ذرا فصل سے گور کے نیچے میرے مکان کے سامنے

ایک نہ ایک مجذوب رہا کرتے تھے میں سمجھتا تھا کہ شاید منجانب اللہ حفاظت کے لئے مقرر ہیں ایسے مجازیب بدلتے بھی رہتے ہیں جیسے سرکاری عہدے بدلتے رہتے ہیں۔

(۱۱۴۰) فرمایا کہ میرا ذوق ہے کہ انبیاء سے معصیت صادر نہیں بلکہ جو کچھ ہوتا ہے وہ طاعت ہی ہے گو خلاف اولیٰ سہی اور عصیٰ و غوی وغیرہ جو صیغے مستعمل ہیں وہ باعتبار شق مقابل کے ہیں کہ وہ شق مرجوح صادر سے افضل ہے نہ یہ کہ یہ معصیت ہے اور تعبیر بالمعصیت محض صورۃً ہے۔

(۱۱۴۱) فرمایا کہ معاصئ ماضیہ کے تدارک کے لئے استغفار کرے اور آئندہ کے لئے نفس پر جرمانہ مقرر کرلے خواہ بدنی ہو یا مالی ہو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں مَنْ قَالَ تَعَالَ اُقَامِرْکَ فَلْيَتَصَدَّقْ (جو شخص کہے کہ آؤ جوا کھیلیں تو چاہیئے کہ (بطور کفارہ) صدقہ کرے)، اسی علم پر نظر فرمائی ہے کہ مقامرۃ (جوا کھیلنے) کی وجہ حب مال ہے تصدق سے محبت مال کی نکل جائے گی اس لئے جرمانہ مقرر فرمایا۔

(۱۱۴۲) فرمایا کہ یہ طریق بہت ہی نازک ہے اسلئے رہبر کامل کی ضرورت ہے بعض اوقات ماضی پر افسوس کرنا بھی حجاب مستقبل کا ہو جاتا ہے کہ اس تاسف میں غلو کے ساتھ مشغول ہو کر آئندہ کے لئے معطل ہو جاتا ہے

(۱۱۴۳) فرمایا کہ اہل علم کے کام کی ایک بات بتلاتا ہوں کہ دین پر عمل کرنے کا مدار سلف صالحین کی عظمت پر ہے اس لئے حتی الامکان ان پر اعتراض و تنقیص کی آنچ نہ آنے دینا چاہیئے۔

(۱۱۴۴) فرمایا کامیابی کا مدار طلب پر ہے حسب طلب جو مناسب ہوگا ملیگا اور جہاں ایک نظر میں کامیابی ہوئی ہے وہاں بھی مجاہدہ ہی کی بدولت ہوئی ہے بہت سے مجاہدات اس نظر سے مقدم رہے ہیں۔

(جاری)

(قسط ۲)

انسانی حقوق کا ایک تقاضا یہ ہے کہ اکثریت کی حکومت ہونی چاہئے۔

جمہوریت، سیکولر ڈیموکریسی، آج امریکہ کی ایک کتاب دنیا بھر میں مشہور ہو رہی ہے "دی اینڈ آف ہسٹری اینڈ دی لاسٹ مین" آجکل کے سارے پڑھے لکھے لوگوں میں مقبول ہو رہی ہے اسکی ساری تھیسس یہ ہے کہ انسان کی ہسٹری کا خاتمہ جمہوریت کے اوپر ہو گیا اور اب انسانیت کے عروج و فلاح کے لئے کوئی نیا نظریہ وجود میں نہیں آئے گا یعنی ختم نبوت ہم اور آپ یقین رکھتے ہیں اب یہ ختم نظریات ہو گیا کہ ڈیموکریسی کے بعد کوئی نظریہ انسانی فلاح کا عالم وجود میں آنے والا نہیں ہے۔

ایک طرف تو یہ نعرہ ہے کہ اکثریت جو بات کہدے وہ حق ہے اسکو قبول کرو، اسکی بات مانو لیکن وہی اکثریت اگر الجزائر میں کامیاب ہو جاتی ہے اور انتخابات میں اکثریت حاصل کرلیتی ہے تو اسکے بعد جمہوریت باقی نہیں رہتی پھر اسکا وجود جمہوریت کے لئے خطرہ بن جاتا ہے، تو نعرے لگالینا اور بات ہے لیکن اسکے اوپر عمل کرکے دکھانا مشکل ہے۔

یہ نعرے لگالینا بہت اچھی بات ہے کہ سب انسانوں کو انکے حقوق ملنے چاہئیں، انکو آزادئ اظہار رائے ہونی چاہیئے اور لوگوں کو حق خودارادی ملنا چاہیئے لیکن جن لوگوں کا حق خودارادی پامال کرکے انکے سر سے لیکر پاؤں تک انکو جبر و تشدد کی چکی میں پیسا جارہا ہے انکے بارے میں آواز اٹھاتے ہوئے زبان لڑکھڑاتی ہے اور وہی جمہوریت اور آزادی کے منادی، منادی کرنے والے انکے خلاف کارروائیاں کرتے ہیں۔ تو بات صرف یہ نہیں کہ زبان سے کہدیا جائے کہ انسانی حقوق کیا ہیں؟ بات یہ ہے کہ جو بات زبان سے کہو اسکو کرکے دکھاؤ اور یہ کام کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آپ نے جو حق دیا اس پر عمل کرکے دکھایا۔

غزوۂ بدر کا موقع ہے اور حضرت حذیفہ بن یمانؓ اپنے والد ماجد کے ساتھ سفر کرتے ہوئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیلئے

مدینہ منورہ جا رہے ہیں راستہ میں ابوجہل کے لشکر سے ٹکراؤ ہو جاتا ہے اور ابوجہل کا لشکر کہتا ہے کہ ہم تمھیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے نہیں دیں گے اسلئے کہ تم جاؤ گے تو ہمارے خلاف انکے لشکر میں شامل ہو گے ہمارے خلاف جنگ کرو گے۔ یہ بیچارے پریشان ہوتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے جانا تھا اور انھوں نے روک لیا، آخرکار انھوں نے کہا کہ اس شرط پر تمھیں چھوڑیں گے کہ ہم سے وعدہ کرو اس بات کا کہ جاؤ گے اور جانے کے بعد انکے لشکر میں شامل نہیں ہو گے ہم سے جنگ نہیں کرو گے اگر یہ وعدہ کرتے ہو تو ہم تمھیں چھوڑتے ہیں۔ حضرت حذیفہؓ اور انکے والد نے وعدہ کر لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف زیارت کریں گے انکے لشکر میں شامل ہو کر آپ سے لڑیں گے نہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہونچ گئے، جب کفار کے ساتھ جنگ کا وقت آگیا اور کیسی جنگ؟ ایک ہزار مکہ مکرمہ کے مسلح سورما اور انکے مقابلے میں تین سو تیرہ نہتے جنکے پاس ۸ تلواریں، دو گھوڑے، ستر اونٹ ۸ تلواروں کے سوا تین سو تیرہ آدمیوں کے پاس اور تلوار بھی نہیں تھی کسی نے لاٹھی اٹھائی ہوئی ہے کسی نے پتھر اٹھایا ہوا ہے اس موقع پر ایک ایک آدمی کی قیمت تھی، ایک ایک انسان کی قیمت تھی۔ کسی نے کہا یا رسول اللہ یہ نئے آدمی آئے ہیں آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے ہیں ان سے زبردستی معاہدہ کرایا گیا یہ وعدہ زبردستی لیا گیا ہے کہ تم جنگ میں شامل نہیں ہو گے تو انکو اجازت دے دیجئے کہ جہاد میں شامل ہو جائیں اور جہاد بھی کون سا؟ یوم الفرقان جس کے اندر شامل ہونے والا ہر فرد بدری بن گیا، جس کے بارے میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بدر کے سارے گناہ اگلے پچھلے معاف فرمائے ہیں۔ اتنا بڑا غزوہ ہو رہا ہے، حذیفہ بن یمانؓ چاہتے ہیں، دل مچل رہا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شامل ہو جائیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب سنئے کہ نہیں۔ جو ابوجہل کے لشکر سے وعدہ

کرکے آئے ہو کہ جنگ نہیں کرو گے تو مومن کا کام وعدہ کی خلاف ورزی نہیں ہے لہٰذا تم اس جنگ میں شامل نہیں ہو سکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ میں شامل ہونے سے روک دیا تو بات یہ ہے کہ جب وقت پڑے اس وقت انسان اصول کو نبھائے یہ نہیں کہ زبان سے تو کہدیا کہ ہم انسانی حقوق کے علمبردار ہیں اور ہیروشیما اور ناگاساکی پر بے گناہ بچوں کو بے گناہ عورتوں کو تہ و بالا کردیا کہ انکی نسلیں تک معذور پیدا ہو رہی ہیں، جب جنگ کا اپنا وقت پڑ جائے تو اس میں کوئی اخلاق کوئی کردار دیکھنے والا نہو۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق بتائے بھی اور عمل کرکے بھی دکھایا' کیا حقوق ؟ اب سنئے!۔

انسانی حقوق میں سب سے پہلا حق انسان کی جان کا حق ہے۔ ہر انسان کی جان کا تحفظ انسان کا بنیادی حق ہے کوئی اسکی جان پر دست درازی نہ کرے لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ کسی بھی فرد کے اوپر دست درازی نہیں کیجا سکتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حکم دے دیا اور کیا حکم دیدیا کہ جنگ میں جا رہے ہو کفار سے مقابلہ ہے، دشمن سے مقابلہ ہے اس حالت میں بھی تمھیں کسی بچے پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں کسی عورت پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں، بوڑھے پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہیں، عین جہاد کے موقع پر بھی پابندی عائد کردی گئی اور پابندی ایسی نہیں ہے کہ صرف زبانی جمع خرچ ہو جیسا کہ میں نے ابھی بتایا کہ صاحب زبانی طور پر تو کہدیا اور تہس نہس کردیا سارے بچوں کو بھی عورتوں کو بھی۔ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابۂ کرام نے اس پر عمل کرکے دکھایا انکا ہاتھ کسی عورت پر نہیں اٹھا، انکا ہاتھ کسی بچے پر نہیں اٹھا، انکا ہاتھ کسی بوڑھے پر نہیں اٹھا، عمل کرکے دکھایا یہ ہے جان کا تحفظ۔

مال کا تحفظ انسان کا دوسرا بنیادی حق ہے لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ

بینکم بالباطل باطل کے ساتھ ناحق طریقے سے کسی کا مال نہ کھاؤ۔ اس پر عمل کر کے کیسے دکھایا؟ یہ نہیں ہے کہ تاویل کر کے توجیہ کر کے مال کھا گئے کہ جب تک اپنے مفادات وابستہ تھے اس وقت تک بڑی دیانت تھی بڑی امانت تھی لیکن جب معاملہ جنگ کا آگیا دشمنی ہوگئی تو اب یہ ہے کہ صاحب تمہارے اکاؤنٹس منجمد کر دیئے جائیں گے، تمہارے اکاؤنٹس فریز کر دیئے جائیں گے۔ جب مقابلہ ہوگیا تو اس وقت میں انسانی حقوق غائب ہو گئے اب مال کا تحفظ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مثال پیش کی وہ عرض کرتا ہوں غزوۂ خیبر ہے یہودیوں کے ساتھ لڑائی ہو رہی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابۂ کرامؓ کے ساتھ خیبر کے اوپر حملہ آور ہیں اور اس خیبر کے گرد محاصرہ کئے ہوئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آرمی پڑی ہوئی ہے خیبر کے قلعہ کے اردگرد۔ خیبر کے اندر ایک بیچارہ چھوٹا سا چرواہا جو اجرت پر بکریاں چرایا کرتا تھا اسکے دل میں خیال پیدا ہوا کہ خیبر سے باہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لشکر پڑا ہوا ہے تو جا کر دیکھوں تو سہی آپ کا نام تو بہت سنا ہے "محمد" صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا کہتے ہیں اور کیسے آدمی ہیں؟ بکریاں لیکر خیبر کے قلعے سے نکلا اور مسلمانوں کے لشکر میں داخل ہوا کسی سے پوچھا بھائی! محمد کہاں ہیں؟ صلی اللہ علیہ وسلم تو لوگوں نے بتایا کہ فلاں خیمے کے اندر ہیں وہ کہتا ہے کہ مجھے یقین نہیں آیا کہ اس خیمے کے اندر یہ کھجور کا معمولی خیمہ، جھونپڑی، اس میں اتنا بڑا سردار اتنا بڑا نبی وہ اس خیمے کے اندر ہے؟ لیکن جب لوگوں نے بار بار کہا تو اس میں چلا گیا۔ اب جب داخل ہوا تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے جا کر کہا کہ یا رسول اللہ! آپ کیا پیغام لیکر آئے ہیں، آپ کا پیغام کیا ہے؟ آپ نے مختصراً بتایا توحید کے عقیدے کی وضاحت فرمائی کہنے لگا اگر میں آپ کے اس پیغام کو قبول کروں تو میرا کیا مقام ہوگا؟

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہم تمھیں سینے سے لگائیں گے تم ہمارے بھائی ہو جاؤ گے اور جو حقوق دوسروں کو حاصل ہیں وہ تمھیں بھی حاصل ہوں گے۔ کہنے لگا آپ مجھ سے ایسی بات کہتے ہیں مذاق کرتے ہیں، ایک کالا کلوٹا چرواہا، سیاہ فام، میرے بدن سے بدبو اٹھ رہی ہے اس حالت کے اندر آپ مجھے سینے سے لگائیں گے! فرمایا کہ ہاں ہم تمھیں سینے سے لگائیں گے کہا کہ اگر آپ مجھے سینے سے لگائیں گے اور یہاں تو مجھے دھتکارا جاتا ہے میرے ساتھ اہانت آمیز سلوک کیا جاتا ہے تو آپ جو مجھے سینے سے لگائیں گے تو کس وجہ سے لگائیں گے؟ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نے فرمایا اللہ کی مخلوق اللہ کی نگاہ میں سب بندے برابر ہیں اس واسطے ہم تمھیں سینے سے لگائیں گے۔ کہا کہ میں اگر آپ کی بات مان لوں اور مسلمان ہو جاؤں تو میرا انجام کیا ہوگا؟ تو سرکار دوعالم نے فرمایا کہ اگر اسی جنگ کے اندر مر گئے تو میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تمھارے اس چہرے کی سیاہی کو تابانی سے بدل دے گا اور تمھارے جسم کی بدبو کو خوشبو سے بدل دے گا۔ میں گواہی دیتا ہوں۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمایا اس اللہ کے بندے کے دل پر اثر ہوا کہ اگر آپ یہ فرماتے ہیں تو اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ عرض کیا میں مسلمان ہو گیا اب جو حکم آپ دیں وہ کرنے کو تیار ہوں۔

سنئے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا حکم اسکو کیا دیا؟ یہ نہیں دیا کہ نماز پڑھو، یہ نہیں دیا کہ روزہ رکھو، پہلا حکم یہ دیا کہ جو کسی کی بکریاں تم چرانے کے لئے لیکر آئے ہوئے تمھارے پاس امانت ہیں پہلے ان بکریوں کو واپس دے کر آؤ اور اسکے بعد آکر پوچھنا کہ مجھے کیا کرنا ہے؟ بکریاں کس کی؟ یہودیوں کی جن کے اوپر حملہ آور تھیں، جنکے ساتھ جنگ چھڑی ہوئی ہے جنکا مال غنیمت چھینا جارہا ہے لیکن فرمایا کہ یہ مال غنیمت جنگ کی حالت میں تو چھیننا جائز تھا لیکن تم

لیکر آئے ہو ایک معاہدہ کے تحت اور اس معاہدے کا تقاضا یہ ہے کہ کہ انکے مال کا تحفظ، معاہدے کا تحفظ کیا جائے یہ انکا حق ہے لہٰذا انکو پہنچا کر آؤ اس نے کہا یا رسول اللہ! بکریاں تو ان دشمنوں کی ہیں جو آپکے خون کے پیاسے ہوئے ہیں اور پھر آپ واپس لوٹاتے ہیں؟ فرمایا کہ ہاں! پہلے انکو واپس لوٹاؤ، چنانچہ بکریاں واپس لوٹائی گئیں۔ کوئی مثال پیش کرے گا کہ عین میدان جنگ میں، عین حالت جنگ کے اندر انسانی مال کے تحفظ کا حق ادا کیا جا رہا ہو۔

جب بکریاں واپس کردیں تو عرض کیا کہ اب کیا کروں؟ فرمایا کہ نہ تو نماز کا وقت ہے کہ تمھیں نماز پڑھواؤں، نہ رمضان کا مہینہ ہے کہ روزے رکھواؤں نہ تمھارے پاس مال ہے کہ زکوٰۃ دلواؤں۔ ایک ہی عبادت اس وقت ہو رہی ہے جو کہ تلوار کی چھاؤں کے نیچے ادا کیجاتی ہے اور وہ ہے جہاد۔ اس میں شامل ہو جاؤ۔ چنانچہ وہ اس میں شامل ہو گیا۔ اسکا اسود راعی نام آتا ہے۔ جب جہاد ختم ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جنگ ختم ہونے کے بعد دیکھنے جایا کرتے تھے کہ کون زخمی ہوا کون شہید ہوا تو دیکھا کہ ایک جگہ صحابۂ کرامؓ کا مجمع لگا ہوا ہے آپس میں صحابہؓ پوچھ رہے ہیں کہ یہ کون آدمی ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا معاملہ ہے تو صحابۂ کرامؓ نے بتلایا کہ یہ ایک ایسے شخص کی لاش ملی ہے جس کو ہم میں سے کوئی پہچانتا نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریب پہونچکر دیکھا اور فرمایا کہ تم نہیں پہچانتے میں پہچانتا ہوں اور میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ اللہ تبارک و تعالےٰ نے اسکو جنت الفردوس کے اندر کوثر و تسنیم سے غسل دیا ہے اور اسکے چہرے کی سیاہی کو تابانی سے بدل دیا ہے اسکے جسم کی بدبو کو خوشبو سے تبدیل فرما دیا ہے۔ یہ بات کہ مال کا تحفظ ہو، محض کہدینے کی بات نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کرکے دکھایا، کافر کے مال کا تحفظ، دشمن کے مال کا تحفظ

جو معاہدے کے تحت ہو، یہ مال کا تحفظ ہے۔

تیسرا انسان کا بنیادی حق یہ ہے کہ اسکی آبرو محفوظ ہو۔ آبرو کے تحفظ کا نعرہ لگانے والے بہت ہیں لیکن یہ پہلی بار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ انسان کی آبرو کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ پیٹھ پیچھے اسکی برائی نہ کیجائے غیبت نہ کی جائے۔ آج بنیادی حقوق کا نعرہ لگانے والے بہت لیکن کوئی اس بات کا اہتمام کرے کہ پیٹھ پیچھے کسی کا ذکر برائی سے نہ کیا جائے غیبت کرنا بھی حرام، غیبت سننا بھی حرام اور فرمایا کہ کسی انسان کے دل کو نہ توڑا جائے یہ انسان کے لئے گناہِ کبیرہ ہے۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ افقہ الصحابہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیت اللہ شریف کا طواف فرما رہے ہیں طواف کے درمیان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے بیت اللہ! تو کتنا مقدس ہے کتنا مکرم کتنا معظم ہے! یہ الفاظ فرمائے پھر عبداللہ بن مسعودؓ سے خطاب کر کے فرمایا اے عبداللہ! یہ کعبۃ اللہ بڑا مقدس، بڑا مکرم بڑا معظم ہے لیکن اس کائنات میں ایک چیز ایسی ہے کہ اسکا تقدس اس کعبۃ اللہ سے بھی زیادہ ہے اور وہ چیز کیا ہے؟ ایک مسلمان کی جان مال اور آبرو کہ اسکا تقدس کعبہ سے بھی زیادہ ہے۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی جان پر مال پر آبرو پر ناحق حملہ آور ہوتا ہے تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وہ کعبے کے ڈھا دینے سے بھی بڑا جرم ہے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حق دیا۔

جو انسان کے بنیادی حقوق ہیں وہ یہ جان، مال اور آبرو انکا تحفظ ضروری ہے پھر انسان کو دنیا میں جینے کے لئے معاش کی ضرورت ہے اسکے بارے میں فرمایا کسب معاش کا تحفظ، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان کا جو حق بتایا کہا کسی انسان کو اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ اپنی دولت کے بل بوتے پر دوسروں کے لئے معاش کے دروازے

بند کرے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول بیان فرمایا ایک طرف تو یہ فرمایا جس کو کہتے ہیں فریڈم آف کنٹریکٹ، معاہدے کی آزادی جو چاہے معاہدہ کرو لیکن فرمایا کہ ہر وہ معاہدہ جس کے نتیجے میں معاشرہ کے اوپر خرابی واقع ہوتی ہو، ہر وہ معاہدہ جس کے نتیجے میں دوسرے آدمی پر رزق کا دروازہ بند ہوتا ہو وہ حرام ہے فرمایا لَا یَبِیْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے ایک آدمی دیہات سے مال لیکر آیا مثلاً زرعی پیداوار ترکاریاں لیکر آیا شہر میں فروخت کرنے کیلئے تو فرمایا کہ شہری اسکا آڑھتی نہ بنے اسکا وکیل نہ بنے بھائی کیا حرج ہے اگر دو آدمیوں کے درمیان آپس میں معاہدہ ہوتا ہے کہ تمھارا مال فروخت کرونگا تم سے اجرت لونگا تو اس میں کیا حرج ہے؛ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ اسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ شہری جب مال لیکر بیٹھ جائیگا تو احتکار کریگا اور بازار میں اپنی مونا پلی قائم کرے گا یعنی اجارہ داری قائم کرے گا۔ اس اجارہ قائم کرنے کے نتیجے میں دوسرے لوگوں پر معیشت کے دروازے بند ہوں اس واسطے فرمایا لَا یَبِیْعُ حَاضِرٌ لِبَادٍ تو کسب معاش کا حق ہر انسان کا کہ کوئی بھی شخص ہو وہ اپنی دولت کے بل بوتے پر دوسرے کے لئے معیشت دروازے بند نہ کرے یہ نہیں کہ سود کھا کھا کر، قمار کھیل کھیل کر، گیمبلنگ کر کر کے سٹہ کھیل کھیل کر آدمی نے اپنے لئے دولت کے انبار جمع کر لئے اور کے انباروں کے ذریعہ وہ پورے بازار کے اوپر قابض ہو گیا کوئی دوسرا آدمی اگر کسب معاش کے لئے داخل ہونا چاہتا ہے تو اسکے لئے دروازے بند ہیں بلکہ کسب معاش کا تحفظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انسانوں کا بنیادی حق قرار دیا اور فرمایا دَعُوا النَّاسَ یَرْزُقُ اللّٰہُ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لوگوں کو چھوڑ دو کہ اللہ ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعہ رزق عطا فرمائیں گے یہ کسب معاش کا تحفظ ہے جتنے میں حقوق عرض کر رہا ہوں یہ نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

نے متعین فرمائے اور متعین فرمانے کے ساتھ ساتھ ان پر عمل بھی کر کے دکھایا۔
عقیدے اور دیانت کے اختیار کرنے کا تحفظ کہ اگر کوئی شخص کوئی عقیدہ اختیار کئے ہوئے ہے تو اسکے اوپر کوئی پابندی نہیں ہے کہ کوئی زبردستی جا کر مجبور کرے لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ دین میں کوئی زبردستی نہیں، دین کے اندر کوئی جبر نہیں، اگر ایک عیسائی ہے تو عیسائی رہے، ایک یہودی ہے تو یہودی رہے۔ قانوناً اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جاسکتی۔ اسکو تبلیغ کیجائے گی، دعوت دی جائیگی اسکو حقیقت حال سمجھانے کی کوشش کیجائیگی لیکن اسکے اوپر یہ پابندی نہیں ہے کہ زبردستی اسکو اسلام میں داخل کیا جائے ہاں البتہ اگر ایک مرتبہ اسلام میں داخل ہوگیا اور اسلام میں داخل ہوکر اسلام کے محاسن اسکے سامنے آگئے تو اب اسکو اس بات کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ دارالاسلام میں رہتے ہوئے وہ اس دین کو برملا چھوڑ کر ارتداد کا راستہ اختیار کرے اسواسطے کہ اگر وہ ارتداد کا راستہ اختیار کرے گا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ معاشرے میں فساد پھیلائے گا اور فساد کا علاج آپریشن ہوتا ہے لہٰذا اس فساد کا آپریشن کردیا جائے گا اور معاشرہ میں اسکو فساد پھیلانے کی اجازت نہیں دی جائیگی کسی کی عقل میں بات آئے یا نہ آئے سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں ان معاملات کے اندر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنیاد فراہم فرمائی ہے حق وہ ہے جسے اللہ مانے، حق وہ ہے جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مانیں اس سے باہر حق نہیں ہے۔ اسلئے ہر شخص عقیدے کو اختیار کرنے میں آزاد ہے۔ ورنہ اگر یہ حکم نہ ہوتا، مرتد ہونے کی سزا کا حکم نہ ہوتا، مرتد ہونا جرم نہ ہوتا تو اسلام کے دشمن اسلام کو بازیچۂ اطفال بنا کر دکھلاتے کتنے لوگ تماشا دکھانے کے لئے اسلام میں داخل ہوتے اور نکلتے۔ قرآن کریم میں ہے لوگ یہ کہتے ہیں صبح کو اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شام کو کافر ہو جاؤ، تو یہ تماشا بنا دیا گیا ہوتا اس واسطے دارالاسلام میں رہتے ہوئے ارتداد کی گنجائش نہیں دی جائیگی۔

اگر واقعتاً دیانت داری ہے تمہارا کوئی عقیدہ ہے تو پھر دار الاسلام سے باہر جاؤ باہر جاکر جو چاہو کرو لیکن دار الاسلام میں رہتے ہوئے فساد پھیلانے کی اجازت نہیں۔

تو غرض موضوع تو بڑا طویل ہے لیکن پانچ مثالیں میں نے آپ حضرات کے سامنے پیش کی ہیں (۱) جان کا تحفظ (۲) مال کا تحفظ (۳) آبرو کا تحفظ (۴) عقیدے کا تحفظ (۵) کسب معاش کا تحفظ۔ یہ انسان کی پانچ بنیادی ضروریات ہیں، یہ پانچ مثالیں میں نے پیش کیں لیکن ان پانچ مثالوں میں جو بنیادی بات غور کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ کہنے والے تو اسکے بہت ہیں لیکن اسکے اوپر عمل کر کے دکھانے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے غلام ہیں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کا واقعہ ہے کہ بیت المقدس میں غیر مسلموں سے جزیہ وصول کیا جاتا تھا اسلئے کہ کہ انکے جان و مال اور آبرو کا تحفظ کیا جائے تو ایک موقع پر ضرورت پیش آئی بیت المقدس سے فوج بلا کر کسی محاذ پر بھیجنے کی، زبردست ضرورت داعی تھی حضرت فاروق اعظم نے فرمایا کہ بھائی بیت المقدس میں جو کافر رہتے ہیں ہم نے انکے تحفظ کی ذمہ داری لی ہے اگر فوج کو یہاں سے ہٹالیں گے تو انکا تحفظ کون کرے گا؟ ہم نے ان سے اس کام کے لئے جزیہ لیا ہے لیکن ضرورت بھی شدید ہے تو سارے غیر مسلموں کو بلا کر کہا کہ بھائی ہم نے تمہاری ذمہ داری لی تھی اسکی خاطر تم سے یہ ٹیکس بھی وصول کیا تھا اب ہمیں ضرورت شدید پیش آگئی ہے جسکی وجہ ہم تمہارا تحفظ کا حق نہیں کر سکتے فوج کو یہاں نہیں رکھ سکتے لہذا فوج کو ہم دوسری جگہ ضرورت کیخاطر بھیج رہے ہیں جو ٹیکس تم سے لیا گیا تھا وہ سارا تم کو واپس کیا جاتا ہے یوں ذمہ داری ادا کی جاتی ہے

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ وہ صحابی ہیں جن پر کہنے والے ظالموں نے

کیسے کیسے بہتانوں کی بارش کی ہے انکا واقعہ ابو داؤد میں موجود ہے کہ روم کے ساتھ لڑائی کے دوران معاہدہ ہوگیا جنگ بندی ہوگئی ایک خاص تاریخ تک یہ طے ہوگیا کہ سیز فائر رہے گا یعنی جنگ بندی رہے گی کوئی آپس میں ایک دوسرے پر حملہ نہیں کرے گا۔ حضرت معاویہؓ بڑے دانش مند بزرگ تھے انھوں نے یہ سوچا کہ جس تاریخ کو معاہدہ ختم ہو رہا ہے اس تاریخ کو فوجیں لیجا کر سرحد کے پاس ڈالدیں کہ اُدھر آفتاب غروب ہوگا اور تاریخ بدلے گی اِدھر حملہ کردیں گے کیونکہ انکا یہ خیال تھا کہ دشمن کو یہ خیال ہوگا کہ جب جنگ بندی کی مدت ختم ہوگی کہیں دور سے چلیں گے چلنے کے بعد یہاں پہونچیں گے تو وقت لگے گا تو اس واسطے انھوں نے سوچا کہ پہلے فوج لیجا کے ڈالدیں چنانچہ وہاں فوج لیجا کر ڈالدی اور ادھر اس تاریخ کا آفتاب غروب ہوا جو جنگ بندی کی تاریخ تھی اور ادھر انھوں نے حملہ کردیا۔ روم کے اوپر یلغار کردی اور وہ بے خبر غافل تھے اسواسطے بہت تیزی کے ساتھ فتح کرتے چلے گئے۔ زمین کی زمین خطے کے خطے فتح ہورہے ہیں جاتے جاتے جب آگے بڑھ رہے ہیں تو پیچھے دیکھا گھوڑے پر ایک شخص سوار دور سے سرپٹ دوڑا چلا آرہا ہے قِفُوْا عِبَادَ اللّٰہِ قِفُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اللہ کے بندو رکو، اللہ کے بندو رکو، حضرت معاویہؓ رک گئے دیکھا کون ہے تو معلوم ہوا کہ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ ہیں جب حضرت عمرو بن عبسہؓ قریب تشریف لائے تو فرمایا وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ مومن کا شیوہ وفاداری ہے غداری نہیں۔ حضرت معاویہؓ نے فرمایا ہیں کوئی غداری نہیں کی جنگ بندی کی مدت ختم ہونے کے بعد حملہ کیا تو حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے ان کانوں سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے مَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ فَلَا يَحُلَّنَّهُ وَلَا يَشُدَّنَّهُ حَتّٰى يَمْضِيَ اَمَدُهُ اَوْ يَنْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَاءٍ کہ جب کسی

قوم کے ساتھ معاہدہ ہو تو اس معاہدے کے اندر کوئی ذرا بھی تغیر نہ کرے نہ کھولے نہ باندھے یہاں تک کہ اسکی مدت نہ گزر جائے اور یا ان کے سامنے کھل کر بیان نہ کر دے کہ آج سے ہم تمھارے معاہدے کے پابند نہیں ہیں اور آپ نے معاہدے کے دوران سرحد پر فوجیں لاکر ڈالدیں اور شام کے اندر بھی تھوڑا بہت گھس گئے ہوں تو اس واسطے یہ آپ نے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور یہ جو آپ نے علاقہ فتح کیا ہے یہ اللہ کی مرضی کے مطابق نہیں ہے اب اندازہ لگائیے حضرت معاویہؓ فتح کے نشے میں جا رہے ہیں، علاقے کے علاقے فتح ہو رہے ہیں لیکن جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سنا ساری فوج کے لئے حکم جاری کر دیا کہ ساری فوج واپس لوٹ جائے اور یہ مفتوحہ خالی کر دیا جائے چنانچہ پورا مفتوحہ علاقہ خالی کر دیا۔ دنیا کی تاریخ اسکی مثال نہیں پیش کر سکتی کہ کسی فاتح نے اپنے مفتوحہ علاقہ کو اس وجہ سے خالی کیا ہو کہ اسمیں معاہدے کی پابندی کے اندر ذرا سی اونچ رہ گئی تھی لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے انھوں نے یہ کر کے دکھایا۔

بات تو جتنی بھی طویل کیجائے ختم نہیں ہو سکتی لیکن خلاصہ یہ ہے کہ سب سے پہلی بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی حقوق کی بنیادیں فراہم کی ہیں کہ کون انسانی حقوق کا تعین کرے گا کون نہیں کریگا دوسری بات یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حقوق بیان فرمائے ان پر عمل کر کے دکھایا۔ حقوق ہی وہ متعین کئے گئے جن پر عمل کیا جائے کہنے کیلئے نہیں آج کہنے کیلئے ہیومن رائٹس کے بڑے شاندار چارٹر چھاپ کر دنیا بھر میں تقسیم کر دیئے گئے کہ جی یہ ہیومن رائٹس چارٹر ہیں لیکن یہ ہیومن رائٹس چارٹر کے بنانے والے اپنے مفادات کی خاطر مسافر بردار طیارہ جس میں بے گناہ افراد سفر کر رہے ہیں اسکو گرا دیں اس میں انکو کوئی باک نہیں ہوتا اور مظلوموں کے اوپر مزید ظلم و ستم کے شکنجے کسے جائیں اس میں کوئی باک نہیں ہوتا۔ ہیومن رائٹس

اسی جگہ پر مجروح ہوتے نظر آتے ہیں جہاں اپنے مفادات کے اوپر کوئی زد پڑتی ہو اور جہاں اپنے مفادات کے خلاف ہو تو وہاں ہیومن رائٹس کا کوئی تصور نہیں آتا۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہیومن رائٹس کے قائل نہیں ہیں۔ اللہ تبارک و تعالےٰ اپنی رحمت سے ہمیں اس حقیقت کو صحیح طور پر سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے اور یہ جو باطل پروپیگنڈہ ہے اسکی حقیقت پہچاننے کی توفیق عطا فرمائے۔

یاد رکھئے کہ بعض لوگ اس پروپیگنڈے سے مرعوب ہو کر مغلوب ہو کر معذرت خواہانہ انداز میں ہاتھ جوڑ کر یہ کہتے ہیں کہ نہیں صاحب ہمارے یہاں تو یہ بات نہیں ہے ہمارے یہاں تو اسلام نے فلاں حق دیا ہے اور اس کام کے لیے قرآن کو سنت کو توڑ مروڑ کر کسی نہ کسی طرح ان کی مرضی کے مطابق بنانے کی کوشش کرتے ہیں تو یاد رکھئے

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى

(اور کبھی خوش نہ ہوں گے آپ سے یہ یہود اور نہ یہ نصاریٰ جبتک کہ آپ انکے مذہب کے پیرو نہ ہو جاویں آپ کہدیجئے کہ حقیقت میں تو ہدایت کا وہی راستہ ہے جسکو خدا نے تبلایا ہے)

جب تک اس پر نہیں آجاؤ گے، اس اعتماد کے اوپر نہیں آجاؤ گے کہ کتنا ہی کوئی اعتراض کرے لیکن ہدایت تو وہی ہے جو اللہ تبارک و تعالےٰ نے عطا فرمائی ہے۔ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیکر آئے۔ کبھی ان نعروں سے مرعوب نہ ہوں، کبھی ان نعروں سے مغلوب نہ ہوں اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اسکی توفیق نصیب فرمائے

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

جھوٹ کے پاؤں

اردو میں مثل مشہور ہے کہ جھوٹ کے پاؤں نہیں ہوتے مگر اب اسکے پاؤں نہیں پر ایسے نکل آئے ہیں کہ اس نے پورے معاشرہ کو بری طرح اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے اور زندگی کا کوئی گوشہ ہمارے ماحول میں اس سے خالی نہیں رہا۔ کھلا جھوٹ تو خیر ایسی چیز ہے جسے ہر شخص برا سمجھتا ہے اس میں مسلمان اور کافر کی بھی قید نہیں بلکہ وہ دہریئے بھی جو اللہ تعالیٰ کے وجود تک میں شک کرتے ہیں وہ بھی نظریاتی طور پر جھوٹ کو برا ہی سمجھتے ہیں۔ جو لوگ عملاً دن رات جھوٹ بولتے رہتے ہیں ان سے بھی اگر پوچھا جائے کہ جھوٹ بولنا کیسا ہے؟ سو یقیناً انکا جواب بھی یہی ہوگا کہ بہت برا ہے۔ لہٰذا ایسے لوگوں کو کبھی اپنے کردار کی درستی کا خیال آئے گا تو جھوٹ سے بھی توبہ کر سکیں گے۔ لیکن ہمارے زمانے میں جھوٹ کی ایسی بہت سی شاخیں وجود میں آگئی ہیں جنھیں بہت سے لوگ جھوٹ سمجھتے ہی نہیں لہٰذا انھیں یہ خیال ہی نہیں آتا کہ ان سے کوئی غلط کام سرزد ہو رہا ہے

میرے پاس ایک مرتبہ ایک اور شہر سے ایک صاحب ملنے کیلئے تشریف لائے، پڑھے لکھے اور نماز روزہ کے پابند، ذہین اور تعلیم یافتہ بڑے خوش مزاج اور ستھرے ادبی ذوق کے مالک، بڑے خوبصورت شعر کہنے والے، چہرے مہرے سے لیکر انداز و ادا تک ہر چیز میں بڑی شرافت جھلکتی ہوئی کافی دیر تک انھوں نے اپنی دلنواز صحبت سے مجھے مستفید کیا جب چلنے کا وقت آیا تو میں نے ان سے پوچھا "کب تک

قیام رہے گا؟ کہنے لگے "پہلے تو میرا ارادہ کل واپس جانے کا تھا مگر بعض عزیزوں کے اصرار پر اپنا قیام میں نے چند روز کے لئے اور بڑھا لیا ہے اور آج ہی میں نے اپنے دفتر کو میڈیکل سرٹیفکیٹ روانہ کررہا ہوں" میں نے چونک کر پوچھا — "کیسا میڈیکل سرٹیفکیٹ"؟ — انھوں نے بڑی بے پروائی سے جواب دیا — "یہی دفتر سے چھٹی لینے کے لئے جو میڈیکل سرٹیفکیٹ بھیجا جاتا ہے"! — "میں نے پوچھا کیا خدانخواستہ خدانخواستہ آپکی کچھ طبیعت ناز ساز ہے"؟ فرمایا ارے نہیں بھائی! اللہ کے فضل سے میں بالکل تندرست ہوں لیکن دفتر سے چونکہ مزید چھٹی ملنے کا کوئی اور راستہ نہیں اسلئے میڈیکل سرٹیفکیٹ ہی بھیجنا پڑے گا" ان جیسے شخص سے یہ بات سنکر مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے دل پر بجلی گر گئی ہو۔ میں نے عرض کیا کہ "آپنے یہ بھی سوچا کہ یہ جعلی سرٹیفکیٹ بنوانا آپکے لئے کیسے جائز ہوگا؟ اور اس مصنوعی تصدیق نامے کی بنیاد پر جو چھٹی آپکو حاصل ہوگی اس سے استفادہ آپکے لئے درست ہوگا یا نہیں؟ نیز ان چھٹی کے دنوں کی جو تنخواہ آپکو ملے گی وہ آپ کے لئے حلال ہوگی یا نہیں"؟ آدمی واقعی شریف تھے یہ سن کر وہ بھی سکتے میں آ گئے، کہنے لگے "واقعتاً آج سے پہلے مجھے کبھی اس طرف توجہ ہی نہیں ہوئی چونکہ دفتروں میں عام معمول یہی ہے کہ ضرورت کے وقت میڈیکل سرٹیفکیٹ بنوا کر چھٹی حاصل کرلی جاتی ہے اس لئے میں بھی بے سوچے سمجھے یہی کرتا رہا۔ پھر وہ پوچھنے لگے کہ کیا واقعی شدید ضرورت کے وقت بھی اس طرح چھٹی لینا جائز نہیں"؟ میں نے عرض کیا کہ اول تو صرف عزیزوں کا اصرار کوئی ایسی شدید ضرورت نہیں ہے دوسرے اگر واقعی کوئی سخت ضرورت ہو تو وہ ضرورت بتا کر چھٹی قواعد کے لحاظ سے مل سکتی ہوگی تو مل جائے گی اور اگر اسکی بنیاد پر چھٹی نہ مل سکتی ہو تو بغیر تنخواہ کے رخصت لی جائے۔ جھوٹا میڈیکل سرٹیفکیٹ دے کر

چھٹی لینے کا بہر حال کوئی جواز نہیں" ـــــ انھوں نے یہ سنکر میرے سامنے یہ اعتراف کیا کہ اب تک میں واقعی یہ گناہ بے سوچے سمجھے کرتا رہا ہوں آج چونکہ مجھے صحیح بات کی طرف دھیان ہوگیا اس لئے انشاء اللہ آئندہ کبھی اس طرح چھٹی نہیں لوں گا۔

اس واقعہ سے پہلے مجھے کبھی یہ اندازہ نہیں تھا کہ اس قسم کے بظاہر دیانت دار حضرات بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہوں گے کہ اس قسم کے جعلی سرٹیفکیٹ بنوانا جائز ہے یا انھیں اسکی برائی کا احساس ہی نہیں ہوگا۔ اس کے بعد پتہ چلا کہ جھوٹ نے کیسے کیسے مقدس دلوں میں دھیرے دھیرے جگہ بنالی ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہے کہ اب ہمارے ماحول میں کسی سرٹیفکیٹ کی کوئی وقعت نہیں رہی اور حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے کوئی سرٹیفکیٹ دیکھنا یا نہ دیکھنا سب برابر ہے

پھر جو حضرات اس قسم کے سرٹیفکیٹ جاری کرتے ہیں ان کا معاملہ اور بھی زیادہ سنگین اور افسوسناک ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سرٹیفکیٹ کوئی ان پڑھ یا جاہل شخص جاری نہیں کرسکتا۔ تصدیق نامے وہی لوگ جاری کرسکتے ہیں جو نہ صرف تعلیم یافتہ ہوں بلکہ کسی خاص شعبے میں انھیں کوئی خاص مقام حاصل ہو، بالخصوص میڈیکل سرٹیفکیٹ تو کوئی ڈاکٹر ہی جاری کرسکتا ہے۔ اور ڈاکٹر کسی بھی معاشرے کا ہو باوقار اور ذمہ دار فرد ہوتا ہے جس کے اعتماد پر لوگ اپنی جانیں اسکے حوالے کرتے ہیں اور خاص طور پر کسی مریض کی جسمانی کیفیت کے بارے میں اسکی زبان یا قلم سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ معنی رکھتا ہے اور اسپر زندگی کے بہت سے معاملات کے فیصلے ہوتے ہیں اگر ایسی ذمہ دار شخصیت بھی یہ خیال نہ کرے کہ جو سرٹیفکیٹ اسکے قلم سے نکل رہا ہے اسکی حیثیت ایک گواہی کی ہے اور اس منصب کا حامل شخص بھی اپنی

غیر ذمہ دارانہ بلکہ خلاف واقعہ گواہی سے معاشرے کو گمراہ کرنے لگے تو آخر اس معاشرے کا کیا بنے گا؟ اگر اس قسم کے سرٹیفکیٹ مالی معاوضہ لیکر جاری کئے گئے ہوں تب تو جھوٹ کے ساتھ رشوت کا دوہرا گناہ بھی اسکے ساتھ وابستہ ہے اور اگر محض ہمدردی کے خیال سے جاری کر دئیے گئے ہوں تو یہ ایک ایسی ہمدردی ہے جس کا خمیازہ پوری قوم کو بھگتنا پڑتا ہے اور اس سے جو ناقابل تلافی نقصان پہونچتا ہے اس سب کا وبال ایسے جعلی سرٹیفکیٹ جاری کرنے والوں کے نامۂ اعمال کا لازمی حصہ ہے۔ جس کا جواب ایک نہ ایک دن انھیں کہیں دینا پڑے گا۔

بعض مرتبہ یہ دلیل بھی سننے میں آتی ہے کہ اس قسم کے جعلی تصدیق نامے معاشرے میں اس درجہ رواج پا گئے ہیں کہ اب انکا اجرا پیشہ ورانہ کاموں کا ایک حصہ بن چکا ہے، اور اگر کوئی شخص ایسے سرٹیفکیٹ جاری کرنے سے پرہیز کرے تو لوگ اسکی طرف رجوع کرنا بند کر دیتے ہیں اور وہ اپنی جائز آمدنی سے بھی محروم رہ جاتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ دلیل "عذر گناہ بدتر از گناہ" کی مصداق ہے۔ الحمدللہ اسی گئے گذرے دور میں آج بھی بے شمار افراد وہ ہیں جنھوں نے کبھی اس قسم کی کسی پیشہ ورانہ بد دیانتی کا ارتکاب نہیں کیا، وہ لوگ اپنی اس دیانت داری کی وجہ سے مر نہیں گئے وہ زندہ ہیں اور خدا کے فضل و کرم سے بہت اچھی طرح زندہ ہیں۔ خاص طور سے ڈاکٹر صاحبان کی بھاری تعداد بلکہ اکثریت اب بھی ایسی ہی ہے کہ وہ اس قسم کے گھٹیا کاموں کا تصور بھی نہیں کر سکتی اسکے باوجود انھیں ناقدری کا کبھی شکوہ نہیں ہوا وہ پوری عزت اور وقار کے ساتھ اپنے پیشہ فرائض ذمہ داری کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور انھیں نہ صرف یہ کہ کوئی مالی نقصان نہیں ہوا بلکہ مالی حیثیت اور سماجی رتبے دونوں کے اعتبار

سے وہ بلند مقام رکھتے ہیں معاشرے میں کسی برائی کا عام رواج
درحقیقت اسی طرح ہوتا ہے کہ لوگ اس برائی کے آگے ڈٹنے کے
بجائے اس کے سامنے ہتھیار ڈالتے چلے جاتے ہیں اور ضمیر کی آواز
کو دبا کر اس قسم کی بودی دلیلوں کے سائے میں پناہ لینے لگتے ہیں
اسکے برخلاف اگر کوئی شخص ہمت کر کے برائی کے آگے ڈٹ
جائے اور اسکے سامنے شکست کھانے سے انکار کر دے تو انجام کار
فتح اسی کی ہو کر رہتی ہے قرآن کریم نے واشگاف الفاظ میں اعلان فرمایا ہے
وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ یعنی اچھا انجام انہی کا ہے جو برائی سے بچتے ہیں
آجکل بہت سے مقاصد کے حصول کیلئے "کریکٹر سرٹیفکیٹ" کی بھی
ضرورت پڑتی رہتی ہے اس سرٹیفکیٹ میں کسی شخص کے بارے میں
یہ تصدیق کیجاتی ہے کہ وہ اچھے اخلاق اور کردار کا حامل ہے اور میں
اسے اتنی مدت سے جانتا ہوں یہ سرٹیفکیٹ بھی بکثرت سوچے سمجھے
بغیر جاری کر دیئے جاتے ہیں اور اس بات کی پروا نہیں کی جاتی کہ
جس شخص کے بارے میں یہ تصدیق کی جارہی ہے اور وہ اسکا اہل ہے یا نہیں؟
اور یہ بات بھی جھوٹ موٹ ہی لکھدی جاتی ہے کہ میں انھیں پانچ سال
سے یا دس سال سے جانتا ہوں۔

ایک مرتبہ میں ایک فقہی کانفرنس کے سلسلہ میں سعودی عرب
کے شہر جدہ میں مقیم تھا ایک صاحب مجھ سے ملنے کے لئے تشریف
لائے اور انھوں نے ایک بڑے ثقہ بزرگ کا ایک خط مجھے دیا اس
خط میں انھوں نے مجھ سے فرمائش کی تھی کہ ان صاحب کو پاکستانی
سفارت خانے سے پاسپورٹ بنوانا ہے اس میں انکی مدد کر دیجئے
میں نے دریافت کیا کہ آپ کو یہاں سے پاسپورٹ بنانے کی کیا ضرورت
پیش آگئی اس پر انھوں نے وہ درخواست میرے ہاتھ میں تھمادی جو انھوں

نے پاکستانی کونسلر کے نام لکھی تھی اس درخواست میں لکھا تھا کہ میرا پاسپورٹ سعودی عرب میں گم ہوگیا ہے اس لئے نیا پاسپورٹ بنوا دیا جائے اور شاید اس درخواست کے ساتھ کچھ تصدیقات بھی تھیں، میں نے ان سے پوچھا کہ آپ پاکستان سے کب آئے تھے اور پاسپورٹ کہاں اور کیسے گم ہوا؟ اس سوال کے جواب میں انھوں نے جو باتیں کہیں ان پر مجھے اطمینان نہوا اور میں نے یہ کہکر ان سے معذرت کرلی کہ چونکہ میں پاسپورٹ کی گمشدگی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا اس لئے اس بنیاد پر کوئی سفارش کرنا میرے لئے جائز نہیں ہے وہ صاحب خاصے ناراض ہوکر تشریف لے گئے اور شکوہ کرتے رہے کہ میں نے انکا یہ چھوٹا سا کام کرنے سے کیوں انکار کیا؟ بعد میں پتہ چلا کہ درحقیقت وہ ہندوستانی نیشنلٹی تھے اور ایک عرصہ تک سعودی عرب میں تلاش روزگار سے مایوس ہوچکے تھے اب کسی نے انھیں یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ پاکستان جاکر روزگار تلاش کریں اور اسکے لئے انھوں نے یہ حیلہ اختیار کیا تھا کہ پاسپورٹ گم ہونے کی فرضی کہانی بنائی تھی تاکہ اس طرح پاکستان کا ویزا نہیں بلکہ اسکی قومیت ہی کا ثبوت پاسپورٹ کی شکل میں کیوں نہ حاصل کرلیا جائے؟ بعض لوگوں نے بتایا کہ اسطرح لوگ کرتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن مجھے حیرت ان بزرگ پر تھی جنھوں نے ان صاحب کو میرے پاس بھیجا اور مجھے سفارشی خط بھی لکھا۔ وہ کوئی جھوٹے یا دھوکہ باز نہیں تھے بلکہ بڑے قاعدے کے آدمی تھے لیکن انکے ذہن میں بس یہی پہلو غالب رہا کہ ایک ضرورت مند شخص کی مدد کرنی چاہئے یہ انھوں نے نہیں سوچا کہ جھوٹ بولکر یہ کام کرنا کتنا بڑا گناہ اور اپنے ملک کے ساتھ کتنی بڑی بیوفائی ہے۔ کسی شخص کے چہرے پر اسکے اندرونی عزائم لکھے ہوئے نہیں ہوتے اور اس طرح کی ہمدردی کے نتیجے وہ کسی تخریب کار، کسی دہشت گرد یا کسی خطرناک جاسوس کو اپنے ملک میں بھیجنے کے بھی مجرم ہوسکتے ہیں اور اگر اسکے نتیجہ میں اپنے ہم وطنوں کی جانیں گئیں

(باقی صفحہ ۴۶ پر)

مغرب کی تقلید

اب بول چال کو لے لیجئے یہاں بھی وہی مصیبت ہے تقریر میں بھی فخر تحریر میں بھی فخر، اور مجھکو بعض ناآموز اور مبتدیوں کی یہ زیادہ شکایت ہے کہ فخر بھی ایک مذموم چیز پر یعنی یہ لوگ اپنی تحریر و تقریر میں نئی زبان کا اتباع کرنا چاہتے ہیں انگریزی زبان کے دالدہ وشیدا ہیں وہی محاورات برتتے ہیں اور یہ بلا عوام میں بھی گھس گئی ہے چنانچہ بعضے مفردات کو بگاڑ کر بولیں گے۔ لب و لہجہ کو بدل دیں گے، صحیح اردو بولنے سے عار آتی ہے اگرچہ یہ ہیں ہندوستانی مگر زبان غلط ہی بولیں گے ورنہ کسر شان ہوگی۔ کانپور کے اسٹیشن پر میں نے ایک ہندوستانی خانساماں کو دیکھا حالانکہ ہندوستانی تھا مگر انگریزی کے نشہ میں ڈوبا ہوا تھا کسی سے کہہ رہا تھا کہ ہم یہ بات سننا نہیں مانگتا، نالائق سننا بھی کوئی مانگنے کی چیز ہے۔ اس حماقت کی بھی کوئی حد ہے؟ واللہ عقول مسخ ہوگئیں انگریز تو اس امر کی کوشش کریں کہ صحیح اردو بولیں خطا سے احتراز کریں اور یہ احمق اس کوشش میں ہیں کہ غلط اردو بولیں انکو اگر صحیح اردو بولنا آجائے تو فخر کرتے ہیں اور یہ بیہودہ غلط بولکر فخر کرتے ہیں اپنے کو انگریز بنانے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ (جو شخص کسی قوم کے ساتھ مشابہت اختیار کریگا وہ انہیں لوگوں میں شمار کیا جائیگا) کے پورے مصداق ہو جائیں۔ ایک مرتبہ میرے بھائی کے پاس ایک ہندو تحصیلدار صاحب اور ایک مسلمان سب انسپکٹر آئے مگر تھانیدار صاحب داڑھی منڈائے ہوئے تھے اور تحصیلدار صاحب داڑھی رکھے ہوئے تھے نوکر پان لیکر آیا اور تھالی تحصیلدار صاحب کے سامنے رکھدی یہ دیکھکر تھانیدار صاحب ہنسے کہ اس نے مجھے ہندو سمجھا نوکر انکے ہنسنے سے سمجھ گیا اور تھالی اٹھا کر انکے سامنے رکھدی اس پر بھائی نے انکو خوب ہی لتاڑا اور بہت شرمندہ کیا کہ افسوس ہے تم ایسی حالت اختیار کئے ہوئے ہو جس سے نوکر نے تمکو ہندو سمجھا۔ ایک

اہلکار اپنی داڑھی کا عجیب قصہ بتاتے ہیں کہ میں داڑھی منڈایا کرتا تھا
میری کسی دوسری جگہ تبدیلی ہوئی وہاں پہنچا تو ایک ہندو رئیس ملنے آیا
اور کہا کہ اچھا ہوا آپ تشریف لے آئے یہاں ہمیشہ سے مسلمان آتے تھے
اور ہندؤں کو بہت تنگ کرتے ہیں اب آپ سے انکو قوت ہوگی اور یہ بھی
کہا کہ جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں کی خوب خبر لی جائے۔ انھوں نے کہا
سبحان اللہ! اور میں کیا آپ کے نزدیک ہندو ہوں! میں بھی مسلمان ہوں
وہ تو اپنی اس حماقت سے شرمندہ ہوا ہی مگر میں نے بھی اسی روز سے
داڑھی منڈانی چھوڑ دی کہ افسوس اس نالائق نے مجھکو محض داڑھی نہ ہونے
کیوجہ سے ہندو سمجھا پھر کبھی نہیں منڈائی۔

میں نے الہ آباد میں بیان کیا تھا کہ اے نئی روشنی کے شیدائیو! اور
اے جنٹلمینو! تم جلدی داڑھی رکھ لو کیونکہ میں نے اخبار میں دیکھا ہے کہ
یورپ میں اس امر کا مشورہ ہو رہا ہے کہ داڑھی رکھنا چاہیئے منڈانا نہیں
چاہیئے تو اگر وہاں یہ پاس ہوگیا تو لازمی بات ہے کہ پھر تم بھی تقلیداً ضرور ہی
داڑھی رکھو گے سو قبل اسکے کہ وہاں پاس ہو تم اس جرم سے تائب ہو جاؤ
اور شریعت کی رسی پکڑ لو ورنہ ناحق بدنام ہوگے کہ انھوں نے یورپ کی
اتباع سے داڑھی رکھی ہے شریعت کے حکم سے نہیں رکھی اور یہ ممکن
نہیں کہ جب داڑھی رکھنا فیشن ہو جائے تو تم اس فیشن کو چھوڑ دو لامحالہ
ضرور رکھو گے اسلئے پہلے ہی سے رکھنا مناسب ہے مجھے اس بات پر
کہ بعضے ہندو داڑھی رکھتے ہیں اور بعضے مسلمان نہیں رکھتے ایک شعر یاد آگیا۔

ایسی ضد کا کیا ٹھکانا اپنا مذہب چھوڑ کر
میں ہوا کافر تو وہ کافر مسلماں ہوگیا

مسلمانوں نے کفار کی دیکھا دیکھی داڑھی منڈانا شروع کی اور کفار نے
مصالح خاصہ کے سبب رکھنی شروع کردی یہ تو انکے طرز پر مٹے ہوئے ہیں

اور وہ انکی پرواہ بھی نہیں کرتے آجکل مسلمان ہر امر میں الٹی چال چلتے ہیں
جو اختیار کرنے کا کام ہے اسکو تو ترک کرتے ہیں اور جو ترک کرنے کا ہے
اسکو اختیار کرتے ہیں جیسے ایک شخص کی عورت ہمیشہ الٹا کام کرتی تھی
ہر بات کا الٹا جواب دیا کرتی تھی جس کام کو کہتا اسکے خلاف ہی کرتی وہ تنگ
آگیا تھا، اس نے کہا قصہ پاک کرنا چاہئے بس ایک روز ندی میں طغیانی
ہوئی اس نے عورت سے کہا آج جنگل میں میرے پاس روٹی لیکر نہ آنا
کہا میں تو آؤں گی، کہا اچھا ندی چڑھ رہی ہے ندی میں سے مت آنا، کہا
میں تو ندی ہی میں سے آؤں گی۔ غرض ندی میں سے روٹی لیکر جانے لگی
پانی زیادہ تھا ڈوب کر مرگئی۔ شام کو جب وہ شخص اسکو ڈھونڈھنے چلا
تو جس طرف کو ندی بہہ رہی تھی اسکے خلاف چلا لوگوں نے کہا ادھر کیوں
جاتا ہے کہا وہ ندی میں ڈوب کر مرگئی ہے اور چونکہ ہر کام الٹا کرتی تھی
تو شاید الٹ ہی بہی بھی ہو اسلئے الٹا ہی تلاش کرتا ہوں۔ خیر یہ تو ضد
کے لفظ پر یاد آگیا۔ بھائیو! تم مسلمان ہو تم کو اسلامی طریقہ اختیار کرنا
چاہئے کہنے کو کہتے ہو کہ ہم مسلمان ہیں اور پھر مخالفت کرتے ہو یہ کیسا اسلام
ہے کہ اس کے مخالف ہے حتیٰ کہ احکام سے گذر کر زبان تک میں غیر قوموں
کی تقلید کرتے ہیں اور وہ لوگ صحیح اردو بولنا باعث عزت سمجھتے ہیں
گو بولی نہیں جاتی چنانچہ مظفر نگر میں ایک یوروپین پولیس سپرنٹنڈنٹ اردو
بولتا تھا اور اس پر فخر کرتا تھا کہ میں صحیح اردو بولتا ہوں اور ایک یہ
احمق ہندوستانی ہیں کہ اس طرح بولتے ہیں " ول ہم سننا نہیں مانگتا"
نہ معلوم یہ کونسی اردو ہے۔ ایسے ہی بعض مقامات پر ترکیب کو بدل
رہے ہیں مثلاً بجائے اسکے کہ "آپکو شام کو آنے کا اختیار ہے" یہ بولتے
ہیں آپ شام کو آسکتے ہیں، آپ جا سکتے ہیں نہ معلوم یہ سکنا کیسا اوزال
ہوگیا ہے بس فضول لفظ استعمال کرتے ہیں حالانکہ مطلب یہ ہوتا ہے

کہ شام کو آنے کا اختیار ہے۔ ایک مرتبہ ایک صاحب کے یہاں میری دعوت ہوئی اور ساتھ میں ایک جنٹلمین صاحب کی بھی تھی چونکہ انھیں زکام تھا اس وجہ سے انکے واسطے مسّی روٹی پکوائی گئی تھی اور میرے لئے گیہوں کی روٹی پکی، مسی روٹی اوپر رکھی تھی میں نے دل میں کہا کہ اگر نیچے سے گیہوں کی روٹی نکالوں تو یہ شخص کہے گا کہ مولوی بھی کیسے بد دماغ ہوتے ہیں کہ ان سے مسّی روٹی نہیں کھائی جاتی اسی لئے میں نے مسی روٹی توڑی صاحب خانہ نے کہا آپ گیہوں کی روٹی کھائیے مسّی روٹی آپ کے لئے ہے کیونکہ آپکو زکام ہے تو جنٹلمین صاحب فرماتے ہیں نہیں نہیں آپ کھا سکتے ہیں یعنی آپ کھانے پر قادر ہیں۔ مجھ کو بہت ہنسی آئی بس سکنا تو انکا اوڑھنا بچھونا ہوگیا ہے مجھکو ان سے شکایت نہیں شکایت تو عربی خوانوں کی ہے کہ وہ کس وجہ سے اس طرز کو اختیار کرتے ہیں وہ لوگ تو انگریزی پڑھتے ہیں اس وجہ سے اس طرز کو اختیار کرتے ہیں تم کو کیا ہوا تم تو عربی پڑھتے ہو تو عربی طریقہ اختیار کرو افسوس تمھاری تقریر تحریر سب نئی زبان کی قالب میں آگئی ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ راجعون

کیوں اپنے علم کو برباد کرتے ہو تمھارے سلف کا طریقہ کیا برا ہے اس میں کون سی قباحت ہے میں یہ نہیں کہتا کہ تم اس طرح بولو کہ اسکے تئیں نیچ سہارن پور کے، اوپر اسکے۔ گو ابتدائی تعلیم میں ترجمہ کا یہی طریقہ مناسب ہے کیونکہ عربی فارسی الفاظ کا ترجمہ اس طرز میں اچھی طرح معلوم ہو جاتا ہے۔ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کے بھائی حکیم علی اکبر صاحب کیرانوی بہت سادہ مزاج و باکمال شخص تھے کسی بات میں تکلف نہ تھا فرمایا کرتے تھے کہ آجکل ترجمہ کا نیا طریقہ اختیار کیا گیا ہے "مکتوب دویم" کا ترجمہ کرایا جاتا ہے "دوسرا خط" جس سے وہ پڑھنے والا ادنی کا یوں سمجھے کہ مکتوب کے معنی تو دوسرا اور دویم

کے معنی خط - یوں ترجمہ کرنا چاہئے 'خط دوسرا' اور سب سے بھی واقعی یہی بات البتہ جب اتنی سمجھ آ جائے کہ ترجمۂ الفاظ خود سمجھنے لگے تو محاورہ کے اتباع میں بھی کچھ مضائقہ نہیں۔

ایک مرتبہ انکے سامنے کوئی شخص نعتیہ غزل پڑھ رہا تھا اس نے کسی شعر میں پڑھا 'بلالو یا رسول اللہ ا' فرمایا او تنی کا کھو تنی کا کہتا ہے 'بلالو' ہاں اسکے لئے پالکی آئے گی نا' ارے جاتا ہے تو چلا جا - اُن کی باتیں بھلی معلوم ہوا کرتی تھیں۔

بھائیو! تمھارے سلف تو بڑے فصیح و بلیغ تھے انکی پیروی کرو انکے طرز پر مطلب خیز عبارت لکھو اور اپنے مشائخ کا اتباع کرو - تواضع واستغفار کو پیشوا بناؤ - اب چونکہ وقت ختم ہوگیا ہے اور ضروری مضمون بھی ختم ہوگیا ہے لہٰذا میں اس بیان کو ختم کرتا ہوں۔

(بقیہ ص ۴۳ جھوٹ کے پاؤں)

یا دوکوئی تخریبی واقعہ پیش آیا تو اس جرم کی ذمہ داری سے وہ بھی بری نہیں ہوں گے

اس قسم کی مثالوں سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ہمارے معاشرہ میں کسی شخص کے حق میں کوئی تصدیق نامہ جاری کر دینا ایک کھیل بن کر رہ گیا ہے اور اچھے اچھے ثقہ قسم کے لوگ بھی اسمیں سچ جھوٹ کا امتیاز نہیں کرتے بلکہ اسے جھوٹ میں شامل ہی نہیں سمجھتے اس صورتِ حال نے معاشرے میں جو تباہی مچا رکھی ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں لیکن مسئلہ اس صورتِ حال کی مذمت کرتے رہنے سے حل نہیں ہو سکتا جب تک کہ ہم میں سے ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر اسے تبدیل کرنے کا پختہ عزم نہ کرے دوسروں پر تو نہیں لیکن ہر شخص کو اپنے آپ پر مکمل اختیار حاصل ہے جسے کام میں لائے بغیر صورت حال تبدیل نہیں ہو گی

حامل مضامین تصوف وعرفان • افاداتِ وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

شمارہ ۱۰ - جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ مطابق اکتوبر ۱۹۹۵ء - جلد ۱۸

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ سالانہ زرِ تعاون ستر روپیہ ششماہی پینتیس روپیہ

سالانہ بدلِ اشتراک: پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ
مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار
الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر۔ پبلشر۔ صغیر حسن : اسرار کریمی پریس جانسن گنج۔ الہ آباد

ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ: روز افزوں گرانی کا اندازہ ہی نہیں بلکہ ہر روز اس سے سابقہ بھی پڑتا ہوگا، گزشتہ چند سالوں میں اشیاء کی قیمتوں میں کافی تغیر اور نمایاں تبدیلی واقع ہوتی رہی ہے، چیزیں گراں درگراں ہوتی گئیں، قیمتیں دو چند سے سہ چند تک پہنچ گئیں۔ ظاہر سی بات ہے اس گرانی کے اثرات ہر جگہ لازمی طور پر رستا ہوں گے اور اسکے دام میں ہر کسی کو گرفتار ہونا ہوگا۔ اس عفریت زمانی سے بچ رہنا محال اور ناممکن ہے۔ بالآخر اس کے شکار ہم بھی ہوئے " اس راہ میں جو سب پہ گذرتی ہے وہ گذری ہے"

اگرچہ ہمارا ارادہ تھا کہ اس بوجھ کو تنہا برداشت کرینگے اسی بناء پر گذشتہ تین سالوں سے اس رسالہ کی قیمت میں اضافہ نہیں کیا گیا لیکن جب حلقہ، دام کی تنگی رفتار میں کوتاہی اور رکاوٹ کا سبب بننے لگی اور گراں باری سلاسل اس حد تک بڑھی کہ سفر کا تسلسل ٹوٹنے لگا تو اندیشہ غالب ہوا کہ خدانخواستہ رسالہ "وصیۃ العرفان" کے ترسیل واشاعت میں خلل نہ واقع ہو جائے اس خوف سے اپنے پندار عزم کو توڑ دینا گوارا کرنا پڑا اور رسالہ کی قیمت میں اضافہ پر ہم مجبور ہوئے لیکن یہ پہلو پورے طور پیش نظر رہا کہ اضافہ قابل برداشت رہے اور خریداران کے لئے گرانی کا باعث نہ ہو اس بناء پر فی رسالہ صرف ایک روپیہ کا اضافہ کیا گیا ہے۔

انشاء اللہ آئندہ جنوری ۱۹۹۶ء سے قیمت فی شمارہ سات روپیہ ہوگی۔ ممبران کے ساتھ چودہ روپیہ کی رعایت یعنی ستر روپیہ سالانہ بدل اشتراک ہوگا۔ امید ہے کہ احباب اس حقیر اضافہ کو قبول فرماکر شمع دیں کی اس ضیا کو روشن رکھنے کیلئے معاونت کریں گے اور اس چشمہ گوہر بار اور ترجمان مصلح الامۃ قدس سرہٗ کے اجراء اور بقاء کے لئے ہمیشہ کوشاں رہیں گے (انشاء اللہ) ۔ والسلام،

مدیر

(قسط ۳)

دیکھئے! اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرما رہے ہیں کہ ایک ہجرت دنیا کے لئے اور عورت کے لئے ہوا کرتی ہے اور ایک ہجرت خدا کے لئے ہوتی ہے ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ حدیث شریف کے اس جملہ میں کہ مَنْ کَانَتْ هِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فَهِجْرَتُهٗ اِلَی اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اخلاص کا بیان ہے چنانچہ انسان جب اللہ تعالیٰ کیلئے کام کرتا ہے تو اسکو اللہ تعالےٰ کی رضا بھی ملتی ہے اور دنیا بھی ملتی ہے جیسا کہ مخلصین صحابہ کے حالات میں آتا ہے کہ انھوں نے ہجرت تو کی تھی خدا تعالےٰ کے لئے مگر انکو دنیا بھی ملی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مہاجرین کی انصار مدینہ کے ساتھ مواخاۃ کرا دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر ہر انصاری نے اپنا آدھا مال اپنے اپنے مہاجر بھائی کو دے دیا حتیٰ کہ اگر کسی کے دو بیبیاں ہوئیں تو ایک کو طلاق دیکر اپنے مہاجر بھائی سے اسکا نکاح کرا دیا۔ برخلاف اسکے جس نے عورت ہی کے لئے ہجرت کی تھی اسکو اس فعل میں اللہ اور رسول کی رضا نہیں حاصل ہوئی ایک شخص نے کسی عالم سے یہ حدیث سنی کہ مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰهِ اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا ظَهَرَتْ یَنَابِیْعُ الْحِکْمَةِ مِنْ قَلْبِهٖ عَلٰی لِسَانِهٖ یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے چالیس دن اخلاص کے ساتھ عبادت کرے گا تو اللہ تعالےٰ اسکے قلب سے اسکی زبان پر حکمت کے چشمے جاری فرمادینگے یہ سنکر اس نے عبادت کرنا شروع کی چالیس دن پورے ہو گئے مگر حکمت کے چشمے جاری نہیں ہوئے اس نے کسی صاحب دل سے اسکو بیان کیا انھوں نے کہا یہ حدیث تو صحیح ہے باقی تمھارے قلب سے جو چشمے نہیں جاری ہوئے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰهِ یعنی جو خلوص دل سے محض اللہ تعالےٰ کے لئے ایسا کرے اسکے لئے وعدہ ہے اور تم نے تو حکمت کے چشمے جاری کرانے کے لئے

عبادت کی تعلی اسلئے وہ جاری نہیں ہوئے۔ اسکا حاصل تھا کہ حکمت کے چشمے جو جاری نہیں ہوئے تو اسلئے کہ وہ مخلص نہیں تھا مخلص کا اور حکم ہے اور غیر مخلص کا اور۔ آپ لوگ جو یہ چاہتے ہیں کہ جلدی سے دیدیں تو ہم ایسے نہیں دینگے بہت دنوں تک دوڑائیں گے تاکہ دیکھیں کہ کچھ اخلاص بھی پیدا ہوا یا نہیں؟ جن لوگوں نے اخلاص اختیار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے لئے کام کیا ہے انکے لئے وعدہ ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ

مَنْ جَعَلَ هَمَّهُ هَمًّا وَاحِدًا هَمَّ الْاٰخِرَةِ جَعَلَ اللّٰهُ غِنَاءَهُ فِیْ قَلْبِهٖ وَجَمَعَ شَمْلَهُ وَاَتَتْهُ الدُّنْیَا وَهِیَ رَاغِمَةٌ وَمَنْ جَعَلَ هَمَّهُ هَمَّ الدُّنْیَا جَعَلَ فَقْرَهُ بَیْنَ عَیْنَیْهِ وَشَتَّتَ اَمْرَهُ وَلَایَاْتِیْهِ اِلَّا مَا كُتِبَ لَهُ

"یعنی جس شخص نے اپنا سارا غم ایک غم کو بنالیا اور وہ غم آخرت ہے تو اللہ تعالیٰ اسکے قلب میں غنا ڈال دینگے اور اسکی پراگندگیوں کو مجتمع فرمادیں گے رہی دنیا تو وہ اسکے پاس ناک رگڑتی ہوئی آئے گی اور جس نے اپنا سارا غم، غم دنیا ہی کو بنا لیا تو اللہ تعالیٰ اسکی آنکھوں کے سامنے فقر کو کردیں گے اسکے سب کاموں میں انتشار اور تشتت پیدا فرمادیں گے۔ رہا رزق کا معاملہ تو وہ جتنا مقدر ہوتا ہے بس اتنا ہی ملے گا اس سے زیادہ تو ملنے سے رہا"

علماء نے لکھا ہے کہ رزق کی کئی قسمیں ہیں ایک رزق مضمون ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ ہر جاندار کے لئے اپنے فضل سے جس کی ضامن ہے آیۃ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا (اور کوئی جاندار روئے زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اسکی روزی اللہ کے ذمہ نہو) میں اسی کی جانب اشارہ ہے۔ اور ایک رزق موعود ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ

نے متقیوں کے لئے جس کا وعدہ فرمایا ہے جو کہ ان کے پاس بے گمان اور بدون مشقت کے پہونچتا ہے وَیَرْزُقْهُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ (اور اسکو ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں سے اسکا گمان بھی نہیں ہوتا) میں اسی کا بیان اور ایک رزق مقسوم ہے یعنی رزق مضمون یا موعود جس کے لئے جتنا مقدر فرما چکا ہے اسکو وہ مقدار پہونچکر رہے گی اس سے نہ زیادہ ہوگا نہ کم اللہ تعالیٰ اپنے متقی بندوں کو اپنے وعدہ کے مطابق رزق عطا فرماتے ہیں

حذیفہ مرعشیؒ سے جو کہ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کے خادم خاص تھے کسی نے پوچھا کہ انکا عجیب ترین واقعہ جو تم نے دیکھا ہو بیان کرو انھوں نے کہا سنو! ایک دفعہ ہم لوگ مکہ شریف جارہے تھے چند دن گذر گئے راستہ میں کوئی چیز کھانے کو نہیں ملی بالآخر ہم لوگ کوفہ پہنچے اور بستی کے کنارے ایک ویران مسجد میں قیام کیا تھوڑی دیر کے بعد ابراہیم بن ادہم نے مجھے دیکھا اور فرمایا کہ حذیفہ میں تم پر بھوک کے آثار دیکھ رہا ہوں میں نے کہا حضرت صحیح فرماتے ہیں فرمایا کہ اچھا قلم دوات اور کاغذ لاؤ میں نے حاضر کردیا تو اس پرچہ پر تحریر فرمایا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اَنْتَ الْمَقْصُوْدُ اِلَیْهِ بِکُلِّ حَالٍ وَالْمُشَارُ اِلَیْهِ بِکُلِّ مَعْنًی یعنی ہر حال میں آپ ہی مقصود ہیں اور ہر معنیٰ میں آپ ہی کارفرما ہیں اور اسکے نیچے یہ اشعار لکھے ؎

اَنَا حَامِدٌ اَنَا شَاکِرٌ اَنَا ذَاکِرٌ　　اَنَا جَائِعٌ اَنَا ضَائِعٌ اَنَا عَارِیٌ
هِیَ سِتَّةٌ وَاَنَا الضَّمِیْنُ لِنِصْفِهَا　　فَکُنِ الضَّمِیْنَ لِنِصْفِهَا یَا بَارِیٌ
مَدْحِیْ لِغَیْرِکَ لَهَبُ نَارٍ خُضْتُهَا　　فَاجِرْ عُبَیْدَکَ مِنْ دُخُوْلِ النَّارِ
وَالنَّارُ عِنْدِیْ کَالسُّؤَالِ فَهَلْ تَرٰی　　اَنْ لَا تُکَلِّفَنِیْ دُخُوْلَ النَّارِ

یعنی میں آپکی حمد کرنے والا ہوں، آپ کا شکر کرنے والا ہوں، آپکی یاد کرنے والا ہوں اور میں بھوکا ہوں پیاسا ہوں، ننگا ہوں۔ یہ کل چھ چیزیں

ہیں جن میں سے تین چیزوں کا میں ضامن ہوتا ہوں پس اسے میرے باری بقیہ تین کے آپ ضامن ہوجائیے اور آپ کے علاوہ کسی دوسرے کی تعریف کرنا میرے لئے آگ میں گھسنے کے ظرف ہے پس آپ اپنے اس غلام کو آگ میں داخل ہونے سے بچا لیجئے اور کسی مخلوق سے سوال کرنا یہ میرے نزدیک گویا آگ میں جانا ہے تو کیا آپ ایسا کریں گے کہ مجھے آگ میں داخلہ سے بچالیں گے" لکھکر وہ رقعہ مجھے دیا اور فرمایا کہ جاؤ دیکھو خبردار اپنے قلب کو غیر اللہ سے متعلق مت نہ کرنا اور جو شخص تمہیں سب سے پہلے ملے اسکو یہ رقعہ دیدینا۔ حذیفہؒ کہتے ہیں کہ میں گیا تو مجھے سب سے پہلے جو شخص ملا وہ ایک خچر سوار تھا میں نے اسکو وہ پرچہ دیدیا اس نے اسے لیا پڑھا اور رونے لگا اور پوچھا کہ جن بزرگ نے یہ پرچہ لکھا ہے وہ کہاں ہیں؟ میں نے کہا کہ فلاں جگہ مسجد میں مقیم ہیں اس نے مجھے ایک تھیلی دی جس میں چھ سو دینار رکھے اور چل دیا پھر میری ملاقات ایک دوسرے شخص سے ہوئی میں نے اس سے پوچھا کہ وہ جو خچر سوار جارہا ہے تم بتا سکتے ہو وہ کون ہے؟ اس نے کہا ہاں وہ ایک عیسائی ہے۔ حذیفہؒ کہتے ہیں کہ میں پھر ابراہیم بن ادھمؒ کے پاس آیا اور ان سے سارا قصہ بیان کیا انھوں فرمایا کہ اس تھیلی کو یونہی رکھدو ابھی وہ شخص خود آتا ہے تھوڑی دیر گذری تھی کہ نصرانی آیا اور ابراہیم بن ادھمؒ سے دوڑ کر ملا اور ان کے قدموں پر سر رکھدیا اور مشرف باسلام ہوگیا۔

دیکھا آپ نے اللہ تعالےٰ اپنے مخلص کی اس طرح مدد فرماتے ہیں۔

نفاق

الحمد لاھلہ والصلوٰۃ لاھلہا

نفاق اور انکار ایک قلبی مرض ہے جو اس زمانہ میں تو اور بھی عام مرض ہوگیا ہے لوگ امراض قلب میں ہمیشہ ہی مبتلا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (انکے قلوب مریض ہوگئے ہیں) لوگوں کی چکنی چپڑی صورت سے یا چکنے چپڑے الفاظ سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے اسکو تصنع اور ظاہرداری سے زیادہ نہ سمجھنا چاہیئے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے نہایت تفصیل سے الفوز الکبیر اور حجۃ اللہ البالغہ میں اس پر کلام فرمایا ہے اور اسکو نفاق عمل کہا ہے چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں۔

خدائے تعالیٰ اعمال و اخلاق ایشاں را در قرآن عظیم آشکارا ساخت و از احوال ایں ہر دو گروہ چیزے بسیار بیان فرمودہ تا ہمہ امت از آں احتراز نمایند۔

یعنی خدائے تعالیٰ نے ان منافقین کے اخلاق و اعمال کو قرآن شریف میں کھول کر بیان فرمایا ہے اور دونوں قسم کے منافقین (یعنی منافقین اعتقادی و عملی) کے بہت سے احوال کو بیان فرمایا ہے تاکہ تمام امت انکے جیسے احوال اخلاق سے احتراز کرے۔

پھر شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

اگر خواہی از منافقاں نمونہ بینی، رو در مجلس امراء و مصاحبان ایشاں را بہ بیں کہ مرضی ایشاں را بر مرضی شارع ترجیح دہند۔

اگر تم چاہتے ہو کہ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کے) منافقین کا نمونہ اس زمانہ میں دیکھو تو امراء کی مجالس میں جا کر دیکھو کہ انکے مصاحبین انکی خوشنودی کو (نعوذ باللہ) شارع علیہ السلام کی خوشنودی پر کسطرح ترجیح دیتے ہیں۔

در انصاف ہیچ فرق نیست درمیان آنانکہ کلام آنحضرت بے واسطہ شنیدہ نفاق ورزیدند ودرمیان آنانکہ الحال پیدا شدہ اند وبطریق حکم شارع معلوم کردہ اند لیعد ازاں بر ایثار خلاف آں نمایند

از روئے انصاف کوئی فرق نہیں ہے ان لوگوں کے درمیان جنھوں نے بلاواسطہ حضورؐ کے کلام کو سنکر نفاق اختیار کیا اوران کے درمیان جو اب پیدا ہو گئے ہیں کہ شارع علیہ السلام کے حکم کو بطریق یقین معلوم بھی کر لیا ہے پھر بھی اس کے خلاف کی طرف اقدام کرتے ہیں۔

آگے شاہ صاحبؒ کیسی عمدہ بات ارشاد فرماتے ہیں:۔

وبالجملہ چوں قرآن بخوانی گمان مکن کہ مخاصمہ بقومے بود کہ بودند ودرگذشتند بلکہ بحکم حدیث لَتَتَّبِعُنَّ سُنَنَ مَنْ قَبْلَكُمْ ہیچ بلائے نبود مگر امروز نمونہ آں موجود است۔

حاصل کلام یہ کہ جب قرآن شریف پڑھو تو (مجھو) یہ خیال مت کرو کہ مخاصمہ ایک ایسی قوم سے تھا جو اس زمانہ میں تھی اور اب نہ رہی (اسلئے اب ہم لوگوں کو اپنے اعمال پر منطبق کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے) بلکہ اس حدیث شریف کی روسے کہ تم لوگ اپنے سے پہلے کی قوموں کے طریقوں کا ضرور بالضرور اتباع کروگے (یقین کرنا چاہیئے کہ) کوئی بلا اس زمانہ کی ایسی نہیں جسکا نمونہ آج موجود نہو۔

پہلے میں انھیں عبارات کو سناتا تھا اب مسند امام احمد کی حدیث ہی مل گئی لہٰذا اب کسی کو مجال انکار نہیں حدیث پر تو سب کا ایمان ہے اس کا کیسے انکار کیا جاسکتا ہے میرے ایک آدمی نے ایک جگہ تذکرہ کرتے ہوئے نفاق کے متعلق بھی کچھ کہا تو ایک عالم خفا ہو گئے اور کہنے لگے کہ مسلمانوں کو تم منافق کہتے ہو؟ یہ سنکر انھوں نے فوراً مسند امام احمد کھول کر یہ مضمون دکھلا دیا جس میں خود حضورؐ نے قلوب کی تقسیم فرمائی ہے اس میں ایک قلب کو ایسا بھی فرمایا جس میں ایمان بھی ہے اور نفاق بھی پوری حدیث شریف

عن ابی سعید قال قال رسول اللہ ﷺ حضرت ابو سعیدؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

صلی اللہ علیہ وسلم القلوب اربعة قلب اجرد فیہ مثل السراج یزھر وقلب اغلف مربوط علی غلافہ وقلب منکوس وقلب مصفح واما القلب الاجرد فقلب المومن سراجہ فیہ نورہ واما القلب الاغلف فقلب الکافر واما القلب المنکوس فقلب المنافق عرف ثم انکر واما القلب المصفح فقلب فیہ ایمان و نفاق فمثل الایمان فیہ کمثل البقلة یمدھا الماء الطیب ومثل النفاق کمثل القرحة یمدھا القیح والدم فای المدتین غلبت علی الاخریٰ غلبت علیہ

(مسند امام احمد جلد ۳ ص ۱۷)

کا ارشاد ہے کہ انسانوں کے دل چار قسم کے ہوتے ہیں ایک قلب اَجرد جیسے چٹیل میدان جس میں جھاڑ جھنکار نہیں اور اس میں ایک چراغ ہے جو چمک رہا ہے۔ دوسرا قلب اَغلف جو ایک غلاف میں لپٹا پڑا ہے۔ تیسرا قلب مَنکوس اور چوتھا قلب مُصفّح۔ اب سنو! قلب اَجرد تو ہے مسلمانوں کا دل اور اسکا چراغ اسکا نور ایمان ہے قلب اغلف کافر کا قلب ہے (کفر کے غلاف میں لپٹا پڑا ہے) رہا قلب منکوس تو یہ منافق کا دل ہے کہ اس نے حق کو دیکھ لیا پہچان لیا اور اختیار بھی کر لیا لیکن پھر اسکا انکار کر بیٹھا اور قلب مُصفّح جسمیں ایمان بھی ہو اور نفاق بھی ہو تو اسکے اندر ایمان کی مثال تو اس سبزی کی سی ہے جسے اچھے پانی (عمدہ علم و عمل سے) برابر مدد ملتی ہے اور قوت پہنچتی ہے اور اسکے اندر نفاق کی مثال پھوڑے کی سی ہے جو خون اور پیپ کے پیدا ہونے سے اور بھی بڑھ رہا ہو اب دونوں مادوں میں جو مادہ دوسرے سے بڑھ جائیگا وہی رنگ اس شخص پر غالب آجائے گا۔

میرا اور اہل زمانہ کا یہی تو اختلاف ہے کہ یہ لوگ سب کو مومن مخلص کہتے ہیں اور سب کو سلف جیسا مسلمان سمجھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انکو نفاق سے دور کا بھی واسطہ نہیں اور میں کہتا ہوں کہ بھائی میں ان لوگوں کے احوال کا جائزہ لیتا ہوں تو پہلے کے مسلمانوں کے حالات سے مطابق نہیں پاتا بلکہ انکے حالات

تو منافقین جیسے ہیں پھر میں انکو مومن مخلص کیسے کہوں ؟ ظاہر کہ یہ ان لوگوں میں داخل ہیں جنکے بارے میں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "ایک قلب وہ ہے جس میں ایمان بھی ہے اور نفاق بھی" —— چنانچہ حضورؐ نے بطور پیشین گوئی کے فرمایا کہ "ایک زمانہ وہ آئے گا کہ سو اونٹ ہوں گے اور سواری کے قابل ایک بھی نہ ہوگا" پس میں کہتا ہوں کہ حضور نے جس زمانہ کی پیشین گوئی فرمائی تھی وہ زمانہ یہی ہے ۔ سنئے ! جب آثار نفاق کے نمایاں ہیں تو اس پر کلام کیا جا سکتا ہے اور انکو دیکھکر کہا جا سکتا ہے کہ لوگ مرض نفاق میں مبتلا ہو گئے ہیں ۔ اب لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ جسکا کپڑا اچھا اسکا ایمان اچھا، جس کی بات اچھی اسکا قلب بھی اچھا ۔ آجکل دھوکہ بازی کو ہنر سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ تو منافقین ہی کی صفت ہے ۔ حضورؐ کے زمانہ میں لوگ انھیں خصال بد میں مبتلا تھے، اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کے متعلق فرمایا ہے هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ یعنی یہی لوگ کامل دشمن ہیں ان سے حذر کیجئے اس کے ضمن میں صاحب روح المعانی فرماتے ہیں :۔

(هم العدو) استيناف اى هم الكاملون فى العداوة والراسخون فيها فان اعدى الاعادى العدو المداجى الذى يكاشرك وتحت ضلوعه الداء الدوى ككثير من ابناء الزمان

یعنی یہ لوگ عداوت میں کامل ہیں اور بہت ہی راسخ ہیں اسلئے کہ سب سے بڑا دشمن وہ چھپا ہوا دشمن ہے جو کہ تمھارے سامنے تو ہنسے اور اسکی پسلیوں کے نیچے مہلک مرض ہو جیسا کہ بہت سے ابنائے زمانہ کا یہی حال ہے ۔

(روح المعانی ص۹۵ پ۲۸)

دیکھئے صاحب روح المعانی جو بڑے محقق عالم ہیں وہ اپنے یہاں یہ حال تحریر فرما رہے ہیں، میں کہتا ہوں کہ یہی حال اب ہمارے یہاں کے لوگوں کا بھی ہے بلکہ اس سے بھی برا حال ہے آپ خود مسلمانوں

کے احوال میں غور فرمایئے اور فیصلہ کیجئے کہ میں صحیح کہہ رہا ہوں یا نہیں
آپ لوگ تو بخوبی جانتے ہونگے کہ آئے دن عام طور پر ایسے ایسے واقعات
رونما ہوتے رہتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آجکل عوام و خواص سب ہی
اسی قسم کے حالات سے گذر رہے ہیں اسی وجہ باوجود آپس میں ظاہرا ملنے ملانے
کے بھی کسی کو ایک دوسرے پر اعتماد باقی نہیں رہ گیا ہے۔ چنانچہ دو آدمی
کچہری گئے ایک کی جیب سے روپیہ نکل گیا تو گھر آکر اس نے کہا کہ ہمارے
ساتھی نے روپیہ نکال لیا۔ توبہ توبہ دیکھئے ساتھ گئے ساتھ رہے مگر ساتھ
کا یہ حق ادا کیا۔

دوسرا واقعہ سنئے! میں دیکھتا تھا کہ روزانہ ایک آدمی ایک شخص کے
پاس جاکر بیٹھتا تھا ایک مرتبہ گالی دیکر کہنے لگا کہ موقع پاتا تو اسکا گلا گھونٹ دیتا
سنا آپ نے یہ ہے آجکل کے لوگوں کی دوستی جس کے پاس
روزانہ بیٹھتا تھا اسی کے متعلق دل میں یہ خیال رکھتا تھا لاحول ولا قوۃ الا باللہ
اللہ تعالیٰ کو یہ سب باتیں نہایت مبغوض ہیں اور خلوص کے بالکل خلاف
ہیں تو پھر تمھیں بتلاؤ کہ کیسے ترقی کرو گے ؟ مسلمانوں سے اخلاص رخصت
ہوگیا ہے اسلئے ہر طرف فساد ہی فساد ہے۔

سنئے! ایک صاحب رمضان شریف میں یہاں تھے میں نے ان سے کہا
کہ گھر چلے جاؤ آرام ملے گا۔ انھوں نے کہا کہ یہاں بھی کھانے کی تکلیف نہیں ہے
مگر وہاں تو کھانے کے ساتھ ساتھ جوتیاں بھی ملتی ہیں یہاں جوتیاں تو نہیں کھارہے
ہیں اور آرام سے زندگی گذار رہے ہیں اگر آپ کے پاس نہوتا تو گھر والوں کی
بداخلاقی سے پاگل ہی ہو جاتا۔ یہی حالت عام طور پر ہے جو لوگ ان حالات
کے شکار ہو چکے ہیں وہ خوب سمجھتے ہوں گے۔

حضرت سعدیؒ نے گلستاں میں اپنا قصہ نقل فرمایا ہے کہ ایک بار
صوفیہ کے ایک طائفہ نے انکو اپنے ساتھ رکھنے سے انکار کیا اور اس کی وجہ

یہ بیان فرمائی کہ جیسے آپ ہماری صحبت میں رہنے کی درخواست کر رہے ہیں اسی طرح ایک شخص نے ہمارے ساتھ رہنے کی درخواست کی اور ہم لوگوں نے اسکو قبول کر لیا پس وہ رہنے لگا ایک مرتبہ ہملوگ ایک قلعہ کے نیچے رات گذارنے کے لئے ٹھہرے اس شخص نے ہم لوگوں کا لوٹا لیا اور چلدیا ہم لوگوں نے سمجھا کسی ضرورت کے لئے جا رہا ہے اس لئے خاموش رہے لیکن اس نے ہم لوگوں کی نظر بچا کر ایسا کیا کہ قلعہ کے اندر جاکر ایک موتی کا ڈبہ چرایا اور چلدیا قلعہ کے اندر شور ہوا اور سپاہیوں نے ہملوگوں کو پکڑ کر قلعہ میں لیجا کر بند کر دیا اور مارا اسکے بعد سے ہم لوگوں نے طے کر لیا کہ اب کسی کو بھی اپنے ساتھ نہ رکھیں گے۔

حضرت سعدیؒ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے یہ کہا کہ اگرچہ بظاہر صحبت سے محروم رہا لیکن بزرگوں کی صحبت کے فوائد سے پھر بھی محروم نہیں رہا جبکہ ایک بات اتنی اہم معلوم ہوگئی اسلئے جب کوئی اجنبی آجائے تو بغیر تحقیق حال کے اعتبار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ دوست و دشمن میں تمیز کرنا بہت ضروری ہے۔

اسی طرح الہ آباد ہی کا ایک واقعہ عرض کرتا ہوں سنیئے :۔ ایک صاحب معمر قسم کے میرے یہاں آیا کرتے تھے بہت اشعار وغیرہ پڑھتے تھے چنانچہ انھوں نے میرے یہاں سبق میں شرکت کی اجازت چاہی میں نے ان کے سالے اور لڑکے کو جو کہ میرے پاس آتے جاتے تھے اور میرے معتقد تھے کہا کہ یہ سبق میں شرکت کی اجازت چاہتے ہیں انھوں نے نرم اور تردد ہی کا جواب دیا جس سے یہ نہیں ظاہر ہوتا تھا کہ وہ سفارش کر رہے ہیں کہا جیسا آپ چاہیں آپ کو اختیار ہے بہرحال میں نے اجازت دیدی اور انھوں نے مجلس میں اور اسباق میں شرکت کی، شرکت کے بعد انھوں نے اپنے سالے اور لڑکے سے جاکر کہا کہ میں . . . .

بھید لینے کے لئے اس مجلس میں شریک ہوتا ہوں ان لوگوں نے آکر مجھ سے
نقل کیا میں نے انکو بلوایا اور ان سے اسکے متعلق پوچھا، ایک لوی صاحب
بھی تھے انھوں نے کہا کہ آپ فلاں مولانا صاحب کو مانتے ہیں اسکوان مولانا
صاحب نے بھی اپنی کتاب میں نفاق ممنوع کر کے لکھا ہے تو انھوں نے
کہا کہ میں اسکو جائز سمجھتا تھا۔ اب ایسے واقعات آپ سنیں گے اور آپ کو
یاد نہیں رہے گا لیکن مجھکو اس قسم کے قصے خوب یاد رہتے ہیں اس لئے
اس سے کام لیتا رہتا ہوں۔

سنیئے! اپنے اخلاق بد کی اصلاح مشکل ہے۔ حج کرنا آسان ہے، روزہ
نماز آسان ہے مگر اپنے خصالِ بد کی اصلاح بہت مشکل ہے

(اسکے بعد حضرت والا نے اپنے اطراف کے احوال بتلائے کہ وہاں کی
عورتوں کو جانا تھا کہ ایک دوسرے کی حق تلفی کرتی تھیں اور اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ
آپس میں خوب طا نہ جنگی ہوتی تھی فرمایا، سنیئے:۔)

ایک بوڑھی عورت نے اپنی زبان میں مجھ سے کہا کہ "کا ہم اپنا ایمان
بور دینگے" میں نے اپنے دل میں کہا کہ تم اپنا ایمان بہت پہلے ڈبو چکی ہو
ایک اور عورت تھی جو اپنی بہو سے ناراض رہتی تھی حالانکہ وہ انکا کام خوب
کرتی تھی لیکن اس سے اور اس کے شوہر دونوں ہی سے وہ ناراض رہتی تھی وہ
یہ تھی کہ دوسری دونوں بہوئیں شکایت اسکی کرتی تھیں اگرچہ ان بہوؤں سے
بھی وہ شاکی رہتی تھی، پس آپ دیکھئے کہ کس تمنا سے یہ عورتیں لڑکوں کی شادی
کرتی ہیں مگر بہو کے آتے ہی لڑکے اور بہو دونوں کی دشمن ہو جاتی ہیں۔

گاؤں میں اپنی آنکھوں سے دیکھتا تھا کہ کھیتی کی کوئی چیز آتی تھی تو
بچوں کے لئے چھپا دیتے تھے میں دیکھکر کہتا کہ یہی چیز آپسمیں اختلاف کا سبب
بنے گی چھپی تو رہیگی نہیں اسلئے کہ ایک ہی گھر ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔
اگر آپ لوگ غور کریں گے تو کچھ نہ کچھ واقعات ہر شخص کے ساتھ ایسے ملیں

میں اس مجلس کو خاص کرنا چاہتا ہوں لیکن کامیاب نہیں ہو پاتا
ہتا ہوں مگر سنتے نہیں اور کچھ کا کچھ جا کر بیان کرتے ہیں جس کا نتیجہ نزاع اور
ساد ہوتا ہے اسی لئے یہاں انتظام ضروری ہے لوگ برسوں سے آتے
ں لیکن اصل ترقی سے ناواقف ہیں بلکہ ترقی معکوس (الٹی ترقی) کرتے ہیں وجہ یہ
ہے کہ صدق نہیں، ارادت اور اخلاص نہیں اور تماشا یہ کہ اس کے
سا تھ برکات اور درجات کے بھی طالب ہیں۔ بہت بہت دنوں کے
بعد انکا مرض نفاق ظاہر ہوتا ہے کہ اسکا سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے ؎

توان شناخت بیک روز در شمائل مرد　　کہ تا کجاست رسید است پایئگاہ علوم
ولے ز باطنش ایمن مباش و غرہ مشو　　کہ خبث نفس نہ گردد بسالہا معلوم

نسان کے احوال میں اس کے علم کا اندازہ تو ایک روز میں ہو سکتا ہے
یکن اسکے باطن سے دھوکہ نہ کھانا چاہئے اسلئے کہ باطن کی خباثت سالہا سال
ں معلوم نہیں ہو پاتی۔

ہمارے اطراف میں کچھ ہی دور پر ایک جگہ ایک پجاری رہتا تھا
مندر وغیرہ بنا لیا تھا اور بی بی بچے بھی ساتھ ہی رکھتا تھا اور اپنے طریقہ
پر پوجا پاٹ وغیرہ کیا کرتا تھا اس نے اپنا سابق مکان جو قریب ہی ایک
گاؤں میں تھا بلکہ اپنی بستی کو بھی اہل بستی کی بد یانتی اور بد اخلاقی کی وجہ
سے چھوڑ دیا تھا اور لوگ اسکے پاس آتے جاتے تھے مگر وہاں بھی یہ گاؤں
کے لوگ پہنچتے اور فساد کی باتیں جب کرتے تو وہ جواب میں کہتا تھا کہ اگرچہ
یہ لوگ مسلمان ہیں مگر وہ مذہب پر ہیں اور اپنا کام کرتے ہیں تمھارا
کیا نقصان کرتے ہیں تم انکو کام کرنے دو ۔ یہ کیسی عمدہ بات کہتا تھا
بس لوگ خاموش ہو جاتے تھے یہ قصہ اطراف میں مشہور تھا کہ گاؤں والوں
کی بد دیانتی دیکھکر پجاری نے اپنا گھر اور وطن چھوڑ کر گاؤں کے باہر مکان
بنالیا کہ ہم سے اور ان سے نباہ نہ ہوگا۔ سمجھنے کی بات ہے کہ ایک منکر اور

کافر کا یہ طریق ہو اور یہ مذاق ہو کہ فساد سے اتنا گھبراتا ہو اور آج ہم مسلمانوں کا حال اسکے برعکس ہوگیا ہے بہت افسوس کی بات ہے ان لوگوں کو منافقین کی طرح فتنہ اور فساد مرغوب اور پسندیدہ ہے بھائی تم لوگ جو چاہو کرو مگر اس جگہ کو فاسد نہ کرو یہاں کا ایک خاص طریقہ ہے کہ جو لوگ اپنی اصلاح چاہتے ہیں اور فساد سے بچنا چاہتے ہیں وہی لوگ یہاں آویں۔ ورنہ تم نے اپنے گھر کو، بازار و کچہری کو فاسد ہی کر دیا ہے ایسی جگہ کو تو فساد سے محفوظ رہنے دو جب تم کو یہاں کا طریقہ پسند نہیں ہے تو پھر یہاں کیوں آتے ہو اور آنے سے کیا فائدہ؟ ہم تو ایسی باتیں ضرور بیان کریں گے اس لئے کہ ہم کو اپنے طریق کی حفاظت ضروری ہے ورنہ ہمارا طریق ہی ختم ہو جائے گا ظاہر ہے کہ ہمارے لئے کس قدر افسوس کی بات ہوگی۔

آجکل کی عام حالت یہ ہوگئی ہے کہ مشائخ کی تلاش تو ہے مگر صدق نہیں حالانکہ مرید کا اول قدم صدق پر ہونا چاہئے ؎

در ارادت باش صادق اے فرید تا بیابی گنج عرفاں را کلید

(اے فرید طلب ہونی کی راہ میں سچائی اختیار کرو تاکہ معرفت ربّانی کے خزانہ کی کنجی تم کو دستیاب ہو جائے)

خشت اول چوں نہد معمار کج تا ثریا می رود دیوار کج

(پہلی ہی اینٹ جب معمار ٹیڑھی رکھتا ہے تو ثریا تک دیوار ٹیڑھی جاتی ہے)

صدق مشائخ اور طالبین دونوں کے لئے ضروری ہے، یعنی جیسے شیخ کے لئے صدق ضروری ہے اسی طرح طالبین کو بھی ارادت اور طلب میں صادق ہو چاہیئے اگر صدق نہ ہوگا تو پھر کامیابی نہ ہوگی مگر اب شیخ میں تو صدق کو ضروری سمجھتے ہیں لیکن اپنے کو بالکل آزاد سمجھتے ہیں، طلب ہو یا نہ ہو، صدق ہو یا نہ ہو ہر حال کو اپنے لئے روا سمجھتے ہیں۔

(جاری)

(مکتوب نمبر ۸۶۴)

حال: بحمد اللہ اس قلیل عرصہ قیام میں بندہ نے آپ کی صحبت بابرکت سے کما حقہ فیض پایا ہے۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: اور اپنے دامن میں ایسی گراں مایہ نصیحتوں کا خزانہ لے جا رہا ہے کہ ایک دنیا دار کے لئے صراط مستقیم پر چلنے کے لئے کافی وافی ہیں۔ تحقیق: الحمد للہ

حال: اس دور ضلالت میں اخلاق رذیلہ سے بچنے کے لئے یہ نصیحتیں بااثر ثابت ہونگی۔ تحقیق: انشاء اللہ۔

حال: خداوند قدوس سے دعا ہے کہ حضرت والا کی بتائی ہوئی ساری نصیحتوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ تحقیق: آمین۔

حال: ونیز حضرت والا سے استدعا ہے کہ بندۂ ناچیز کے لئے دعا فرمائیں
تحقیق: دعا کرتا ہوں۔

حال: کہ زندگی گذارنے کا صحیح طریقہ آجائے اور عمل کی توفیق عطا ہو۔
تحقیق: آمین۔

حال: ذکر کی فضیلت کے متعلق آپ نے جس قدر وضاحت اور مدلل بیان فرمایا ہے یہ حق آپ ہی کا ہے کیونکہ احقر اب تک اسی دھوکہ میں تھا کہ جب تک اخلاق رذیلہ وغیرہ سے انسان نجات نہ پالے تب تک ذکر کوئی مفید چیز نہیں
ع ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر۔

تحقیق: یہ مضمون ناتمام ہے سنو رسالہ قشیریہ میں ہے:۔

لیس من آداب المریدین کثرۃ الاوراد بالظاھر فان القوم فی مکابدۃ اخلاء خواطرھم و معالجۃ اخلاقھم ونفی الغفلۃ عن قلوبھم لا فی تکثیر اعمال البر۔ الذی لابد لھم منہ اقامۃ الفرائض والسنن الراتبۃ و اما الزیادات من

الصلوات النافلة فاستدامة الذکر بالقلب اهم لهم

(مریدین کے آداب میں ظاہری اوراد کی کثرت نہیں ہے کیونکہ قوم صوفیہ اپنے خواطر ردیہ اور وساوس فاسدہ کے دور کرنے کی کوشش میں اور اپنے اخلاق کی درستگی میں اور اپنے قلب سے غفلت دور کرنے میں لگے رہتے ہیں نہ کہ اعمال خیر کی زیادتی میں (کہ اعمال خیر زیادہ سے زیادہ کریں) جو چیز ان کے لئے ضروری ہے وہ فرائض اور سنن موکدہ کا ادا کرنا ہے۔ رہی نفل نمازوں کی زیادتی تو انکے لئے قلبی ذکر پر ہمیشگی انکے لئے زیادہ اہم ہے)

پس اس سے معلوم ہوا کہ تین کام ہیں سالک کے لئے کرنے کے۔ ایک خواطر ردیہ سے اپنے کو خالی کرنا۔ دوسرے معالجہ اخلاق۔ تیسرے نفی غفلت عن القلب یہ تینوں ایک ساتھ کئے جاتے ہیں اور نماز نوافل وغیرہ کی کثرت سے مبتدیوں کے لئے ذکر قلب علی الدوام اتم و اکمل ہے۔

حال: لیکن حضرت والا کے بیان سے یہ بات ذہن نشین ہوگئی کہ ذکر لسانی کی مداومت سے قلب بھی کچھ دنوں میں موافقت کرلے گا۔ جبکہ قلب زبان کی موافقت کرلے تو پھر سارے اعضاء جو کہ قلب کے مطیع ہیں ذکر میں یکسو ہوجائیں گے

تحقیق: بیشک

حال: اس لئے پہلے پہل ذاکر قلب کے غافل رہنے پر دھیان نہ دیکر اپنے کام میں مستعد ہوجائے یہ ایک ایسی کارآمد نصیحت ہے سالک کے لئے کہ اس پر مداومت کرکے ساری برائیوں کو چھوڑ سکتا ہے۔ تحقیق: بیشک

حال: اس ضمن میں آپ نے فرمایا تھا کہ باطنی طاعت کا اثر ظاہر پر بھی ہوتا ہے بندہ کو خود مشاہدہ کے طور پر اور بعض مریدین کے حالات دیکھکر یہ یقین کامل ہوگیا ہے کہ وہ شخص جس نے پہلے آپ سے نسبت قائم کیا اسکے امراض باطن پر آپ نے توجہ کیا تو امراض باطن کی درستگی کے

ساتھ ہی ساتھ اسکی رہائش لباس وغیرہ بغیر کسی تنبیہ کے درست ہو گئے۔
یہ سب اس بات پر دال ہیں کہ "آپ ہیں" ۔ کم فہم اور کج فہم نے
اس زمانہ میں یکلی اعراض اور روگردانی کی تھی آپ کا اکثر یہ فرمانا کہ کسی
بزرگ کے بدن پر ایسا گرو کہ وہ آپ کا معتقد ہو جائے یہ ایک چبھتا ہوا
جملہ ہے کہ اگر کسی کو تھوڑی بہت فہم ہو تو یہ ایک جملہ ہی اسکے لئے کافی
ہے۔ تحقیق : بیشک ۔

حال : یعنی بزرگوں کی بتائی ہوئی باتوں پر عمل کرنا ہی صحیح معنوں میں
عقیدت مندی ہے ۔ تحقیق : بیشک

حال : نہ کہ بزرگوں کے سامنے صرف بیٹھے ، سُنے اور عمل نہ کرے ۔
تحقیق : یہی تو ہو رہا ہے ۔

حال : ولایت پر آپ نے جس قدر وضاحت سے مدلل بیان فرمایا کہ اس دَور
کی سب سے اہم ضرورتوں میں سے ایک یہ ہے کہ لوگوں کو صحیح طور پر
ولی کی پہچان آجائے ۔ تحقیق : ہاں بھائی ۔

حال : بھنگڑ اور سنگڑ کا جملہ اپنے کمال کو پہنچا ہوا ہے اور حقیقت کی نبا منی
کر رہا ہے کیونکہ اس دور کا مسلم جس کسی کو اسلام و شریعت سے پرے
دیکھتا ہے اسی کو ولی گردانتا ہے ۔ عقائد کی وضاحت کرکے اُس
خدشہ کو کلی دور کردیا جو جوگی سادھو استعمال کرکے لوگوں کو گمراہ کرتے
تھے ۔ یہ بات ذہن نشین ہو گئی کہ خوارق کا ظہور تو سب سے ہو سکتا ہے لیکن
کرامت کا صدور اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ مرد مومن عمل صالح اور طاعت
میں مداومت کرتا ہو ۔ کاش آج کے علماء ان باتوں کو کھل کر عوام سے
بیان فرماتے تاکہ عوام گمراہی سے بچتے اور سلف صالحین نے جو انتھک کاوشوں
سے ان سب باتوں کو جمع کیا ہے ان سے مستفید ہوتے ۔ سنا ہے کہ
حضرت والا اسی مضمون پر ایک کتاب شائع کر رہے ہیں ۔ تحقیق : ہاں ہاں ۔

حال : یوں تو ہندوستان کا گوشہ گوشہ آپ سے مستفید ہو رہا ہے یہ ایک اور اضافہ ہوگا۔ خدا آپکی سعی کو مقبول فرمائے ونیز دعا ہے کہ یہ کتاب جلد از جلد شائع ہو کر منظر عام پر آکر عوام کو ضلالت وگمراہی سے بچانے کا ذریعہ بنے آمین حضرت والا سے استدعا ہے کہ دعاء فرمائیے کہ بندہ کو دین کی سمجھ عطا فرمائے

تحقیق : دعاء کرتا ہوں۔

(مکتوب نمبر ۸۶۵)

حال : چند پریشانیوں کی وجہ سے آجکل طبیعت میں گھبراہٹ اور پریشانی ہے دعا فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے میری پریشانی دور کردے

تحقیق : آمین

حال : اکثر نماز بھی قضا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے قلبی تکلیف رہتی ہے دعاء فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو پنج وقتہ نماز کا عادی بنا دے۔ تحقیق : دعاء کرتا ہوں

حال : بسا اوقات شیطانی وساوس پریشان کرتے ہیں جس کی وجہ سے ایمان میں کمزوری محسوس ہونے لگتی ہے پھر اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم شامل ہونے کی وجہ سے دور ہو جاتے ہیں۔ دعاء فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ایسے وساوس شیطانی سے محفوظ رکھے۔ تحقیق : دعاء کرتا ہوں۔

حال : ایمان کامل مستحکم نصیب ہو۔ تحقیق : آمین

حال : اور حضرت والا سے سچی اور صحیح محبت وعقیدت پیدا ہو جائے تاکہ میری زندگی دینی ودنیاوی درست ہو جائے۔ تحقیق : آمین۔

حال : بجز حضرت والا کی دعاء کے فلاح وبہبود ممکن نہیں حضرت والا دعاء فرما دیجئے کہ مجھے اس کشمکش سے نجات حاصل ہو اور سکون کی زندگی بسر کروں۔ حضرت والا قرض کے واسطے بھی دعاء فرمائیں۔ تحقیق : دعاء کرتا ہوں۔

سال : اللہ تعالیٰ کوئی صورت اس کے ادائیگی کی پیدا فرما دے تحقیق : آمین
سال : بہت کوشش کرتا ہوں کہ قرض سے سبکدوش ہو جاؤں لیکن حالات مجبور کر دیتے ہیں، دعاء فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ میرا قرضہ ادا ہونے کی سبیل عطا فرما دے ۔ تحقیق : آمین
حال : حالات زمانہ افسروں سے کبھی موافقت کی امید نہیں اور جن سے کچھ ہمدردی کی توقع تھی وہ کبھی بے رخی برت رہے ہیں ۔ اللہ مالک ہے بجز حضرت والا کی دعاء کے اور کسی سے امید بھلائی کی نہیں دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ افسروں کو موافق فرما دے اور معاملہ میں کامیابی عطا فرمائے
تحقیق : دعاء کرتا ہوں ۔
حال : حضرت والا خاص طور سے اس پریشان حال کے لئے دعاء فرما دیں
تحقیق : دعاء کرتا ہوں ۔
حال : تاکہ اللہ تعالیٰ میری پریشانیاں دور کر دے ۔ تحقیق : آمین

(یہ تحریر بھی گئی)

آپ کے خط سے آپکی پریشانیوں کا حال معلوم کرکے افسوس ہوا اللہ تعالیٰ حضرت والا کی برکت سے آپکی جملہ پریشانیاں دور فرمائیں شیطانی وساوس کے بارے میں جو آپ نے لکھا ہے تو اس سے پریشان ہونے کی ضرورت کیا ہے؟ پریشان ہونا تو گویا شیطان کی دلی خواہش پوری کرنا ہے وساوس پر عمل نہ کرے اور اپنی طرف سے انکی جانب متوجہ نہ ہو۔ پھر آئیں تو آنے دیجئے، غیر اختیاری امور پر پریشانی کیسی ؟ میرے خیال میں ایسے وقت میں اگر حضرت شیخ کا خیال کریں تو انشاء اللہ بہت زیادہ فائدہ محسوس ہوگا
افسروں کی ناراضی کے لئے آپ نے جو لکھا ہے تو تمام انسانوں کے قلوب اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہیں وہ جدھر جس دل کو چاہیں پھیر دیں چاہیں تو

نفرت سے بھر دیں چاہیں محبت سے بھر دیں، بس اللہ تعالیٰ کی طرف ہی رجوع کیجے۔ برادرم ہم جب تک دین نہ اختیار کریں گے دنیا بھی درست نہ ہوگی بس اسی طرح پریشان رہیں گے۔ اعمال صالحہ کو اختیار کر کے اللہ کو راضی کریں جب آقا خوش ہوگا تو کسی غلام کی کیا مجال کہ وہ آپکو پریشان کر سکے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ حضرت والا کی عمر دراز فرمائیں اور حضرت والا کے فیوض و برکات سے ہم سب کو مستفیض فرمائیں اور اعمالِ صالحہ کی مجھکو اور آپکو اور جملہ مسلمانوں کو توفیق عطا فرمائیں۔ و السلام

(مکتوب نمبر ۸۶۶)

حال: الحمد للہ کیسے کیسے مضامین حضور والا نے بیان فرمائے گویا کہ مردہ زمین کو سیراب فرما دیا۔ اللہ تعالیٰ حضور والا کو بصحت و امن تا دیر سلامت رکھیں تاکہ انکی راہ سے بھٹکے ہوئے مسافروں، خستہ دلوں کی رہنمائی فرماتے رہیں۔ تحقیق: آمین

حال: برتر ہے وہ ذات سبحانہٗ تعالیٰ کی جس نے بندوں کی ہدایت کا کیسا سامان مہیا فر رکھا ہے یعنی علماء نے کیسی کتابیں کیمیا مدون کر رکھی ہیں جو کہ سیاہ کو سفید بنا دے۔ اللہ تعالےٰ کا بڑا احسان ہے۔ اب کاش اگر علماء ایسی باتیں بیان فرماتے تو آج امت گمراہ نہ ہوتی۔ تحقیق: بیشک

حال: یا اللہ! انھیں اپنے فرض منصبی پر دائم و قائم رہنے کی توفیق عطا فرما۔ اللہ اکبر اولیاء کے بیان میں عقائد و توحید اور معرفت الٰہی کا دریا موجزن ہے کہ جس کا پانی شیریں و شفاف ہے کہ نہ پیئے بھلا کون رہ سکتا ہے۔
تحقیق: بیشک

حال: علماء دیوبند کنک بھی تشریف لے جاتے ہیں تو انکی مجلس میں شرکت کا چرچا رہتا ہے۔ احباب شریک ہوتے ہیں مگر میں کبھی نہیں شریک ہوا مجھ سے پوچھتے ہیں تو کہہ دیتا ہوں کہ میں اپنی نبض اپنے شیخ کے ہاتھ میں دے چکا

اس لئے کسی دوسرے سے علاج نہیں کراؤنگا جیساکہ قاعدہ ہے کہ امراضِ جسمانی میں کسی ایک طبیب حاذق سے علاج کراتے ہیں اگر دو تین سے علاج کرائیں تو فائدہ نہو، شفا، نہو آخر مر ہی جائیں تو کیا امراض روحانی میں اسکی ضرورت نہیں لہٰذا میں کسی کے وعظ میں شریک نہیں ہوتا۔ الحمدللہ کہ ترستی ہوئی خشکی میں ابر رحمت برس گیا۔

حضرت والا جو کتاب کہ اس وقت لکھی جارہی ہے چھپ جائے تو لیکر اپنی مسجد میں سناؤں گا۔ تحقیق: بہتر ہے۔

حال: اور میں یہاں سے جو سمجھا ہوں اور لکھ رکھا ہوں اپنے والدین اور گھر والے اور گاؤں (محلہ) والے جو کہ متعلقین میں ہیں انکو جاکر سناؤنگا۔ امید کرتا ہوں کہ متاثر ہوکر راہ اختیار کرینگے۔ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالےٰ میرے والدین اور گھر والے و دیگر متعلقین کو توفیق ہدایت عطا فرمائیں۔ تحقیق: دعا کرتا ہوں۔

حال: میرے دل میں ذکر اللہ جاری ہو جائے۔ تحقیق: آمین۔

(مکتوب نمبر ۸۶)

حال: خط مرسلہ وصول ہوکر کاشف حالات ہوا۔ خادم آپ کے جوابات میں صرف ایک جملہ سے بے حد شرمندہ ہے

تحقیق: آپ بھی عجیب آدمی ہیں۔ میں نے دل سے لکھا ہے بیشک آپ کے آباء و اجداد مقدس ہیں۔ حضرت جلال الدین سیوطی تحریر فرماتے ہیں نَعْتَقِدُ اَنَّ طَرِيْقَ الْجُنَيْدِ وَصَحْبِهٖ طَرِيْقٌ مُقَدَّمٌ (ہم اس کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت جنیدؒ اور انکے اصحاب کا طریقہ مقدم اور قابل اتباع ہے) خیال فرمائیے نَعْتَقِدُ فرمارہے ہیں میں بھی بزرگان سلف کا معتقد ہوں جنکی خدمات سے دنیا روشن ہے

حال: مثلاً، میں آپ کے تقدس کو تسلیم کرتا ہوں اور وہ تو میں ہی قابل تقدس

حاشا وکلا میں نے صرف اپنے خسر اور باپ دادا کا ذکر اس لئے کر دیا کہ شاید جناب والا ان سے واقف ہوں۔ تحقیق: میں انکے کارناموں سے واقف ہوں۔

حال: رہا تقدس میرے اندر تو وہ نام کو نہیں ہے، اپنی زندگی نہ معلوم کن کن مصائب اور پریشانیوں کے ساتھ گذار رہا ہوں خداوند کریم نے مروت اتنی عطا فرمائی ہے کہ حد سے زیادہ محض اپنی عادت کی وجہ سے مقروض ہوگیا ہوں۔ اتنا زمانہ ملازمت کو ہوگیا لیکن آج تک سر چھپانے کے لئے ایک ذاتی مکان تک نہ ہو سکا، جو کچھ خدا نے دیا ہے اپنے اہل وعیال رفقار اور دیگر اعزہ پر خرچ ہو جاتا ہے۔ اس وقت بھی تقریباً دو ہزار کا مقروض ہوں۔ اللہ اس سے بار سے جلد سبکدوش فرما دے۔ آمین۔ اور قرض لینے کی عادت سے محفوظ فرمائے۔ آمین۔ تحقیق: دعا کرتا ہوں۔

(مکتوب نمبر ۸۰۶)

حال: بحمد اللہ تعالیٰ ہملوگ فریضۂ حج سے فارغ ہوکر آگئے یہ ایک سعادت کبریٰ ہے جو ہمکو اس زندگی میں نصیب ہوئی۔ محبت میں عجیب طرح کی تشنگی باقی رہ گئی ہے جی چاہتا ہے کہ پھر جاؤں اور جو کچھ تلافی مافات ممکن ہو وہ حسب استعداد کروں اللہ تعالیٰ اسکی توفیق عطا فرمادیں میں نے ہر مقام مقبولیت دعا پر آپکے لئے دعا کی ہے اور مواجہ شریف حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آپکی طرف سے سلام عرض کیا ہے اور یقین کے ساتھ امیدوار قبولیت ہوں۔

تحقیق: واقعی بہت بڑی سعادت نصیب ہوئی اللہ تعالیٰ قبول فرمائے تشنگی جو تحریر فرمایا ہے یہ لوازم عشق سے ہے اللہ تعالیٰ اس میں برابر ترقی عطا فرمائے مَا عَفَّ اللّٰهُ بِهٖ ظَمْأَ زَمَانٍ عَطَشِیْ (اللہ تعالیٰ ہر لمحہ میری پیاس بڑھاتا رہے) آپکی عنایت نے مجھکو خرید لیا کہ ہر جگہ آپنے مجھکو یاد رکھا اور یقین بھی قبولیت کا رکھتے ہیں اس سے بڑھکر میرے لئے اور کیا احسان ہو سکتا ہے۔

والسلام

(قسط ۴۲)

(۱۱۴۵) فرمایا کہ ہر نفس کی جدا سزا ہے جیسے حضرات فقہاء نے شریف کی تعزیر لکھی ہے مثلاً یہ کہ محکمۂ قضاء میں بلا کر قدرے ملامت کر دیا جائے مگر نفس غیر شریف کے لئے دوسری تعزیر ہے۔

(۱۱۴۶) ایک مولوی صاحب نے شکایت کی کہ نماز کی حالت میں ایک کیفیت پر استقرار نہیں ہوتا بلکہ بعض ارکان میں خطرات مستولی ہو جاتے ہیں۔ فرمایا کہ یہ تقلبات سفر ہیں اور تثبیت منزل ہے۔ منزل پر رسائی سفر ہی سے ہوتی ہے اور کوئی طریق نہیں یوں ہی چلنے دیجئے ان شاء اللہ تعالیٰ ایک روز تثبت کلی عطا ہو جائے گا جس کی کوئی مدت متعین نہیں ہو سکتی جب تک حاصل نہ ہو اسکی طلب قصد کلی قرب قبول میں بجائے حصول ہی کے ہے۔

(۱۱۴۷) فرمایا کہ اگر استحضار نعم کے ساتھ اسکا استحضار کلی کر لیا جاوے کہ یہ نعمتیں میرے استحقاق کیوجہ سے نہیں ہیں بلکہ موہبت الٰہیہ ہیں وہ اگر چاہیں ابھی سلب کر لیں اور یہ انکی رحمت ہے کہ بلا استحقاق عطا فرما رکھی ہیں اور دوسروں کے متعلق اسکا استحضار کر لیا جاوے اگرچہ یہ لوگ ان خاص فضیلتوں سے خالی ہوں لیکن ممکن ہے کہ انکو ایسی فضیلتیں دی گئی ہوں کہ ہمکو انکی خبر نہ ہو اور انکی وجہ سے انکا رتبہ حق تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ ہو تو ان دونوں استحضار کے بعد جو سرور رہ جائیگا وہ عجب نہ ہوگا یا تو فرحت طبعی ہوگی جو مذموم نہیں یا شکر ہوگا جب منعم کے احسان کا کلی استحضار ہو جس پر اجر ملے گا۔

(۱۱۴۸) اس طریق میں جو حالت غیر اختیاریہ کلی پیش آوے خیر محض ہے اور اس میں بعید منافع و مصالح ہوتے ہیں جو اس وقت تو سمجھ میں نہیں آتے لیکن آگے چل کر ایک وقت میں سب خود بخود سمجھ میں آنے لگتے ہیں۔

(۱۱۴۹) فرمایا کہ حق تعالیٰ کی محبت میں شان عقلیت غالب ہوتی ہے اور اپنے مجانس کی محبت میں شان طبیعت غالب ہوتی ہے۔ اور سرسری نظر میں محبت عقلی محبت طبعی کے سامنے ضعیف و مضمحل معلوم ہوتی ہے اس سے یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ شیخ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

محبت حق تعالیٰ سے بھی زیادہ ہے حالانکہ امر بالعکس ہے چنانچہ اگر
بوب طبعی سے نعوذ باللہ حق تعالیٰ کی شان کے خلاف کوئی معاملہ فعلی
قولی صادر ہو تو وہی محبوب فوراً مبغوض ہو جاوے جس سے ثابت
اکہ حق تعالیٰ ہی کی محبوبیت غالب ہے۔
(۱۱۵۰) احناف اور غیر مقلدین جو ایک ہی مسجد میں ایک جماعت
کے ساتھ نماز پڑھتے تھے ان میں ایک مولوی صاحب بطور تفرقہ ڈالنا
ہتے تھے اس پر احناف نے مسائل مختلف فیہا کے متعلق دریافت کیا فرمایا کہ
ختلف فیہ مسئلہ میں جانبین میں گنجائش ہوتی ہے اس لئے ایک مثل کے قول
بھی نماز عصر درست ہو جاوے گی گو احتیاط احناف کے لئے یہی ہے کہ
مثلین کے بعد پڑھیں لیکن اس احتیاط سے زائد اہم فتنہ سے بچنا ہے اسلئے
ون اسکے اگر فتنہ نہ ہٹے تو اس عارض کی وجہ سے مثلین پر عمل کرنے سے
ک مثل پر عمل کرنا اولیٰ ہوگا۔ اسی طرح اگر حضرات اہل حدیث یہ اعانت کریں
اول وقت کی فضیلت کی تحصیل پر اتفاق کی فضیلت کو ترجیح دے کر
ثلین کے بعد عصر پڑھنا گوارا کریں تو انہیں زیادہ ثواب ہوگا بلکہ زیادہ بہتر ہے
ونکہ مثلین کے بعد تو بالاتفاق عصر درست ہے اور مثل کے بعد بعض اقوال
درست نہیں اور اگر اس صورت مذکورہ کو کوئی فریق نہ مانے تو صورت اسلم
ہے کہ اہل حدیث ایک مثل کے بعد اذان دیکر نماز ادا کریں اور پھر
حناف اپنے وقت پر اسی اذان کو تسلیم کر کے نماز ادا کریں۔
(۱۱۵۱) فرمایا کہ زبانی بیان کرنا شرط تبلیغ نہیں کوئی چھپا ہوا وعظ یا کوئی
تاب حدیث یا فقہ یا تفسیر کی ہاتھ میں لیکر اسکو دیکھکر مع ترجمہ پڑھ دیا کریں
جمال یا ابہام ہوا مختصر سی تفسیر یا تفصیل کر دی اگر اس پر بھی قدرت نہیں
ایسا شخص تبلیغ عام کا مکلف ہی نہیں۔
(۱۱۵۲) فرمایا کہ طبیب سے یہ کہنا بھی بے موقع ہے کہ اگر مناسب

سمجھیں خمیرہ گاؤزبان تجویز کردیں۔ اس سے تو حال کہکر مخلّی بالطبع کرکے تدبیر پوچھنا چاہیئے۔

(۱۱۵۳) کسی بی بی کے شوہر کا انتقال ہوگیا تھا ان کے عدم سکون پر یہ تحقیق بیان فرمائی کہ سکون مطلوب ہی نہیں عمل مطلوب ہے ظاہری بھی باطنی بھی، ظاہری تو معلوم ہے باطنی ہر وقت کے واسطے وہ عمل جو اختیار میں ہے مثلاً صبر اختیار میں ہے وہی مطلوب ہوگا سکون و دلجمعی اختیار میں نہیں اسلئے وہ مطلوب نہ ہوگا

(۱۱۵۴) فرمایا کہ جب تک نسبت مع الخالق راسخ نہو تعلق مع الخلق بلا ضرورت سراسر مضرت ہے اور جو منفعت سوچی جاتی ہے کہ اداءِ حق خلق ہے وہ حق خلق بھی جب ہی ادا ہوتا ہے کہ نسبت مع الخالق راسخ ہوجاوے ورنہ نہ حق خالق ادا ہوتا ہے نہ حق خلق۔ یہ تجربہ ہے ایک کا نہیں بلکہ ہزاروں اہل بصیرت کا، ہم اور آپ سے زیادہ اہل تمکین نے ایسے تعلقات کو چھوڑ دیا ہے۔ حضرت ابراہیم بلخیؒ، حضرت شاہ شجاع کرمانیؒ کے واقعات معلوم ہیں اور حضرات خلفائے راشدین پر اپنے کو قیاس نہ کیا جائے ؎ کار پاکاں را قیاس از خود مگیر (اللہ والوں کے کام کو اپنے اوپر قیاس نہ کرو کہ اپنے جیسا سمجھنے لگو)

(۱۱۵۵) ایک مولوی صاحب مجاز نے یہ شکایت لکھی تھی کہ اب تک الارم کے بغیر تہجد کے لئے آنکھ نہیں کھلتی افسوس ہے کہ خارجی چیزوں کی اب تک حاجت باقی ہے۔ اس پر جواباً فرمایا کہ کن کن خارجی چیزوں کئے احتیاج سے بچو گے؛ کھانے کی احتیاج ہے لحاف بچھونے کی احتیاج ہے صدہا چیزوں کی احتیاج ہے۔ جس طرح باطنی کیفیات حق تعالیٰ کی نعمتیں ہیں الارم وغیرہ خارجی چیزیں بھی تو اللہ تعالیٰ ہی کی نعمتیں ہیں! کام نکلنا چاہیئے چاہے خارجی نعمتوں سے نکلے خواہ باطنی نعمتوں سے۔ پھر فرمایا کہ

اس جواب سے انکی بالکل تسلی ہوگئی اگر اور جگہ پوچھا جاتا نہ جانے کیا کیا مجاہدے تجویز کردیئے جاتے۔

(۱۱۵۶) ایک صاحب نے اپنے کرایہ داروں سے ترغیب نماز کے متعلق تشدد کیا اور کہا کہ اس مکان میں رہنے کی شرط یہ ہوگی کہ بلا عذر شرعی جماعت و مسجد کی پابندی میں فرق نہ آئے اور تخفیف کرایہ کی لالچ دلانی چاہی اسپر حضرت والا نے فرمایا کہ اگر آپ کی جگہ میں کم ہمت ہوتا تو رخصت پر عمل کرتا یعنی اپنے نفس کو تو یہ سمجھاتا کہ ان پر سختی اور ان تدبیروں سے اثر ڈالنا مجھ واجب نہیں پھر کیوں تعب میں پڑوں البتہ اتنا ضرور کرتا کہ ترغیب کے ساتھ انکو جمع کرکے وعظ سناتا اور انکی رعایتیں بلا کسی شرط اور بلا کسی ضابطہ کے کرتا وہ مانوس اور منبسط ہوکر خود بخود کام کرنے لگتے اور جو اس پر بھی متاثر نہ ہوتے انکے حال پر چھوڑ کر صرف دعا پر اکتفا کرتا۔

(۱۱۵۷) ایک مریض کو ایک حکیم صاحب نے زیادہ سونے کی رائے دی اس پر انھوں نے معمولات میں کمی کی شکایت حضرت والا کو لکھی اس پر فرمایا کہ جتنا حکیم صاحب سونے کو بتلاتے ہیں اس سے زیادہ سوؤ صحت کاملہ تک معمول میں تخفیف کردو ثواب پورا ملے گا۔

(۱۱۵۸) فرمایا کہ اسلم طریق یہی ہے کہ اپنے محاسن اور طاعات کو زبان پر کبھی لاوے ہی نہیں بس اس مثل پر عمل چاہئے کہ نیکی کر اور دریا میں ڈال، آدمی یہ سوچ لے کہ جس کے واسطے میں نے طاعت کی ہے اسکو تو علم ہے اور وہ کبھی بھولے گا بھی نہیں پھر کسی کو جتلانے کی کیا ضرورت ہے اپنی طاعت کو جتلانا درحقیقت غیر اللہ کو مقصود بنانا ہے، یہ کیا حماقت ہے۔

(۱۱۵۹) فرمایا کہ جس بات میں نفسانیت کا شمول ہوتا ہے، اس میں خاصیت یہی ہے کہ دوسرے کو اس سے نفرت ہوتی ہے

لیکن چونکہ آدمی کی طبیعت میں اپنے ساتھ حسن ظن رکھا ہوا ہے اس واسطے خود اس کام کو کرتے ہوئے برائی نہیں معلوم ہوتی اسی واسطے محققین نے بھلے برے کی یہ بھی ایک شناخت مقرر کی ہے کہ جس کام کی نسبت یہ معلوم کرنا ہو کہ اچھا ہے یا برا اور اس میں نفسانیت شامل ہے یا نہیں اس میں اسطرح غور کرو کہ یہ کام اگر دوسرا آدمی کرے تو ہم کو برا معلوم ہوگا یا نہیں اور اس سے اکثر باتوں کا حسن و قبح معلوم ہو جاتا ہے۔

(۱۱۶۰) فرمایا کہ جھوٹی بات کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اسمیں نمکینی خوب ہوتی ہے اور سامعین کو نفسانی لطف خوب آتا ہے اور سچی بات میں نمکینی نہیں ہوتی

(۱۱۶۱) فرمایا کہ ہر کام کرنے سے پہلے یہ دیکھ لیجئے کہ یہ دین و دنیا میں مضر تو نہیں دیکھئے کتنی جلد اصلاح ہوتی ہے۔

(۱۱۶۲) یاد رکھو لوگوں میں ایک کو دوسرے کے اوپر بلندی اور رفعت صرف اس سے حاصل ہوتی ہے کہ لوگوں کی تکلیف دہ باتوں پر صبر کیا جاوے اور کثرت سے صدقہ اور احسان کیا جاوے اور کسی سے حسد نہ کیا جاوے اور بدی کرنے والوں کا بدلہ بدی سے نہ دیا جاوے۔ چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ (اور ہم نے ان میں جبکہ انھوں نے صبر کیا پیشوا بنا دیئے جو ہمارے حکم سے ہدایت کیا کرتے تھے اور وہ لوگ ہماری آیتوں کا یقین رکھتے تھے) ——

—— (یہ ملفوظ حضرت والا کا نہیں مفید ہونے کے سبب درج کیا گیا)

(۱۱۶۳) فرمایا کہ سود لینے والے کو ابتدائی حالت میں غور کریں تو ایک ذلت اور شرمندگی محسوس ہوتی ہے یہ ذوقی دلیل ہے معلوم کہ سود ہندوستان میں کفار سے لینا اگر حلال ہو تب بھی اسکی یہ خاصیت ہے جیسے کوئی لطیف المزاج اوجھڑی کھائے تو گو جائز ہے لیکن تکدر ضرور ہوگا۔ میں اس بارے میں مستفتی کو لکھدیا کرتا ہوں کہ میری رائے تو عدم جواز ہے باقی دوسرے علماء کا قول جواز پر ہے

لہٰذا اختلاف سے فی الجملہ گنجائش ہے

(۱۱۶۴) فرمایا کہ اہل علم کو چاہیئے خصوصاً اہل مدارس کو کہ زکوٰۃ کا، جو مدرسہ میں دیا جاتا ہے اسکو فوراً تملیک کر کے مدرسہ میں داخل کر لیا کریں بصورت عدم تملیک مزکی مرگیا تو اس مال زکوٰۃ میں میت کے ورثا کا متعلق ہو جائے گا نیز حولان حول (سال گذرنے کے بعد) کے بعد اس پر زکوٰۃ بھی واجب ہوگی وہ بقدر نصاب ہوا۔

(۱۱۶۵) فرمایا کہ تجربہ سے معلوم ہوا کہ مثنوی سے خالی الذہن شخص کا احتیاط گرا طریق ہے کہ مسائل دوسری جگہ سے حاصل کرلے پھر اس پر مثنوی کو منڈ کرے یہ مثنوی دانی کا بڑا کمال ہے اس اصل کو پیش نظر رکھو تو فائدہ کا

(۱۱۶۶) ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ علی التعاقب (یکے بعد دیگرے) امراض کا علاج کرے اس طرح کہ جو اسکے نزدیک اہم اسکو مقدم کرے اسی ایک کو مصلح سے دریافت کرے جب ایک مرض کے علاج میں رسوخ ہو تو دوسرا شروع کرے اور اول کی مقاومت بھی نہ چھوڑے پھر تیسرا کردے اور پہلے دو کو بھی نہ بھولے۔ آخری بات یہ ہے کہ امراض کا شروع کردے اور اتفاقی تقصیر پر استغفار کرتا رہے اس فکر میں نہ کہ کتنا نفع ہوا اور کتنا باقی رہا ورنہ اسی حساب میں رہے گا اس کو چھوڑ میں لگے اور یوں سمجھے کہ میں کچھ بھی نہیں ہوا روزاول ہی جیسا اہتمام رہے اپنے کو معالجہ اور استغفار ہی میں ختم کردے۔

(۱۱۶۷) فرمایا کہ بعض لوگ آنَا جَلِیْسُ مَنْ ذَکَرَنِیْ (میں اسکا ہمنشیں جو مجھے یاد کرتا ہے) سے استدلال کرتے ہیں کہ صرف اذکار ہی اصلاح کافی ہیں کیونکہ ذکر سے قرب ہوگا اور قرب سے معاصی سے نفرت و اجتناب بس اور تدابیر کی ضرورت نہیں حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ ذَکَرَنِیْ (ذکر کرے) میں خود تدابیر اصلاح بھی داخل ہیں پس بدون معالجہ امراض

ملہ زکوٰۃ دینے والا

ذکر ہی متحقق نہیں دیکھو حصن حصین میں بَلْ کُلُّ مُطِیْعٍ لِلّٰہِ فَھُوَ ذَاکِرٌ (بلکہ ہر وہ آدمی جو اللہ کی اطاعت کرتا ہے ذاکر ہے) بات یہ ہے کہ ذکر کے معنی ہیں یاد تو یاد صرف زبان ہی سے نام لینے کو نہیں کہتے بلکہ اصل یاد وہ ہے جو سب طریقہ سے ہو۔ یہ کیا یاد ہے کہ جس کی یاد کا دعویٰ ہے نہ اس سے بات کرے، نہ اسکے خط کا جواب دے، نہ اس سے ملے، نہ اسکا کہنا مانے یہ ہرگز یاد نہیں تو جو ذکر بدون اصلاح کے ہو وہ ایسی ہی یاد کی طرح ہے۔

(۱۱۶۸) ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ اس طریق میں نفع کا مدار مناسبت پر ہے پہلے مناسبت پیدا کرنے کا اہتمام کرنا چاہئے میں جو لوگوں کو مشورہ دیتا ہوں کہ کچھ روز یہاں آ کر قیام کرو اور زمانہ قیام میں مکاتبت مخاطبت نہ ہو اسکی صرف یہی وجہ ہے کہ مناسبت پیدا ہو جائے لوگ اسکو بہت ہی سخت شرط بتلاتے ہیں حالانکہ اسکی ہی سخت ضرورت ہے جب تک یہ نہ ہو مجاہدات، ریاضات، مراقبات، مکاشفات سب بیکار ہیں کوئی نفع نہ ہوگا۔ ایک مولوی صاحب نے عرض کیا اگر طبعی مناسبت نہ ہو اور عقلی پیدا کر لی جاوے؟ فرمایا کہ کوئی کلی ہونا چاہئے نفع اسی پر موقوف ہے۔

(۱۱۶۹) ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میرے لڑکے بہت بد شوق ہیں تعلیم کی طرف انکو قطعاً التفات اور رغبت نہیں اس سے میرا قلب پریشان رہتا ہے فرمایا کہ قلب کے پریشان اور مشوش رکھنے کی کیا ضرورت ہے، مومن کو پریشان کرنے والی چیز بجز ایک چیز کے کوئی چیز نہیں وہ حق تعالیٰ کی عدم رضا ہے اس سے تو مومن کے قلب میں جتنی بھی پریشانی ہو اور جو بھی حالت ہو وہ تھوڑی سی ہے۔ اور جبکہ رضا کا اہتمام ہے اپنی وسعت اور قدرت کے موافق تو کوئی وجہ نہیں کہ مومن کا قلب پریشان اور مشوش ہو اس لئے کہ صرف تدبیر ہمارے ذمہ ہے مثلاً تعلیم اولاد کے لئے شفیق استاد

کا تلاش کر دینا، کاغذ قلم دوات کا مہیا کر دینا، کتابوں کا خرید دینا، مزید برآں علم کے منافع و فضائل سنانا اسکے بعد جو نتیجہ ہو اس پر رضا و تفویض ہی سے کام لینا مناسب ہے۔

(۱۱۷۰) فرمایا کہ رشوت کی رقم پر بھی زکوٰۃ واجب ہے گو مقبول نہ ہو لیکن نہ دینے سے زیادہ مردود یت ہوگی

(۱۱۷۱) فرمایا طریق مشورہ لینے کا یہ ہے کہ کئی شقوق لکھیں اور ہر شق کے مفاسد و مصالح لکھیں اور پھر ترجیح کی درخواست کریں۔

(۱۱۷۲) فرمایا کہ جب زبان کو ذرا بھی وسعت دی جاتی ہے تو گناہ میں ضرور مبتلا ہو جاتی ہے اسکی ایک تدبیر جو تدبیر ہونے کے ساتھ ساتھ تدارک بھی ہے یہ ہے کہ جب دو چار آدمی جمع ہو کر باتیں کریں تو باتیں ختم کرنے سے پہلے کچھ ذکر اللہ اور ذکر الرسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی کر لیا کرو اسکی ضرورت حدیث سے بھی ثابت ہے چنانچہ ارشاد ہے مَا جَلَسَ قَوْمٌ مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْهِ وَلَمْ يُصَلُّوْا عَلٰى نَبِيِّهٖ صلی اللہ علیہ وسلم اِلَّا كَانَ عَلَيْهِمْ تِرَةً یعنی جب مجلس میں لوگ باتیں کرتے ہیں اور اسمیں حق تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر درود نہیں بھیجتے وہ مجلس انکے لئے قیامت کے دن حسرت کا باعث ہوگی اور کچھ نہو تو ختم کرتے وقت یہی کہہ لیا کریں سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (آپ کا رب جو بڑی عظمت والا ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں اور سلام ہو پیغمبروں پر اور تمام تر خوبیاں اللہ ہی کیلئے ہیں جو تمام عالم کا پروردگار ہے) یہ لفظ جامع ہے ذکر اللہ اور ذکر رسول صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو علماء نے لکھا بھی ہے کہ یہ کفارہ مجلس ہے۔

(۱۱۷۳) فرمایا کہ کثرت کلام اسی وقت ہوتی ہے جبکہ اپنی بڑائی ذہن میں ہو اور اپنی بڑائی نظر میں اسی وقت آتی ہے جب حق تعالیٰ سے غفلت ہو نتیجہ یہ نکلا کہ کثرت کلام کی اسی وقت ہو سکتی ہے جب حق تعالیٰ سے غفلت ہو اور خدا سے غفلت ایک مرض نہیں بلکہ مجموعۃ الامراض ہے تو جس شخص کو دیکھو کہ کثرت کلام میں مبتلا ہے تو سمجھو لو کہ وہ ایک مرض میں مبتلا نہیں بلکہ بہت سے امراض میں مبتلا ہے اور اسمیں وہ تمام امراض موجود ہیں جو ترفع اور تکبر کی فرع ہیں۔

ترک مالایعنی

لایعنی امور کو ترک اور تعلقات زائد کو کم کرنے کے متعلق یہ وعظ ۱۹ جمادی الاخریٰ سنہ ۳۴ھ یوم جمعہ کو بر مکان شیخ رشید احمد صاحب میرٹھ تقریباً دو گھنٹے ہوا۔ اس وعظ میں جن صاحبان نے شرکت کی انکی تعداد تقریباً ۰ہم تھی۔ اس وعظ کو مولانا ظفر احمد عثمانی قدس سرہٗ نے قلم بند کیا۔

خطبۂ ماثورہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن
بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا
ومن سیئات اعمالنا من یھدہ اللّٰہ فلامضل لہ
ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لاالٰہ الا اللّٰہ
وحدہٗ لا شریک لہ ونشھد ان سیدنا ومولانا
محمدًا عبدہ ورسولہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ
الہ واصحابہ وبارک وسلم۔ امابعد فاعوذباللّٰہ
من الشیطان الرجیم۔ بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم
قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ
الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالَا یَعْنِیْہِ۔

دستور العمل

یہ ایک حدیث ہے یعنی ارشاد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے لئے ایک نہایت نافع دستور العمل بیان فرمایا ہے جو ایک جامع کلام ہے جس میں دنیا و آخرت دونوں کا انتظام مضمر (اور پوشیدہ) ہے اور یہ حضور کا معجزہ اور کمال ہے کہ چند لفظوں میں نہایت جامع مضمون آپ ارشاد فرما دیتے ہیں گویا وہ ایک کلی ہے جس کے تحت میں صدہا ہزارہا جزئیات موجود ہیں اور سب جزئیات کا حکم ایک کلیہ سے معلوم ہو سکتا ہے یوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر بھی دستور العمل ارشاد فرمائے ہیں وہ سبھی نافع ہیں حتیٰ کہ اسی لئے بعض دفعہ بیان کرتے وقت سخت حیرانی ہوا کرتی ہے کہ کس بات کو بیان کیا جائے آپ کی ساری ہی باتیں بیان کے قابل ہیں مگر اس کے لئے تو ایک عمر بھی ناکافی ہے اس لئے ایک جلسہ میں ایک ہی مضمون کو اختیار کیا جاتا ہے مگر اس اختیار کا معیار ایک امر اجتہادی ہے جس کی بناء پر متعدد مضامین سے ایک کو ترجیح دے لی جاتی ہے اور وہ معیار ضرورت ہے، لیکن ضرورت بھی سب ہی ارشادات کی ہے۔ آپ کا کوئی بھی ارشاد غیر ضروری نہیں مگر زیادہ ضرورت پر نظر کر کے ایک بات کو اختیار کر لیا جاتا ہے اور زیادہ ضرورت کا معیار مخاطبین کی کوئی خاص حالت ہوا کرتی ہے جیسے فن طب میں ایک ایک مرض کے لئے بہت نسخے ہوتے ہیں کہ وہ سب اس مرض کے لئے مفید ہوتے ہیں لیکن طبیب ان میں سے کسی ایک کو ترجیح دیکر اسی کو تجویز کر دیتا ہے اور اس ترجیح کی وجہ فصول و امزجہ کا اختلاف ہے کہ ایک نسخہ ایک فصل کیلئے مناسب ہے دوسرا دوسرے موسم کے لئے اور ایک نسخہ کسی مزاج کے موافق ہے دوسرا کسی اور مزاج کے ان امور خاصہ پر نظر کر کے طبیب کسی ایک نسخہ کو ترجیح دیتا ہے اور اسکا مدار محض معالج کی تشخیص پر ہے اسکے

اجتہاد میں جو نسخہ مریض کے مزاج سے زیادہ موافق اس وقت ہوتا ہے وہ اسی کو اختیار کر لیتا ہے۔ یہ ممکن ہے کہ کسی دوسرے طبیب کے نزدیک اس وقت کسی دوسرے نسخہ کو ترجیح ہو کیونکہ اسکی تشخیص میں مرض کی کیفیت کچھ اور ظاہر ہوئی ہو مگر بہرحال ایک طبیب کو دوسرے پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں ہر ایک نے اپنے اجتہاد ہی سے ایک کو ترجیح دی ہے یہی حالت معالجۂ باطنیہ کی ہے کہ اس میں بعض خصوص مواقع کی وجہ سے ایک خاص تدبیر کو اختیار کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس وقت ایک ایسی ہی خاص وجہ سے میں نے اس مضمون کو اختیار کیا ہے اور وہ وجہ یہ ہے کہ یہ مضمون باوجودیکہ نہایت ضروری ہے مگر اسکی طرف سے غفلت بہت ہو رہی ہے کسی مضمون کے ضروری ہونے کے مختلف اسباب ہوا کرتے ہیں کبھی ایک مضمون کا بیان کرنا اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس پر عمل کرنا شرعًا واجب یا فرض ہے، یہ وجہ تو بہت سے احکام میں مشترک ہے، کبھی اسلئے ضرورت بیان کی ہوتی ہے کہ کسی فرض و واجب پر عمل کرنے میں کوتاہی کی جاتی ہے اور ایک بڑا سبب ضروری ہونے کا یہ ہے کہ ایک چیز شرعًا ضروری ہے مگر اسکی طرف سے بے التفاتی اس درجہ ہے کہ اسکو ضروری نہیں سمجھا جاتا اسلئے اسکی طرف توجہ دلانے کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ یہ مضمون جو میں اس وقت بیان کرنا چاہتا ہوں اسکی یہی حالت ہے کہ فی نفسہ وہ بہت ضروری ہے مگر عام طور پر لوگوں کو اسکی ضرورت کا احساس نہیں ہے۔ ترجمہ سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ واقعی عمومًا اسکو ضروری کوئی نہیں سمجھتا الا ماشاء اللہ۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ "اسلام کی خوبی یہ ہے کہ جو چیز مفید نہو آدمی اسکو ترک کر دے" ترجمہ سنکر اکثر لوگوں کو خیال ہوا ہوگا کہ اس میں کون سی ضرورت کی بات ہے! نہ اس میں کسی ثواب کا

کر ہے نہ عذاب کا وعدہ ہے نہ وعید ہے نہ کسی کام کرنے کا حکم ہے حالانکہ
ندہ آپ کو اسکا ضروری ہونا معلوم ہو جائے گا اور اس وقت آپ کو
ندازہ ہو گا کہ اتنی ضروری بات سے ہم لوگ کس قدر غافل ہیں۔

علمی غفلت

صاحبو عملی غفلت سے علمی غفلت زیادہ اشد ہے
کیونکہ جس کام کو انسان ضروری سمجھتا ہے اور عمل
رنے میں سستی کرتا ہو وہاں تو یہ امید ہو سکتی ہے کہ اگر کسی وقت اسکے
ضروری ہونے پر توجہ ہو گئی تو فوراً عمل شروع کر دے گا اور علمی غفلت
یں یہ امید کبھی نہیں ہو سکتی کیونکہ جب اسکو ضروری ہی نہیں سمجھا جاتا تو
ضرورت پر توجہ کیوں کر ہوگی بلکہ عجب نہیں کہ اگر کوئی شخص کبھی اس کام کی
ضرورت بیان کرے تو سننے والوں کو اس سے وحشت ہو اور یوں کہیں
کہ یہ تو بالکل نئی بات ہے۔ آج تک کسی نے کبھی اسکو ضروری نہ کہا تھا
یہ بات تو ہم نے کبھی نہیں سنی۔ پس علمی غفلت کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ متنبہ
کرنے سے بھی بعض دفعہ تنبہ نہیں ہوتا اسلئے علمی غفلت کا دور کرنا
عملی غفلت کی اصلاح سے مقدم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات نماز
بیان نہیں کیا جاتا حالانکہ وہ سب سے زیادہ ضروری فرض ہے اور
اس سے غفلت بھی بہت کیجا رہی ہے اور دوسرا مضمون بیان کے لئے
اختیار کیا جاتا ہے کہ نماز سے تو محض عملی غفلت ہے علمی غفلت نہیں ہر مسلمان
نماز کی ضرورت کو جانتا اور تسلیم کرتا ہے لیکن اس دوسری بات کو لوگ ضروری
ہی نہیں سمجھتے عمل تو کیا کرتے اسلئے طبیب روحانی اس دوسری بات کو بیان
کرتا ہے تاکہ لوگوں کے عقائد کی تو اصلاح ہو جائے اور وہ گو اس پر عمل نہ کریں
اسکو ضروری تو سمجھیں۔ خلاصہ یہ کہ عملی غفلت سے صرف عمل میں نقصان آتا
ہے اور علمی غفلت سے عقائد و خیالات میں اور ظاہر ہے کہ عقائد و خیالات
کی اصلاح عملی اصلاح سے مقدم ہے علمی غفلت کا تدارک بہت دیر سے

ہوتا ہے اور اگر چند سے اسکی ضرورت کو بیان کیا جائے تو پھر ذہن میں ڈالنے سے کبھی اس پر توجہ نہیں ہوتی بلکہ اس کے سننے ہی سے وحشت اور تعجب ہونے لگتا ہے جیسا کہ اکثر سامعین نے اس حدیث کا ترجمہ سنکر خیال کیا ہوگا کہ آمیں تو کوئی ضروری بات نہیں بلکہ محض ایک معمولی بات ہے کہ جو چیز مفید نہو اسکو ترک کر دینا چاہیے۔

میں کہتا ہوں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعلیم میں اور انمیں سے بالخصوص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں یہی تو بڑی خوبی ہے کہ وہ بڑے بڑے سے مہلک امراض کا علاج نہایت سہل اور معمولی باتوں میں کر دیتے ہیں جن کو دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ یہ تو کچھ علاج نہیں محض ایک معمولی بات ہے لیکن اس پر عمل کرنے سے اسکا فائدہ عظیم عجیب معلوم ہوتا ہے اسس وقت حضورؐ کی تعلیم کی قدر ہوتی ہے اور بیساختہ کہتا ہے ؎

جزاک اللہ کہ چشمم باز کردی مرا با جانِ جاں ہمراز کردی

(ف: آپکو جزائے خیر دے آپنے تو میری آنکھیں کھولدیں اور مجھے جانِ جاں یعنی محبوب حقیقی سے واقف کرادیا۔)

تعلیم انبیاء

انبیاء کی تعلیم ایسی ہوتی ہے جیسے بعض اطباء جڑی بوٹیوں سے علاج کیا کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ وہ طبیب بڑا ماہر ہے جو ایک معمولی گھاس سے بڑے سے بڑے مرض کا علاج کر دے مگر اسکی قدر وہی کر سکتا ہے جو اسکے علاج پر ایک دفعہ عمل کرکے اس کے فائدہ کا مشاہدہ کر چکا ہو ورنہ ظاہر بیں لوگ تو یہی کہدیتے ہیں کہ یہ بھی کوئی علاج ہے جس میں جنگل کی گھاس ہی بتلادی جو ایک پیسہ کو بھی نہیں پوچھی جاتی مگر حقیقت میں فن دانی اسی کا نام ہے کہ ہلدی لگے نہ پھٹکری اور کام جلدی ہو جائے۔ ہمارے استاد علیہ الرحمۃ (مولانا محمد یعقوب صاحبؒ) اکثر جڑی بوٹیوں سے علاج بتلا دیا کرتے تھے

مولانا علم طب میں بھی بڑے ماہر تھے اور آپ کے نسخہ میں زیادہ اجزاء نہ ہوتے اکثر تو مفردات تبلادیا کرتے تھے ورنہ دو یا تین سے زیادہ اجزاء نہ ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک رئیس کو یہ دوا بتلائی کہ جامن کی کونپلوں کو سیاہ مرچوں میں پیس کر استعمال کریں یہ واقعہ تو میں نے ناتمام سنا ہے یہ معلوم نہیں کہ ان حضرت نے اسکو استعمال کیا یا نہیں۔ دوسرا واقعہ مکمل سنا ہے وہ یہ کہ ایک مرتبہ مولانا انبہٹہ تشریف لے گئے مولاناؒ کی دوسری شادی انبہٹہ ہی میں ہوئی تھی اسلئے وہاں جانا آنا رہتا تھا ایک رئیس کو وہاں معدہ کا کچھ مرض تھا جس کے علاج انھوں نے بہت کئے تھے مگر کسی علاج سے نفع نہ ہوا جب مولانا وہاں تشریف لے گئے تو انھوں نے حضرت سے بھی رجوع کیا مولانا نے انکو یہ دوا بتلائی کہ اکاس بیل کو دودھ میں پکا کر استعمال کریں چونکہ ایک معمولی دوا تھی جس میں ایک پیسہ کا بھی خرچ نہ تھا کیونکہ اکاس بیل خود رو بہت ملتی ہے اس لئے اس رئیس کو اس کی قدر نہ ہوئی وہ یہ سمجھے کہ میرے مرض کے لئے تو ایسے نسخہ کی ضرورت تھی جس میں بہت سے روپئے خرچ ہوں اس معمولی دوائی سے مجھے کیا آرام ہوگا؟ مولانا کو بھی آثار سے معلوم ہوگیا کہ اس شخص نے میرے نسخہ کی قدر نہیں کی، فرمایا اس کو معمولی نہ سمجھو تمھارے مرض کی یہی ایک دوا ہے اسکو استعمال کرکے دیکھو مگر اس نے پھر بھی توجہ نہ کی جب مریض کو طبیب پر اعتماد نہ ہو تو اسکی جوتی کو غرض پڑی ہے کہ اسکی خوشامد کرے پھر مولاناؒ کو کون سی فیس ملتی ہے جو وہ خوشامد کرتے مولانا بھی خاموش ہورہے اتفاق سے اس محلہ کی مسجد میں ایک نابینا ملاجی مؤذن تھے جنکی بزرگی کے لوگ معتقد تھے انھوں نے صبح کو اس رئیس کے روبرو خواب بیان کیا کہ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا اور دریافت کیا کہ حضرت اس مرض کے لئے کوئی دوا بتلا دیجئے تو انھوں نے فرمایا کہ اسکی صرف ایک دوا ہے اور وہی دوا بتلائی

جو حضرت مولانا نے بتلائی تھی یہ خواب مولانا سے بیان کیا گیا ۔ مولانا نے پوچھا حافظ جی دیکھو میں ہی تو نہ تھا تو حافظ جی کیا کہتے ہیں ہاں حضرت آواز تو ایسی ہی تھی مولانا نے فرمایا بھائی جب تم نے جاگتے میں میرا کہنا نہ مانا آخر میں نے سوتے میں بتلا دیا تو دیکھئے مولانا کے ارشاد کی قدر اسی لئے نہ ہوئی کہ بظاہر وہ ایک معمولی بات معلوم ہوتی تھی پس آجکل مذاق کچھ ایسا بدل گیا ہے کہ معمولی اور آسان باتوں کی قدر نہیں ہوتی نہ ایسی باتوں کو ضروری سمجھتے ہیں بس اسی بات کی قدر ہوتی ہے جس میں مصیبت جھیلنا پڑے چنانچہ مشائخ میں سے بھی لوگ اسی شیخ کی قدر کرتے ہیں جو مجاہدات زیادہ بتلائے کہ تہجد کبھی قضا نہ ہو، چھ مہینہ تک چلے میں رہو کسی سے نہ ملو چاہے اس کمبخت کی تمام ضروریات کا بیڑا ہو جائے مگر شیخ کو اسکی پرواہ نہ ہو تب تو وہ شیخ ہے اور اگر کوئی یہ بتلا دے کہ بھائی رات کو آنکھ نہ کھلتی ہو تو عشاء کے بعد تہجد پڑھ لیا کرو اور اگر تنہائی کا موقع نہ ملے تو چلتے پھرتے ہی وظیفہ پورا کر لیا کرو ۔ اسکی بہت کم قدر ہوتی ہے یوں سمجھتے ہیں کہ اس شیخ کے یہاں تو کوئی نئی بات نہیں سب معمولی باتیں ہیں میں کہتا ہوں کہ اگر ہنستے کھیلتے گھر بس جائے تو یہ کمال کی بات ہے یا نقصان کی اگر دو پیسے کی جڑی بوٹی میں سالہا سال کا روگ جاتا رہے جو دوسرے اطباء کے صدہا روپے کے نسخوں میں بھی نہ گیا تو یہ طبیب کا کمال ہے یا عیب مگر جب لوگوں کا مذاق ہی بگڑ جائے تو اسکا کیا علاج وہی مثل ہے کہ اندھے کے آگے روئے اپنی آنکھیں کھوئے غرض انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا یہی حال ہے کہ وہ جڑی بوٹیوں سے علاج کرتے ہیں انکی باتیں ظاہر میں معمولی ہی معلوم ہوتی ہیں مگر انکا فائدہ بہت بڑا ہوتا ہے اور اس سہل تعلیم کی بناء وفور شفقت ہے ۔ انبیاء علیہم السلام کو اپنی امت سے محبت اور انکے حال پر شفقت بہت ہوتی ہے اسلئے انکی تعلیم نہایت آسان ہوتی ہے جیسے باپ اپنے بیٹے کو تعلیم دیا کرتا ہے۔

چوری یہ بھی ہے

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ سہارن پور سے کانپور جا رہے تھے جب ریل میں سوار ہونے کیلئے اسٹیشن پہونچے تو محسوس کیا کہ انکے ساتھ سامان اس مقررہ حد سے زیادہ ہے جو ایک مسافر کو بک کرائے بغیر اپنے ساتھ لے جانے کی اجازت ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ اس کھڑکی پر پہنچے جہاں سامان کا وزن کر کے زائد سامان کا کرایہ وصول کیا جاتا ہے تاکہ سامان بک کرا سکیں کھڑکی پر ریلوے کا جو اہلکار موجود تھا وہ غیر مسلم ہونے کے باوجود حضرت مولانا کو جانتا تھا اور انکی بڑی عزت کرتا تھا جب حضرت نے سامان بک کرنے کی فرمائش کی تو اس نے کہا " مولانا رہنے بھی دیجئے، آپ سے سامان کا کرایہ وصول کیا جائے؟ آپ کو سامان بک کرانے کی ضرورت نہیں میں ابھی گارڈ سے کہہ دیتا ہوں وہ آپ کو زائد سامان کی وجہ سے کچھ نہ کہے گا" مولانا نے فرمایا "گارڈ میرے ساتھ کہاں تک جائے گا؟

"غازی آباد تک" ریلوے افسر نے جواب دیا

"پھر غازی آباد کے بعد کیا ہوگا؟" مولانا نے پوچھا

" یہ گارڈ دوسرے گارڈ سے بھی کہہ دے گا" اس نے کہا

مولانا نے پوچھا " وہ دوسرا گارڈ کہاں تک جائے گا؟"

افسر نے کہا " وہ کانپور تک آپ کے ساتھ جائے گا"

" پھر کانپور کے بعد کیا ہوگا؟" مولانا نے پوچھا۔

افسر نے کہا" کانپور کے بعد کیا ہونا ہے؟ وہاں تو آپ کا سفر ختم ہو جائے گا"

حضرت نے فرمایا " نہیں میرا سفر تو بہت لمبا ہے جو کانپور پر ختم نہیں ہوگا

اس لیے سفر کی انتہا تو آخرت میں ہوگی ۔ بتائیے کہ جب اللہ تعالیٰ مجھ سے پوچھے گا کہ اپنا سامان تم کرایہ دئیے بغیر کیوں اور کس طرح لے گئے تو یہ گارڈ صاحبان میری کیا مدد کر سکیں گے ؟"

پھر مولانا نے انکو سمجھایا کہ یہ ریل آپ کی یا گارڈ صاحب کی ملکیت نہیں ہے اور جہاں تک مجھے معلوم ہے ریلوے کے محکمے کی طرف سے آپکو یا گارڈ صاحب کو یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ جس مسافر کو چاہیں ٹکٹ کے بغیر یا اسکے سامان کو کرائے کے بغیر ریل میں سوار کر دیا کریں ، لہٰذا اگر میں آپ کی رعایت سے فائدہ اٹھا کر بغیر کرائے کے سامان لے بھی جاؤں تو میرے دین کے لحاظ سے چوری میں داخل ہوگا اور مجھے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنے اس گناہ کا جواب دینا پڑے گا ، اور آپکی یہ رعایت مجھے بہت مہنگی پڑے گی للہٰذا براہ کرم مجھ سے پورا پورا کرایہ وصول کر لیجئے ۔

ریلوے کا اہلکار مولانا کو دیکھتا رہ گیا لیکن پھر اس نے تسلیم کیا کہ بات آپ ہی کی درست ہے ۔

اسی طرح کا ایک واقعہ میرے والد ماجد (حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب) کے ساتھ پیش آیا وہ ایک مرتبہ ریل میں سوار ہونے کیلئے اسٹیشن پہنچے لیکن دیکھا کہ جس درجے کا ٹکٹ لیا ہوا ہے اس میں تل دھرنے کی جگہ نہیں گاڑی روانہ ہونے والی تھی اور اتنا وقت بھی نہ تھا کہ جا کر ٹکٹ تبدیل کروالیں مجبوراً اوپر کے درجے کے ایک ڈبے میں سوار ہوگئے خیال یہ تھا کہ ٹکٹ چیک کرنے والا آئیگا تو ٹکٹ تبدیل کرالیں گے لیکن اتفاق سے پورے راستہ میں کوئی ٹکٹ چیک کرنے والا نہیں آیا یہاں تک منزل آگئی ۔ منزل پر اتر کر وہ سیدھے ٹکٹ گھر پہنچے وہاں جاکر معلومات کیں کہ دونوں درجوں کے کرائے میں کتنا فرق ہے پھر اتنی ہی قیمت کا ایک ٹکٹ وہاں سے خرید لیا اور وہیں پر پھاڑ کر پھینک دیا ۔ ریلوے کے جس ہندو

افسر نے ٹکٹ دیا تھا جب اس نے دیکھا کہ انھوں نے ٹکٹ پھاڑ کر پھینک دیا ہے تو اسے سخت حیرانی ہوئی بلکہ ہو سکتا ہے والد صاحب کی دماغی حالت پر بھی شبہ ہوا ہو اسلئے اس نے باہر آکر ان سے پوچھ گچھ شروع کر دی کہ آپ نے ٹکٹ کیوں پھاڑ دیا؟ والد صاحب نے اسے پورا واقعہ بتایا اور کہا کہ اوپر کے درجے میں سفر کرنے کی وجہ سے یہ پیسے میرے ذمے رہ گئے تھے ٹکٹ خرید کر یہ پیسے میں نے ریلوے کو پہنچا دیئے اب یہ ٹکٹ بیکار تھا اسلئے پھاڑ دیا۔ وہ شخص کہنے لگا مگر آپ تو اسٹیشن سے نکل آئے تھے اب آپ سے کون زائد کرائے کا مطالبہ کر سکتا تھا؟ والد صاحب نے جواب دیا "جی ہاں انسانوں میں تو اب کوئی مطالبہ کرنے والا نہیں تھا لیکن جس حقدار کے حق کا مطالبہ کرنے والا کوئی نہ ہو اسکا مطالبہ اللہ تعالیٰ ضرور کرتے ہیں مجھے ایک دن انکو منہ دکھانا ہے اسلئے یہ کام ضروری تھا"۔

یہ دونوں واقعات قیام پاکستان سے پہلے اس دور کے ہیں جب برصغیر پر انگریزوں کی حکومت تھی اور مسلمانوں کے دل میں اس حکومت کے خلاف جو نفرت تھی وہ محتاج بیان نہیں، چنانچہ ملک کو انگریزی حکومت سے آزاد کرانے کی تحریکیں شروع ہو چکی تھیں خود حضرت مولانا تھانویؒ برملا اپنی اس خواہش کا اظہار فرما چکے تھے کہ مسلمانوں کی کوئی الگ حکومت ہونی چاہئے جس میں وہ غیر مسلموں کے تسلط سے آزاد ہو کر شریعت کے مطابق اپنا کاروبار زندگی چلا سکیں، لیکن انگریزی حکومت سے متنفر ہونے کے باوجود اسکے قائم کیے ہوئے محکمے سے تھوڑا سا فائدہ بھی معاوضہ ادا کئے بغیر حاصل کرنا انھیں منظور نہ تھا۔

بات دراصل یہ ہے کہ چوری کی قانونی تعریف خواہ کچھ ہو لیکن گناہ و ثواب کے نقطۂ نظر سے کسی دوسرے کی چیز اسکی آزاد مرضی کے بغیر استعمال کرنا چوری ہی میں داخل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

دسیوں احادیث میں مختلف انداز سے یہ حقیقت بیان فرمائی ہے چند ارشادات ملاحظہ فرمائیے :۔

ارشاد ہے کہ "مسلمان کے مال کی حرمت بھی ایسی ہی ہے

• جیسے اسکے خون کی حرمت" (مجمع الزوائد ص ۱۷۲ ج ۴)

واضح رہے کہ حدیث میں اگرچہ مسلمان کا لفظ استعمال کیا گیا ہے لیکن دوسری احادیث کی روشنی میں مسلمان حکومت کے غیر مسلم باشندے جو امن کے معاہدے کے ساتھ رہتے ہوں یا غیر مسلم حکومت کے غیر مسلم باشندے جس کے تحت مسلمان پرامن طور پر رہتے ہوں انکے جان و مال کا احترام بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا مسلمان کے جان و مال کا احترام لہٰذا اس لفظ سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے کہ غیر مسلموں کی جان و مال قابل احترام نہیں ہے۔

ایک اور حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔
"کسی مسلمان کا مال اسکی خوش دلی کے بغیر حلال نہیں" (مجمع الزوائد ج ۴ ص ۱۷۱)

حجۃ الوداع کے موقع پر آپ نے منیٰ میں جو خطبہ دیا اس میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "کسی شخص کے لئے اپنے بھائی کا کوئی مال حلال نہیں ہے سوائے اس مال کے جو اس نے خوشدلی سے دیا ہو (ایضاً ج ۴ ص ۱۷۱)

حضرت ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "کسی مسلمان کے لئے حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائی کا کوئی مال ناحق طور پر لے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کا مال مسلمان پر حرام کیا ہے، اور اسکو بھی حرام قرار دیا ہے کہ کوئی شخص اپنے بھائی کی لاٹھی بھی اسکی خوش دلی کے بغیر لے (ایضاً ج ۴ ص ۱۷۱)

کسی سے کوئی چیز لینے یا اسکو استعمال کرنے کے لئے اسکا خوشی سے راضی ہونا ضروری ہے لہٰذا اگر کسی وقت حالات سے یہ معلوم ہو جائے

کہ کسی شخص نے اپنی ملکیت استعمال کرنے کی اجازت کسی دباؤ کے تحت یا شرما شرمی میں دیدی ہے اور وہ دل سے اس پر راضی نہیں ہے تو ایسی اجازت کو اجازت نہیں سمجھا جائے گا بلکہ اسکا استعمال بھی دوسرے شخص کے لئے جائز نہیں ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم اپنے حالات کا جائزہ لیں تو نظر آئے گا کہ نجانے کتنے شعبوں میں ہم شعوری یا غیر شعوری طور پر ان احکام کی خلاف ورزی کر رہے ہیں ہم چوری یا غصب بس یہی سمجھتے ہیں کہ کوئی شخص کسی کے گھر میں چھپ کر داخل ہوا اور اسکا سامان چرائے یا طاقت کا باقاعدہ استعمال کر کے اسکا مال چھینے حالانکہ کسی کی مرضی کے خلاف اسکی ملکیت کا استعمال کسی بھی صورت میں ہو وہ چوری یا غصب کے گناہ میں داخل ہے اس قسم کی چوری اور غصب کی جو مختلف صورتیں ہمارے معاشرے میں عام ہوگئی ہیں اور اچھے خاصے پڑھے لکھے اور بظاہر مہذب افراد بھی ان میں مبتلا ہیں انکا شمار مشکل ہے تاہم مثال کے طور پر:۔

- ایک صورت تو وہی ہے جس کی طرف حضرت مولانا تھانوی رح کے مذکورہ واقعہ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ آج یہ بات بڑے فخر سے بیان کی جاتی ہے کہ ہم اپنا سامان ریل یا جہاز میں کرایہ دئیے بغیر نکال لائے حالانکہ یہ کام اگر متعلقہ افسروں کی آنکھ بچا کر کیا گیا تو اس میں اور چوری میں کوئی فرق نہیں اور اگر انکی رضامندی سے کیا گیا جب کہ وہ اجازت دینے کے مجاز نہ تھے تو انکا بھی اس گناہ میں شریک ہونا لازم آیا۔ ہاں اگر کسی افسر کو ریلوے یا ایئرلائنز کی طرف سے یہ اختیار حاصل ہو کہ وہ زیادہ سامان بغیر کرائے کے چھوڑ دے تو بات دوسری ہے۔

- ٹیلیفون ایکسچینج کے کسی ملازم سے دوستی گانٹھ کر دوسرے شہروں میں فون پر مفت بات چیت نہ صرف یہ کہ کوئی عیب نہیں سمجھی جاتی بلکہ اسے اپنے وسیع تعلقات کا ثبوت کے طور پر فخریہ بیان کیا جاتا ہے حالانکہ یہ بھی ایک گھٹیا درجے کی چوری ہے اور اس کے گناہ عظیم ہونے میں کوئی شک نہیں
- بجلی کے سرکاری محکمے سے کنکشن لیکر مفت کا استعمال چوری کی، ایک اور قسم ہے جس کا رواج بھی عام ہوتا جارہا ہے اور یہ گناہ بھی ڈنکے کی چوٹ کیا جاتا ہے۔
- اگر ہم کسی شخص سے اسکی کوئی چیز مانگتے ہیں جبکہ ہمیں غالب گمان یہ ہے کہ وہ زبان سے تو انکار نہیں کر سکے گا لیکن دینے پر دل سے راضی بھی نہ ہوگا اور دے گا تو محض شرما شرمی، اور بادل ناخواستہ دے گا تو یہ بھی غصب میں داخل ہے اور ایسی چیز کا استعمال حلال نہیں کیونکہ دینے والے نے خوشدلی کے بجائے وہ چیز دباؤ میں آکر دی ہے۔
- اگر کسی شخص سے کوئی چیز استعمال کے لئے مستعار لی گئی اور اس سے وعدہ کر لیا گیا کہ فلاں وقت لوٹا دی جائے گی لیکن وقت پر لوٹانے کے بجائے اسے کسی عذر کے بغیر اپنے استعمال میں باقی رکھا تو اس میں وعدہ خلافی کا بھی گناہ ہے اور اگر وہ مقررہ وقت کے بعد اسکے استعمال پر دل سے راضی نہ ہو تو غصب کا گناہ بھی ہے۔ یہی حال قرض کا ہے کہ واپسی کی مقررہ تاریخ کے بعد قرض واپس نہ کرنا (جبکہ کوئی شدید عذر نہ ہو) وعدہ خلافی اور غصب دونوں گناہوں کا مجموعہ ہے۔
- اگر کسی شخص سے کوئی مکان، زمین یا دکان ایک خاص وقت

تک کیلئے کرایہ پرلی گئی تو وقت گذر جانے کے بعد مالک کی اجازت کے بغیر اسے اپنے استعمال میں رکھنا بھی اسی وعدہ خلافی اور غصب میں داخل ہے۔

اگر مستعار لی ہوئی چیز کو ایسی بے دردی سے استعمال کیا جائے جس پر مالک راضی نہ ہو تو یہ بھی غصب کی مذکورہ تعریف میں داخل ہے مثلاً کسی بھلے مانس نے مگر اپنی گاڑی دوسرے کو استعمال کرنے کی اجازت دیدی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ اسکے ساتھ مال مفت دل بے رحم کا معاملہ کرے اور اسے خراب راستوں پر اس طرح دوڑائے پھرے کہ اسکے کل پرزے پناہ مانگنے لگیں اگر کسی نے اپنا فون استعمال کرنے کی اجازت دیدی ہے تو اسکا ناجائز فائدہ اٹھا کر اسکے طویل فاصلے کی کالیں دیر دیر تک کرتے رہنا یقیناً غصب میں داخل اور حرام ہے۔

بک اسٹالوں پر کتابیں، رسالے اور اخبارات اسلئے رکھے جاتے ہیں کہ ان میں سے جو پسند ہوں لوگ انھیں خرید سکیں، پسند کے تعین کے لئے انکی معمولی ورق گردانی کی بھی عام طور سے اجازت ہوتی ہے لیکن اگر بک اسٹال پر کھڑے ہو کر کتابوں، اخبارات یا رسالوں کو باقاعدہ مطالعہ شروع کر دیا جائے جبکہ خریدنے کی نیت نہ ہو تو یہ بھی انکا غاصبانہ استعمال ہے جسکی شرعاً اجازت نہیں ہے

یہ چند سرسری مثالیں ہیں جو بے ساختہ قلم پر آگئیں مقصد یہ ہے کہ ہم سب مل کر سوچیں کہ ہم کہاں کہاں چوری اور غصب کے گھٹیا جرم کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

بدعت مذمومہ

صاحب ابداع فرماتے ہیں کہ بدعات مذمومہ میں سے ایک بدعت امور دین میں تہاون یعنی سستی اور بے پروائی ہے۔ اور یہ چیز یہاں تک تجاوز کرگئی ہے کہ دین کا اعتدال ہی مختل پذیر ہو گیا۔ اور اس طرح گویا دین ہی رخصت ہو گیا۔ اور وہ مدارس جنکی وضع دین و دیانت سکھلانے کیلئے تھی وہی اب بچوں کو طرح طرح کے فسادات اور قسم قسم کے ضلالات سکھلاتے ہیں تو جب انکا نشو و نما ہی فسادات وغیرہ میں ہوگا تو ظاہر ہے جو حال بچپن میں ہوگا اسی پر آدمی جوان ہوگا۔ اور جس پر جوان ہوگا اسی پر بوڑھا ہوگا۔ اسلئے مرشدین پر ان کا مرض دشوار ہو گیا اور امت کے اخلاق کی درستگی اور ان کو رذائل کے میل سے پاک کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ تو مصلحین سے ناامیدی کا ان پر استیلاء ہو گیا۔ اور ناامید ہو کر انھوں نے امت کی نصیحت اور اصلاحات اور امور دینیہ کی تعلیم کو ترک کر دیا۔ (ملخصہ)

اب یہ جو فرمایا کہ مرشدین پر مرض دشوار و صعب ہو گیا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ جب امراض لوگوں کے قلوب میں راسخ ہو گئے اور ایک طویل زمانہ اسی حالت میں گذر چکا ہو تو انکا علاج کرنا ہر شخص کا کام نہیں بلکہ بہت ہی ماہر اور حاذق طبیب کی ضرورت ہے چنانچہ مصنف خود دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ۔ ھٰذَا الْاِبْتِدَاعُ قَدِیْمٌ طَالَ عَلَیْھِمُ الْاَمَدُ حَتّٰی اسْتَاصَلَ فِیْ نُفُوْسِ النَّاسِ ... لِمَا ھُمْ ... یعنی یہ بدعت بہت پرانی ہو چکی۔ اس پر اتنا طویل زمانہ گذر چکا ہے کہ اس نے لوگوں کے نفوس میں جڑ پکڑ لی ہے۔ اس کے علاج پر بجز ماہر اطباء کے کوئی قادر نہیں ہے۔

نیز ایک دوسرے مقام پر یہ خاص بدعات کی اصلاح کے لئے مرشد کی صفت بیان فرماتے ہیں کہ "مرشد کو ان بدعات کی اصلاح میں حکیم ہونا چاہیئے تاکہ لوگوں کو نرمی اور رفق سے متنبہ کر سکے اور خود فتنہ کے بھڑکانے کا باعث نہ بنے"۔

اب آپ خود بتلائیے کہ اس صفت کے کتنے مرشد اور مصلح ہیں۔ اور کتنے مدارس ہیں جن میں اصلاح و تربیت کا باقاعدہ نظم ہے حالانکہ اسکی سخت ضرورت ہے چونکہ تربیت کا باب مسدود ہو گیا ہے اسلئے طلبہ مدارس ہی سے طرح طرح کے فسادات اور قسم قسم کی ضلالات کو سیکھ کر نکلتے ہیں۔ اگر تربیت کا شروع ہی سے لحاظ رکھا جائے تو اصلاح و تربیت میں اس قدر دشواری نہ پیش آئے حضرت امام غزالیؒ نے تو احیاء العلوم میں بچوں کی تربیت کیلئے ایک مستقل باب ہی قائم فرمایا ہے جس میں یہ بتلایا ہے کہ کس کس طرح تربیت کرنی چاہئے اب ان طریقوں کو تو اختیار کرتے نہیں پھر اصلاح کیسے ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اغیار کی تعلیم کا اثر بچے قبول کر لیتے ہیں اور ان کے جیسا اطوار و عادات اختیار کر لیتے ہیں تو پھر آخر اسلامی اخلاق و عقائد و اطوار و عادات کیوں نہیں اختیار کرینگے ــــ اس باب میں سب سے زیادہ ضروری شے یہ ہے کہ بچوں کو بری صحبت سے بچایا جائے کیونکہ بہت ہی مضر و مہلک ہے بچے تو بچے بڑوں پر بھی بری صحبت کا اثر پڑ جاتا ہے اور کتنے لوگ اس کی وجہ سے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے بزرگوں نے یہ نصیحت فرمائی ہے کہ

دور شو از اختلاط یار بد — یار بد بدتر بود از مار بد

مار بد تنہا ہمی بر جاں زند — یار بد بر جان و بر ایماں زند

حامل مضامین تصوف وعرفان • افادات وصی اللٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین مصلح الامۃ حضرت

مدیر: احمد مکین

شمارہ ۱۱ - جمادی الاخریٰ سنہ ۱۴۱۶ھ مطابق نومبر ۱۹۹۵ء - جلد ۱۸

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ سالانہ زر تعاون ستر روپیہ ششماہی پینتیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک : پاکستان سو روپیہ - غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۳/۲۵ - بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر - پبلشر - صغیر حسن : اسرار کریمی پریس حسن گنج۔ الہ آباد

اعلان: انشاء اللہ آئندہ سال ۹۶ء سے رسالہ "وصیۃ العرفان" کا بدل اشتراک سالانہ ستر (۷۰) روپیہ اور ششماہی چالیس (۴۰) روپیہ ہوگا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اخلاص و نفاق

فرمایا کہ مومن کی سب سے بڑی صفت اخلاص ہے اور اس کے نابلہ میں جو صفت ہوتی ہے اسے نفاق کہتے ہیں اور یہ شرع میں دو معنوں ستعمل ہے، ایک یہ کہ انسان قلباً مکذب ہو اور لساناً مصدق ہو یعنی زبان سے تصدیق کرتا ہو اور دل میں انکار ہو اس معنی کر آخرت میں اس منافق میں اور فر میں کوئی فرق نہیں ہوگا بلکہ یہ لوگ جہنم کے سب سے نیچے کے طبقے میں ہونگے دوسرے معنی نفاق کے یہ ہیں کہ قلب و زبان دونوں سے تصدیق ہو لیکن اسکی سانی، قلبی اور فرجی خطایا (یعنی دل، زبان اور شرمگاہ کے گناہوں) نے اسکا احاطہ کرلیا ہو یعنی وہ شخص ان میں بالکل فنا ہوگیا ہو اسکو بھی لسان رع میں منافق کہا جاتا ہے اور صحابہ کرامؓ اسی نفاق سے ڈرا کرتے تھے یہ بھی نجملہ امراض قلب کے ہے۔ جب انسان اسمیں مبتلا ہوتا ہے تو پھر اپنی حوائج ں طلب میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک تک کرنے لگتا ہے۔ چنانچہ مخلوق بھی گمراہ ہوتی ہے تو حاجات ہی کی طلب میں کیونکہ جب آدمی اس کے قاصر ہوتا ہے پھر اپنے سے عاجز اور اعجز سے مدد طلب کرنا شروع کر دیتا ہے انکے نام ہ جانور ذبح کرتا ہے انکی منتیں مانتا ہے حتیٰ کہ انکی عبادت تک کرنے لگتا ہے۔ اب جب تک خدا و رسول اور آخرت کا انکار نہ کردے اسے مومن ہی کہا جائے گا خواہ کیسے ہی معاصی میں کیوں نہ مبتلا ہو مگر یہ قسم نفاق (یعنی خطایا میں فنا ہو جانے والی قسم) نفاق کے اقسام میں سے اصعب (نہایت دشوار) ہے تعذیب کے بعد یہ لوگ جنت میں جائیں گے اور عذاب سے قبل اسی درک اسفل (یعنی دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ) میں جائیں گے جو ان لوگوں کی جگہ ہے مگر انھیں اسمیں خلود (اور دائمی قیام) نہ ہوگا۔

یوں تو امراض قلب میں سے حسد اور کبر وغیرہ سبھی سے لیکن یہاں جس کو بیان فرما رہے ہیں وہ بڑا درجہ ہے اس میں خطایا قلب کا احاطہ کر لیتی ہیں اور قلب سے خیر کی صلاحیت ہی گویا نکل جاتی ہے اور اسکا بالکل ہی الٹ ہو جاتا ہے۔ اس مرتبہ میں پہونچکر انسان اپنے نفس کا بندہ ہو جاتا ہے چنانچہ حاجت کو پوری کرنے کے لئے غیر اللہ سے استمداد کرنے لگتا ہے۔ جھوٹی قسمیں کھانے میں اسے ذرا باک نہیں ہوتا پس گویا اسکی لائن ہی بدل جاتی ہے جسکی انتہا شرک ہو جاتا ہے۔ حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے الفوز الکبیر میں لکھا ہے کہ:-

"اگر بہ نظر انصاف دیکھا جائے تو کوئی فرق نہیں ہے ان لوگوں میں جنھوں نے آنحضرتؐ کا کلام بے واسطہ سنا اور پھر نفاق اختیار کیا اور ان لوگوں میں جو اب پیدا ہو رہے ہیں اور بطور یقین کے شریعت کا حکم جانتے ہیں مگر اسکے خلاف کرتے ہیں (اور ذرا پروا نہیں کرتے)

اور اگر تم منافقوں کا نمونہ دیکھنا چاہو تو امراء کی مجلس میں جاؤ اور انکے مصاحبین کو دیکھ لو کہ کس طرح سے انکی مرضی کو شارع کی مرضی پر ترجیح دیتے ہیں"

دیکھا آپنے منافقین کا حال اور انکی مثال؛ اب عام لوگوں کے حالات اس پر منطبق کر لیجئے کہ شارع اور شریعت کے ساتھ انکا کیا معاملہ ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے نفاق پر بہت زیادہ کلام فرمایا ہے اپنے وقت کے مجدد تھے اور اس زمانہ میں تو کسی عالم کو دیکھتا نہیں کہ اس پر کچھ کہتا ہو۔ میرے ایک آدمی نے جو مولوی بھی ہیں مجھ ہی سے سنکر اس مسئلہ کی کوئی بات اپنے یہاں نقل کی، ایک اور مولوی صاحب نے سنا تو خفا ہو گئے کہنے لگے کہ تم مسلمانوں کو منافقین کہتے ہو؟ چونکہ وہ سمجھے ہوئے تھے اسلئے انھوں نے مسند امام احمد

ل کردہ حدیث نکال کر انکے سامنے رکھدی جس میں آتا ہے کہ قلوب چار طرح
ے ہیں قلبؐ اَجرد، قلبؔ اَغلف، قلبؔ مَنکوس اور قلبؔ مُصفح۔ قلب
رد مومن کا قلب ہے۔ قلب اغلف کافر کا قلب ہے، قلب منکوس
نق کا قلب اور قلب مصفح وہ قلب ہے جس میں ایمان بھی ہوتا ہے اور نفاق
، اور ان دونوں صفات میں باہم کشاکش بھی رہتی ہے کبھی ایمان اپنے
اضہ پر اس سے عمل کرالیتا ہے اور کبھی نفاق اپنی جانب کھینچکر اُدھر سے ہٹا دیتا
ہے۔ غرض جس صفت کا غلبہ اس پر ہوجاتا ہے انسان میں وہی راسخ ہوجاتی
ہے یعنی یا تو مومن کامل ہی بن جاتا ہے یا نہیں تو پھر منافق خالص ہی ہوجاتا ہے
ں حدیث کو دیکھکر وہ مولوی صاحب جو اعتراض کرتے تھے بالکل دم بخود
گئے۔ میں تو یہ سمجھ چکا ہوں کہ آج عالم میں اسی کا فساد ہے لوگوں کا معاملہ
اور رسول کے ساتھ درست نہیں دین میں بھی نفاق شامل کرکے اللہ تعالیٰ
ناراض کئے ہوئے ہیں پھر جب اللہ تعالیٰ ہی ناراض ہوں گے تو ظاہر ہے
ین و دنیا دونوں ہی کا چین ہم سے رخصت ہوجائے گا۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ
الے ہم سے خفا اور ناراض رہیں اور لوگ آرام سے رولیں گھر والا جب
اض ہوتا ہے تو سب سے پہلے یہی کہتا ہے کہ ہمارے گھر سے جاؤ اسی لئے
ں ہوں کہ کرلو نافرمانی تمہارے اختیار میں ہے مگر جب نافرمانی عام ہوجاتی
ہے تو اللہ تعالیٰ اہلاک عام میں بھی مبتلا کردیتے ہیں یوں اللہ تعالیٰ
بہت معاف فرمانے والے ہیں۔ خود فرماتے ہیں وَيَعْفُوْ عَنْ كَثِيْرٍ
ضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ کَرِیْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ
عْفُ عَنِّیْ یعنی اے اللہ آپ بہت معاف فرمانے والے ہیں، کریم ہیں
ی سزا نہیں دیتے اسلئے مجھے معاف کردیجئے۔ حضرتؒ بار بار ہم لوگوں کو
واقعہ سناتے تھے یہ تو معلوم نہیں کیوں سناتے تھے بہرحال اسے اکثر سنایا ہے
یک بزرگ کا انتقال ہوا انکا نام یحییٰ بن اکثمؒ تھا، بخاریؒ کے شیخ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوئی، سوال ہوگیا کہ اے بڈھے بتا تو نے یہ کام کیوں کیا؟ وہ حیرت میں پڑ گئے اور خاموش کھڑے رہے، پھر سوال ہوا کہ بولتا کیوں نہیں؟ جب اصرار زیادہ ہوا تو انھوں نے عرض کیا کہ مجھکو ایک حدیث پہنچی تھی اور اب وقت اپنے ساتھ معاملہ اسکے برخلاف دیکھ رہا ہوں اس لئے اب اس فکر میں پڑگیا ہوں کہ حدیث کا متن صحیح نہیں ہے یا سند غلط ہوگئی ہے فرمایا کون سی حدیث ہے عرض کیا وہ حدیث یہ ہے پھر پوری سند پڑھکر یہ حدیث پڑھی کہ اللہ تعالیٰ بوڑھے مسلمانوں سے شرماتے ہیں. فرمایا کہ یہ حدیث بھی صحیح ہے اور راوی بھی سب سچے ہیں، جاؤ تمھیں اسی بات پر بخش دیا۔ اسی طرح سے ایک اور واقعہ آتا ہے کہ ایک شخص نے اسی حدیث کو سنکر مرتے وقت یہ وصیت کی کہ میری داڑھی میں آٹا چھڑک دیا جائے تاکہ سفید معلوم ہو، مرنے کے بعد حق تعالیٰ کے سامنے پیشی ہوئی ارشاد ہوا کہ یہ کیا مسخرہ پن کیا ہے؟ عرض کیا پروردگار مسخرہ پن نہیں ہے بلکہ آپ کے عذاب کے خوف سے ایسا کیا ہے سُنا تھا کہ آپ کو بوڑھے مسلم سے حیا آتی ہے اور میں بوڑھا نہیں تھا اور نہ بوڑھا ہونا اپنے اختیار میں تھا اس لئے میں نے ایسا کیا اور شکل وصورت ہی بوڑھوں کی سی بنالی فرمایا کہ اچھا جاؤ تمھیں بخشدیا تمھاری یہ ادا پسند ہوئی۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کے عفو وکرم سے ہی بیڑا پار ہوگا زاہد کا بھی گنہگار کا بھی۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت میں گنہگار پہلے تو اپنے گناہوں کو چھپائے گا لیکن جب یہ دیکھے گا کہ گناہ پر نیکیاں مل رہی ہیں تو پھر اپنے گناہوں کو ظاہر کرنا شروع کردے گا کہے گا میں نے یہ بھی گناہ کیا ہے یہ بھی کیا ہے۔ یہ سب صحیح باتیں ہیں وہاں چلوگے تو دیکھو گے کسی نے خوب کہا ہے ؎

وہ کرشمے شان رحمت نے دکھائے روزِ حشر
چیخ اٹھا ہر بے گنہ میں بھی گنہگاروں میں ہوں

ہمارے یہاں ایک بوڑھے آدمی تھے والد صاحب سے بھی عمر میں زیادہ تھے یہ مشہور تھا کہ جھوٹ بولتے ہیں لیکن یہ بھی مشہور تھا کہ رات کو روتے بھی بہت ہیں آخرت کے خوف سے، آخرت کے عذاب کے خوف سے تو دیکھئے اپنے اسی ایک فعل سے وہ بازی مار لے گئے اس لئے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رونے والی آنکھ پر دوزخ حرام ہے۔ میں اس وقت آپ سے کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اگر بشریت کی بناء پر انسان سے گناہ ہو جائے تو کم از کم ایمان کی وجہ سے اسکے اندر خدا کا خوف بھی ہونا چاہیئے

یہ جس نفاق کو ابھی پہلے بیان کیا کہ نفس خطایا میں فنا ہو جاتا ہے یہ بہت سخت چیز ہے مومن کا ایمان اس خصلت سے ابار (اور انکار) کرتا ہے یعنی ایمان میں اور اس میں کوئی جوڑ نہیں ہے باقی نفاق سے تخویف اسلئے کی جاتی ہے تاکہ لوگ دل میں تصدیق پیدا کرلیں آدمی کا ظاہر اچھا ہو اور باطن خراب ہو یہ بہت بُرا حال ہے ؎

تن اُجلا، مَن میلا، بگلا کا سا بھیس

اس سے تو کاگا بھلا بھیتر باہر ایک

اس سے یہ حال کہیں اچھا ہے کہ ظاہراً ایک شخص رند معلوم ہوتا ہو مگر اپنا باطن ٹھیک کئے ہوئے ہو ؎

زاہد غرور داشت سلامت نبرد راہ

رند از رہ نیاز بہ دار السلام رفت

یعنی زاہد غرور کی وجہ سے راستہ سلامتی سے نہ طے کر سکا اور رند نیاز کے راستہ سے دار السلام تک پہنچ گیا۔

اب اس دور میں کام کرنے کی بہت ضرورت ہے کیونکہ دیکھتا ہوں کہ مسلمانوں نے کروٹ لی ہے یعنی دین کو اچھا اور ضروری سمجھ رہے ہیں اور ہر طبقہ کا یہی حال دیکھ رہا ہوں لیکن بات یہ ہے کہ بدون استاد کے

کوئی چیز حاصل ہی نہیں ہو سکتی اور یہ تو اللہ تعالیٰ کا راستہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ پس قوم نے کروٹ تو لی ہے مگر ابھی استاد کی ضرورت ہے اور طریق کار کا علم ہونا چاہئے اور وہ یہی ہے کہ انسان اپنی حقیقت کو پہچانے اور نفس اور نفسانیت کی معرفت حاصل کرے بس پھر اس کے بعد اللہ تک پہنچنا بہت آسان ہے۔ یاد آگیا تو کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو پہچان لوگے تو بہت کچھ ملے گا، حضرت مولانا کبھی کبھی یہ اشعار پڑھتے تھے اور بہت ہی کیف کے ساتھ پڑھتے تھے جبکی وجہ سے اہل مجلس بھی متاثر ہو جاتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ؎

باز آ باز آ ہر آنچہ ہستی باز آ گر کافر و گبر و بت پرستی باز آ
ایں درگہ ما درگہ نومیدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی باز آ

یعنی اب سے باز آجاؤ اب سے باز آجاؤ جن حالات بد میں مبتلا ہو ان سے باز آؤ، اگر تم کافر یا آتش پرست یا بت پرست ہو تو اس سے باز آجاؤ ہمارا یہ درگاہ نا امیدی کی درگاہ نہیں ہے اس لئے سو بار بھی اگر تم نے توبہ توڑی ہو تو اب سے باز آجاؤ۔

سبحان اللہ! کس قدر موثر اشعار ہیں آدمی کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کھڑا کر دینے والے ہیں۔

تضرع و زاری

حضرت مولانا رومؒ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں کہ ؎

تا نہ گرید ابر کے خندد چمن　　تا نہ گرید طفل کے جوشد لبن

یعنی جب تک بادل نہیں روتا چمن میں شادابی نہیں آتی اسی طرح جب تک بچہ نہیں روتا ماں کے پستان میں دودھ جوش نہیں مارتا

اس سے مولانا رومؒ یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ اسی طرح حق تعالےٰ کی رحمت و عنایت کو متوجہ کرنے کے لئے سب سے بڑی چیز انکے دربار میں تضرع وزاری ہے اور اس میں شک نہیں کہ حق تعالےٰ کے نزدیک گریہ وزاری کی بڑی قدر و قیمت ہے چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ رونے والی آنکھ جہنم میں نہیں جائے گی اسی لئے اولیاء اللہ نے اس پر کلی امت کو ابھارا ہے، اور مولانا رومؒ نے اس پر خوب بحث کی ہے فرماتے ہیں کہ ؎

اے کہ خواہی کز بلا جاں واخری　　جانِ خود را در تضرع آوری

با تضرع باش تا شاداں شوی　　گریہ کن تا بے دہاں خنداں شوی

کیں تضرع را برحق قدر ہاست　　واں بہا کاں جاست زاری کجاست

یعنی اے مخاطب اگر تم چاہتے ہو کہ مصیبت سے خلاصی پا جاؤ تو اپنے کو تضرع میں لاؤ، تضرع وزاری کرو تاکہ پھر تم کو خوشی حاصل ہو اور روؤ تاکہ پھر تم کو ہنسنا ہی نصیب ہو۔ اس لئے کہ اس تضرع کی حق تعالیٰ کے نزدیک بڑی قدر و قیمت ہے (وہاں سب قیمتی چیزیں ہیں مگر زاری نہیں ہے) اسلئے زاری کی جو قیمت وہاں ہے کہیں نہیں ہے۔

اس کے بعد مولانا رومؒ فرماتے ہیں ؎

اے خوشا چشمے کہ آں گریاں اوست

دے ہمایوں دل کہ آں بریاں اوست

یعنی کیسی خوش نصیب ہے وہ آنکھ جو حق تعالیٰ کے لئے رونے والی ہے اور کیسا مبارک ہے وہ دل جو انکی محبت کی آگ میں جل رہا ہے۔ آگے فرماتے ہیں ؎

آخرِ ہر گریۂ آخر خندہ ایست

مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

یعنی ہمارے ہر گریہ کا انجام خوشی و مسرت ہے اس لئے مبارک بندہ وہ ہے جو انجام پر نظر رکھے۔

اسی طرح ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں کہ ؎

کارِ تو موقوف زاریٔ دل است

بے تضرع کامیابی مشکل است

گر ہمی خواہی کہ مشکل حل شود

خارِ محرومی بہ گل مبدل شود

گر ہمی خواہی کہ آں خلعت رسد

پس بہ گریاں طفل دیدہ بر جسد

یعنی تمہارا کام دل کی زاری پر موقوف ہے اور بغیر تضرع کے کامیابی مشکل ہے اس لئے اگر تم چاہتے ہو کہ مشکل حل ہو جائے اور محرومی کا کانٹا پھولوں سے بدل جائے اور اگر تم چاہتے ہو کہ تم کو مقبولیت حاصل ہو تو اپنی آنکھ کو رونے والی بناؤ۔

سبحان اللہ! کیسا موثر مضمون ہے۔

قصہ ہود علیہ السلام

حق تعالیٰ نے سورہ ہود میں حضرات انبیاء علیہم السلام اور انکی قوم کے واقعات کا ذکر فرمایا ہے پہلے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ الآیۃ میں حضرت نوح علیہ السلام اور انکی قوم کا حال بیان فرمایا۔ اس کے بعد وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا میں حضرت ہود علیہ السلام اور انکی قوم کے حالات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝ یعنی ہم نے قوم عاد کیطرف ان کے بھائی ہودؑ کو بھیجا (بھائی اسلئے کہا کہ آپ اسی قوم کے ایک فرد تھے اور انھیں کو اسلئے بھیجا کہ انسان کے لئے اپنے جیسے شخص کی اتباع آسان ہوتی ہے) انھوں نے فرمایا کہ اے میری قوم تم اللہ کی عبادت کرو اسکے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں۔ تم (اس بت پرستی کے اعتقاد میں) محض مفتری ہو اور جھوٹ کہتے ہو تعالیٰ اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا (اللہ کی شان اس سے کہیں بلند و بالا ہے)۔

(یٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ) اے میری قوم (میری نبوت کی علاوہ ثبوت بالدلیل کے اس امر سے مزید تائید ہوتی ہے کہ) میں اس تبلیغ پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔ میرا معاوضہ تو صرف اللہ کے ذمہ ہے جس نے مجھ کو عدم محض سے پیدا کیا پھر کیا تم نہیں سمجھتے کہ جب دلیل موجود اور مانع یعنی خودغرضی مرتفع، پھر اب میری نبوت میں شبہ کیا رہا؟

روح المعانی میں ہے کہ ہر رسول نے اپنی اپنی قوم سے یہ بات کہی ہے اسلئے کہ اس میں قوم کی بدگمانی کا جوان کو رسول سے ہوسکتی تھی ازالہ تھا اور خالص نصیحت تھی کیونکہ نصیحت اگر غرض آمیز یا کسی طمع کی وجہ سے کیجاتی ہے

تو وہ اثر سے خالی رہتی ہے نیز حضرات انبیاء علیہم السلام کے اس ارشاد میں یہ بھی اشارہ ہوتا ہے کہ ہم دنیا میں بھی اپنے اصلاح حال اور تدبیر معاش وغیرہ میں تمھارے مال سے مستغنی ہیں جس خدا نے ہمیں نیست سے ہست کیا وہی ہماری روزی کا بھی کفیل ہے جس طرح سے کہ وہ چرند پرند کو روزی دیتا ہے۔ جب یہ تمام انبیاء کا طریق رہا ہے تو بعد میں علماء و مشائخ کے لئے بھی سنت ہوگیا کہ لوگوں سے کہدیں کہ لَاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا (یعنی میں تم سے اس تبلیغ پر کوئی معاوضہ نہیں مانگتا) تاکہ انکو یہ معلوم ہوجائے کہ یہ نصیحت غرض آمیز یا کسی طمع کی وجہ سے نہیں ہے۔ پس یہ مسئلہ تو منصوص ہے۔

وَيَا قَوْمِ اسْتَغْفِرُوا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَاءَ عَلَيْكُم مِّدْرَارًا وَيَزِدْكُمْ قُوَّةً إِلَىٰ قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِينَ ٥ اور ہود علیہ السلام نے ان سے یہ فرمایا کہ اے میری قوم تم اپنے گناہ اپنے رب سے معاف کراؤ یعنی ایمان لاؤ اور ایمان لاکر اسکی طرف عبادت سے متوجہ رہو پس ایمان اور عمل صالح کی برکت سے وہ تم پر خوب بارشیں برسائے گا اور تمکو قوت دیکر تمھاری قوتِ موجودہ میں ترقی دے گا۔ پس ایمان لے آؤ اور مجرم ہوکر اعراض مت کرو

روح المعانی میں ہے کہ (یَزِدْکُمْ قُوَّۃً اِلٰی قُوَّتِکُمْ) کا مطلب ہے کہ وہ تمکو قوت پر قوت عطا فرمائیں گے اول قوت سے مراد قوت ایمانی ہے اور ثانی سے مراد بدنی ہے یعنی تمھارے ایمان میں بھی قوت بخشیں گے اور بدن میں بھی نیز تمھاری جماعتی قوت بھی زیادہ کردیں گے اور تمکو عزت پر عزت دیں گے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ ایک مقام پر فرمایا ہے يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ یعنی اللہ تعالیٰ اموال و اولاد کے ذریعہ تمھاری امداد فرمادینگے حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں کہ قوۃ سے مراد یہاں خوشحالی ہے۔ حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ مراد اس سے نسل کا بڑھنا یعنی بیٹے اور پوتے ہیں۔ ایک تفسیر

یہ ہے کہ جسمانی قوت مراد ہے۔ حضرت ہودؑ نے انکو بارش اور قوت کی ترغیب اسلئے دی کہ وہ لوگ کھیت باغات اور مکانات والے تھے جن کے لئے ان امور کی جانب احتیاج ظاہر ہے بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ تین سال سے بارش نہیں ہوئی تھی اور انکی عورتوں کے بچہ نہیں پیدا ہوا تھا۔ اسلئے ہود علیہ السلام نے ان سے وعدہ کیا کہ توبہ واستغفار کریں تو بارش ہو اور نسل میں اضافہ ہو کر قوت زیادہ ہو۔ قَالُوا يَا هُودُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِي آلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ انلوگوں نے جواب دیا کہ اے ہود آپنے ہمارے سامنے کوئی دلیل تو پیش کی نہیں اور ہم آپ کے کہنے سے تو اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے ہیں نہیں اور ہم کسی طرح آپ کا یقین کرنے والے نہیں

روح المعانی میں ہے کہ آپ کوئی واضح دلیل اپنے دعوی کی صحت پر تو لائے نہیں ... یہ انھوں نے غایت عناد اور شدت اعراض عن الحق کی وجہ سے کہا اور اسلئے کہا کہ آیات ہیں ... اصل انھوں نے نظر ہی نہیں کی اس لئے آیت کا آیت ہونا انکو معلوم ہی نہیں ہو سکا ورنہ حضرت ہود اور اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام بینات ظاہرہ اور معجزات باہرہ لائے اگرچہ ان میں سے بعض کو ہم علی التعیین نہ جانتے ہوں۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ کوئی نبی نہیں گذرا مگر یہ کہ وہ اسقدر آیات ومعجزات دیا جاتا ہے کہ جو بشر کے ایمان لانے کے لئے کافی ہوتے ہیں صاحب روح المعانی فرماتے ہیں کہ قوم ھود نے بھی اپنے نبی کی اجابت سے انکار کرنے کی حد ہی کر دی کہ پہلے تو انکی نبوت پر دلیل سے انکار کر دیا پھر اسکی تاکید کرتے ہوئے کہا کہ ہم محض آپ کے کہنے کی وجہ سے اپنے قدیم معبودوں کو کیسے چھوڑ دیں اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اس کے بعد ایک اور کلام ایسا لائے جو انکے کلام سابق کا ہی مفہوم ادا کرتا ہے یعنی ایمان نہ لانا اور اسکو جملۂ اسمیہ لائے باکو زائد کیا مسند الیہ کو مقدم کیا جو کہ مفید

لہ انتہائی سرکشی اور حق سے سخت روگردانی۔ ۲ کھلے ہوئے دلائل ۳ واضح معجزات ۴ بات ماننا۔

تقویٰ کا حکم ہے تاکہ یہ باور کرائیں کہ ان سے اتباع کی کوئی امید نہ کیجائے۔ آگے حضرت ہودؑ (قوت) کی دعوت کو جنون قرار دیتے ہوئے اور اس میں موثر اپنے معبودوں کو قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ یعنی ہمارا قول تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے آپ کو کسی خرابی میں مثل جنون وغیرہ کے مبتلا کردیا ہے۔ یعنی آپ جو ہمارے (آلہہ) معبودوں کو بُرا بھلا کہتے ہیں اور انکی عبادت نہیں کرتے اور انکو الٰہ نہیں تسلیم کرتے اسی لئے ہمارے بعض معبودوں نے آپکی عقل کو فاسد کردیا ہے یعنی چونکہ آپ نے انکی شان میں گستاخی کی ہے اسلئے انھوں نے آپکو باؤلا کردیا ہے اسی وجہ سے آپ ایسی بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں کہ خدا ایک ہے میں نبی ہوں ہود علیہ السلام کو انکے اس جواب پر انتہائی طیش آیا اور کیوں نہ آتا اللہ کے نبی تھے بتوں کا ان پر کیا اثر ہونا۔ ان جاہلوں نے یہ کھلی کہا کہ آپ کو ہمارے معبودوں نے مجنون بنادیا ہے۔ اس سے آپکی غیرت کو جوش آگیا اور آپ نے فرمایا قَالَ اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ○ یعنی تم جو کہتے ہو کہ کسی بت نے مجھکو باؤلا کردیا ہے تو میں کھلی علی الاعلان اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم کھلی سن لو اور گواہ رہو کہ میں ان چیزوں سے بالکل بیزار ہوں جن کو تم خدا کے سوا شریک عبادت قرار دیتے ہو۔ (اب اگر تمھارے ان بتوں میں کچھ قوت ہے تو) تم اور وہ سب مل کر میرے ساتھ ہرطرح کا داؤ گھات کرلو اور پھر مجھکو ذرا مہلت نہ دو اور کوئی کسر نہ چھوڑو دیکھوں تو سہی وہ میرا کیا کرلیں گے اور اور جب وہ مع تمھارے کچھ نہیں کرسکتے تو اکیلے کیا خاک کرسکتے ہیں اور میں یہ دعویٰ اس لئے دل کھولکر رہا ہوں کہ بت تو محض عاجز ہیں ان سے تو اس لئے نہیں ڈرتا، رہ گئے تم سو گو تم کو کچھ قدرت ہے لیکن تم سے کلی اس لئے نہیں ڈرتا کہ اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَآبَّةٍ

اِلَّاهُوَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ یعنی میں نے اللہ پر توکل کیا ہے جو کہ میرا بھی مالک ہے اور تمھارا بھی مالک ہے جتنے روئے زمین پر چلنے والے ہیں سب کی چوٹی اس نے پکڑ رکھی ہے اور یقیناً میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں نفی ضرر کی بطور برہان کے فرمائی ہے یعنی میں نے جو تمہیں کھلا ہوا چیلنج دیا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نے حق تعالیٰ پر توکل کر لیا ہے اور انکے وعدوں پر بھروسہ کر رکھا ہے اور عقیدہ یہ رکھتا ہوں کہ میرا اور تمھارا حقیقی مالک وہی ہے تم کوئی چیز بجز اسکے حکم کے کر نہیں سکتے اور مجھے کوئی ضرر بدون اسکے چاہے ہوئے پہونچ نہیں سکتا، اس لئے اگر تم اپنے ترکش کے سارے تیر خالی کردو اور مجھے ضرر رسانی میں اپنی ساری قوت صرف کردو تو بغیر حکم خداوندی کے کچھ بھی نہیں کر سکتے۔

اس تقریر سے ایک نیا معجزہ بھی ظاہر ہو گیا کہ ایک شخص تن تنہا ایسے بڑے بڑے زور آور لوگوں سے ایسی مخالفانہ باتیں کرے اور وہ اسکا کچھ نہ کر سکیں پس وہ جو کہتے تھے کہ آپ اپنی نبوت کی کوئی دلیل نہیں لائے اسکا بھی جواب ہو گیا کہ اگر معجزات سابقہ سے قطع نظر کیجائے تو یہ دوسرا معجزہ ہے پس نبوت بلا دلیل نہیں رہی۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ پر جو توکل اور یقین حاصل ہوتا ہے جب وہ کوئی بات اس جہت سے فرماتے ہیں تو حق تعالیٰ کی جانب سے بھی انکی پوری نصرت ہوتی ہے اسلئے کہ وہ خدا ہی کے بھروسہ پر کہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی لاج رکھتے ہیں چنانچہ حضرت ھود علیہ السلام نے بھی جب انکو یہ الٹی میٹم دیا تو اس کے بعد انکو یہ مجال نہ ہوئی کہ وہ آپ کا بال بیکا کر سکتے بلکہ حق تعالےٰ ایسے موقع پر مخالفین کے قلب میں خوف ڈال دیتے ہیں جسکی وجہ سے وہ بالکل ہی مرعوب ہو جاتے ہیں، حواس اور قویٰ انکے سلب ہو جاتے ہیں، ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں

اور عقل سلب ہو جاتی ہے ظاہر ہے کہ ان حالات میں انسان نہ کچھ سوچ سکتا ہے نہ کچھ کر سکتا ہے یہی خدائی نصرت ہے جو انبیاء علیہم السلام کو اور انکے سچے متبعین کو اہل باطل سے مقابلہ کے وقت ملا کرتی ہے

اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ بیشک میرا پروردگار صراط مستقیم پر ہے۔ یہ بطور تمثیل اور استعارہ کے فرمایا ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چونکہ بندوں کے حالات سے واقف ہیں اور وہی ان کے افعال پر ثواب یا عذاب دیتے ہیں لہٰذا جو شخص اس سے اعتصام کرے (اور اسکی پناہ پکڑے) اسکے لئے وہ کافی وافی ہے جس طرح سے کہ کوئی شخص جو راستہ پر بیٹھا ہو وہ راستہ کی بھی حفاظت کرتا ہے اور آنے جانے والوں کو اسکے ضرر سے بھی بچاتا ہے۔

اور یہاں صرف رَبِّیْ فرمایا حالانکہ اس سے قبل رَبِّیْ وَرَبُّکُمْ فرما چکے تھے تو نکتہ اس میں یہ ہے کہ سابق میں توکل کا ذکر تھا تو اسکی بڑائی اور فخامت بتانے کیلئے فرمایا کہ میں نے توکل کیا ہے ایسی ذات پر جو کہ میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے اور ہم اس کے مطیع فرمان ہیں اور تم نافرمان ہو اس لئے ظاہر ہے کہ وہ اپنے پر توکل کرنے والوں کو کیسے ضائع کر سکتا ہے یقیناً میری امداد کرے گا۔ اور اعانت و حفاظت چونکہ وہ اپنے مخلص بندوں ہی کی کرتا ہے اس لئے اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ میں صرف رَبِّیْ فرمایا کہ ہم سے اسکا تعلق بہ نسبت تمھارے زیادہ ہے اس طرح پر کہ استحقاق عبودیت میں تو تمھارا بھی رب ہے باقی شرف اور رعایت میں صرف ہمارا ہے کہ ہم ہی اسکی عبادت کرتے ہیں اور تم نہیں کرتے اسلئے اسکی رحمت و شفقت سے محروم ہو۔

ہمارے اطراف میں ایک خاندانی بزرگ تھے، عالم اور صاحب کشف بھی تھے اور متبع سنت تھے انکا نام مولانا علی احمد صاحبؒ تھا ہمارے دیار کے لوگ انکی بہت تعریف کرتے تھے لیکن خود وہ بزرگ ان لوگوں کے بارے جو رائے رکھتے تھے وہ ذرا سنئے :-
ایک مثال دیکر فرمایا اس کو ذکر کرنا مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے

خوشتر آں باشد کہ ستر دلبراں
گفتہ آید در حدیث دیگراں

(بہتر یہی ہے کہ دلبروں کا راز دوسروں کی بات کے ضمن میں بیان کردیا جائے)
یہی مثال ان لوگوں کی ہے کہ مجھکو بھی یہ لوگ کھینچ لے جائیں گے میں ان کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتا۔ یعنی یہ لوگ مجھکو مقام غفلت میں کھینچ لے جائیں گے میں انکو ذکر کی طرف نہیں کھینچ سکتا۔"
میں ان لوگوں سے مخاطب ہوکر کہتا تھا کہ جس کی تم لوگ اتنی تعریف کرتے ہو اور تم ان کے معتقد ہو وہ تمھارے متعلق یہ رائے رکھتے تھے انکی بات تو مانو گے۔
اور وہ بزرگ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ کھانا پکا پکایا تیار ہے کوئی کھانے والا نہیں اور یہ بھی فرماتے تھے کہ یہ لوگ میرے پاس آتے ہیں اور میری باتوں کو سنتے بھی نہیں اس سے پہلے ہی رونے لگتے ہیں (یعنی ایسے بے سمجھ ہیں)
اس قسم کے بہت سے واقعات ہیں اتنا بیان کردیا تاکہ آپ لوگوں کو بصیرت ہو اور زمانہ حال کے حالات کو سمجھیں اسلئے کہ آئے دن ناتجربہ کاری کی بنا پر مصائب میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ آج ہی معلوم ہوا کہ ایک شخص میرے ایک آدمی سے دھوکہ دیکر دستخط کرا لیا کرتا تھا جس کی وجہ سے گرفتار ہوگئے کوئی ضمانت لینے والا بھی نہیں۔ دیکھئے اب انکو چاہئے تھا کہ جب وہ دستخط کرانے آتا تھا تو اس سے پوچھتے اور تحقیق کرتے اس کے بعد دستخط کرتے یا نہ کرتے مگر چونکہ عقل نہیں ہے بھولے بھالے ہیں اپنے ہی جیسا سب کو سمجھتے ہیں اسلئے انکی چال میں آجاتے ہیں اسی لئے اس قسم کا قصہ بار بار بیان کرتا ہوں تاکہ یہ دیندار لوگ بھی بیدار ہوں اور دنیا کو سمجھیں۔ میں یہ تو کہتا ہوں کہ دوسروں کو ضرر مت پہنچاؤ مگر یہ ہرگز نہیں کہتا کہ ایسے بھولے ہو جاؤ کہ تم کو جو چاہے دھوکہ دیدے بلکہ چاہئے کہ ایسے بیدار مغز رہو اور زمانہ کی چالبازی اور دغابازی کو سمجھو کہ ضرر سے اپنے کو محفوظ رکھ سکو۔ یہ کیا کہ دینداری سے پہلے تو کچھ عقل و تجربہ رکھے مگر دین اختیار کرنے کے بعد بیوقوف ہو جائے یہ کسی طرح گوارا اور مناسب نہیں۔

وطن میں چونکہ اس قسم کے واقعات کثرت سے ہوتے تھے اس لئے اس کا دل و دماغ پر اثر ہوتا تھا اور صحت خراب رہتی تھی مگر جب سے یہاں آیا ہوں الحمد للہ صحت اچھی رہتی ہے اسکی وجہ یہی ہے کہ یہاں پر وہاں کی طرح ناگوار باتوں سے کم سابقہ پڑتا ہے تو دن بدن زیادہ قوت محسوس کرتا ہوں اسی وجہ دوسری جگہ کے لوگوں سے یہاں کے لوگوں کو ترجیح دیتا ہوں۔

(مکتوب نمبر ۸۶۹)

حال: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'
تحقیق: السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ۔
حال: الحمد للہ بخریت تمام کل مانی کلاں پہنچا اور کل ہی شدید ضرورت کی بنا پر جون پور جانا پڑا، اتفاقاً ۔۔۔۔۔ صاحب سے ملاقات ہوئی مسجد کے دروازوں کی لکڑی انشاء اللہ اندر ہفتہ شاہ گنج پہونچ جائیگی۔
سیدی! یہ کم فہم فاقد الاستعداد اپنے اس سفر کے تاثرات کو کیا پیش کرے، ہاں انتہائی لجاجت سے درخواست ہے کہ جو نفع اس سیہ کار کو ہوا ہے اور جس کی حضرت والا نے خود ان لفظوں میں تصدیق فرمائی تھی " میں کہتا ہوں جو نفع تم کو ان چند دنوں میں پہنچا ہے سالوں میں پہنچتا" دعا فرمائی جائے کہ اللہ تعالیٰ اس میں رسوخ اور استحکام عطا فرمائیں۔ اور ترقی ہوتی رہے۔ تحقیق: آمین۔
حال: اس سیہ کار نے آج پانچ سال سے زائد ہو رہا ہے ایک منظر دیکھا کہ یکایک رمضان شریف کے آخر عشرہ میں ایک آفتاب ہدایت فتحپور سے منتقل ہو کر گورکھپور کو روشنی اور گرمی پہنچانے کے لئے انکے گھر پہنچا اور تھوڑے سے ہی دنوں میں اہل گورکھپور کو اتنا منور وگرم کردیا کہ تاریخ گورکھپور غالباً اسکی مثال نہیں پیش کرسکتی اور انشاء اللہ وہاں تا قیام قیامت باقی رہے گی۔
تحقیق: انشاء اللہ تعالیٰ۔
حال: اسکے بعد خلاق عالم نے چاہا کہ الہ آباد واقعی الہ آباد ہو جائے اور روشن باغ حقیقۃً ایک باغ روشن ہو جائے، ایک ادنیٰ سبب سے اس شمع ہدایت کو وہاں پہنچایا جہاں ہدایت کی وہ کرامتیں اور فیض رسانی کے وہ خوارق ظاہر ہوئے جس کی نظیر ملنا مشکل ہے

جو لوگ کل تک بات وعزیٰ کا کلمہ پڑھتے تھے وہ آج کلمۂ حق پر اپنی جان دینے کو تیار ہیں۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: جو کل تک اہل باطل کے دام باطل میں پابہ زنجیر تھے آج انکے قلوب اہل حق کے مسخر ہیں۔ تحقیق: الحمد للہ

حال: ان ایام میں جبکہ فیوض و برکات کی موسلا دھار بارش الہ آباد اور اسکے جوار و مضافات کو زیادہ سیراب کر رہی تھی شاید کوتاہ بین نگاہوں نے یہ دیکھا ہو یا عقول قاصرہ نے یہ سمجھا ہو کہ اب آفتاب رشد وہدایت یہاں ہی مقیم رہکر ضوفگن رہے گا مگر اہل فہم جانتے ہیں کہ آفتاب کسی ایک شہر یا ایک خطہ کا آفتاب نہیں ہوتا بلکہ سارا عالم اسکی نگاہ میں یکساں ہے
تحقیق: بیشک۔

حال: البتہ اپنی استعداد کے موافق کسی پر اسکی گرمی اور نور کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور کسی پر کم الحاصل اس ناکارہ نے پانچ سال کے بعد ایک دوسرا ہی منظر دیکھا جبکہ فتح پور اور اس کے مضافات کا ذرہ ذرہ زبان حال سے کہہ رہا تھا ؎

صد شکر خزاں خوردہ چمن ہو گیا آباد	آنکھوں کی گئی روشنی دوبارہ پلٹ آئی
سوکھے ہوئے دریا میں تموج نظر آیا	رحمت کی گھٹا برسر فتحپور سمٹ آئی

تحقیق: ایسا ہی تو ہوا۔

حال: اللہ تعالیٰ نے حضرت والا کو جو شان محبوبیت عطا فرمائی ہے اسکا یقین تو پہلے ہی سے تھا مگر اس سفر میں عین الیقین وحق الیقین ہو گیا۔
تحقیق: الحمد للہ

حال: مئو سے لیکر فتحپور اور اسکے مضافات تک کا منظر دیکھکر یہ خیال ہوتا ہے کہ شعر غالباً اس موقع کے لئے کہا گیا ہے ؎

ہمہ آہوانِ صحرا سر خود نہادہ برکف　　بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد

(صحرا کے تمام ہرن اس امید میں اپنا سر ہتھیلیوں پر رکھے ہوئے ہیں کہ کسی دن آپ شکار کو آئیں گے)

تحقیق: محب کے خیالات ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔

حال: احقر اپنی خوش بختی اور خوش نصیبی کا اظہار کس طرح کرے کہ حضرت نے اپنی بے انتہا شفقت اور بے پایاں عنایت سے مناظر مذکورہ کو دیکھنے کی سعادت کا موقع عنایت فرمایا۔ تحقیق: الحمد للہ

حال: حضرت والا کی حرص اشاعت دین دیکھ کر حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ آیہ یاد آتی تھی اور رجوع خلق اور اسکے ازدحام کے باوجود آپکے استغنائے تام سے (لِیْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْهِ مَلَکٌ ۔ الحدیث)۔ میرا اللہ کے ساتھ ایک ایسا وقت بھی ہوتا ہے جسمیں کسی مقرب فرشتے کی بھی گنجائش نہیں ہوتی) کی یاد تازہ ہوتی تھی واقعی بیک وقت خالق و مخلوق کا پورا پورا حق ادا کرنا نبی کے سچے جانشین اور حقیقی نائب ہی کا حق ہے۔

تحقیق: اسکے متعلق کیا کہہ سکتا ہوں ؎

ادائے حق محبت عنایتے است از دوست
وگرنہ عاشق مسکیں بہیچ خورسند است

(حق محبت کی ادائیگی تو محض دوست کی عنایت ہے ورنہ مسکین عاشق تو معمولی نظر توجہ سے بھی خوش ہے)

حال: حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کا شعر تھوڑی سی تغییر کے ساتھ ہفتوں سے اس سیہ کار کے ورد زبان رہتا تھا ؎

آپ اللہ کے وصی ہیں اور ہیں محبوب خدا
ہند میں ہیں نائب حضرت محمد مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم)

تحقیق: بارک اللہ فی عرفانکم ۔ آپنے تو ماشاءاللہ خوب نقشہ کھینچا۔

(مکتوب نمبر ۸۷)

حال، سیدی وسندی مدظلہ العالی ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'
میں کئی ہفتہ کے بعد جب الہ آباد آیا تو معلوم ہوا کہ حضرت والا فتحپور تشریف لے گئے قلب پہ عجیب طرح کا اثر ہوا اور ایک افسردگی سی طاری ہوگئی جو اب تک باقی ہے خیال تھا کہ تشریف آوری تھوڑے دن میں ہوجائیگی مگر واپسی کا وقت اب تک یہاں کے خدام نے بتایا نہ کچھ امید ظاہر کی
حضرت والا کی خدمت میں اپنی آلودگیوں کی وجہ سے اگرچہ روزانہ حاضری نہ ہوسکتی تھی لیکن ایک تسلی رہتی تھی اور دل میں ایسا سکون و اطمینان رہتا تھا جو بیان سے باہر ہے اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی قیمتی چیز گم ہوگئی ہے اگرچہ پورا یقین ہے کہ حضرت کا جو کرم مجھ پر ہے اسمیں دوری مسافت مانع نہیں ہوسکتی مگر اپنے استعداد کا نقص یہ چاہتا ہے کہ جسمانی نزدیکی بھی رہے اور جب بھی کوئی درد ہو حضرت کے آستانہ سے دوا لے آوں ۔ آج کئی دن سے بلکہ جس وقت سے یہ خبر سُنی کہ حضرت کے آنے کی ابھی اطلاع نہیں ہے طبیعت پریشان ہے
حضرت والا میری نالائقیوں کے باوجود اپنے کرم سے مجھے محروم نہ فرمادیں ہر وقت یہی دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت کی صحت کو اچھا رکھے اور ہم ایسے بے نواوں پر زائد سے زائد مدت تک حضور کا سایۂ عاطفت رہے
آجکل طبیعت بہت پریشان رہتی ہے معمولات میں بھی ناغے زائد ہونے لگے ہیں، گناہوں کی جانب بھی میلان زائد ہو رہا ہے ۔ حضرت والا توفیق خیر کی دعا فرمادیں ۔ دن بہ دن اللہ تعالیٰ کی محبت میں ترقی ہونے کے بجائے اکثر کمی کا احساس ہوتا ہے جس سے پریشانی ہے حضرت کرم فرمائیں۔ آپ کے علاوہ اب میرا کوئی نہیں جس سے عرض کروں ۔

یہ بھی دعا فرمائیں کہ حضرت مولانا تھانویؒ سے جو محبت تھی اس میں اور اضافہ ہوا ورحضرت کی محبت میں بھی مزید ترقی ہو۔ کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہی چیز کچھ کارآمد ثابت ہوتی ہے اور میرے ہر مرض کی دوا ہے معلوم نہیں میرا خیال صحیح ہے یا نہیں۔

من حال دل ۔ ابا یار گفتم نتواں نہفتن درد از حبیباں

(میں نے اپنے دل کا حال دوست سے کہدیا اسلئے کہ درد کو حبیب صادق سے چھپا نہیں سکتے)

حضرت والا! اگر مناسب تصور فرمائیں اور تشریف آوری کا وقت طے ہوا ہو تو مطلع فرمائیں۔ یہ سوال گستاخی ہے جس کی معافی چاہتا ہوں مگر اضطراب میں عرض کردیا ہے۔ مزاج والا آجکل کیسا ہے؟

تحقیق: بخدمت مولانا محمد میاں صاحب عظمت رتبۂ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

یہاں آنے کا عزم نہیں تھا مگر عَرَفْتُ رَبِّيْ بِفَسْخِ الْعَزَائِمِ (میں نے اپنے رب کو اپنے عزائم کے فسخ اور ٹوٹنے سے پہچانا) کی وجہ سے آگیا اہل فتحپور نے میرے سب شرائط منظور کر لئے اسکے بعد نہ آنا خلاف اصول وطریق تھا اس لئے آگیا آنےکے بعد یہاں کے حالات قابل اطمینان معلوم ہوئے اس لئے یہاں قیام طویل ہوگیا خیال ہوا کہ زمین ہموار ہے کچھ کام کردینا چاہئے۔ آپ کی عقیدت ومحبت کا ممنون ہوا۔ سنئے ؎

در راہ عشق مرحلۂ قرب و بُعد نیست ہر جا کہ ہست پرتوے روئے حبیب ہست

(عشق کے راستے میں دوری ونزدیکی کا سوال ہی نہیں جس جگہ بھی کوئی چیز موجود ہے وہ روئے دوست کا پرتو اور عکس ہے)

یہ تو آپ کی عقیدت کا جواب ہے باقی محبت کی نسبت جو استفسار فرمایا ہے اسکی نسبت حضرت حافظ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فیصلہ ہے ؎

خلل پذیر بُوَد ہر بنا کہ می بینی
مگر بنائے محبت کہ خالی از خلل است

(جو بھی بنا و عمارت تم دیکھ رہے ہو سب خلل پذیر ہوتی ہیں سوائے محبت کی بنا و عمارت کے کہ وہ ہر قسم کے خلل اور خرابی سے خالی اور محفوظ رہتی ہے)

یہ خط اور اس کا جواب آپ وہاں کے اہل محبت کو سنا کر محظوظ فرمائیے ۔ اللہ تعالیٰ اعمال صالحہ کی توفیق اور اس پر دوام واستقامت عطا فرمائے کہ طریق کی خصوصیات سے ہے ۔

والسلام ۔ خیر ختام وصی اللہ عفی عنہٗ

خوشخبری

ہمنشیں ذکرِ یار کر پھر آج اس حکایت سے جی بہلتا ہے

حضرت اقدس عارف باللہ مصلح امت قدس سرہٗ کے حالات زندگی، اوصاف و کمالات، ذوق و مزاج اور طریقۂ اصلاح و تربیت کے جاننے اور معلوم کرنے کی خواہش اور تمنا اہل علم اور متعلقین کو ہوتی ہوگی ۔ یقیناً حضرت مصلح الامت علیہ الرحمۃ کا ذکر آپ نے بارہا سنا ہوگا، متعدد جگہ پڑھا ہوگا لیکن ہر محفل ذکر سے تشنگی اور ناآسودگی کا احساس لیکر اٹھتے ہونگے اسی تشنگی کو مٹانے اور ناآسودگی کو دور کرنے کے لئے "حالات مصلح الامۃ" کا مطالعہ فرمائیں ۔ ترجمان مصلح الامتؒ، رفیق سفر و حضر استاذ محترم مولانا مفتی عبد الرحمٰن صاحب جامی علیہ الرحمہ کی محبت و خلوص میں ڈوبی ہوئی تحریر میں مکمل اور مفصل حالات زندگی اگرچہ سابقہ رسالوں میں بالاقساط شایع ہو چکے ہیں مگر چونکہ یہ جواہر ریزے پندرہ سال کے رسائل میں منتشر ہیں اسلئے اس سے استفادہ ہر شخص کیلئے آسان نہیں ہے لہٰذا سخت ضرورت تھی کہ ان منتشر اوراق کو یکجا کر کے کتابی شکل میں شایع کر دیا جائے تاکہ اصحاب ذوق، ارباب علم اور اہل تعلق بآسانی افادہ و استفادہ کر سکیں

الحمد للہ یہ کتاب دو جلدوں میں مدون ہو کر زیر طبع ہے اور انشاء اللہ جلد ہی منصۂ شہود پر آ جائے گی ۔

(۱۱۷۴) ف. مایا کہ صاحبو اپنے آپ کو بڑا سمجھنا ایسا فعل ہے جس میں مفاسد ہی مفاسد ہیں آدمی اپنے کو کبھی بڑا نہ سمجھے اگر یوں ذہن میں نہ آئے تو چاہئے کہ بہ تکلف اسکی مشق کرے اہل اللہ نے اسکی تدابیر لکھی ہیں وہ یہ ہیں کہ اگر اپنے سے چھوٹے کو دیکھے تو اس وقت یہ خیال کرے کہ یہ مجھ سے عمر میں چھوٹا ہے اس نے گناہ کم کئے ہیں میری عمر زیادہ ہے گناہ بھی میرے زیادہ ہوں گے اور اپنے سے بڑے کو دیکھے تو یوں خیال کرے کہ اسکی عمر زیادہ ہے اس کی نیکیاں مجھ سے زیادہ ہی ہونگی لوگ ان باتوں کو تو ہمات سمجھتے ہیں لیکن یہ تو ہمات ہی کام دینے والے ہیں۔

(۱۱۷۵) فرمایا کہ شریعت نے بناوٹ اور محض ظاہری محبت سے منع کیا ہے لیکن اس محبت کی تعلیم دی ہے جو ظاہر و باطن اور حاضر و غائب حالت میں یکساں ہو جسمیں للٰہیت کے سوا کچھ نہو ایسی محبت کی بے انتہا فضیلت حدیث میں وارد ہے چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ندا کیجائیگی اَیْنَ الْمُتَحَابُّوْنَ فِی اللّٰہِ اُظِلُّہُمْ فِیْ ظِلِّیْ یَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلِّیْ ۔ یعنی وہ لوگ کہاں ہیں جو آپس میں اللہ واسطے محبت رکھتے تھے آج میں انکو اپنے سائے میں جگہ دونگا جبکہ کوئی سایہ سوا میرے سائے کے نہیں ہے ۔ اور فرمایا کہ یاد رکھئے اس محبت کے لئے سادہ زندگی ہی مناسب ہے اور جہاں تکلفات آئے بس محبت کی جڑ کٹی۔

(۱۱۷۶) فرمایا کہ محبت دونوں طرف سے جب ہی ہوتی ہے کہ تساوی (برابری) ہو اور مسلمانوں میں تساوی اسی طرح ہوسکتی ہے کہ سب امیر ہو جاویں اور یا اس طرح ہوسکتی ہے کہ سب غریب ہو جاویں اور ظاہر ہے کہ سب کا امیر بننا تو اختیاری نہیں ہاں غریب بننا اختیاری ہے بس باہم محبت کی صورت یہی ہے کہ سب غریب بنکر رہیں، اس سے یہ مراد نہیں کہ اپنے اپنے اموال کو پھینک کر محتاج بن جائیں بلکہ غریب بننے سے مراد عادات (اولٰی معاشرت) میں

غریب بن جاتا ہے اسی کو دوسرے لفظ میں کہا جاتا ہے کہ سادہ زندگی ہی پر محبت ہو سکتی ہے۔ کہاں ہیں آجکل کے فلسفی جو ہمدردی ہمدردی پکارتے پھرتے ہیں، اور تنعم اور تکلف میں پھنسے ہوئے ہیں کیا تنعم کے ساتھ ہمدردی اور محبت جمع ہو سکتی ہے ہرگز نہیں کیونکہ باہم محبت کے لئے مساوات شرط ہے۔

(۱۱۷۷) فرمایا کہ زیور میں یہ نفع بیان کیا جاتا ہے کہ مال محفوظ ہو جاتا ہے کیونکہ نقد روپیہ خرچ ہو جاتا ہے اور زیور بنوانے سے اسکی حفاظت ہو جاتی ہے میں اسکو کسی درجہ میں تسلیم کرتا ہوں لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس میں کوئی مضرت بھی ہے یا نہیں۔ غور سے معلوم ہوا کہ اس میں قومی، ملکی ذاتی سب قسم کی مضرتیں ہیں۔ قومی مضرت تو یہ ہے کہ زیور دکھلاوے اور بڑا بننے کے لئے پہنا جاتا ہے اور اس سے دوسرے کی تحقیر مقصود ہوتی ہے اور جب اس سے کسی کی تحقیر کی گئی تو مساوات نہیں رہی اور قومی ترقی کا اصل الاصول مساوات ہے۔ ملکی ضرر یہ ہے کہ زیور کی محبت حب مال ہے اور جس قوم میں حُبّ مال ہے وہ کوئی کام ملکی ترقی کا نہیں کر سکتی مال اسکے پیر میں ایک بیڑی ہے جو اسکو کہیں نقل و حرکت کرنے نہیں دیتی واقعات بخوبی اسکے شاہد ہیں کہ جب فوج کے دل میں حُبّ مال داخل ہو گئی، س سے کچھ نہ ہو سکا سوا اسکے کہ لوٹا، اور ظلم کیا جب کبھی دشمن نے انکو اپنی طرف ملانا چاہا ذرا سا لالچ دیکر ملا لیا۔ اور انکے بادشاہ سے انکو توڑ کر بہت جلد اسے مغلوب کر لیا نتیجہ یہ کہ دشمن کے مقابلے میں گئے تھے ترقی ملکی کے واسطے اور ذرا سے لالچ میں اپنے ملک کو تباہ و برباد کر دیا۔ غرض ہزاروں تاریخی واقعات اسکی شہادت دیتے ہیں کہ حب مال ترقی ملکی کو مانع ہے اور ذاتی مضرت سب سے پہلے تو یہ ہے کہ اسکی حفاظت کرنی پڑتی ہے ہر وقت خطرے میں ہے

کوئی لوٹ نہ لے کوئی چرا نہ لے کہیں کھویا نہ جاوے۔ دوسرا ضرر یہ ہے
زیور پہنکر عورتیں کچھ کام نہیں کرسکتیں اچھی خاصی اپاہج بن جاتی ہیں
ہلنے جلنے کے کام کی بھی نہ رہیں تو صحت کی جو گت ہوگی وہ معلوم ہے
غرضکہ زیور مانع صحت ہے اور صحت ہر کام کا موقوف علیہ ہے تو زیور کی زیادتی
ہر مفید کام کی مانع ہوئی۔ تیسری مضرت یہ ہے کہ بعض دفعہ
زیور ٹوٹ جاتے ہیں یا کھو جاتے ہیں اور بناتے وقت سنار ان میں
کھوٹ ملاتے ہیں یہ سب مالی نقصان ہوا۔ علاوہ ان نقصانات دنیویہ
کے دینی نقصانات تو اس قدر ہیں کہ کوئی منفعت اس کا مقابلہ ہی
نہیں کرسکتی۔ اضاعت وقت اور اسراف اور حب مال اور ریا
اور سمعہ اور کبر اور تفاخر یہ اسکے نتائج ہیں جس کو ہم لوگوں نے بہت
ہی معمولی سمجھ رکھا ہے انکے متعلق جو وعیدیں قرآن و حدیث میں وارد
وارد ہیں انکو کوئی دیکھے تو زیور کا نام نہ لے مگر طبائع میں ایسا انقلاب
ہوا ہے کہ باوجود دینی و دنیوی نقصانات کے عورتوں کو دن رات اس سے
فرصت ہی نہیں۔

(۸۷۱۱) فرمایا کہ اگر بیبیاں یہ طریقہ اختیار کرلیں کہ کپڑے میلے پہنے
ہوئے ہوں تو بدل لیا کریں ورنہ ہرگز نہ بدلیں بلکہ جہاں جانا ہو ویسے ہی
ہو آیا کریں تو بہت فتنوں سے نجات ہوجاوے اس پر عمل کرکے دیکھئے
اس میں کتنے فائدے ہیں اس کو معمولی بات نہ سمجھیں بلکہ یہ منجملہ
ضروریات دین کے ہے کیونکہ بناؤ سنگار کرکے جانے کا منشا محض کبر
ہے کہ ہر شخص چاہتا ہے کہ میں بڑا ہوں اس عادت کو بدلئے کیونکہ بڑا
بننے کی عادت بہت بری ہے حدیث میں ہے لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ مَنْ
کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ مِّنْ کِبْرٍ یعنی جس شخص کے دل میں ذرہ
برابر کبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔

(۱۱۷۹) فقہاء نے لکھا ہے کہ جس شخص کو مانگنا حرام ہے اسکو اسکے مانگنے پر دینا بھی حرام ہے۔ البتہ دینے والے کو اگر معلوم نہ ہو تو معذور ہے۔

(۱۱۸۰) فرمایا کہ کثرت سوال کا منشاء عمل نہ کرنا ہے (باریک بات ہے) جس کو کام کرنا ہوتا ہے وہ تو ذرا سا حکم پاکر اسکی تعمیل میں لگ جاتا ہے بلکہ وہ ڈرا کرتا ہے کہ اگر پوچھوں گا تو کوئی دشواری کام میں نہ پیدا ہو جاوے اور پھر مجھ سے نہ ہو سکے۔ اور جس کو کام کرنا نہیں ہوتا وہی تقریریں چھانٹا کرتا ہے۔

(۱۱۸۱) فرمایا کہ جس کی نظر اللہ اور ما عند اللہ پر ہے اسکی نظر میں سونا چاندی تو کیا دنیا و مافیہا بھی کچھ نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے اور اپنے جگر گوشوں اور خاص لوگوں کے لئے دنیا کو پسند نہیں کیا اور ایک دینار بھی رکھنا کبھی گوارا نہیں کیا۔

(۱۱۸۲) فرمایا کہ صاحبو مال کی قدر کرو مال دنیا کی زندگی کا سہارا ہے اسکو ہوش اور عقل کے ساتھ خرچ کرو اور اگر خرچ کرنے ہی کا جوش ہے تو اللہ کی راہ میں دو اس میں حوصلہ آزمائی کرو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب دوم

(۱) جلال آباد جو تھانہ بھون سے قریب ہے وہاں کے ایک خانصاحب کی معرفت موذن مسجد اسٹیشن نے خانقاہ و مدرسہ کے جملہ متعلقین کی دعوت کرنا چاہا حضرت والا نے فرمایا کہ یہاں دعوت کے کچھ قواعد مقرر ہیں ان کو پہلے سن لیجئے یہاں ایک تو وہ صاحبان ہیں جو آزاد ہیں مثلاً مولوی احمد حسن صاحب اور مفتی فضل اللہ صاحب وغیرہ ایسے صاحبوں میں سے جنکی دعوت کرنا منظور ہو ان سے فرداً فرداً کہا جاوے ہر شخص کی جدا طبیعت ہے اسکو اختیار ہے قبول کرے یا نہ کرے یا ممکن ہے کسی کو کچھ شبہات ہوں اور وہ مجھے نہیں ہیں لہٰذا میری وجہ سے کسی پر دباؤ نہ پڑے اور کسی کو تکلیف نہ ہو کیونکہ مجھکو یاد ہے کہ جب میں مدرسہ دیوبند میں پڑھا کرتا تھا تو مجھے کسی جگہ دعوت میں جانا نہایت گراں گذرتا تھا اور کچھ نہ کچھ بہانا مل ہی جاتا تھا جب مہتمم صاحب کو معلوم ہو گیا کہ اسکی ایسی طبیعت ہے تو پھر انھوں نے فرمانا ہی چھوڑ دیا پس مجھے وہی خیال پیش نظر ہو جاتا ہے کہ ایسا نہو کہ کسی کو میری وجہ سے مجبوراً دعوت میں جانا پڑے۔ پھر فرمایا کہ ہر ایک کو وقت بھی بتلا دیجئے اور یہ بھی کہدیجئے کہ پیدل چلنا ہو گا خواہ منظور کریں یا نہ کریں میں خود تنہا جاؤں گا میرے ساتھ کوئی نہ چلے اور لوگوں کو بھی چاہئے کہ وہ چار چار پانچ پانچ ہو کر جاویں زیادہ مجمع ایک ساتھ نہ جاوے پھر فرمایا کہ سب مجمع اپنے ساتھ مجمع کا جانا اچھا نہیں معلوم ہوتا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک

تو انجن کی طرح آگے آگے چل رہے ہیں اور پیچھے پیچھے لوگ گاڑیوں کی
طرح کھنچے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ بہت سے مجمع کے ساتھ جانے کے
نامناسب ہونے پر فرمایا کہ ایک مرتبہ کانپور میں سب طالب علم وغیرہ ایک
جگہ دعوت میں جارہے تھے میں نے خود اپنے کانوں سے بعض لوگوں کو کہتے سنا
کہ خدا خیر کرے دیکھئے کس کے گھر پر چڑھائی ہوئی ہے۔ فرمایا کہ بس میں نے
جب ہی سے یہ سنکر طالبعلموں کا کسی کے مکان پر دعوت کھانے کیلئے
جانا بالکل بند کر دیا۔ تھوڑے تھوڑے لوگوں کا الگ الگ راستہ سے
جانا اس لئے بھی مناسب ہے کہ اگر بہت سا مجمع ہوگا تو آپس میں
ہنستے بولتے ہوئے جادیں گے اور بعض کو دعوت کے ساتھ تفریح بھی اس
صورت میں مقصود ہوگی بخلاف دو دو چار چار کے جانے کے کہ اس میں
قبول دعوت سے محض اتباع سنت مقصود ہوگا تفریح مقصود نہ ہوگی۔ پھر
فرمایا کہ دوسری قسم طالب علم اور ذاکرین ہیں، یہ لوگ کسی جگہ دعوت میں
نہیں جاتے ہیں ذاکرین چونکہ زیر تربیت ہیں اسلئے وہ بھی طالب علموں
کے حکم میں ہیں ان لوگوں کی اگر دعوت کیجا تو انکےواسطے کھانا یہیں مدرسہ میں
بھیج دیا جائے اور جو اسمیں تکلف ہو تو ان لوگوں کی دعوت ہی نہ کی جائے
بس آپ فہرست دونوں قسم کے لوگوں کی الگ الگ بنا لیجئے اور
دوسری قسم کے لوگوں کی فہرست حافظ عبدالمجید صاحب کو دیدیجئے
وہ اپنے طور پر ہر ایک کو مطلع کر دیں گے تاکہ جب کا جہاں کھانا پکتا ہے وہ
انتظار نہ کرا دے نیز حضرت والا نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میرا معمول صبح آٹھ بجے
کھانا کھانے کا ہے (حسن العزیز حصہ دوم)

ف: اس ملفوظ سے حضرت والا کا حسن انتظام۔ تواضع۔ حب جاہ
سے نفرت۔ ایذا رسلم سے سخت حذر۔ دین و اہل دین کی محبت
عظمت، اتباع سنت اور شان تربیت بلا تکلف ظاہر و باہر ہے۔

(۲) فرمایا کہ مجھے دس خط لکھنا آسان اور ایک تعویذ لکھنا موت ہے اور بہت سے آدمی توان تعویذوں کی بدولت ہلاک ہو جاتے ہیں کیونکہ تعویذوں کے بھروسے پھر مریض کے مرض کا علاج کرتے نہیں اور مریض ختم ہو جاتا ہے (حسن العزیز)

ف: اس سے حضرت والا کی حکمت، سادگی۔ سہولت پسندی۔ رسم کا پابند نہ ہونا ظاہر ہے۔

(۳) ایک حاجی صاحب کے یہاں ولیمہ تھا انھوں نے کھانا مدرسہ بھیجدیا تھا فرداً فرداً دعوت نہ کی تھی، حضرت والا نے فرمایا کہ میں نے ہی انکے پوچھنے پر ان سے کہدیا تھا کہ کسی کی بھی دعوت نہ کرو اس میں ایک توسب سے کہنے کی دقت سے بچ جاؤ گے دوسرے یہ کہ کسی کو بھی شکایت نہ ہوگی جہاں دل چاہے کھانا بھیجدینا، اگر بے وقت پہونچے دوسرے وقت کھالیں گے (حسن العزیز حصہ دوم)

ف: اس سے حضرت والا کی حکمت، سادگی، سہولت پسندی، رسم کا پابند نہ ہونا ظاہر ہے۔

(۴) ایک ڈپٹی کلکٹر نے خواب میں دیکھا کہ نواب کی مجلس میں ایک بالاخانہ پر موجود ہیں وہاں ایک بزرگ ہیں انھوں نے ڈپٹی صاحب سے کہا میں تم سے اپنی لڑکی کا عقد کرنا چاہتا ہوں چنانچہ نکاح خواں بلائے گئے لڑکی کا نام مثنوی مولانا روم فرمایا اور وہ بزرگ خود مولانا روم تھے حضرت نے فرمایا خواب نہایت مبارک۔ مضمون کو محاورہ میں بنت فکر کہتے ہیں پس لڑکی سے مراد یہی مضمون ہے اس معنی کر مثنوی شریف مولانا کی لڑکی کہا ہے۔ تعبیر اسکی یہ ہے کہ صاحب خواب کو مثنوی مولانا روم سے مناسبت اور اس سے فیض ہوگا۔ پھر دریافت سے معلوم ہوا کہ واقعی ڈپٹی صاحب کو تصوف سے ذوق ہے۔

ف: اس سے حضرت والا کی مناسبت تعبیر سے معلوم ہوئی۔

(۵) ایک صاحب نے دریافت کیا کہ سونے اور چاندی کے بٹن لگانا کیسا

اور اس میں زنجیریں ڈالنا کیسا، فرمایا ہمارے علماء نے کہا ہے کہ اس میں حرج نہیں ہے فقہاء کی یہ عبارت ہے لَا بَاسَ بِاَزْرَارِ الذَّھَبِ لِاَنَّہَا تَابِعٌ (سونے کے بٹن میں کوئی حرج و مضائقہ نہیں کیونکہ وہ تابع ہے) تو زر میں بٹن کو داخل کرتے ہیں۔ مگر قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی نے ناجائز کہا ہے انکا بیان یہ ہے کہ زر کے معنی گھنڈی کے ہیں جس سے وہ گھنڈی ہے جس پر کلابتون لپٹا ہوتا ہے بٹن مراد نہیں اسی واسطے میں دونوں قول نقل کر دیتا ہوں اور قاری صاحب کی بات ہے دل کو لگی ہوئی کیونکہ تبعیت کی شان گھنڈی میں زیادہ ہے بٹن میں نہیں اس لئے احتیاط قاری صاحب کے مسلک میں ہے زنجیروں میں تو تبعیت کی شان ہی نہیں وہ کیسے جائز ہوں گی ہاں انکو تابع کا تابع کہہ سکتے ہیں جس سے مقصد حاصل نہیں ہوتا۔

ف: اس سے حضرت والا کا عمل بالاحتیاط ثابت ہوا جو لازم ہے ورع و تقویٰ کے لیے۔

(۷) فرمایا کہ وقت پر کام کرنے سے ذرا اہتمام تو کرنا پڑتا ہے مگر کام کر کے بے فکری ہو جاتی ہے اگر تساہل کیا جاوے تو بعد میں بڑا بار اور دقت پیش آتی ہے۔ میں نے یہ اسلئے کہا کہ اور لوگ بھی پابندی کریں۔

ف: اس سے حضرت والا کا حسن انتظام اور حکمت ثابت ہے۔

(۸) فرمایا آجکل تو تعلیم یافتوں کا مذاق یہ ہے کہ احکام شرعی کی علت اور حکمت سے بہت سوال کرتے ہیں چنانچہ ایک صاحب نے مجھ سے بذریعہ خط دریافت کیا کہ کافر سے سود لینا کیوں حرام ہے؟ میں نے کہا کہ کافر عورت سے زنا کرنا کیوں حرام ہے؟

(جاری)

دیکھئے! ایک تعلق تو حاکم کو اپنی رعایا سے ہوتا ہے اور ایک تعلق باپ کو اولاد سے ہوتا ہے، کیا دونوں تعلق یکساں ہیں ہرگز نہیں حاکم بوجہ حکومت کے بے تکلف فرمائش کر دیتا ہے کہ فلاں کام کرو فلاں کام مت کرو اسکو حاکم ہونے کی حیثیت سے اسکی پرواہ نہیں ہوتی کہ رعایا کو اس کام کرنے میں مشقت ہوگی یا سہولت نہ وہ اسکی فکر کرتا ہے کہ اس کام کے آسان ہونے کا طریقہ رعایا کو بتلا دے کیونکہ حاکم ہونے کا یہ مقتضیٰ ہی نہیں، اسکو تو حکم دیدینا آتا ہے اگر کسی نے تعمیل کی فبہا ورنہ خلاف ورزی قانون کی دفعہ قائم کرکے اس پر جرمانہ یا سزا کردے گا تو بات کیا ہے؟ بات صرف یہ ہے کہ حاکم کو اسکی فکر نہیں ہوتی کہ جو کچھ میں حکم دے رہا ہوں رعایا اس پر عمل کر ہی لے، بلکہ بعض دفعہ کسی شخص کو زیادہ ملزم بنانے کیلئے اور اس پر حجت قائم کرنے کے لئے اسکا قصد کیا کرتا ہے کہ یہ شخص اس حکم پر عمل نہ کرے تو اچھا ہے تاکہ میں اسکو سزا دے سکوں اس صورت میں وہ قصداً ایسا سخت حکم دیتا ہے جو اس سے ہو ہی نہ سکے لیکن باپ سے یہ نہیں ہوسکتا کہ بے تکلف بیٹے کو جو چاہے حکم دے دے خواہ اس سے ہوسکے یا نہ ہوسکے، ہرگز نہیں بلکہ باپ جو حکم دینا چاہے گا اول اس کے کہنے کے لئے وقت ایسا تجویز کرے گا جبکہ بیٹے کو فرصت ہو باپ کا کام بتلانا اسے ناگوار نہ ہو پھر وہ جو کچھ کہے گا بیٹے کی ہمت کے موافق کہیگا۔ اور اسکے بعد کبھی اس سے یہ کہہ دے گا کہ اس کام کو اس طریقہ سے کرنا ہے اس میں سہولت ہوگی اور پھر خود کبھی اس میں اعانت کرے گا بیٹے کا ہاتھ بٹادیگا۔ اسکی وجہ کیا ہے؟ اسکی وجہ یہ ہے کہ باپ چاہتا ہے کہ بیٹا اس کام کو کرے اس میں اسکا نفع ہے۔ باپ کبھی ایک کام بتلا کر یہ نہیں چاہتا کہ بیٹا اس کام کو نہ کرے تو اچھا ہے تاکہ میں اسکو خوب مار سکوں۔ اب آپ کو معلوم ہوگیا کہ حاکم اور باپ میں کتنا فرق ہے؟ تو انبیاء علیہم السلام کو امت

سے حاکمانہ تعلق نہیں ہوتا بلکہ انکو ایسا تعلق ہوتا ہے جیسا باپ کو اولاد
سے ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ باپ کو اولاد سے محبت وشفقت
محض اسلئے ہے کہ اولاد کا جسم باپ کے ذریعہ سے پرورش پاتا ہے لیکن
حضرات انبیاء علیہم السلام امت کے ارواح کی پرورش کرتے ہیں اور ظاہر
ہے کہ جسمانی تربیت سے روحانی تربیت بڑھی ہوئی ہے اور جو لوگ
روحانی تربیت کرنے والے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ بعض دفعہ شیخ کو
کسی مرید سے ایسا تعلق ہوتا ہے کہ اپنی اولاد سے بھی ویسا تعلق نہیں ہوتا
اور اسی کا اثر یہ ہوتا ہے کہ بعض مریدین کو شیخ سے ایسا تعلق ہوجاتا ہے کہ
باپ سے اسکا عشر عشیر بھی نہیں ہوتا چنانچہ اسکا مشاہدہ ہوچکا ہے گو آجکل
اس تعلق میں بہت کمی ہوگئی ہے کیونکہ آجکل آزادی کا زمانہ ہے ہر شخص
آزاد ہوگیا ہے اس آزادی کا اثر اس طبقہ میں بھی کسی قدر ہوچلا ہے
مگر تاہم اس میں شک نہیں کہ روحانی تربیت میں بھی مربی کو وہی شفقت
ہوتی ہے جو جسمانی تربیت کی وجہ سے باپ کو ہوتی ہے بلکہ روحانی مربی کو
اس سے بھی زیادہ شفقت ہوتی ہے۔ باپ جو کام کرتا ہے وہ تو حیوانات
بھی کرتے ہیں، وہ بھی اپنی اولاد کی پرورش کرتے ہیں انکو بھی اپنے بچوں سے
محبت ہوتی ہے لیکن روحانی مربی وہ کام کرتا ہے جو کسی باپ سے نہیں ہو سکتا
کہ وہ انسان کی روح کو خدا تعالےٰ سے ملا دیتا ہے اسکو عارف و واصل
بنا دیتا ہے پھر اس پاکیزہ تربیت میں طرفین سے جسقدر بھی تعلق ہو تھوڑا
ہے اسلئے انبیاء علیہم السلام عموماً اپنی امت پر بہت زیادہ شفیق ہوتے
ہیں پھر ان میں سے بھی بالخصوص ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپکو
تو اپنی امت سے بہت ہی تعلق تھا لہذا آپ سے زیادہ کوئی بھی شفیق
نہیں البتہ حق تعالیٰ کو اپنے بندوں پر آپ سے بھی زیادہ شفقت ہے
بلکہ خود حضرات انبیاء علیہم السلام کی شفقت اسی شفقتِ الٰہیہ کا ظل ہے

یہی وجہ ہے کہ حق تعالے کی تعلیم نہایت سہل ہے اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیم بھی اسی واسطے سہل ہے کہ ان میں شفقت خداوندی کی جھلک موجود ہے

خدا کی شفقت

دیکھئے ایک جگہ حق تعالیٰ کو اعمال صالحہ کا امر فرمانا منظور تھا مگر اسکو کس شفقت کے عنوان سے شروع فرمایا ہے يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (اے ایمان والو جو پاک چیزیں ہم نے تمکو مرحمت فرمائی ہیں انہیں سے کھاؤ اور حق تعالیٰ کی شکرگذاری کرو اگر تم خاص اسکے ساتھ غلامی رکھتے ہو) مقصود تو اُشْكُرُوْا لِلّٰهِ تھا اور شکر سے مراد عبادت ہے کیونکہ خدا تعالے کی نعمتوں کا شکر یہی ہے کہ اسکی عبادت کی جائے مگر اس حکم سے پہلے فرماتے ہیں كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ یعنی اے مسلمانو! ہم نے تمکو جو کچھ پاکیزہ چیزیں عطا کی ہیں اسکو کھاؤ پیو، اس کے بعد فرماتے ہیں وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ یعنی اور ان نعمتوں کو کھا پی کر خدا کا شکر بھی کیا کرو، تو دیکھئے بلاتشبیہ یہ ایسی ہی صورت ہے جیسے باپ کو یہ منظور ہو کہ بیٹے کا سبق سنے تو وہ اسکو بلا کر کہتا ہے کہ آؤ بیٹا یہ لڈو مٹھائی کھا لو ہم تمہارے واسطے لائے ہیں پھر مٹھائی دے کر کہتا ہے اچھا سبق تو سنا دو ہم تمھیں پھر مٹھا دیں گے ۔ وہی صورت یہاں ہے کہ پہلے تو پاکیزہ نعمتوں کے کھانے کا حکم فرمایا پھر عبادت کا حکم فرمایا اور عبادت کے بعد پھر بھی مٹھائی دینے کا وعدہ ہے، وہ کیا؟ جنت، سبحان اللہ اس شفقت کی بھی کوئی انتہا ہے ۔ باپ کو تو بیٹے کے سبق سنانے سے کچھ اپنی غرض بھی مد نظر ہوتی ہے وہ یہ امید کرتا ہے کہ لڑکا لائق فائق ہو جائے گا تو کچھ کمانے لگے گا اور بڑھاپے میں میرے کام آئے گا، میری خدمت کرے گا مگر حق تعالے کو ہماری عبادت سے کچھ بھی غرض نہیں عبادت کا جو نفع ہے ہم کو ہی ہے اور اگر عبادت نہ کریں تو نقصان بھی ہمارا ہے۔

تمام مخلوق اگر عابد زاہد ہو جائے تو خدا کی سلطنت وعظمت میں اس سے کچھ زیادتی نہوگی اور اگر سارے سرکش ہو جائیں اسکی عظمت میں کچھ کمی نہیں آئے گی۔ پس حق تعالیٰ کو انسان کے ساتھ جس قدر شفقت ہے وہ محض بے غرض ہے پھر حق تعالیٰ حاکم بھی ہیں حاکم ہونے کی حیثیت سے انکو اسکی کیا ضرورت تھی کہ اس طرح چمکار کر پھسلا کر حکم دیں اگر وہ حاکمانہ طریقہ پر حکم دیتے کہ ہماری عبادت کرو ورنہ تمکو جیل بھیجدیا جائیگا تو امر سے انکو کون چیز مانع تھی پھر حاکم بھی ایسے نہیں جیسے دنیا کے حکام ہوتے ہیں کہ بعض دفعہ سلاطین دنیا کو رعایا سے دبنا پڑتا ہے جس کی وجہ سے کہ اس عالم میں ہر شخص محتاج ہے سلاطین اپنی سلطنت کی بقا میں رعایا کے محتاج ہیں کہ اگر رعایا آمادہ بغاوت ہو جائے تو انکی سلطنت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اللہ کی ذات غنی اور بے نیاز ہے وہ قادر وقاہر ہے کہ ایک ذرہ انکی مشیت کے بغیر نہیں ہل سکتا اور اگر تمام عالم آمادہ بغاوت ہو جائے تو وہ ایک دم میں سب کو ہلاک کرکے دوسری مخلوق کو پیدا کر سکتا ہے اور اسکو اسکی بھی ضرورت نہیں وہ اگر چاہے تو کسی کی مجال نہیں کہ سرکشی کر سکے چنانچہ ملائکہ کی یہی شان ہے کہ وہ کسی وقت سرکشی نہیں کر سکتے۔ اس نے بعض حکمتوں کی وجہ سے انسانوں کو نافرمانی اور اطاعت دونوں کا اختیار اور قدرت دے دی ہے اگر وہ چاہے تو اس قدرت کو سلب کر سکتا ہے اور اگر سارے ہی انسان سرکش ہو جائیں تو ملائکہ انسان سے بہت زیادہ ہیں وہ اسکی اطاعت بجا لاتے ہیں اور اگر کوئی بھی مطیع نہو تب بھی اسکا کچھ ضرر نہیں اسکے تمام کمالات ذاتی ہیں کسی کی اطاعت ونافرمانی کا اس پر کچھ بھی اثر نہیں۔ پس حق تعالیٰ ایسے غنی ہیں کہ ان سے زیادہ کوئی غنی نہیں مگر باوجود اس غنا کے اس درجہ شفقت ہے کہ باپ ماں کو بھی اولاد سے وہ شفقت نہیں جو حق تعالیٰ

کو اپنی مخلوق سے ہے کیونکہ باپ کو اولاد سے اضطراری شفقت و محبت ہے اور حق تعالےٰ اضطرار سے پاک ہے اسکو جو شفقت و رحمت ہے محض اختیاری ہے وہ خود چاہتے ہیں کہ مخلوق پر شفقت کریں اور باپ ماں کے چاہنے میں انکے اختیار کو کچھ بھی دخل نہیں وہ مجبور ہوکر شفقت کرتے ہیں۔ پس ایسے غنار کامل کے ساتھ ایسی کامل شفقت عجائب میں سے ہے۔

شکر کی اہمیت

چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا "یعنی اللہ تعالےٰ تم کو عذاب دیکر کیا کریں گے اگر تم خدا کا شکر کرو۔ یعنی ایمان کامل اختیار کرو اور اللہ تعالےٰ بڑے قدر کرنے والے جاننے والے ہیں"۔ سبحان اللہ اس آیت میں یہ لفظ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اس قابل ہے کہ اس پر جان قربان کردی جائے فرماتے ہیں کہ ہم کو تمھارے عذاب کرنے میں کیا نفع ہے ہم تو تم پر رحمت ہی کرنا چاہتے ہیں مگر تم نافرمانی کرکے خود ہی عذاب کو مول لیتے ہو تو اس عنوان سے کس درجہ شفقت ٹپکتی ہے۔ یہاں ایک ضروری تنبیہ بطور جملۂ معترضہ کے ہے بعض لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں کہ حق تعالےٰ کو مخلوق سے بے پرواہ بمعنی بے توجہ سمجھتے ہیں اور اس غلطی کا منشا یہ ہے کہ ان لوگوں نے غنار کا مطلب غلط سمجھا، اس میں تو شک نہیں کہ غنار حق تعالیٰ کی صفت یقیناً ہے چنانچہ خود ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ؕ وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ (بیشک اللہ تعالےٰ کو تمام جہان والوں میں کسی کی حاجت نہیں۔ انھوں اعراض کیا اور خدا نے (بھی انکی کچھ) پرواہ نہ کی) لیکن لوگ یہ غلطی کرتے ہیں کہ ان آیات میں مستغنی کے معنی وہ مراد لیتے ہیں جو ہمارے محاورے میں مستعمل ہیں کہ ہمارے محاورہ میں مستغنی اسکو بھی کہتے ہیں جو دوسروں

سے بالکل بے پرواہ ہو کسی کے نفع و نقصان کی اسے رعایت نہو۔ حالانکہ مستغنی کے معنی آیات میں صرف یہ ہیں کہ حق تعالیٰ کو کسی کی احتیاج نہیں وہ کسی کا محتاج نہیں، پس محتاج نہونا اور بات ہے اور بے پرواہ ہونا اور رعایت مصالح نہ کرنا دوسری بات ہے۔ غنا جو حق تعالیٰ کی صفت ہے اسکے معنی عدم احتیاج کے ہیں، اور یہاں سے آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ آجکل جو لوگ محض ترجمے دیکھکر محقق بن جاتے ہیں وہ کیسا ستم ڈھاتے ہیں پھر غضب یہ کہ یہ لوگ ترجمے دیکھکر محققین سے مزاحمت کرتے ہیں اور معارضہ میں کہتے ہیں کہ صاحب! مشارق الانوار میں تو یہ لکھا ہے، مظاہر حق میں یہ لکھا ہے۔ میں کہتا ہوں اس میں وہی لکھا ہے جو محقق بیان کرتا ہے مگر تم ترجمہ دیکھکر اسکی حقیقت کو نہیں سمجھے بس اسکی ایسی مثال ہے جیسے کوئی کتابیں دیکھ دیکھ کر طبیب حاذق کے نسخوں میں مزاحمت کرنے لگے اسکو یہی جواب دیا جائے گا کہ تم نے صرف کتابیں دیکھی ہیں مگر فن کی حقیقت تم کو معلوم نہیں اسلئے طبیب کی رائے میں تم کو دخل دینے کا کوئی حق نہیں۔ اسی طرح جو لوگ ترجمے پڑھکر محققین سے مزاحمت کرتے ہیں وہ بھی اسی جواب کے مستحق ہیں چنانچہ ان لوگوں نے غَنِیٌّ عَنِ الْعَالَمِیْنَ اور وَاسْتَغْنَی اللہُ کا ترجمہ دیکھکر اتنی بات سمجھی کہ حق تعالےٰ مستغنی ہیں مگر اسکی حقیقت انکو معلوم نہیں ہوئی وہ یہ سمجھے کہ جس طرح ہمارے محاورہ میں کہہ دیا کرتے ہیں کہ فلاں شخص بہت ہی آزاد اور مستغنی المزاج ہے یعنی کسی کے نفع و نقصان کی پرواہ نہیں کرتا یہی معنی خدا کے مستغنی ہونے کے بھی ہیں حالانکہ یہ معنی دوسری نصوص کے نیز دلائل عقلیہ کے بالکل خلاف ہیں، اگر مستغنی ہونے کے یہ معنی ہیں تو ان نصوص کا کیا مطلب ہے جن میں حق تعالےٰ کی شفقت ورحمت کا ذکر ہے کہ حق تعالےٰ کو اپنے بندوں پر ایسی شفقت ہے کہ ماں باپ کو بھی

اولاد پر ایسی شفقت نہیں ہو سکتی ۔ تو یہ خرابی کا ہے کی ہے یہ خرابی
سکی ہے کہ ان لوگوں نے لفظ تو عربی کا لیا اور معنی اردو محاورے کے موافق
لئے حالانکہ ہر لفظ کے معنی اسی زبان کے موافق کرنے چاہئیں جس زبان کا
وہ لفظ ہے ۔

عربی اور اردو کے معنی کا فرق

مگر آجکل بکثرت لوگ اس غلطی میں مبتلا ہیں چنانچہ وَمَکَرُوْا
وَمَکَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ سے بعض لوگوں کو اشکال ہوتا ہے
کہ اس میں حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ انھوں نے بھی مکر کیا اور خدا نے بھی
مکر کیا اور خدا سب سے بہتر مکر کرنے والا ہے ۔ اشکال کا حاصل یہ ہے
کہ دیکھو اس سے خدا کا نعوذ باللہ "مکار" ہونا لازم آتا ہے تو منشا اس
اشکال کا صرف یہی ہے کہ انھوں نے عربی لفظ کا ترجمہ اردو محاورہ کے
موافق کیا اردو میں مکر کرنا فریب دینے کو کہتے ہیں جو کہ عیب کی صفت
ہے ، اگر یہ لوگ اس عربی کے لفظ کا ترجمہ محاورۂ عربیہ کے موافق کرتے
تو اشکال کچھ بھی نہ تھا ۔ عربی میں مکر کے معنی تدبیر خفی کے بھی آتے ہیں اور
تدبیر خفی کرنا یہ عیب نہیں بلکہ صفت کمال ہے ترجمہ آیت کا ہوا کہ "کافروں نے
(عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کیواسطے) مخفی تدبیر کی حق تعالیٰ نے انکو بچانے کے واسطے مخفی تدبیر کی حق تعالیٰ سب تدبیر
کرنے والوں میں بہتر ہے کہ کسی کی تدبیر اسکی تدبیر پر غالب نہیں آسکتی"
اس ترجمہ کے بعد کچھ بھی اشکال نہیں ۔ اسی طرح ایک صاحب میرے
پاس آئے اور کہنے لگے مجھ کو کچھ پوچھنا ہے مگر اول اس آیت کا ترجمہ کردو
وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى میں نے کہا کہ اسکا ترجمہ یہ ہے " اور پایا
خدا نے آپ کو ناواقف پس واقف بنا دیا " سن کر میرا منھ دیکھنے لگے
میں نے کہا جو پوچھنا ہو پوچھئے ، کہنے لگے اب تو کچھ بھی نہیں رہا ۔ میں نے
کہا کہ کیا آپ مجھ سے یہ امید کرتے ہیں کہ میں اس جگہ ضَالًّا کا ترجمہ گمراہ ہے

کروں گا ۔ بعض تراجم میں گمراہ سے ترجمہ کیا ہے جس سے لوگوں کو اشکال پڑ جاتا ہے لیکن ان حضرات پر کوئی الزام نہیں ممکن ہے اس وقت گمراہ کے معنی ناواقف بھی مستعمل ہوتے ہوں جیسا کہ عربی میں ضلالت کے معنی غیبت اور فقدان کے بھی آتے ہیں چنانچہ کھوئی چیز کو ضالّہ کہتے ہیں جس کے معنی مفقود الخبر کے ہیں اسی طرح ضالّ کا اطلاق فاقد الخبر پر بھی آتا ہے جس کا ترجمہ ناواقف ہے لیکن اب فارسی اور اردو کا محاورہ بدل گیا اب گمراہ اسے کہتے ہیں جو باوجود راستہ جاننے کے ٹیڑھے راستہ پر چلے آجکل بے خبر اور ناواقف کو گمراہ نہیں کہتے اس لئے اب گمراہ سے ترجمہ کرنا صحیح نہیں ۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نبوت سے پہلے بعض علوم سے ناواقف ہونا کچھ عیب نہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ جو علوم نبوت کے بعد آپ کو عطا ہوئے نبوت سے پہلے آپ ان سے ناواقف تھے اگرچہ اس وقت بھی دنیا بھر کے عقلاء سے زیادہ واقف کار تھے لیکن علوم قرآن و احکام سے تو خبردار نہ تھے یہ تو علم نبوت کے بعد ہی آپ کو حاصل ہوا ۔

(جاری)

(حضرت مصلح الامۃ کا ایک ملفوظ)

ہمارے حضرتؒ فرمایا کرتے تھے اگر اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق پیدا ہو جائے تو تمام دنیا معشوقوں سے بھری پڑی ہو آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا اور یہ حال ہو سے

جو ہر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا　　سب سے بیگانہ ہے اے دوست شناسا تیرا

اور جن کے نفس پر ابھی محبت کا اثر نہیں ہوا ہے انکو دعویٰ ہی دعویٰ ہے جب ذرا خلاف طبیعت پڑتا ہے بھاگ نکلتے ہیں اگر محبت سچی ہوتی تو ہر طرح کی تابعداری کیلئے ڈٹے رہتے اور سے

لو کان حبك صادقا لاطعته　　ان المحب لمن یحب مطیع　　— پر عمل کرتے ۔

نیک کام میں دیر نہ کیجئے

شیخ الاسلام مولانا محمد تقی عثمانی مدظلہم العالی

نیک کام میں دیر نہ کیجیے

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ
و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات
اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و
اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشھد ان سیدنا و
سندنا و نبینا و مولانا محمداً عبدہ و رسولہ۔ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ و علی آلہ و اصحابہ و بارک وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔ اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔
وَسَارِعُوْا اِلٰی مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ
اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ (سورۂ آل عمران ۱۳۳)

آمنت باللہ صدق اللہ مولانا العظیم و صدق رسولہ النبی الکریم
ونحن علی ذلک من الشاھدین والشاکرین و الحمد للہ رب العالمین۔

مبادرت الی الخیرات

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے آگے جو باب قائم کیا ہے، وہ ہے "بَابُ الْمُبَادَرَةِ اِلَى الْخَيْرَاتِ" اسکے معنی یہ ہیں کہ جب انسان اپنی حقیقت پر غور کریگا اللہ جل جلالہ کی عظمت شان، اسکی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ پر غور کرے گا اسکی شان ربوبیت پر غور کرے گا تو اس تفکر کے نتیجہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کی طرف دل مائل ہوگا اور خود بخود دل میں داعیہ پیدا ہوگا کہ جس مالک نے یہ ساری کائنات بنائی ہے اور جس مالک نے یہ نعمتیں مجھ پر نازل فرمائی ہیں اور جس مالک نے مجھے رحمتوں کی بارش میں رکھا ہے اس مالک کا بھی مجھ پر کوئی حق ہوگا! جب یہ داعیہ اور میلان پیدا ہو اس وقت کیا کرنا چاہئے؟

اس سوال کے جواب کے لئے علامہ نووی نے یہ جواب قائم فرمایا ہے کہ جب بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کا داعیہ پیدا ہو اور کسی نیک کام کے کرنے کا محرک سامنے آئے تو اس وقت ایک مومن کا کام یہ ہے کہ جلد از جلد اس نیک کام کو کرلے اس میں دیر نہ لگائے۔ یہی معنیٰ ہیں "مبادرۃ" کے یعنی کسی کام کو جلدی سے کرلینا ٹال مٹول نہ کرنا اور آئندہ کل پر نہ ٹالنا۔

نیکی کے کاموں میں ریس اور دوڑ لگاؤ

اور علامہ نووی سب سے پہلے یہ آیت کریمہ لائے ہیں کہ

وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ

تمام انسانیت کو خطاب کرکے اللہ تعالیٰ فرمارہے ہیں کہ "اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جلدی سے دوڑو جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین کے برابر بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ اور وہ متقی لوگوں کے لئے تیار کی گئی"

"مسارعت" کے معنی جلد سے جلد کوئی کام کرنا، دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا، ایک دوسری آیت میں فرمایا کہ "فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ یعنی بھلائی اور نیکی کے کاموں میں ریس اور دوڑ لگاؤ"۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جب کسی نیک کام کا ارادہ اور داعیہ دل میں پیدا ہو تو اسکو ٹلاؤ نہیں۔

شیطانی داؤ

اسلئے کہ شیطان کے داؤ اور اسکے حربے ہر ایک کے ساتھ الگ الگ ہوتے ہیں، کافر کے لئے اور ہیں مومن کے لئے اور ہیں۔ مومن کے دل میں شیطان یہ بات نہیں ڈالے گا کہ یہ نیکی کا کام مت کیا کرو، یہ برے کام ہیں، یہ بات براہِ راست اسکے دل میں نہیں ڈالے گا اسلئے کہ وہ جانتا ہے کہ یہ صاحب ایمان ہونے کی وجہ سے نیکی کے کام کو برا نہیں سمجھ سکتا لیکن مومن کے ساتھ اسکا یہ حربہ ہوتا ہے

کہ اس سے کہتا ہے کہ یہ نماز پڑھنا یہ فلاں نیک کام کرنا تو اچھا ہے اسکو کرنا چاہئے لیکن انشاء اللہ کل سے شروع کریں گے اور جب کل آئے گی تو ہو سکتا ہے وہ اس داعیہ کو بھول ہی جائے اور پھر جب کل آئیگی تو پھر یہ کہے گا کہ اچھا بھائی کل سے شروع کروں گا تو وہ کل کبھی زندگی بھر نہیں آئیگی۔ یا کسی اللہ والے کی بات دل میں اثر کر گئی کہ یہ بات تو صحیح ہے عمل کرنا چاہئے اپنی زندگی میں تبدیلی لانی چاہئے، گناہوں کو چھوڑنا چاہئے نیکیوں کو اختیار کرنا چاہئے لیکن انشاء اللہ اس پر جلد از جلد عمل کریں گے جب اسکو ٹلا دیا تو پھر کبھی اس پر عمل کی نوبت نہیں آئیگی۔ عمر عزیز سے فائدہ اٹھالو۔

اسی طرح زندگی کے اوقات گزرتے جارہے ہیں، عمر عزیز گزرتی جارہی ہے کچھ پتہ نہیں کہ کتنی عمر ہے قرآن کریم کا یہ ارشاد ہے کہ کل پر مت ٹالو، جو داعیہ اس وقت پیدا ہوا اسی اسی وقت عمل کیا کرو کیا معلوم کل تک یہ داعیہ رہے یا نہ رہے اول تو یہ بھی نہیں پتہ کہ تم خود زندہ رہو یا نہ رہو اور اگر تم خود زندہ رہو تو یہ پتہ نہیں کہ یہ داعیہ باقی رہے گا یا نہیں اور اگر داعیہ باقی رہا تو کیا معلوم اس وقت حالات موافق ہوں یا نہ ہوں۔ بس اس وقت جو داعیہ پیدا ہوا ہے اس پر عمل کر کے فائدہ حاصل کرلو۔

نیکی کا داعیہ اللہ تعالیٰ کا مہمان ہے

یہ داعیہ اللہ جل شانہٗ کی طرف سے مہمان ہے اس مہمان کی خاطر مدارات کرلو اسکی خاطر یہ ہے کہ اس پر عمل کرلو اگر نفل نماز پڑھنے کا داعیہ پیدا ہوا اور یہ سوچا کہ یہ فرض و واجب تو ہے نہیں اگر نہیں پڑھینگے تو کوئی گناہ تو ہوگا نہیں چلو چھوڑ و یہ تم نے اس مہمان کی ناقدری کردی جو اللہ تعالیٰ نے تمہاری اصلاح کی خاطر بھیجا تھا، اگر تم نے فوراً اسی وقت عمل نہ کیا تو پیچھے رہ جاؤ گے پھر معلوم نہیں دوبارہ وہ مہمان آئے یا نہ آئے۔

بلکہ وہ آنا بند کردے گا کیونکہ وہ مہمان یہ سوچے گا کہ یہ شخص میری بات مانتا نہیں اور میری ناقدری کرتا ہے، میری خاطر مدارات نہیں کرتا میں اب اسکے پاس نہیں جاتا۔

بہرحال ویسے تو ہر کام میں جلدی اور عجلت کرنا بُرا ہے لیکن جب دل میں کسی نیک کام کا داعیہ پیدا ہو تو اس پر جلدی عمل کرلینا ہی اچھا ہے۔

فرصت کے انتظار میں مت رہو

اگر اپنی اصلاح کی فکر کا دل میں خیال آیا کہ زندگی ویسے ہی گذری جارہی ہے نفس کی اصلاح ہونی چاہیئے اور اپنے اخلاق اور اعمال کی اصلاح ہونی چاہیئے لیکن ساتھ یہ سوچا کہ جب فلاں کام سے فارغ ہوجائیں گے پھر اصلاح شروع کریں گے یہ فرصت کے انتظار میں عمر عزیز کے جو لمحات گزر رہے ہیں وہ فرصت کبھی آنے والی نہیں۔

کام کرنے کا بہترین گر

ہمارے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ جو کام فرصت کے انتظار میں ٹال دیا وہ ٹل گیا وہ پھر نہیں ہوگا اس واسطے کہ تم نے اسکو ٹال دیا۔ کام کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دو کاموں کے درمیان تیسرے کام گھسا دو وہ تیسرا کام بھی ہوجائے گا یعنی وہ دو کام جو تم پہلے سے کررہے ہو اب تیسرے کام کرنے کا خیال آیا تو ان دو کاموں کے درمیان تیسرے کام کو زبردستی گھسا دو وہ تیسرا کام بھی ہوجائے گا اور اگر یہ سوچا کہ ان دو کاموں سے فارغ ہوکر پھر تیسرا کام کریں گے تو پھر وہ کام نہیں ہوگا۔ یہ منصوبے اور پلان بنانا کہ جب یہ کام ہوجائے گا تو پھر کام کریں گے یہ سب ٹالنے کی باتیں ہیں اور شیطان عموماً اسی طرح دھوکے میں رکھتا ہے۔

نیک کاموں میں ریس لگانا برا نہیں

اس لئے مُبَادَرَةٌ اِلَی الْخَیْرَات نیک کاموں

میں جلدی کرنا اور آگے بڑھنا قرآن و سنت کا تقاضا ہے اور علامہ نووی نے اسی کے لئے یہ باب قائم فرمایا ہے " بَابُ المُبَادَرَتُ اِلَی الْخَیْرَات " یعنی بھلائیوں کی طرف سبقت کرنا علامہ نووی نے یہاں دو لفظ استعمال کئے ایک مُبَادَرَت یعنی جلدی کرنا دوسرا مُسَابَقت یعنی مقابلہ کرنا ریس لگانا، ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا۔ اور یہ مقابلہ کرنا اور ریس لگانا نیکی کے معاملے میں محبوب ہے۔ اور چیزوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا بُرا ہے۔ جیسے مال کے حصول میں عزت کے حصول میں، شہرت کے معاملے میں، دنیا کے حصول میں، جاہ طلبی کے معاملے میں، ان سب میں یہ بات بری ہے کہ انسان دوسرے سے آگے بڑھنے کی حرص میں لگ جائے لیکن نیکیوں کے معاملے میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا جذبہ ایک محمود اور قابلِ تعریف جذبہ ہے قرآن کریم خود کہہ رہا ہے کہ فَاسْتَبِقُوا الْخَیْرَات نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ ایک شخص کو تم دیکھ رہے ہو کہ ماشاء اللہ عبادت میں لگا ہوا ہے، طاعات میں لگا ہوا ہے، گناہوں سے بچ رہا ہے اب کوشش کرو کہ میں اس سے بھی زیادہ آگے بڑھ جاؤں اس میں ریس لگانا بُرا نہیں۔

دنیاوی اسباب میں ریس لگانا جائز نہیں

یہاں معاملہ الٹا ہوگیا ہے۔ اس وقت ہماری پوری ریس لگانے میں گزر رہی ہے لیکن ریس اس میں لگ رہی ہے کہ پیسہ زیادہ سے زیادہ کہاں سے آجائے دوسرے نے اتنا کمایا میں اس سے زیادہ کمالوں۔ دوسرے نے ایسا بنگلہ بنالیا میں اس سے اعلیٰ درجہ کا بنالوں دوسرے نے ایسی کار خریدی میں اس سے اعلیٰ درجہ کی خریدلوں، دوسرے نے ایسا ساز و سامان جمع کرلیا میں اس سے اعلیٰ درجہ کا

جمع کرلوں۔ پوری قوم اسی ریس کے اندر مبتلا ہے۔ اس ریس میں حلال حرام کی فکر مٹ گئی ہے اسلئے کہ جب دماغ پر یہ جذبہ سوار ہو گیا کہ دنیا کی ساز و سامان میں دوسرے سے آگے بڑھنا ہے تو حلال مال کے ذریعہ آگے نکلنا بڑا مشکل ہے تو پھر حرام کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے اور اب حرام و حلال تو ایک ہو رہے ہیں جس چیز میں ریس لگانا اور مقابلہ شرعاً بُرا تھا وہاں سب مقابلے پر لگے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے سے آگے بڑھ رہے ہیں اور جس چیز میں مقابلہ کرنا، ریس لگانا ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر کرنا مطلوب تھا اس میں پیچھے رہ گئے ہیں۔

غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مقابلہ

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو دیکھئے کہ غزوہ تبوک کے موقع پر انھوں نے کیا کیا غزوہ تبوک بڑا کٹھن غزوہ تھا ایسا صبر آزما غزوہ اور ایسی صبر آزما مہم شاید کوئی اور پیش نہیں آئی جیسی غزوہ تبوک کے موقع پر پیش آئی۔ سخت گرمی کا موسم وہ موسم جسمیں آسمان سے شعلے برستے ہیں، زمین آگ اگلتی ہے اور تقریباً بارہ سو کیلو میٹر کا صحرائی سفر اور کھجوریں پکنے کا زمانہ جس پر سارے سال کی معیشت کا دارومدار ہوتا ہے۔ سواریاں میسر نہیں، پیسے موجود نہیں اور اسوقت میں یہ حکم دیا جارہا ہے کہ ہر مسلمان کیلئے نفیر عام ہے کہ وہ اس غزوہ میں چلے اور اس میں شریک ہو۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر اعلان فرمایا کہ یہ غزوہ کا موقع ہے اور سواریوں کی ضرورت ہے، اونٹنیاں چاہئیں، پیسوں کی ضرورت ہے مسلمانوں کو چاہئے کہ بڑھ چڑھ کر اس میں چندہ دیں اور جو شخص اس میں چندہ دیگا میں اسکے لئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ اب صحابہ کرام کہاں پیچھے رہنے والے تھے جبکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ جملہ سن لیں کہ انکے لئے جنت کی ضمانت ہے۔ اب ہر شخص اپنی اپنی استطاعت کے مطابق چندہ دے رہا ہے کوئی کچھ لا رہا ہے، کوئی کچھ لا رہا ہے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے گھر گیا اور اپنے گھر کا جتنا کچھ

ساز و سامان، پیسہ تھا وہ آدھا آدھا تقسیم کر دیا اور پھر آدھا حصہ لیکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلا گیا اور دل میں خیال آنے لگا کہ آج وہ دن ہے کہ شاید میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے آگے نکل جاؤں۔ یہ جو جذبہ پیدا ہو رہا ہے کہ میں ان سے آگے بڑھ جاؤں یہ ہے مسابقت الی الخیرات کبھی انکے دل میں یہ جذبہ پیدا نہیں ہوا کہ میں عثمان غنیؓ سے پیسے میں آگے بڑھ جاؤں، کبھی یہ جذبہ پیدا نہیں ہوا کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے پاس بہت پیسے ہیں ان سے زیادہ پیسے مجھے حاصل ہو جائیں لیکن یہ جذبہ پیدا ہوا کہ صدیق اکبرؓ کو اللہ تعالیٰ نے نیکی کا جو مقام بخشا ہے ان سے آگے بڑھ جاؤں۔

تھوڑی دیر میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے اور جو کچھ تھا حاضر کر دیا، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اے عمر! گھر میں کیا چھوڑ آئے ہو حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آدھا مال گھر والوں کے لئے چھوڑ دیا اور آدھا غزوہ کیلئے اور جہاد کیلئے لے آیا ہوں، آپؐ نے انکو دعائیں دیں کہ اللہ تعالےٰ تمھارے مال میں برکت دے۔ اسکے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ تم نے اپنے گھر میں کیا چھوڑا؟ کہا یا رسول اللہ! گھر میں اللہ اور اسکے رسول کو چھوڑ آیا ہوں، جو کچھ گھر میں تھا سارا کا سارا سمیٹ کر یہاں لے آیا ہوں۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس دن مجھے پتہ چلا کہ میں چاہے ساری عمر کوشش کرتا رہوں لیکن حضرت صدیق رضی اللہ عنہ سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

(ابوداؤد کتاب الزکوٰۃ باب فی الرخصۃ فی الرجل یخرج من مالہ حدیث نمبر ۱۶۷۸)

(جاری)

حامل مضامین تصوف وعرفان • افادات وصی اللّٰہی کا واحد ترجمان

ماہنامہ

وصیۃ العرفان

زیر سرپرستی

حضرت مولانا قاری شاہ محمد مبین صاحب مدظلہ العالی جانشین حضرت مصلح الامۃ

مدیر:- احمد مکین

شمارہ ۱۲ رجب المرجب ۱۴۱۶ھ مطابق دسمبر ۱۹۹۵ء جلد ۱۸

قیمت فی پرچہ چھ روپیہ سالانہ زر تعاون ستر روپیہ ششماہی پینتیس روپیہ

سالانہ بدل اشتراک : پاکستان سو روپیہ۔ غیر ممالک ۱۰ پونڈ

ترسیل زر کا پتہ

مولوی احمد مکین - ۲۵/۲۳- بخشی بازار

الہ آباد ۲۱۱۰۰۳ فون ۶۰۴۷۹۸

پرنٹر۔ پبلشر۔ صغیر حسن : اسرار کریمی پریس حسین گنج۔ الہ آباد

اعلان: انشاء اللہ آئندہ سال ۱۹۹۶ء سے رسالہ وصیۃ العرفان کا بدل اشتراک سالانہ ستر ۷۰ روپیہ اور ششماہی چالیس ۴۰ روپیہ ہوگا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اتباع

فرمایا کہ جانتے ہیں کہ آج ہمارا کام کہاں سے بگڑا؟ کام یہاں سے بگڑا ہے کہ ہمارے سب چھوٹے بڑے برابر ہو گئے ہیں چنانچہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے بطور پیشین گوئی کے اسکی خبر امت کو دی تھی ارشاد فرمایا لَنْ یَّزَالَ النَّاسُ بِخَیْرٍ مَا تَبَایَنُوْا فَاِذَا تَسَاوَوْا ھَلَکُوْا یعنی لوگ ہمیشہ خیر کے ساتھ رہیں گے جب تک ان میں فرق مراتب قائم رہے گا اور جب سب برابر ہو جائیں گے تو ہلاک ہو جائیں گے۔

اب آپ سے پوچھتا ہوں کہ ہمارا زمانہ اسکا مصداق ہے یا نہیں؟ یہ تو کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے بلکہ کھلم کھلا مشاہدہ ہے کہ اس زمانہ میں نہ کوئی بڑا بڑا رہ گیا ہے نہ کوئی چھوٹا چھوٹا بلکہ دیکھا جاتا ہے کہ ہر چھوٹا بڑا بننے کے لئے تیار ہے۔ اسی طرح سے ایک جاہل شخص ہے مگر عالم کو ماننے کے لئے تیار نہیں اور لوگوں کا یہ معاملہ کہ عالم کی انکی نظروں میں کوئی وقعت نہیں اور جاہل کو سردار بنائے ہوئے ہیں، کسی شاعر نے خوب کہا ہے

لَا یَصْلُحُ النَّاسُ فَوْضٰی لَا سَرَاۃَ لَھُمْ وَلَا سَرَاۃَ اِذَا جُھَّالُھُمْ سَادُوْا

یعنی لوگ جبکہ مساوی درجہ خود سر ہوں کوئی انکا افسر اور سردار نہ ہو کبھی انکی حالت درست نہیں رہ سکتی اور کسی جاہل کو سردار بنا دیں تو وہ حقیقتاً نہ ہونے کے حکم میں ہے۔ اسی مضمون کو حضرت حافظؒ نے یوں بیان فرمایا ہے ؎

اسپ تازی شدہ مجروح بزیر پالان طوق زریں ہمہ در گردن خرمی بینم

یعنی دنیا کا بھی عجب حال ہو گیا ہے کہ عربی گھوڑا تو پالان کے نیچے زخمی ہو کر رہ گیا ہے اور سونے کا طوق گدھے کے گردن میں آویزاں ہے۔

جانتے ہیں یہ خرابی کہاں سے آئی ہے اسکا منشا اعلیٰ درجہ کی

بد اخلاقی ہے لوگ متنفر ہو گئے ہیں یعنی متکبر اور خود سر، انکے نفوس ان پر حاکم ہو گئے ہیں اسلئے کسی کی پیروی، اتباع، انقیاد اور اقتدار انکے لئے موت ہے حالانکہ یہی وہ چیزیں تھیں جنکی وجہ سے آپکی ترقی تھی اور یہی چیزیں ہمارے اسلاف کا طغرائے امتیاز تھیں۔ آپ کے سامنے علماء کی کتابوں سے نقل کرتا ہوں کہ عالم محقق کے لئے جن امور کا ہونا ضروری سمجھا جاتا تھا وہ تین تھے، ایک تو یہ کہ وہ اپنے علم پر عامل بھی ہو اگر ایسا نہ ہوتا تھا تو لوگ اسکو مقتدا بننے کا اہل نہ سمجھتے تھے۔ اب آج دیکھ لیجئے کہ کسی عالم کی اقتدار (اور پیروی) کرنے کے لئے یہ شرط ضروری سمجھی جاتی ہے کہ وہ عامل بھی ہو؟ کہیں نہیں۔ بلکہ ہمارا مشاہدہ تو یہ ہے کہ اس زمانہ میں کسی عالم کی اتباع کے لئے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ اسکی زبان بہت صاف ہو خوب بولتا ہو اور دھواں دھار تقریر کرتا ہو بس عوام اسی سے سمجھ لیتے ہیں کہ بہت بڑا عالم ہے حالانکہ مسند امام احمد میں یہ حدیث آئی ہے

أَخْوَفُ مَا أَخَافُ عَلَىٰ أُمَّتِيْ كُلُّ مُنَافِقٍ عَلِيْمِ اللِّسَانِ

فرمایا رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے کہ سب سے زیادہ خوف مجھے اپنی امت پر علیم اللسان (اور زبان آور) منافق کا ہے

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث جامع صغیر سے نقل کی ہے۔ جامع صغیر کی چار شرحیں ہیں یہاں ہر ایک سے اسکی شرح انھیں کے الفاظ میں نقل کرتا ہوں۔ علامہ شیخ محمد حفنیؒ اسکی شرح میں فرماتے ہیں کہ:۔

قوله اخوف ای من اشد ما اخاف قوله كل منافق عليم ای طلق اللسان فی العلوم والفصاحة خالی القلب من العمل به وانما خاف صلی الله علیه وسلم علی امته منه لانه

جن امور کا خوف کرتا ہوں ان میں سب سے شدید خوف اپنی امت پر مجھے منافق علیم اللسان کا ہے یعنی جو زبان آور ہو اور علوم و فصاحت میں اسکی زبان خوب چلتی ہو لیکن قلب اسکا عمل سے خالی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت پر اس شخص کا خوف اسلئے فرمایا کہ اسکے علم کی باتوں کو جاننے والا،

یفهمه العلم یقتدی به الناس فیضلهم

سمجھنے کی وجہ سے لوگ اسکو عالم سمجھکر اسکا اتباع کرینگے اور وہ انکو گمراہ کرے گا۔

اب جامع صغیر کے دوسرے شارح عزیزی کی سنیئے، اپنی کتاب السراج المنیر شرح جامع صغیر میں اس حدیث کے تحت ارقام فرماتے ہیں۔

اخوف ما اخاف ای من اخوف ما اخافه علی امتی کل منافق ای نفاق عملیا علیم اللسان قال مناوی ای عالم بالعلم منطلق اللسان به لکنه جاهل القلب والعمل فاسد العقیدة مغو للناس بشقاشقه و تفصحه وتقعره فی الکلام انتهی - وقال العلقمی اخرج الطبرانی عن علی قال النبی صلی الله علیه وسلم انی لا اخوف علی امتی مومنا ولا مشرکا فاما المؤمن فیحجزه ایمانه واما المشرک فیقمعه کفره ولکن اخوف علیکم منافقا عالم اللسان یقول ما تعرفون ویعمل ما تنکرون۔ (من سراج المنیر)

جن امور کا میں اپنی امت پر خوف کرتا ہوں ان میں سب سے زیادہ خوف مجھے عملی منافق کا ہے

مناوی کہتے ہیں کہ مراد اس سے وہ عالم ہے جسکی زبان علم میں خوب چلتی ہو لیکن وہ قلب اور عمل کے اعتبار سے جاہل ہو اور عقیدہ بھی اسکا فاسد ہو لوگوں کو اپنی زبان کی فصاحت اور طلاقت لسانی کی وجہ سے، نیز اپنی خوش بیانی اور کلام گھڑنے کی وجہ سے دھوکہ دیتا ہو۔

علقمی کہتے ہیں کہ طبرانی نے حضرت علیؓ سے تخریج کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنی امت پر نہ تو کسی مؤمن سے خوف کرتا ہوں اور نہ کسی مشرک سے اسلئے کہ مومن کو تو اسکا ایمان ہی خلاف شرع باتوں کے کرنے سے روک دے گا اور مشرک کا قلع قمع کرنے کے لئے اسکا کفر ہی کافی ہے لیکن مجھے جو تم پر خوف ہے تو اس منافق کا جو صرف زبان کا عالم ہوگا بات ایسی کہیگا جو تمھارے نزدیک معروف ہوگی اور عمل ایسے کریگا جنکو تم منکر اور برا سمجھتے ہوگے۔

صحیح ہے اور آپ کے ڈر سے اور آپ پر اعتراض پڑنے کے ڈر سے اور اس خیال سے کہ آپ خفا ہو جائیں گے یا اس سے آپ کے مرتبے میں فرق آجائے گا ہم اس حدیث ہی کو نہ بیان کریں یہ تو کوئی بات نہیں رہا یہ کہ اسکا مضمون آپ کے خلاف پڑتا ہے اسلئے آپکو ناگواری ہوتی ہے تو اسکی وجہ سے آپ مجھ پر جتنا چاہیں خفا ہوں جی میں آئے تو مجھے برا بھلا بھی کہہ لیجئے مگر یہ کہ آپ حدیث ہی سے خفا ہو جائیں یہ تو بہت بُری بات ہے اس سے تو ایمان ہی جاتا رہیگا۔

علامہ عزیزی صاحب سراج المنیر نے طبرانی کی جو روایت نقل کی ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت پر کسی مومن سے فتنہ کا خوف نہیں فرمایا اسلئے کہ جب وہ مؤمن ہی ہے تو اسکا ایمان ہی اسکو بری باتوں کے ارتکاب سے باز رکھے گا' اسی طرح سے آپ نے مشرک سے بھی فتنہ کا اندیشہ نہیں کیا اور یہ فرمایا کہ جب شرک جیسی لعنت خود اسکے گلے کا ہار ہو رہی ہے تو وہی اسکا قلع قمع کرنے کے لئے کافی ہے اسکی وجہ سے وہ تو خود فتنہ میں پڑا ہوا ہے میری امت کو وہ کیا مفتون کر سکے گا لیکن یہ فرمایا کہ اپنی امت پر اندیشہ جو مجھکو ہے تو اس منافق سے ہے جو زبان کا عالم ہو۔ آگے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکی شرح بھی فرما دی کہ منافق علیم اللسان ہونے کا کیا مطلب ہے یہ کہ وہ ایسی باتیں کہے گا جو معروف (اور بھلی) ہونگی یعنی تمھاری جانی پہچانی اور بظاہر دین کی ہی باتیں معلوم ہونگی لیکن عمل جو اسکا ہوگا وہ مُنکر (اور برا) ہوگا یعنی ہر وہ شخص جس کو دین سے ذرا مَس (اور تعلق) ہوگا وہ اس پر نکیر کرے گا اور سمجھتا ہوگا کہ اس عمل کو تو دین سے کوئی نسبت نہیں۔

اسی سراج المنیر کے حاشیہ پر شیخ محمد حفنی کی جو شرح ہے اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خوف فرمانے کی وجہ بیان کی ہے یعنی یہ کہ آپ نے اپنی امت پر منافق علیم اللسان کا خوف اس لئے فرمایا کہ اس کے علمی باتوں کے جاننے سمجھنے اور بیان کرنے کیوجہ لوگ اسکو عالم دین سمجھیں گے اور اسکا

اتباع کریں گے اور وہ سب کو گمراہ کرے گا یعنی منافق ہونے کی وجہ سے ضال (اور گمراہ) تو تھا ہی اب لوگوں کے اتباع کی وجہ سے مضل (اور گمراہ کن) بھی ہو جائے گا۔ یعنی خود تو گمراہ تھا ہی اب لوگوں کو گمراہ کرنیوالا بھی ہوگیا۔

دیکھئے منافق علیم اللسان کا مطلب میں نے جامع الصغیر کی چار شروح سے نقل کیا ہے یعنی صاحب تیسیر، صاحب سراج منیر، فیض القدیر اور علامہ حفنی، سب حضرات نے اپنی اپنی شرح میں ذرا ذرا عنوان کے فرق سے ایک ہی بات نقل کی ہے امام غزالیؒ نے بھی احیاء العلوم میں اَلْبَابُ السَّادِسُ فِی آفَاتِ الْعِلْمِ وَبَیَانِ عَلَامَاتِ عُلَمَاءِ الْآخِرَةِ وَالْعُلَمَاءِ السُّوْءِ" قائم فرمایا ہے اور اسکے تحت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ اثر نقل فرمایا ہے۔

قال عمرؓ ان اخوف ما اخاف	حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جن امور سے میں امت پر خوف کرتا ہوں
علیٰ ھٰذہ الامۃ المنافق العلیم	انمیں سب سے بڑھکے خوف کی چیز وہ منافق ہے جو علم والا ہو لوگوں نے
قالوا وکیف یکون منافقاً علیما	عرض کیا کہ کوئی شخص منافق علیم کیونکر ہوگا آپ نے فرمایا کہ
قال علیم اللسان جاھل القلب والعمل	زبان کا عالم ہوگا اور قلب و عمل کا جاہل ہوگا۔

(احیاء مصری ۱/۵۲)

حدیث مرفوع اور سب آثار ایک ہی امر کو بتلا رہے ہیں البتہ حضرت عمرؓ جو نفاق کی تفسیر بیان فرمار ہے ہیں اسکی یہ تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ سے سنا ہوگا چنانچہ یَقُوْلُ مَا تَعْرِفُوْنَ وَیَعْمَلُ مَا تُنْكِرُوْنَ تو طبرانی کی حدیث میں بھی گذرا ہے

بہرحال مسند امام احمدؒ کی اس حدیث اور اسکی شرح دیکھنے سے معلوم ہوا کہ زبان آوری، طلاقت لسانی، چرب زبانی اور محض زبان کی فصاحت اور بلاغت ڈرنے کی چیز ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ اَلْحَیَاءُ وَالْعِیُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْإِیْمَانِ وَالْبَذَاءُ وَالْبَیَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ۔ (شرم و حیاء اور سوچ سمجھکر ٹھہر ٹھہر کر بولنا زبان کو قابو میں رکھنا ایمان کی دو شاخیں ہیں اور

فحش گوئی، بدزبانی اور لاحاصل بکواس اور چرب زبانی نفاق کی شاخیں ہیں،
لیکن اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ کہنے والے اور سننے والے سب الفاظ ہی کی فصاحت
و بلاغت پر اتر آئے ہیں واعظ وہی فاضل سمجھا جاتا ہے جو نہایت فصیح و
بلیغ اور شستہ تقریر کرے اور سامعین کو اسی وعظ میں لطف آتا ہے جس
میں الفاظ کی بندش اور فقرے نہایت موزوں اور چست استعمال کئے گئے
ہوں اور اشعار سے بھی جلسہ کی زینت کیجاتی ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ فصاحت و بلاغت کوئی چیز ہی نہیں ہے یا قلوب
میں اسکی کچھ تاثیر نہیں ہوتی بلکہ یہ کہتا ہوں کہ الفاظ ہی پر ریجھے ہوئے ہو اس سے
کانوں کو لذت تو مل سکتی ہے مگر روحانیت اسکے ذریعہ سے نہیں پیدا کیجا سکتی
کیونکہ جو شخص ایسا ہوگا اسکے متعلق تو آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ وہ خود مہتدی یعنی
ہدایت یافتہ نہیں ہے تو پھر بھلا وہ ہادی (اور رہنما) کیا بن سکے گا۔

اسی لئے علماء نے حدیث بالا کی تعلیم اور تحذیر کے بموجب اپنے اپنے
زمانہ میں عوام کو اس قسم کے لوگوں سے ڈرایا اور بچایا ہے چنانچہ امام غزالیؒ
نے تو اسکو کہ علم محض زبان پر ہو اور قلب و جوارح کے اندر اسکا کوئی اثر نہ ہو
آفات علم میں شمار کیا ہے اور اسکو علماء آخرت اور علماء سوء میں فارق قرار
دیا ہے اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ احیاء العلوم سے بھی کچھ مضمون
نقل کردوں۔ باب سادس آفات علم میں لکھتے ہیں کہ :-

قال صلی اللہ علیہ وسلم العلم علمان علم علی اللسان فذلک حجۃ اللہ تعالیٰ علی خلقہ وعلم فی القلب فذلک العلم النافع	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو وہ جو محض زبان پر ہوتا ہے پس وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی حجت ہے اور ایک علم وہ ہے جو کہ قلب میں ہوتا ہے یہی وہ علم ہے جو نافع ہے۔
وقال صلی اللہ علیہ وسلم لا تعلموا	نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم اس لئے نہ سیکھو

العلم لتباھوا بہ العلماء ولتماروا بہ السفہاء ولتصرفوا بہ وجوہ الناس الیکم فمن فعل ذالک فھو فی النار

علماء پر فخر کرو یا سفہاء (اور جاہلوں) سے جھگڑو اور اسکی وجہ سے لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کرو جس نے ایسا کیا وہ دوزخ میں جائے گا۔

وقال صلی اللہ علیہ وسلم لانا من غیر الدجال اخوف علیکم من الدجال فقیل وما ذالک فقال من الائمۃ المضلین - (احیاء ص۵۲)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے دجال سے بڑھکر غیر دجال کا تم پر اندیشہ ہے، عرض کیا گیا وہ غیر دجال کون ہے فرمایا وہ ائمہ جو گمراہ کرنے والے ہیں۔

چونکہ اس شرط کے خلاف اس زمانہ میں بہت پایا جاتا ہے اس لئے اس پر ذرا مفصل کلام کیا گیا ہے اب علمائے حقانی کی دوسری شرط سنیئے:-

دوسری شرط عالم حقانی ہونے کی علماء نے یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ مشائخ کی تربیت میں رہا ہو اور ایک معتد بہ زمانہ تک انکی صحبت اٹھائی ہو اسی سے سمجھا جائیگا کہ یہ بھی اپنے بزرگوں کی سیرت کے ساتھ متصف ہے چنانچہ سلف صالحین کا یہی طریقہ تھا۔ سنئے! سب سے پہلی جماعت حضرات صحابہ کرام کی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں انکی ملازمت اور صحبت مخفی نہیں چنانچہ صحابی تو صحبت ہی سے مشتق ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور میں کہتا ہوں احوال بھی جس اہتمام کے ساتھ صحابہؓ نے اخذ کیا وہ معلوم ہی ہے نیز یہ کہ آپ سے جو کچھ بھی صادر ہوتا تھا اور جس نہج پر صادر ہوتا تھا اس پر انکا اعتقاد اور اعتماد تھا عام اسکے کہ اُسکے معنی سمجھتے ہوں یا نہ سمجھتے ہوں یہاں تک کہ انکا یقین اور عقیدہ تھا کہ حضورؐ کی ہر بات ایک ایسا حق ہے جسکا معارضہ نہیں کیا جا سکتا اور ایسی حکمت ہے جسکا قانون ٹوٹ نہیں سکتا اور ایک ایسا کمال ہے کہ نقص و نقصان اسکے گرد پھٹک نہیں سکتا۔

حضرات صحابہؓ کا یہ علم و یقین اور ایسا اعتقاد و اعتماد انکی کثرت ملازمت ہی کا ثمرہ تھا چنانچہ انکے اتباع و انقیاد کا اندازہ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ

سکے اس واقعہ سے لگائیے جو صلح حدیبیہ میں پیش آیا یعنی کفار سے جب دب کر صلح ہونے لگی تو چونکہ اشکال کا موقع تھا حضرت عمرؓ کو بھی اشکال پیش آیا خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم لوگ حق پر نہیں ہیں اور یہ کافر باطل پر نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں بیشک۔ پھر عرض کیا کہ ہم لوگ اگر شہید ہو جائیں تو کیا جنت میں نہ جائیں گے اور یہ لوگ مارڈالے جائیں تو کیا انکا ٹھکانا جہنم نہ ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں ٹھیک ہے۔ عرض کیا تو پھر ہم اپنے دین کے معاملہ میں سستی (اور کمزوری) کیوں دکھائیں اور اپنے اور ان کے درمیان حق تعالیٰ کی جانب سے فیصلہ ہوئے بغیر کیوں واپس چلے جائیں؟ حضورؐ نے فرمایا اے خطاب کے بیٹے! میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ سمجھ رکھو کہ اللہ تعالےٰ مجھے کبھی ضائع نہ کرے گا۔ یہ سنکر حضرت عمرؓ وہاں سے چلے تو گئے مگر تسلی نہ ہوئی ہنوز کفار کی جانب سے غصہ میں بھرے ہوئے تھے اور حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے اور ان سے بھی وہی باتیں کہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے بھی فرمایا کہ کیا باتیں کرتے ہو! حضورؐ اللہ کے رسول بھی تو ہیں، اور اللہ تعالیٰ آپکو کبھی ضائع نہ فرمائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ کس قدر نسبت و مناسبت تھی حضرت صدیق اکبرؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کہ جو جواب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو دیا تھا حضرت صدیقؓ نے بھی بعینہ وہی جواب انکو دیا حالانکہ وہ وہاں موجود بھی نہ تھے۔ اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سورۃ اِنَّا فَتَحْنَا نازل ہوئی یعنی اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا الخ بیشک ہم نے آپ کو ایک کھلم کھلا فتح دی الخ آپ نے حضرت عمرؓ کو بلوا بھیجا اور یہ آیتیں پڑھ کر سنائیں، اسپر پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا یہی فتح ہے؟ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں۔ پس اس پر حضرت عمرؓ کو اطمینان ہوگیا اور خوش ہو کر چلے

دیکھئے حضرت عمرؓ کو بربنائے حمیت اسلامی ایک اشکال پیش آیا
اسکو حضورؐ سے عرض کیا لیکن آخر میں جب بات معلوم ہوگئی کہ اسی
کیفیت کو اللہ تعالیٰ نے فتح فرمایا ہے اور اسی کی طرف حضورؐ کا بھی
اشارہ تھا تو پھر بلا چون وچرا مان لیا حالانکہ اس کے فتح ہونے کی عقلی
وجہ ابھی ظاہر نہیں ہوئی تھی لیکن حضورؐ پر اعتماد تھا اور انقیاد کو بالخصوص
نبی کی اتباع کو لازم جانتے تھے اس لئے پھر عقل کے درپے نہیں ہوئے
تو یہ ملازمت صحبت ہی کا فائدہ تھا، اور جذبۂ انقیاد کا اثر تھا اور اس
بات کا ثمرہ تھا کہ یہ سمجھتے تھے کہ مواقع اشکال میں صبر ہی کرنا چاہیئے
کیونکہ اس چیز کی دلیل و برہان سامنے آ ہی جائے گا۔ چنانچہ سورۂ فتح
جس میں بشارت اور خوشخبری تھی یونہی نہیں نازل ہوگئی بلکہ اسوقت
نازل ہوئی جبکہ اشکال کی شدت کی وجہ سے صحابہؓ رنج وغم کا تلخ گھونٹ
پی رہے تھے اور حقیقت حال کا التباس ہورہا تھا لیکن انھوں نے
بھی تسلیم رضا کی راہ اختیار کی اور اپنی رائے کو پس پشت ڈال دیا آپکی
زبان میں کہتا ہوں کہ جب اپنی قربانی کی تب قرآن کی سورۂ فتح نازل
ہوئی چنانچہ اشکال بالکل زائل ہوگیا۔

روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ مارے ندامت کے حضورؐ کے
سامنے نہیں جاتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ مجھے ہوکیا گیا تھا کہ میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کے معاملہ میں الجھ گیا اور قیل قال کرنے لگا
بار بار یہی کہتے اور نادم ہوتے تھے۔

اب سنئے وہ اشکال کیسے زائل ہوا اس طرح کہ حق تعالیٰ نے
اسی سورہ میں یہ فرمایا وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَاءٌ مُّؤْمِنَاتٌ
لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ اَنْ تَطَؤُوْهُمْ فَتُصِيْبَكُمْ مِّنْهُمْ مَّعَرَّةٌ
بِغَيْرِ عِلْمٍ لِيُدْخِلَ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ لَوْ تَزَيَّلُوْا

لَعَذَّبْنَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْھُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۝ یعنی اور اگر
بہت سے مسلمان مرد اور بہت سی مسلمان عورتیں نہ ہوتیں جنکی تم کو
خبر بھی نہ تھی یعنی ان کے پس جانے کا احتمال نہ ہوتا جس پر انکی وجہ سے
تم کو بھی بے خبری میں ضرر پہنچتا تو سب قصہ طے کر دیا جاتا لیکن ایسا اسلئے
نہیں کیا گیا تاکہ اللہ اپنی رحمت میں جس کو چاہے داخل کرے، اگر یہ ٹل
گئے ہوتے تو ان میں جو کافر تھے ہم انکو دردناک سزا دیتے۔

حاصل اسکا یہ ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر
جنگ کی اجازت نہ دینے کی دو وجہیں بیان کی ہیں ایک تو یہ کہ مکہ میں
کچھ مسلمان مرد اور عورتیں موجود تھیں جنکا علم مسلمانوں کو بھی نہ تھا تو
اگر حملہ ہوتا تو کافروں کے ساتھ یہ بے گناہ بھی پس جاتے۔ اسلئے فرمایا
کہ اگر وہ لوگ وہاں سے ہٹ جاتے اور مکہ میں صرف کافر ہی کافر
رہ جاتے تو بیشک انکو سزا دی جاتی۔ دوسری وجہ یہ بیان فرمائی
کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں بہت سے لوگوں کا اسلام مقدر تھا یعنی وہ
خود مسلمان ہونے والے تھے یا انکی نسل ایمان لانے والی تھی ظاہر ہے
کہ ایسی صورت میں انکے استیصال (بیخ کنی اور نیست و نابود کرنے) کی اجازت
کیسے دی جاسکتی تھی۔ یہ آیتیں جب نازل ہوئیں تو صحابہؓ کے
پاؤں تلے کی زمین نکل گئی۔ اب بُرْہَان عَلَی الْاَعْیَان سامنے آگیا
اس وقت سمجھ میں آیا کہ واقعی جس چیز کو خلاف مصلحت سمجھ رہے تھے
وہی عین مناسب تھی۔ بہرحال یہ چیز بعد والوں کیلئے ایک اسوہ اور
اصل بن گئی یعنی جس طرح کہ صحابہؓ نے اپنی رائے چھوڑ کر رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کا انقیاد کیا اسی طرح تابعین بھی صحابہؓ کے ساتھ پیش
آئے یعنی ان کے ارشادات کے مقابلہ میں اپنی رائے اور عقل کو
نہیں لگایا اسی کا اثر یہ ہوا کہ سب کے سب فقیہ فی الدین ہوگئے اور ہم غرضیکہ

میں کمال کی چوٹی تک پہونچے اور ہمارے اس قاعدہ اور اصول کی صحت کی تصدیق کے لئے یہ ثبوت کافی ہے کہ تم کوئی بھی عالم ایسا نہ پاؤگے کہ وہ مشہور ہوا اور اس سے فیوض و علوم اخذ کئے جاتے ہوں مگر اسس کا ایک مقتدا ہوگا جس نے کسی کا اقتدا کیا ہوگا جو اسی صفت کے ساتھ موصوف ہوگا۔ اس کے بالمقابل جتنے گمراہ اور مخالف سنت فرقے ہیں انہیں اسس وصف یعنی انقیاد و اتباع کا تم فقدان پاؤگے۔ ابن حزم ظاہری جو اپنے وقت کے بڑے عالم ہوئے ہیں مگر ان پر طعن و تشنیع جو کی گئی تو اسکا سبب یہ ہوا کہ انھوں نے کسی شیخ سے لینے کا خود کو محتاج نہ جانا اور ان کے آداب سے متادب نہیں ہوئے یعنی کسی کی اتباع کو اور کسی کی صحبت کی ملازمت کو اپنے لئے ضروری نہ جانا بلکہ حصول وتحصیل علم میں خود کو مستقل جانا اسی لئے قدم قدم پر ٹھوکر کھائی اور نشانۂ طعن و ملامت بنے میں کہتا ہوں کہ ایک ابن حزم ہی ایسے نہیں گذرے ہیں بلکہ تقریباً ہر زمانہ میں دونوں ہی قسم کے لوگ ہوئے ہیں ایک جماعت نے اسلاف کی اقتدا کو ضروری جانا ہے اور دوسرے نے اپنے ہی علم کو کافی سمجھا۔ چنانچہ جو معاملہ اس نے اپنے اسلاف کے ساتھ کیا بعد کے لوگوں نے وہی برتاؤ اسکے ساتھ روا رکھا۔

تیسری شرط علمار نے عالم ربانی ہونے کے لئے اقتدا کو قرار دیا ہے جیساکہ حضرات صحابہؓ کی اقتدا رتھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ۔ جس کی تفصیل ابھی ہم نے بیان کی۔ اسی طرح تابعین نے صحابہؓ کی اقتدا کی اسی طرح ہر زمانہ میں ہوتا چلا آیا ہے۔ چنانچہ امام مالکؒ اس وصف میں اپنے ساتھیوں میں ممتاز گزرے یعنی یوں تو دین کے جتنے بھی ہادی گزرے ہیں کم وبیش سب اسی وصف کے

حامل تھے لیکن امام مالکؒ اس میں شدت کے ساتھ متصف تھے۔ پس جب یہی وصف چھوڑ دیا گیا تو بدعات نے سر اٹھایا اس لئے کہ اقتداء کا ترک کرنا یعنی کسی مسئلہ میں اسلاف کا طریقہ نہ اختیار کرنا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس تارک میں کوئی نئی چیز پیدا ہوگئی ہے اور وہ اتباع ہوا ہے یعنی اپنی خواہش کی ہی اتباع کی وجہ سے آدمی علماء مشائخ کے اتباع کو ترک کرتا ہے۔

بس اس وقت میں یہی کہنا چاہتا تھا کہ ہمارے اندر جو دینی روح موجود تھی تو اسکا منشاء اتباع تھا اور آج پوری قوم سے چونکہ یہ روح نکل گئی ہے اس لئے امت کا شیرازہ منتشر ہوگیا ہے اور دین اور دنیا دونوں ہر قسم کے خسارہ میں ہم لوگ پڑ گئے آج بھی اتباع کیجئے اور اسکی برکات دیکھئے۔

ملفوظ حضرت مصلح الامۃؒ

منافق کا ایمان اسکی زبان پر ہوتا ہے اور مومن کا اسکے قلب میں مطلب یہ ہے کہ منافق بس زبان سے بکثرت خوب باتیں ظاہر کرتا ہے اور زبان آور اور لسان ہوجاتا ہے کیونکہ زبان سے اسکے یہاں کچھ دیر نہیں لگتی اور مومن بہت سوچ سوچ کر بولتا ہے کیونکہ ایمان اسکے قلب میں ہوتا ہے وہاں سے زبان تک بات آنے میں بہت دیر لگتی ہے اسلئے کہ قلب اور زبان کے مابین کافی فاصلہ ہے اور دل میں جو بات ہوتی ہے وہ راز ہوتی ہے شاید ہی زبان پر آئے حدیث شریف میں ہے اَخْوَفُ مَا اَخَافُ عَلٰی اُمَّتِی کُلُّ مُنَافِقٍ عَلِیْمِ اللِّسَانِ یعنی سب سے زیادہ خوف اپنی امت میں مجھے علیم اللسان منافق کا ہے اور مراد اس سے وہ شخص ہے جو علوم ظاہری میں تو ماہر ہو اور اس میں اسکی زبان خوب چلتی ہو لیکن قلب اور عمل کے اعتبار سے وہ بالکل جاہل ہو اور عقیدہ بھی اسکا فاسد ہو۔

مکتوب نمبر ۱۷۸

حال: ضروری گذارش یہ ہے کہ میں حسب ہدایت حتی الوسع اپنے کام میں مشغول ہوں اور مزید توفیق کے لئے آپکی دعاؤں کا محتاج ہوں۔ حضرت ہمارے اندر ایک مرض ہے وہ یہ کہ جب آپ باطنی شفقت لئے ہوئے ظاہراً ناراضگی فرماتے ہیں تو میری طبیعت مکدر ہو جاتی ہے اور زیارت کا جو جوش ولولہ لیکر جاتا ہوں اس میں کمی ہو جاتی ہے اور بخلاف اسکے جب آپ کوئی گرفت نہیں کرتے ہیں اور نہ محاسبہ فرماتے ہیں تو طبیعت بہت خوش رہتی ہے اور نفس کے اندر عمل کرنے کا ایک جذبہ پیدا ہوتا ہے یہ کیسا ہے؟ جیسے اسی مرتبہ قدمبوسی کے لئے کئی سال کے بعد حاضر ہوا تھا، دل کے اندر دیدار کا عجیب ہیجان تھا اور بار بار آپ کے آستانے کی طرف دیکھتا تھا کہ ذرا سا چہرہ انور دیکھ لوں مگر جب ظہر کی مجلس میں شریک ہوا اور حضرت نے دو تین دفعہ مواخذہ کیا تو طبیعت مضمحل ہو گئی اگرچہ بعد میں نفس کو سمجھا کر ہموار کر لیا مگر پھر بھی وہ ولولہ ختم ہو گیا بس حضرت کے حکم کے بموجب اپنی پرانی جگہ پر موجود ہوں اگرچہ کبھی کبھی یہاں والوں سے بہت تکلیف ہو جاتی ہے۔

تحقیق: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، الحمد للہ بخیریت ہوں۔

میں عاجز ہوں اس سے کہ آپکے مذاق کی رعایت کر سکوں۔ میں نے اپنی زندگی اور دین کے کام کے لئے کچھ اصول تجربہ اور مشاہدے سے بنائے ہیں انھیں کو برتنا چاہتا ہوں آپ لوگ اسکے استعمال سے مانع ہیں اسلئے مجھکو اب آپکی خدمت کسی طرح ممکن نہیں لہذا جو جی چاہے کرو اور آئندہ خط بھی نہ لکھو۔

مکتوب نمبر ۸۶۲

سال : حضور والا میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور مرید ہو کر یہ ہوں کوئی وظیفہ پڑھنے کی تعلیم فرما دیں تحقیق : وظیفہ آپ کس کو سمجھتے ہیں ؟

سال : میں معمولی سی اردو پڑھا ہوں اور قرآن پاک پڑھا ہوا ہوں، انشاء اللہ اپنے معاملات، معاشرات اور اخلاق وغیرہ بھی سنوارنے کی کوشش کروں گا ۔ تحقیق : کرو بھائی ۔

سال : اہلیہ مدت سے مریض ہیں حضور علاج کر کے ہار گیا ہوں صحت کیلئے دعا کی درخواست ہے تحقیق : دعا کرتا ہوں ۔

سال : میری تقریباً چالیس برس کی عمر ہوئی ۱۵/۲۰ سال شادی کے ہوئے آج تک کوئی اولاد نہیں ہوئی ، ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ہے ۔ حضور والا اگر مناسب سمجھیں تو میری اہلیہ کیلئے کوئی تعویذ بھی عنایت فرما دیں ۔

تحقیق : دعا تعویذ سے کم ہے ؟

سال : اللہ پاک حضور والا کی ہمکو پوری معرفت ، محبت اور متابعت دائمی عطا فرما دیں ۔ تحقیق : معرفت کس کو کہتے ہیں ؟ متابعت کا کیا مطلب ہے ؟

سال : اور ہمارا خاتمہ بخیر ہو ۔ تحقیق : آمین ۔

مکتوب نمبر ۸۶۳

سال : حضرت مخدومی و محترمی بارک اللہ فی برکاتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

ہجرت کے بعد اخلاق کی پوری فتح کے ساتھ فتحپور میں داخلہ نے الحمد للہ سنت پوری کرا دی اور الہ آباد کے مستقل دار الہجرت

بن جانے کی بڑی مصلحت بھی سمجھ میں آرہی ہے کہ ماشاء اللہ افادات و برکات کا دائرہ ہی بہت وسیع فرما دیا گیا۔ بلکہ اس وقت شہر ہی جس طرح دینی فتنوں کا مرکز بہت زیادہ ہو رہے ہیں اصلاح کا مرکز بھی انھیں کو زیادہ ہونا چاہیئے۔

حق تعالیٰ امت کو بیش از بیش متمتع اور آں مخدوم کو زیادہ سے زیادہ ماجور فرمائیں۔

چلنے پھرنے سے اب بہت معذور ہو رہا ہوں تاہم زیارت کی تڑپ رہتے رہتے اٹھتی ہی رہتی ہے۔ شامت اعمال اور سیئۃ الاحوال کے تسلسل نے طبیعت بھی ایسی بجھا دی ہے کہ خط و کتابت بھی اب قریب قریب بند ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کفارۂ سیئات کی امید بہرحال ہے، مغفرت کی دعا رسے بھی ضرور کبھی کبھی یاد فرما لیا کریں۔

ہمارے ڈاکٹر صاحب کی بیماری کا سلسلہ چلا ہی جا رہا ہے علاج سے بھی مایوس ہو رہے ہیں انکے لئے بہت دعا فرمائیں۔ الہ آباد واپسی کی توقع کب تک ہے؟ انشاء اللہ وہیں حاضری ہوگی۔

تحقیق

مکرمی حضرت مولانا سلمہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

واقعی میں اس وقت فتحپور میں ہوں، بظاہر لوگ خوش معلوم ہو رہے ہیں ان لوگوں نے میرے سب شرائط منظور کر لئے اس لئے آگیا ہوں۔ آیا تو تھا چند روز کے لئے مگر آنے کے بعد زمین ہموار نظر آئی اور توقع ہوئی کہ شاید اب لوگ سنیں اور قبول کریں اسلئے قیام کچھ زیادہ ہو گیا۔

اور الہ آباد سے یہاں گرمی کم ہوتی ہے وہاں کی لو اور گرمی کی شدت

برداشت سے باہر ہو جاتی ہے اسلئے الہ آباد کے بعض حضرات نے یہ کہا کہ گرمی کا زمانہ یہیں گذارو، لہٰذا ٹھہر گیا۔ کام کر رہا ہوں دعا فرمایئے اور اصل ہجرت تو یہ ہے اَلْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ (مہاجر وہ ہے کہ اللہ نے جس چیز سے منع کیا ہے اسے چھوڑ دے) اللہ تعالیٰ اسکی توفیق عطا فرمائیں اور میرا منشا یہی ہجرت تھی جسکا ذکر حدیث شریف میں ہے يَفِرُّ بِدِيْنِهِ مِنَ الْفِتَنْ اپنے دین کو فتن سے محفوظ رکھنا یہ فرار اسی لئے تھا۔ اس فرار سے وہاں بھی کچھ صورت دین کی پیدا ہوگئی اور یہاں لوگوں کی سمجھ درست ہوگئی۔ اصل بانیٔ فساد مطیع ہو گئے۔ اور انھیں لوگوں نے الہ آباد جاکر خلوص سے مع یہاں کے اکابر ہنود اور دیگر اشخاص معززین سے درخواست کی کہ فتحپور چلئے چنانچہ بمقتضائے اخلاق الٰہی انکی درخواست منظور کی اور نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ جس طرح فتح مکہ میں حضورؐ کا داخلہ مکہ میں ہوا تھا فتحپور میں داخلہ ہوا۔

اس طرح کہ راستوں پر عورتیں اور مرد دو رویہ استقبال میں کھڑے نظر آتے تھے۔ غرض منظر عجیب دیکھنے کے قابل تھا۔ پہلے مسجد میں داخل ہو تحیۃ المسجد ادا کی اور سب ساتھیوں نے بھی ادا کی، اسکے بعد گھر میں داخل ہو کر دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ اور خوشی خوشی یہاں ہوں اور کام کر رہا ہوں۔

اہل الہ آباد بھی یہاں آتے ہیں تو یہاں کی فضا سے متاثر ہو کر جاتے ہیں اہل الہ آباد پر بھی یہاں کا اثر خاصا پڑ رہا ہے یہ وجہ ہے یہاں قیام طویل کی آگے اللہ کی مرضی۔

ڈاکٹر صاحب کا حال معلوم ہوا انکی صحت کے لئے دعا کرتا ہوں

والسلام۔

مکتوب نمبر ۸۷۴

سال : گذارش اینکہ امور ذیل معروض ہیں ہدایت فرمائی جائے۔ آجکل عموماً طلبہ بدشوق اور مدرسین تسامح پسند ہیں اس لئے مجبوراً ڈانٹ ڈپٹ کرنی پڑتی ہے۔ تحقیق : یہ تو ضروری ہے۔
سال : جس میں اندیشہ تعدی کے علاوہ مضرت صحت و اخلاق متوہم ہے
تحقیق : پھر حد پر رہے اور حد پر رہنا ضروری ہے۔ صحت و اخلاق کی حفاظت کی بھی یہی صورت ہے۔
حال : اور ترک میں اضاعت علم اور خود کو کوفت ہوتی ہے۔ تحقیق : یہ کوفت لازم ہے اور ہر معلم کو برداشت کرنا پڑتی ہے۔
حال : کیا طریق کار مناسب ہے۔ تحقیق : ڈانٹ ڈپٹ کرنا مگر حد پر رہنا کہ اپنا پیرا نہ کرے یہ از بس ضروری ہے۔
حال : بندہ کے لئے کوئی نظام الاوقات شبانہ روزی تجویز فرما دیں تاکہ پابندی آسان ہو۔ تحقیق : آپ اسباق وغیرہ سے جو وقت بچتا ہو لکھیے
حال : بندہ کا وطن میں آبائی دس بسوہ کھیت تھا جبکی آمدنی سے ابتک کوئی تعلق نہ تھا بھائی کے حوالہ تھا مگر اب بھائی نے ترک وطن کر دیا لہٰذا دونوں حصے تقریباً ایک بیگھہ یا کم میرے ذمہ آیا اور ہر حکومت نے چک بندی کی، بوجہ اشتراک کھاتہ خاندان والے کارپرداز تھے انھوں نے نہایت خراب چک مجھکو دلوائی سنکر سخت تکلیف ہوئی۔ تحقیق : پھر انتظام کیوں نہیں کیا اب سے کیجئے۔
حال : مگر حکومت کی بدنظمی دیکھکر نیز اپنی وضع کے خلاف سمجھکر صبر کو ترجیح دی مگر شیطان گاہ گاہ سخت وسوسہ میں ڈالتا ہے کہ یہ صبر نہیں حمق ہے فرمان رسول کے خلاف ہے وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ نہ ان پر میرا خرچ موقوف

والحمد للہ کوئی تنگی۔ آج وسوسہ کی پریشانی میں تھا کہ خیال ہوا کہ میاں
تمھارے اندر ونارت اور کم ہمتی ہے مخلوق پر نظر ہے یہ دوسری پریشانی
ہے۔ دعا فرمائی جائے کہ اللہ تعالیٰ ان وساوس سے نجات بخشیں
قوت یقین عطا فرمادیں کہ اسباب پرستی سے نجات ملے تحقیق: آمین
حال: آج خیال ہوا کہ تم اپنے آرام وتکلیف کے حالات جو اِن سے
اُن سے بیان کرتے ہو اسی کی سزا میں مبتلائے وساوس کیے جاتے ہو
۔ ۔ ۔ آئندہ سے سوا شیخ کے کسی سے اپنا حال بیان کرنا ہی
چھوڑ دو۔ یہ خیال کیسا ہے؟ تحقیق: ضروری ہے۔
حال: دعا فرمائی جائے کہ اللہ تعالیٰ اس بندۂ دنی کو اپنی محبت
ومعرفت وقوت یقین ایسی نصیب فرمائیں کہ ماسوا سے نجات ملے
تحقیق: آمین
حال: کیونکہ جب غیروں میں مشغول رہتا ہوں تو قلب پریشان رہتا ہے
اور جب تھوڑی ہی سہی انکی یاد نصیب ہو جاتی ہے سکون ہو جاتا ہے
تحقیق: الحمد للہ کہ سکون نصیب ہو جاتا ہے۔
حال: نیز ماسوا میں مشغول رہنا نعمت قلب کی ناقدری و ناشکری معلوم
ہوتی ہے۔ تحقیق: بیشک ناشکری ہے۔

مکتوب نمبر ۸۷۵

حال: حضور کی تشریف آوری معلوم کر کے مسرت ہوئی ارادہ تھا کہ اجازت
حاضر خدمت ہوں لیکن یکے بعد دیگرے بچے علیل ہوتے رہے اس وجہ
سے محط تک لکھنے کی نوبت نہ آسکی جسکی معافی کا خواستگار ہوں معمولاً
عرصہ سے جو چل رہے ہیں وہی ابتک ہیں جی چاہتا ہے کہ کچھ قدم اور
آگے بڑھے لیکن ضروریات کی زیادتی سے کام میں اس قدر انہماک

رہتا ہے کہ دن میں آرام کرنے کی نوبت بہت کم آتی ہے۔ تین چار روز ہوئے جب سے خواب میں حضور کا دیدار نصیب ہوا ہے طبیعت اور بھی قدمبوسی کے لئے بیچین ہے۔ اگر حضور والا اجازت عطا فرما دیں تو بقرعید بعد حاضر خدمت ہوں۔

تحقیق: السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ آپ نے لکھا ہے کہ خط لکھنے کی نوبت نہیں آئی پھر معافی کے خواستگار ہوئے ہیں یہ معافی کی کیا بات ہے یہ تو تعلق پر موقوف ہے جس کو تعلق ہے وہ آمد و رفت رکھتا ہے خط و کتابت کرتا ہے اور جس کو انہماک دنیا نے فرصت نہ دی وہ ہمارے تعلق کا حق کب ادا کر سکتا ہے۔ بچوں کی صحت کے لئے دعا کرتا ہوں۔ میں بھی بخیریت ہوں۔ بقرعید بعد آنے کو لکھا ہے کیوں تکلیف فرماتے ہیں۔

مکتوب نمبر ۸۷۶

حال: مدت سے تمنا تھی کہ تہجد نصیب ہو مگر محروم تھا چند روز سے اچانک توفیق ہوگئی خود نیند کھلتی ہے اٹھتا ہوں۔ تحقیق: الحمد للہ

حال: عموماً تین بجے اٹھتا ہوں، جنت کا شوق ظاہری بہانہ ہے حقیقۃً حضرت کی توجہ کی برکت ہے ورنہ میں وہی، اسباب وہی، حضرت کی نعلین پاک کا صدقہ اب امید بڑھ رہی ہے۔ تحقیق: اللہ تعالیٰ روز بروز امید میں اضافہ فرمائے۔

حال: حضرت جائداد وغیرہ سے چنداں دلبستگی نہیں۔ نہ ضرورت سے زیادہ مال کو جی چاہتا ہے۔ تحقیق: الحمد للہ۔

حال: ہاں قلت معرفت اور ضعف عقل کی وجہ سے ڈرتا ہوں کہ مبادا نہ موت کے وقت ڈگمگا جاؤں اسی واسطے کچھ رقم پس انداز رکھتا ہوں

تحقیق: ڈرنا تو چاہیئے ہم ضعیف ہیں، بہت ضروری ہے۔

حال : قرض سے بہت ڈرتا ہوں ۔ تحقیق : ڈرنے کی چیز ہے ۔

حال : گذشتہ عریضہ میں تحریر کا منشاء یہ تھا کہ حضرت کی توجہ کے صدقے اگر یقین کی دولت نصیب ہو جائے اور اسباب سے امید و خوف کا تعلق اٹھکر مسبب کے ساتھ قائم ہو جاتا تو بڑی مراد حاصل ہو جاتی ۔ تحقیق : بیشک ۔

حال : اور حضرت کی عنایت سے امیدوار ہوں ۔ تحقیق : امید تو رکھنا چاہئے امید ہی سے تو چیزیں ملتی ہیں ۔

حال : میرے نظام الاوقات کے سوال کے جواب میں حضرت نے میرے مشاغل شبانہ روزی دریافت فرمایا تھا سو عرض ہے بعد نماز فجر درس مشکوٰۃ شریف بعدہٗ ناشتہ ، بعدہٗ چار گھنٹہ وقت مدرسہ ۔ دوپہر کو آرام کرنا ، بعد ظہر تا عصر تعلیم ، بعد عصر تا مغرب کھانا پکانا تفریح ، بعد مغرب تا عشاء کھانا کھانا مطالعہ کتب ، بعد عشاء فوراً سوجانا ، آجکل اخیر شب میں تہجد ، تلاوت و مناجات کیلئے وقت معین نہیں ہے حسب توقع ایک پارہ تلاوت کرلیتا ہوں تمنا ہے کہ تہجد میں پڑھنا نصیب ہو جائے ۔ تحقیق : آمین ۔ بس اب کچھ نہیں ترمیم کروں گا ۔

حال : میرے اندر پندار خود بینی کا مرض ہے کسی کی تعلیم بہت کم پسند آتی ہے

تحقیق : اتنا کافی ہے کہ اپنی تعلیم کبھی پسند نہ ہونا چاہئے ، اب سنیئے :- اَحِبُّ الصَّالِحِیْنَ وَلَسْتُ مِنْهُمْ (میں نیک لوگوں سے محبت کرتا ہوں اور خود انمیں سے ہوں نہیں ۔ دوسری شق سنیئے اُبْغِضُ الطَّالِحِیْنَ وَاَنَا اَیْضًا مِنْهُمْ (بدکار لوگوں سے نفرت رکھتا ہوں حالانکہ میں خود انھیں لوگوں میں شامل ہوں) ۔

حال : ہر شخص پر اعتراض ہے ۔ ہمیشہ دعا کرتا ہوں کہ مجھ پر میرے عیوب منکشف ہو جاویں ۔ تحقیق : آمین ۔ حال : دوسروں کے عیوب سے نابینا رہوں تحقیق : اپنے عیوب سے کبھی بینا رہیئے حال : مگر ابتک فطرت اور عادت ہی غالب ہے

تحقیق : عادت پر جب اس سے بڑھکر کوئی چیز غالب ہوتی ہے جب جاتی ہے ۔

اسی طرح ایک صاحب کو میں نے جواب دیا تھا کہ خدا کے احکام میں تو کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوگی آپ یہ بتلا دیجئے کہ آپ کے سوال عن الحکمہ کرنے میں کیا حکمت ہے اسکو سنکر انکی آنکھیں کھل گئیں۔ لوگ ایسے جواب پر اعتراض کرتے ہیں کہ ڈھیلا سا مارتے ہیں حالانکہ ایسے ہی جواب سے انکی بدتمیزی بالکل ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ اپنے کو عقل کل سمجھتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ عقل کل نہیں عقل گل ہیں یعنی انکی عقل بالکل گل ہو گئی مگر یہ ضرور ہے کہ ان سے گفتگو میں مزہ آتا ہے کیونکہ یہ سمجھ میں آنے سے مان لیتے ہیں معقولیوں کی طرح نہیں کہ اپنی بات پر اڑے رہیں۔ مولوی عبدالحق صاحب نے ایک مولوی صاحب کا لقب اڑیل ٹٹو رکھا تھا۔ جمود و اصرار بھی بری چیز ہے۔ آجکل اسکو کمال سمجھا جاتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو ایمیں عزت نہیں بلکہ سب ذلیل سمجھتے ہیں کیونکہ غلطی سب کو معلوم ہو ہی جاتی ہے بلکہ غلطی کا اقرار کر لینے میں عزت ہے۔ ایسے شخص کی نسبت لوگ بطور مدح کہا کرتے ہیں کہ یہ غلطی کا اقرار کر لیتے ہیں بخلاف اڑنے والوں کے کہ لوگوں کی نظر میں ذلت ہوتی ہے اور وہ اس غرض سے اڑ کرتے ہیں کہ غلطی کا اقرار کر لینے پر لوگ ان کو حقیر سمجھیں گے۔

ف: اس ملفوظ سے حضرت والا کی جسطرح شان تربیت واضح ہے اسی طرح شان حکمت وظرافت بھی۔

(۹) فرمایا کہ عملیات سے جو مرجوعہ ہوتا ہے اس میں برکت نہیں ہوتی قلوب پر اثر نہیں پڑتا البتہ اثر صاحب حق کا ہوتا ہے اس کی صورت دیکھکر کشش ہوتی ہے جو بلا کرامت ہو تو اثر زیادہ ہوتا ہے کیونکہ کرامت میں تو سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ کچھ اور بات نہ ہو، یہ عجیب اثر ہے حق میں، اب کشش اتباع سنت میں ہے اور اتباع سنت پر

علوک نہیں ہوتا کیونکہ آدمی اپنے کو کہاں تک بنا وے گا راز ایک نہ ایک روز
کھل جاتا ہے۔
ت : اس سے حضرت والا کی فراست اور حقیقت شناسی ظاہر ہوتی ہے
(۱۰) فرمایا کہ بزرگوں کے سامنے جو کھانا اٹھا کر ان ہی کے سامنے کھاتے
ہیں، میں تو اس طریق متعارف کے خلاف ہوں کیونکہ جس کے سامنے سے تبرک
سمجھ کر کھانا لیا ہے اگر وہ متکبر ہے تو اسکا تکبر بڑھتا ہے اور اگر متواضع ہو تو
اسکو اذیت ہوتی ہے۔ بلکہ یوں کیا جائے کہ جب کھانا اٹھ جائے تو مالک
سے مانگ لے سامنے سے لیکر کھانا چاٹنا ٹھیک نہیں۔
ت : اس سے رسومات سے حذر، شان تربیت، حقیقت شناسی و
حکمت ظاہر ہے
(۱۱) فرمایا کہ مجھکو جب تک مسئلہ میں شرح صدر نہیں ہو جاتا جواب
نہیں دیتا، تردد کی صورت میں جواب دینا جائز نہیں اور اطمینان ہو جانے
پر مواخذہ نہیں اور یہ بھی ضرور نہیں کہ ہر مسئلہ کا جواب دیا جاوے خواہ
اس میں تردد ہی ہو بلکہ اگر خود اطمینان نہ ہو تو اوروں پر حوالہ کر دیا جاوے
سائل دوسری جگہ دریافت کرلے اور اس میں راحت کیسی ہے اور خواہ مخواہ
جواب دینے میں یہ ہے کہ روزانہ کتابیں دیکھو ٹکریں مارو، پھر اعتراض پڑے،
جواب دو، یہ ساری خرابیاں اپنے کو بڑا سمجھنے کی ہیں یوں خیال کرتے ہیں
کہ اگر ہم جواب نہ دیں گے تو لوگ کہیں گے کہ جواب بھی نہ دیا گیا۔
ت : اس سے حضرت والا کا تقویٰ و احتیاط۔ صفائی معاملہ۔ عبدیت تذلل
سہولت پسندی ظاہر ہے۔
(۱۲) فرمایا کہ میں تکلف کو پسند نہیں کرتا لوگ مجھکو حضرت حضرت کہا
کرتے تھے مجھکو ناگوار ہوتا تھا میں نے منع کر دیا مولوی صاحب کہدیں،
مولانا صاحب کہدیں، سیدی و مولائی وغیرہ الفاظ سے مجھکو تکلیف ہوتی

ہے۔ سید و مولا تو کہتے ہیں آقا کو مجھکو تو آقا بنا دیا اور اپنے کو غلام اور غلام کے معنی ہیں جو چاہو اسمیں تصرف کرو، حالانکہ مرید کہیں غلام تھوڑا ہی ہے یہ مبالغہ ہے تعظیم میں ۔ اسی طرح مجھکو ہاتھ چومنے سے بہت تکلیف ہوتی ہے ۔ اسی طرح مخدوم العالم کا لفظ بھی سخت ہے جھکنا وغیرہ سب تکلفات ہیں

ف : اس سے تکلف و تصنع سے حذر اور تواضع و عبدیت ظاہر ہے۔

(۱۳) فرمایا کہ جو لوگ مولویوں کو حقیر سمجھتے ہیں ان کے ساتھ جو مولوی نرمی برتتے ہیں مجھکو برا معلوم ہوتا ہے ان کے ساتھ تو معاملہ ہونا چاہیے اَلتَّکَبُّرُ مَعَ الْمُتَکَبِّرِیْنَ عِبَادَۃٌ (متکبرین کے ساتھ تکبر کرنا عبادت ہے) جیسے یہ لوگ علماء کو احمق سمجھتے ہیں انکو بھی دکھانا چاہیے کہ تمکو بھی کوئی احمق سمجھتا ہے ان سے تو یوں کہنا چاہیے کہ ہم سے تم میں سوائے تکلف کے کپڑوں کے اور کیا زیادہ ہے سو جن پر کپڑوں کا رعب ہوگا ان پر ہوگا گر ہم کپڑوں سے کیوں معزز سمجھیں۔

ف : اس سے حضرت والا کے استغناء کی شان ثابت ہوتی ہے۔

(۱۴) فرمایا کہ میانجی صاحبان کا دستور یہ ہے کہ لڑکوں سے دوسرے لڑکوں کے چپت لگواتے ہیں مگر میں اس سے منع کرتا ہوں اس سے آپسیں عداوت ہو جاتی ہے۔

ف : اس سے حضرت والا کی حقیقت شناسی ، انجام بینی ثابت ہوتی ہے

(۱۵) ایک شخص حضرت کے لئے آم اور گھی ہدیہ میں لائے چونکہ حضرت معاملہ میں زوجین کے درمیان پورا عدل فرماتے ہیں حضرت والا نے اپنے ملازم سے ترازو منگائی اور یہ فرمایا کہ جو صاحب لائے ہیں وہی نصفا نصف کر دیں تو مناسب ہے۔ پھر فرمایا کہ میں پسند نہیں کرتا کہ کوئی چیز میرے ایک مکان پر جائے اور وہاں سے تقسیم ہو کیونکہ میں ایک کو محتاج اور دوسرے کو محتاج الیہ بنانا نہیں چاہتا اور اگر یہ صورت کروں کہ دونوں میں سے کبھی کسی کوئی اور کبھی کوئی منہ دار تقسیم کیا کریں تو اسکا یاد رکھنا مشکل ہے اسلئے تقسیم

نے والے کے ذمہ۔ اور یہ عدل کے خلاف ہے کہ ایک کو محتاج اور دوسرے
محتاج الیہ بناؤں لوگوں نے نکاح ثانی آسان سمجھ لیا ہے۔ مناسب
ایک ہی ہے کیونکہ خدا تعالیٰ فرماتے ہیں ذَالِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا (اسمیں
زیادتی اور بے انصافی) نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے)۔ میں زیادہ پسندیدہ
مروج کرنا چاہتا ہوں اور کہتا ہوں کہ نکاح ثانی نہ کریں چنانچہ میں نے
اپنے رسالہ "الخطوب المذیبۃ" میں لکھوا دیا ہے ؎

من نہ کردم شما حذر بکنید (میں نے نہیں کیا لیکن تم لوگ اس سے پرہیز کرو)

ت: اس سے حضرت والا کا عدل بین الزوجین ۔ تقویٰ ۔ احتیاط ثابت ہوا

۱۶) کسی نے بذریعہ خط دریافت کیا تھا کہ جو لوگ حرام مال کھاتے ہیں
نکا کیا حشر ہوگا؟ فرمایا کہ مجھکو فضول سوال سے سخت گرانی ہوتی ہے۔
جو بات دوسروں کے متعلق دریافت کی ہے اسکا جواب یہ ہے ؎ تجھکو
پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو۔

ت: اس سے حضرت والا کا تنفر لایعنی باتوں سے ظاہر ہے

۱۷) کسی حکیم صاحب نے کہا کہ میں ایک درزی کا علاج کر رہا تھا اور
اس نے ایک چھتری دینے کا وعدہ کیا تھا وہ ایک عرصہ تک چھتری نہیں لایا
اس کے بعد وہ ایک خوبصورت چھتری لایا دیکھ کر بہت خوشی ہے تو یہ اشراف نفس
ہے یا نہیں ہے؟ فرمایا کہ اشراف وہ ہے کہ جس پر یہ آثار مرتب ہوں کہ
نہ دینے پر غصہ آوے اور ناگواری اور شکایت پیدا ہو، علاج کرنا چھوڑ دے
علیٰ ہٰذا القیاس۔ اور محض اس احتمال کو نہیں کہتے کہ شاید وہ لے آوے۔
اور یہ بھی اہل توکل کے لئے ہے اہل تاکّل کے لئے نہیں یعنی جو لوگ پیشہ
کرتے ہیں مثلاً طبابت انکے لئے اشراف کا بھی کوئی حرج نہیں اگرچہ
وعدہ پورا نہ کرنے پر غصہ آئے۔ (مجھکو بھی اشراف کی حقیقت معلوم نہ تھی
ایک بزرگ کے سوال کرنے سے معلوم ہوگئی۔ قصہ یہ ہوا کہ میں ایک جگہ

لیا ہوا تھا وہاں مجھ سے ایک عالم درویش نے دریافت کیا کہ ہم لوگوں کو کبھی بلانے پر رئیسوں کے یہاں جانے اتفاق ہوتا ہے اور وہاں سے کچھ ملنے کی کبھی امید ہوتی ہے تو یہ اشراف نفس ہے یا نہیں) پس محض احتمال کو اشراف نفس نہیں کہتے تاوقتیکہ اس پر اثرات مذکورہ بالا مرتب نہ ہوں یعنی اگر وہ ندیں تو ناگواری وشکایت پیدا ہو۔ انھوں نے اس جواب کو پسند کیا تو یہ کمال ان بزرگ کا ہے جنھوں نے پوچھا تھا کہ ان کے سوال کی برکت سے یہ جواب میرے ذہن میں آگیا اس میں میرا کوئی کمال نہیں۔

ف: اس سے حضرت والا کی دقت نظری، سلامت فہمی اور خمول پسندی، تواضع اور انکسار ثابت ہے۔

(۱۸) فرمایا کہ اہل باطل کے مذہب کو جو کچھ ترقی ہوتی ہے وہ سعی اور روپیہ کے زور سے ہوتی ہے اور حق کو خود بخود ترقی ہوتی ہے۔ چنانچہ مرزا قادیانی وغیرہ کے مذہب کو جو ترقی ہوئی اسکا باعث یہی تھا۔ مرزا نے کتنے دنوں سے دعویٰ کیا مگر قابل غور بات یہ ہے کہ مرزا نے کتنے مسائل دینیہ کی تحقیق کی بس یہی رہا کہ میں مسیح موعود ہوں، میں فلاں ہوں، میں کرشن ہوں۔ مسیح بننے سے عیسائیوں کو نفرت ہوئی، کرشن بننے سے ہندوؤں کو نفرت ہوئی دعوائے رسالت سے مسلمانوں کو نفرت ہوئی کسی کو کبھی ہدایت نہیں ہوئی۔ رہا کمال الدین کا لندن پہنچنا اور وہاں کسی انگریز کا مسلمان ہو جانا سو اسمیں کمال الدین کا کوئی کمال نہ تھا وہ انگریز خود پہلے سے مسلمان تھے۔ اس سے زیادہ تو حبیب احمد تھانوی نے کام کیا جو لندن میں تھے ان کے اثر سے کئی انگریز مسلمان ہوئے۔ ان کے خطوط یہاں آئے تھے ایک خط میرے بلانے کے لئے بھی آیا تھا میں اس شرط سے لندن جانے کو تیار تھا کہ سفر کا کوئی نفع مظنون ہو اور اسکا امتحان میں نے تجویز کیا تھا کہ وہ چند شبہات دہریوں کے اردو میں ترجمہ کرکے یہاں بھیجیں اور میں انکے جواب لکھوں پھر وہ ان جوابوں کا

انگریزی میں ترجمہ کر کے اہل شبہات کے سامنے پیش کریں اگر اس سے کچھ نفع کی امید ہو تو سفر کیا جاوے ورنہ کیا فائدہ مگر وہاں سے کوئی جواب نہیں آیا۔
ف : اس سے حضرت والا کی حقیقت شناسی ، اشاعت دین کی مستعدی بدرجۂ کمال ظاہر ہے۔
(۱۹) فرمایا کہ آجکل ادعا اور اظہار بہت ہے حالانکہ جو کام کرتے ہیں وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو اللہ کے لئے ہے یا نفس کے لئے، اگر اللہ کے لیے ہے تو اللہ میاں کا علم کافی ہے اور اظہار کی کیا حاجت اور اگر نفس کے لیے ہے تو کوئی نتیجہ نہیں پھر اظہار کس کا اسکا امتحان کہ یہ اللہ کے لئے یہ کام کر رہا ہے یا نفس کے لئے یہ ہے کہ اگر دوسرا شخص اسی کام کا آجاوے تو یہ خود چھوڑ کر بیٹھ جاوے اور غنیمت جانے کہ اس نے میرا کام ہلکا کر دیا آجکل تو یہ حالت ہے کہ اگر ایسا ہو تو ذبح ہو جاویں، نہ مولویوں میں اخلاص ہے نہ مشائخ میں الا ماشاء اللہ۔
ف : اس سے ادعا اور اظہار سے نفرت اور کمال عقل و حکمت ، کید نفس کی شناخت ظاہر ہے۔
(۲۰) فرمایا کہ ایک شخص میرے پاس آئے اور بیعت ہونا چاہا مگر اخیر میں انہوں نے دو عیب نکالے ایک یہ کہ اچھے کپڑے پہنتے ہیں دوسرے یہ کہ لطائف کی تعلیم نہیں کرتے۔ جو کپڑے کہ میں اسوقت پہن رہا ہوں انکو بڑھیا کپڑوں میں شمار کیا حالانکہ میرے پاس جو مکلف کپڑے آجاتے ہیں انکو پہنتا تک نہیں بدل لیے ان سے کہا کہ آپ تشریف لیجائیے جہاں لنگوٹے بند ہوں وہاں جائیے اور ایسے شخص کے کے پاس جائیے جہاں آپ سے پوچھکر تعلیم کیجاوے۔ اگر میں لیپ پوت کر اور مختلف تدابیر سے انکو اپنی طرف متوجہ کرتا مرید کرتا جیسا آجکل شائع ہے تو کیا نتیجہ ہوتا اسی لئے مصلحت یہ ہے کہ پیری مریدی چھوڑ دے ہاں تعلیم کر دے ہم خدمت کرنے کو تیار ہیں مگر کسی کو پیٹتے نہیں فہیم کا رہنا اچھا اور بدفہم کا نکل جانا ہی اچھا۔ اور فرمایا کہ حضرت آجکل پیری مریدی محض دوکانداری

اور رسم پرستی ہورہی ہے۔ روغن قاز مل کر کہیں طلب مال ہے اور کہیں طلب جاہ ہے اور کہیں اگر صدق بھی ہے تو تحقیق نہیں۔ بعض جگہ اسکی کوشش ہے کہ امراء کو کھینچا جاوے حالانکہ خاک نشینوں کا مرید ہونا علامت ہے شیخ کے کامل ہونے کی اور دنیا دار امراء کا متوجہ ہونا علامت ہے خود شیخ کے دنیادار ہونے کی کیونکہ اَلْجِنْسُ یَمِیْلُ اِلَی الْجِنْس یعنی جھکتا وہی ہے جس میں مناسبت ہے۔ کہیں قاز اور شور جارہے تھے لوگوں کو دیکھکر تعجب ہوا کہ دونوں غیر جنس پھر ساتھ کیسے کسی فہیم نے کہا کہ بدون اسکے ساتھ ہو نہیں سکتا کہ دونوں میں کوئی امر مشترک ضرور ہے غور کرکے دیکھا تو دونوں لنگڑے تھے۔ اور اگر اہل حق کے یہاں امراء بھی آتے ہیں تو مٹ کر آتے ہیں لہٰذا غرباء ہی رہے بڑا ہو کر چھوٹا ہو جاوے یہ ہے کمال۔ یہ باتیں ہیں سمجھنے کی۔

ف ۱۱ اس سے حضرت والا کی فراست، شان تربیت، استغناء، صاف ظاہر ہے اور رسم پرستی کی مخالفت بھی۔

(۲۱) ایک شخص نے دریافت کیا کہ یہاں مدرسہ میں روپیہ وغیرہ دینے سے رسید دی جاتی ہے۔ فرمایا یہاں کوئی رسید نہیں دی جاتی۔ یہاں تو یہ ہے کہ جس کا جی چاہے دو جس کا جی چاہے مت دو رسید کا اہتمام تو ہم جب کریں جب خود مانگتے ہوں ہم جب مانگتے نہیں تو کیوں جھگڑا کریں ہمیں تو برات عنداللہ چاہیئے تقلیل تعلقات میں بڑی راحت ہے ورنہ ایک تعلق سے دوسرا پیدا ہوتا ہے دوسرے سے تیسرا پھر سلسلہ ہی ختم نہیں ہوتا۔ دو بھائی تھے ایک بادشاہ دوسرا فقیر، فقیر لنگی باندھے پھرا کرتے ایک روز بادشاہ نے کہا بھائی مجھکو تمھارے اس حال سے لوگوں کے روبرو بڑی غیرت آتی ہے تم پاجامہ تو پہنو اچھی طرح رہو وہ بولے مجھکو انکار نہیں پاجامہ کے ساتھ ایک کرتہ بھی ہو، بادشاہ بولے کرتے بہت، وہ بولے پھر کرتے کے ساتھ ایک ٹوپی بھی ہونی چاہیئے، بادشاہ نے کہا ٹوپی بھی بہت وہ کہنے لگے پھر گھوڑا بھی

سواری کو ہونا چاہیئے ، اس نے کہا کہ گھوڑے بھی بہت فقیر نے اسی طرح سلسلہ وار بہت سی حوائج کی ضرورت بیان کی بادشاہ نے کہا سب چیزیں موجود ہیں آپ چلئے حتیٰ کہ تخت سلطنت بھی حاضر ہے ۔ شاہ صاحب کہنے لگے میں پاجامہ ہی کیوں پہنوں جس کے لئے اتنے جھگڑے کرنا پڑیں ۔ اسی طرح یہاں کا قصہ ہے کہ ہم مانگیں کیوں جس کے لئے رسید وغیرہ کے قصے کرنے پڑیں

ف : اس قصہ سے حضرت والا کا کثرت تعلقات سے تنفر ثابت ہے ۔

(۲۲) فرمایا کہ علی گڑھ کالج میں ایک فساد عقیدہ کا مرض ایسا مہلک ہے کہ دیگر امراض کا نہ ہونا کوئی تسلی کی بات نہیں وہاں وعظ بھی میرا ہوا تھا طلبا، وغیرہ سنکر بہت خوش ہوئے ۔ بات یہ ہے کہ اگر خیر خواہی مد نظر ہو اور تعصب نہ ہو تو اسکا اثر بھی ہوتا ہے بعض طلبا، کہتے تھے کہ ایسے واعظ نہیں ملے یا تو کافر بنانے والے ملے یا ہاں میں ہاں ملانے والے ۔ دونوں سے نفع نہیں ہوتا ۔ جب میرٹھ میں موتمر الانصار کا جلسہ تھا تو ایک مولوی صاحب نے وعظ میں یہ کہا کہ کالج علیگڑھ ملعونین پیدا کرتا ہے اور مدرسہ دیوبند مرحومین کو ۔ یہ الفاظ سنکر لوگ بہت بھڑکے ۔ اگلے روز میں کھڑا ہوا اور اس کے متعلق تقریر بیان کی ، میں نے کہا تعجب ہے کہ فلسفی ہو کر آپ حضرات برا مانتے ہیں ان مولوی صاحب نے گو لفظ سخت کہا مگر دیکھنا یہ ہے نیت انکی کیا تھی ان شکایت کرنے والوں میں حکام بھی ہیں اور حکام خوب سمجھتے ہیں کہ کوئی کتنا ہی بڑا مجرم ہو یہ دیکھتے ہیں کہ اسکی نیت کیا تھی اگر نیت اچھی تھی تو اسکو چھوڑ دیتے ہیں ۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپ صاحبوں کا مذہب فطرت پرستی ہے اور ظاہر ہے کہ خدا نے فطرۃً مختلف طبائع بنائے ہیں کوئی سخت ہے کوئی نرم ہے ۔ دیکھئے موسیٰ علیہ السلام کا مزاج کیسا تیز تھا اور عیسیٰ علیہ السلام کا کیسا نرم سو اگر ان مولوی صاحب کا مزاج موسیٰ علیہ السلام کا سا ہو تو اسمیں کیا قباحت ہے باقی ہمارا اصلی مذاق یہ ہے کہ ہم آپکی دلشکنی نہ کریں کیونکہ ہم آپ سے کام لینا ہے آپ کام کی چیز ہیں اسلئے ہم آپکے قلب کو شکستہ کرنا نہیں چاہتے ۔ سب شگفتہ ہو گئے ۔

اسی کو اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتے ہیں وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ٭ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا ٭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ٭ (ترجمہ) اورکسی بشرکی (بحالت موجودہ) یہ شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرماوے مگر (تین طریق سے) یا تو الہام سے یا حجاب کے باہر سے یا کسی فرشتہ کو بھیجدے کہ وہ خدا کے حکم سے جو خدا کو منظور ہوتا ہے پیغام پہنچا دیتا ہے بیشک وہ بڑا عالی شان، بڑی حکمت والا ہے (اسی طرح یعنی اسی قاعدہ کے موافق) ہم نے آپ کے پاس (بھی) وحی یعنی اپنا حکم بھیجا ہے اور اس کے قبل آپ کو نہ یہ خبر تھی کہ کتاب (اللہ) کیا چیز ہے اور نہ یہ خبر تھی کہ ایمان (و معرفت کا اعلیٰ درجہ جو کہ اب آپکو حاصل ہے وہ) کیا چیز ہے (گو نفس ایمان ہر نبی کو ہر وقت نبوت سے پہلے بھی حاصل ہوتا ہے) لیکن ہم نے اس قرآن کو ایک نور بنایا جس کے ذریعہ سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اس میں شک نہیں کہ آپ (اس قرآن اور وحی کے ذریعہ سے عام لوگوں کو) ایک سیدھے راستہ کی ہدایت کرتے ہیں)۔ (سورۃ الشوریٰ پارہ ۲۵) پس وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى میں ضال کے معنی وہی ہیں جو اس آیت مَا كُنْتَ تَدْرِيْ الخ سے معلوم ہوتا ہے یعنی خدا کی تعلیم و ہدایت سے پہلے آپ ان علوم سے بے خبر تھے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی نقص نہیں بلکہ عین کمال ہے کیونکہ ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کے بتلانے سے پہلے انبیاء کو کچھ معلوم نہیں ہو سکتا نہ انکے پاس کمالات بدوں اعطاء الٰہی کے ہوتے ہیں گو ہم کو ایسا کہنا زیب نہیں دیتا کہ انبیاء کے پاس کچھ کمالات نہ تھے کیونکہ اس سے ایہام بے ادبی کا ہوتا ہے مگر حق تعا

کے ذمہ تو حضورؐ کا ادب لازم نہیں ۔آپ تمام عالم کے سردار اور سب
سے افضل ہیں مگر حق تعالیٰ کے تو بندے ہی ہیں اسلئے حق تعالیٰ آپ کو
ناواقف اور بے خبر جو چاہیں کہہ سکتے ہیں تو دیکھئے اس سائل کو حقیقت
نہ معلوم ہونے کی وجہ سے وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ میں اشکال ہو اکیونکہ
اس نے ترجمہ میں گمراہ کا لفظ دیکھا اور اس سے وہ معنی سمجھا جو آجکل
کے محاورہ میں گمراہ کے معنی ہیں ۔ اسی لئے میں کہا کرتا ہوں کہ ترجمہ عوام
کو خود نہ دیکھنا چاہئے بلکہ علماء سے پڑھنا چاہئے ورنہ ایسے ایسے اشکالات
ترجمہ دیکھنے سے پیدا ہوں گے جن کا جواب عوام کے ذہن میں نہ آئے گا
چنانچہ قرآن میں حق تعالےٰ کی صفت استغناء کو دیکھکر بعض لوگ یہی سمجھے
کہ حق تعالیٰ ایسے مستغنی ہیں جیسے ہمارے محاورہ میں کسی کو مستغنی کہا
کرتے ہیں، حالانکہ استغناء کے معنی عربی میں یہ ہیں کہ اسکو کسی کی حاجت
نہیں وہ کسی کا محتاج نہیں اور ہمارے محاورہ میں مستغنی اسے بھی کہتے
جسے کسی کے نفع وضرر کی پرواہ نہ ہو ۔ اب لوگ غضب کرتے ہیں کہ حق تعالےٰ
کو بایں معنی بھی غنی سمجھتے ہیں چنانچہ ایسے مقام پر اس صفت کو استعمال
کرتے ہیں جہاں سوا اسکے اور کچھ معنی ہو ہی نہیں سکتے ۔

خدا کی مصلحت وحکمت

مثلاً کوئی ایک شخص جوانی کی حالت میں مرجاتا ہے اور چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ جاتا ہے اب
لوگ اسکی تعزیت میں جاتے ہیں ایک کہتا ہے کہ ہائے جوان موت مرگیا ابھی
اس نے دنیا میں دیکھا ہی کیا تھا، دوسرے صاحب بولے کہ واقعی بہت
ہی بے وقت موت آئی چھوٹے چھوٹے بچے ہیں انکی تعلیم وتربیت کا کون انتظام
کرے گا؟ زمینداری یا ریاست کو کون دیکھے بھالے گا؟ اسکے بعد تیسرا
کہتا ہے کہ ارے بھائی! خدا کی ذات بڑی بے پرواہ ہے وہ بڑا مستغنی
ہے اب ایسے موقع پر اس کلام کے معنی سوا اسکے اور کیا ہیں کہ نعوذ باللہ

خدا کو کسی کے نفع و ضرر کی پرواہ نہیں کسی کی مصلحت و حکمت پر نظر نہیں بس
شاہ اودھ کی طرح بے وجہ حکم دیدیا کہ فلاں شخص کو مار ڈالو ، توپ دم کرادو ،
مارشل لا جاری کردو نہ اسکی بیوی کا خیال ہے نہ بچوں پر رحم ہے ۔ نعوذ باللہ
اللہ میاں تو اس سے رونگٹا کھڑا ہوتا ہے یہ سخت بے ادبی کا کلمہ ہے ، مگر
لوگوں کو ذرا اس پر توجہ نہیں کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں ۔ صاحبو! خوب سمجھ لو
کہ حق تعالیٰ سے زیادہ کوئی رحیم و کریم نہیں انکے برابر کسی کو شفقت نہیں
ہوسکتی ۔ حدیث میں ہے کہ حق تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے کئے ایک حصہ تو
اس نے دنیا میں ظاہر کیا جس کا یہ اثر ہے کہ باپ ماں کو اولاد سے ، دوست کو
دوست سے جانوروں کو اپنے بچوں سے محبت و شفقت ہوتی ہے اور
ننانوے حصے خدا تعالیٰ کے پاس ہیں کہ ان میں مخلوق کو حصہ نہیں دیا گیا۔
اب آپ غور کریں کہ جس رحمت کے ایک حصہ کا یہ اثر ہے جو دنیا میں ہم
سب کو نظر آرہا ہے کہ باپ ماں اسکی وجہ سے بچے کی تکلیف کو نہیں
دیکھ سکتے تو خدا تعالیٰ کی رحمت و شفقت کا کیا ٹھکانا ہے جنکی رحمت سے
اسکو وہ نسبت ہے جو سو سے ایک کو ۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت
کے دن حق تعالیٰ ننانوے حصوں کے ساتھ اس ایک حصہ کو شامل کرکے
سو حصہ میں رحمت سے مسلمانوں کے ساتھ پیش آئیں گے ۔ بجز اس وقت
ہم اس رحمت کا اندازہ بالکل نہیں کرسکتے ، یہ تو آخرت کی رحمت کا حال ہے
رہی دنیا میں حق تعالیٰ کی رحمت سو اسکا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ دنیا
میں جس کسی کے اندر رحمت کا کچھ اثر ہے یہ خدا کی رحمت کے اس ایک حصہ کا
ظل (وعکس) ہے جو اس نے دنیا میں ظاہر کی ہے تو خود اصل کی کیا حالت
ہوگی پس دنیا میں بھی حق تعالیٰ کی رحمت اس درجہ بڑی ہے کہ مخلوق کی رحمت
کو اس سے کچھ نسبت بھی نہیں۔ کیا یہ رحمت ہی نہیں ہے کہ ہم لوگ دن رات
گناہ اور نافرمانی میں مبتلا ہیں اور حق تعالیٰ ہم کو عذاب سے ہلاک نہیں فرماتے

۔ برابر اسباب حیات اور سامان راحت عطا فرماتے رہتے ہیں چنانچہ خود
شاد فرماتے ہیں وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا
نْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ط اور اگر حق تعالیٰ لوگوں
سے اسکے افعال پر مواخذہ کرنے لگے تو روئے زمین پر کسی چلنے والے کو نہ چھوڑے
لمن وہ انکو ایک میعاد معین تک ڈھیل دے رہا ہے۔ اس پر یہ اشکال
کیا جائے کہ گناہ تو انسان وجن کرتے ہیں پھر اسکی کیا وجہ کہ مواخذہ کے وقت
ن پر کوئی چلنے والا نہ چھوڑا جاتا؟ آخر حیوانات کی کیا خطا ہوئی وہ تو مکلف
ں ہیں سو بات یہ ہے کہ مواخذہ کے وقت انسان وجن تو گناہوں کی وجہ
سے ہلاک کئے جاتے ہیں اور حیوانات اس لئے ہلاک کئے جاتے ہیں کہ محض
کلفین کی خدمت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں جب مکلفین باقی نہ رہتے تو حیوانات
بقا کی ضرورت نہ رہتی اسلئے سب ہی ہلاک کر دیئے جاتے رہا یہ کہ بعض
ب تو نیک کام کرتے ہیں وہ کیوں ہلاک ہوتے؟ سو اسکی وجہ یہ ہے کہ جو لوگ
ب کام کرتے ہیں وہ بھی گناہوں سے بچے ہوئے نہیں سوائے انبیاء علیہم الصلوٰت
سلام، پس یا تو وہ اس سے مخصوص ہیں یا یہ کہا جائے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام
نیا میں تشریف رکھنا صرف ہدایت مکلفین کے لئے ہے جب یہ نہ رہتے تو
حضرات آخرت میں رہتے۔ مگر حق تعالیٰ کی رحمت ہے کہ ان گناہوں پر مواخذہ
ں فرماتے۔ تنبیہ کا مضمون ختم ہوا۔

سہل تعلیم اور احکام

اصل مضمون یہ تھا کہ حق تعالیٰ تعلیم میں بندوں
پر نہایت شفقت کی رعایت فرماتے ہیں چنانچہ
ی فرع یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے مخلوق کو ایسے کاموں کا مکلف نہیں بنایا
ن پر دشوار ہوں بلکہ بہت سہل سہل احکام مقرر فرمائے ہیں۔ صاحبو!
چار روپئے کے نوکر سے وہ کام لیتے ہیں جو حق تعالیٰ نے باوجود اس تاتر
کے ہم سے نہیں لئے، چار پانچ روپئے پر آپ کسی کو نوکر رکھیں تو وہ تمام دن

کے لئے آپ کا پابند ہوجاتا ہے اور دن بھر جو چاہیں آپ اس سے کام لیتے ہیں کسی کام سے انکار کا اسکو حق نہیں ہوتا اور حق تعالیٰ نے دن رات میں پانچ نمازوں کا آپ کو مکلف کیا ہے جن میں مجموعی طور پر ایک گھنٹہ سے زیادہ صرف نہیں ہوتا پھر یہ بھی حقیقت میں تمھارا ہی کام ہے خدا کا کام نہیں وہ ہماری نمازوں سے مستغنی ہے، مولانا فرماتے ہیں ؎

ما بری از پاک و ناپاکی ہمہ وزگراں جانی و چالاکی ہمہ

(ہماری ذات پاک و بے نیاز ہے تمھاری تسبیح اور تمھاری تنزیہہ سے اور تمھاری کاہلی اور تمھاری مستعدی سے)

یعنی حق تعالیٰ ناپاکی سے تو پاک ہیں ہی وہ ہماری بیان کی ہوئی پاکی سے بھی پاک ہیں یعنی سبحان اللہ والحمد للہ میں جو تم کہتے ہو کہ خدا تعالیٰ پاک ہیں وہ تمھاری اس پاکی بیان کرنے سے بھی پاک ہیں کیونکہ خدا تعالیٰ کی پاکی ہمارے ذہن میں بھی نہیں آسکتی بس اس صورت میں ہماری تنزیہہ کی یہ کیفیت ہوگی کہ ؎

شاہ را گوید کسے ، جولاہ نیست ایں نہ مدح است او مگر آگاہ نیست

(بادشاہ کو اگر کوئی کہے کہ وہ جولاہہ نہیں ہے تو یہ کوئی تعریف نہوگی مگر وہ نادان اس سے واقف نہیں ہے)

یعنی ہم جو خدا کی پاکی بیان کرتے ہیں اسکی ایسی مثال ہے جیسے کوئی بادشاہ کی تعریف میں یہ کہے کہ وہ جولاہہ نہیں ہے کہ اس تعریف کو بادشاہ کی تعظیم سے کچھ بھی نسبت نہیں بعینہ یہی مثال ہماری تسبیح و تحمید کی ہے ۔ حق تعالیٰ کی حقیقی پاکی ہماری سمجھ میں نہیں آسکتی مگر بایں ہمہ حق تعالیٰ کی رحمت و شفقت ہے کہ ہماری طاعت و ذکر کو قبول فرمالیتے ہیں ۔ اگر کوئی شخص کسی بادشاہ کی تعریف اس طرح کرنے لگے کہ حضور کی بہت بڑی شان ہے آپ نہ جلاہے ہیں نہ دھنیئے ہیں تو پھر دیکھو اسکی کیا گت بنتی ہے مگر حق تعالیٰ ہماری تسبیح و تحمید کو قبول فرمالیتے ہیں حالانکہ وہ بھی ایسی ہی تعریف ہے ۔ بس ہمارے ذکر و طاعت

ئی قبولیت کی یہ مثال ہے جسکو مولانا فرماتے

این قبول ذکر تو از رحمت است چوں نماز مستحاضہ رخصت است

(ستحاضہ سے ذکر کا قبول کرلینا انکی رحمت محض ہے جیسے مستحاضہ عورت کی نماز باوجود آلودگی نجاست جائز ہو جاتی ہے)

یعنی مستحاضہ عورت جس کو ہر وقت خون آتا رہتا ہے شریعت نے اسکو معذور سمجھکر حکم دیا ہے کہ اسی حالت میں نماز پڑھتی رہے خون ٹپک ۔ اکپڑے اور اور بدن ناپاک ہیں مگر اس حالت میں بھی اسکو دربار میں آنے کی اجازت ہے۔ کچھ ٹھکانا ہے اس شفقت کا بس یہی مثال ہمارے ذکر و طاعت کی ہے کہ ہم باطنی ناپاکیوں میں ملوث ہیں مگر اللہ تعالیٰ رحمت کی وجہ سے قبول فرمالیتے ہیں خدا کی رحمت شفقت ایسی ہے کہ کوئی کیسا ہی گناہ گار ہو مگر ہر وقت اسکو دربار میں آنے کی اجازت ہے ؎

بازآ بازآ ہرآنچہ ہستی بازآ گر کافر و گبر و بت پرستی بازآ

ایں درگاہ ما درگہ نومیدی نیست صد بار اگر توبہ شکستی بازآ

بازآجاؤ اب بھی بازآجاؤ جیسے بھی میری طرف لوٹ آؤ کافر ہو، آتش پرست ہو بت پرست ہو واپس آجاؤ ۔ ہمارا یہ دربار ناامیدی کا دربار نہیں ہے سو مرتبہ بھی اگر تم نے توبہ توڑ دی ہے تب بھی واپس آجاؤ ۔

بے مثالی شفقت اگر دن میں سو مرتبہ گناہ کرے اور پھر توبہ کرنا چاہے تب بھی اسکو اجازت ہے کہ دربار میں آجائے اور توبہ کرکے پاک و صاف ہو جائے ۔ دنیا میں انسان کسی حاکم کو بلکہ اپنے باپ کو بھی ایک بار سرکشی کرنے کے بعد پھر منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا مگر وہاں سو بار ہزار بار سرکشی کرنے کے بعد بھی فرماتے ہیں کہ آجاؤ ہم سب معاف کردیں گے اسقدر استغناء کے بعد یہ شفقت عجیب ہے ۔ چنانچہ آیت بالا میں وَاشْكُرُوا لِلّٰهِ (اللہ کا شکر ادا کرو) سے پہلے كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ (کھاؤ وہ

پاکیزہ چیزیں جو ہم نے تم کو دی ہیں ، شفقت سے ناشی ہے ۔ پھر اس میں دوسری شفقت یہ ہے کہ عبادت کو شکر ۔ ے تعبیر کیا اُعْبُدُوْا لِلّٰہِ ۔ یعنی اللہ کی عبادت کرو ، نہیں فرمایا بلکہ یہ فرماتے ہیں کہ ہم نے آخر تم پر بہت انعامات کئے ہیں تمہارے لئے پاکیزہ نعمتیں کھانے پینے کی پیدا کی ہیں ، تم ہماری نعمتوں میں سرتا پا غرق ہو کیا اسکی قدر ضروری نہیں ، کیا نعمت کا شکر لازمی نہیں ؟ یہ ایسا عنوان ہے جسکو ہر شخص فوراً تسلیم کرلیتا ہے کیونکہ نعمت کا شکر ادا کرنا عقلاً ہر شخص کے نزدیک ضروری ہے ۔ حق تعالیٰ کو یہ بھی حق تھا کہ ہم کو صاف صاف فرمادیتے کہ تم کو ہماری عبادت کرنا چاہیئے مگر غایت شفقت کی وجہ سے یہ عنوان اختیار فرمایا کہ تمھارے اوپر ہمارے بہت سے انعامات ہیں ان کے شکریہ میں کچھ ہمارا بھی کام کرلو ۔ پھر تیسری شفقت یہ ہے کہ حقیقت میں عبادت کرنا ہمارے واسطے نافع ہے خدا کو اسکی کچھ ضرورت نہیں ، پس واقع میں وہ ہمارا ہی کام ہے مگر شفقت کی وجہ سے اسکو اپنا کام کہہ دیا جیسے باپ بیٹے سے کہا کرتا ہے کہ ہم تم کو مٹھائی دیں گے تم ہمارا ایک کام کردو وہ یہ کہ سبق سنادو حالانکہ سبق سنانا اسی کا کام ہے ، اسی کے نفع کی چیز ہے ۔ غرض حق تعالیٰ کی تعلیم کے سہل ہونے کی لِم (اور علت) یہ ہے کہ انکو اپنے بندوں کے حال پر شفقت بہت زیادہ ہے اور حضرات انبیاء علیہم السلام میں یہی شفقت اس طرح جھلک رہی ہے جیسے آئینہ میں نور آفتاب جھلکتا ہے اس لئے حضرات انبیاء علیہم السلام کی تعلیم بھی بہت سہل ہوتی ہے ۔ انبیاء کی بالکل ایسی مثال ہے ؎

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استاذ ازل گفت ہماں می گویم

(طوطی کی طرح آئینہ کے پیچھے مجھے چھوڑ رکھا ہے جو کچھ استاذ ازل نے بتایا ہے وہی کہتا ہوں)

ظاہری و باطنی اصلاح

انبیاء میں جو سب سے اکمل ہیں ان میں ظہور صفات بھی اکمل ہوتا ہے اسی لئے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں شفقت و سہولت سب سے کامل ہیں اور منافع بھی آپکی تعلیم میں بہ نسبت دوسروں کی تعلیم کے زیادہ ہیں، چنانچہ اسوقت جو ارشاد حضورؐ کا میں نے بیان کے لئے اختیار کیا ہے وہ بظاہر ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے لیکن اسکے بجالانے میں جو منافع ہیں اور ترک میں جو مضار ہیں انکو معلوم کرکے اسکی ضرورت اور اہمیت ظاہر ہوگی پھر جب اس پر نظر کیجائیگی کہ ہم لوگ اسکی طرف سے کسقدر بے التفاتی برت رہے ہیں تو اس سے اس کی ضرورت اور زیادہ موکد ہو جائے گی۔ اب سمجھنا چاہئے کہ ہم لوگ جن گناہوں کو چھوڑے ہوئے ہیں ان میں بعض تو اسلئے متروک ہیں کہ وہ وضع کے خلاف ہیں مثلاً چوری کرنا، زناکاری، غصب کرنا یہ ایسے کام ہیں جو شخص اپنی شریفانہ وضع کی رعایت سے اکثر لوگ نہیں کرتے اور جو کام ہماری وضع کے خلاف نہیں گو شرعاً انکا ارتکاب کتنا ہی گناہ عظیم ہو ان میں اکثر لوگ مبتلا ہیں اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے اندر بعض گناہوں کے نہ ہونے کا سبب خوف خدا نہیں ہے اور جو لوگ خوف خدا کی وجہ سے بھی گناہ چھوڑتے ہیں وہ بھی اکثر سب گناہوں کو نہیں چھوڑتے بس وہ نماز پڑھ لیں گے زکوٰۃ دے دیں گے تو اپنے نزدیک جنید ہو گئے اور حج کر لیا تو جنید کے بھی پیر ہو گئے۔ بس انھوں نے انہی اعمال کو ضروری سمجھ لیا باقی اعمال کی انکو پرواہ نہیں دل میں کبر وریا بھری ہوئی ہے، رضا بالقضا نہیں ہے خدا کے ساتھ محبت نہیں، معرفت نہیں، جاہ طلبی اور حسد دل میں موجود ہے مگر وہ بے فکر ہیں۔ حالانکہ حکم یہ ہے وَ ذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ کہ ظاہری و باطنی سب گناہوں کو چھوڑ دو۔

(جاری)

ایک مثالی معاملہ

ایک مرتبہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے فرمایا آپ میرے ساتھ ایک معاملہ کریں تو میں بڑا احسان مند ہوں گا۔ انھوں نے پوچھا کہ کیا معاملہ؟ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میری ساری عمر کی جتنی نیکیاں ہیں جتنے اعمال صالحہ ہیں وہ سب مجھ سے لے لیں اور وہ ایک رات جو آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار ثور میں گزاری وہ مجھے دے دیں (یعنی وہ ایک رات جو آپ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غار ثور میں گزاری وہ میرے سارے اعمال پر بھاری ہے) غرض یہ کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی زندگی کو دیکھیں تو کہیں یہ بات نظر نہیں آتی کہ یہ سوچیں کہ فلاں نے اتنے پیسے جمع کر لئے میں بھی جمع کر لوں، فلاں کا مکان بڑا شاندار ہے میرا بھی ویسا ہی ہو جاتا، فلاں کی سواری بہت اچھی ہے ویسی مجھے بھی مل جاتی لیکن اعمال صالحہ میں مسابقت نظر آتی ہے اور آج ہمارا معاملہ بالکل الٹا چل رہا ہے اعمال صالحہ میں آگے بڑھنے کی کوئی فکر نہیں اور مال کے اندر صبح سے لیکر شام تک دوڑ ہو رہی ہے اور ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں میں ہیں۔

ہمارے لئے نسخۂ اکسیر

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عجیب ارشاد فرمایا جو ہمارے لئے نسخۂ اکسیر ہے فرمایا کہ دنیا کے معاملے میں ہمیشہ اپنے سے نیچے والے کو دیکھو اور اپنے سے کمتر حیثیت والوں کے ساتھ رہو، انکی صحبت اختیار کرو اور ان کے حالات کو دیکھو۔ اور دین کے معاملہ میں ہمیشہ اپنے سے اونچے آدمی کو دیکھو اور انکی صحبت اختیار کرو۔ کیوں؟ اس لئے کہ جب دنیا کے معاملہ میں اپنے سے کمتر لوگوں کو دیکھو گے تو جو نعمتیں اللہ تعالیٰ نے تمھیں دی ہیں ان نعمتوں کی قدر ہوگی کہ یہ نعمت اس کے پاس نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے

دے رکھی ہے اور اس سے قناعت پیدا ہوگی، شکر پیدا ہوگا اور دنیا طلبی کی دوڑ کا جذبہ ختم ہوگا اور دین کے معاملے میں جب اوپر والوں کو دیکھو گے کہ یہ شخص تو دین کے معاملے میں مجھ سے آگے بڑھ گیا تو اس وقت اپنی کمی کا احساس پیدا ہوگا اور آگے بڑھنے کی فکر پیدا ہوگی۔

(ترمذی شریف، کتاب صفۃ القیامۃ، باب نمبر ۵۸ حدیث نمبر ۲۵۱۲)

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ نے کیسے راحت حاصل کی

حضرت عبداللہ ابن مبارک

رحمۃ اللہ علیہ جو محدث بھی ہیں، فقیہ بھی ہیں، صوفی بھی ہیں وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی زندگی کا ابتدائی حصہ مالداروں کے ساتھ گزارا (خود بھی مالدار تھے) صبح سے شام تک مالداروں کے ساتھ رہتا تھا لیکن جب تک مالداروں کی صحبت میں رہا مجھ سے زیادہ غمگین انسان کوئی نہیں تھا کیونکہ جہاں جاتا ہوں یہ دیکھتا ہوں کہ اسکا گھر میرے گھر سے اچھا ہے اسکی سواری میری سواری سے اچھی ہے، اسکا کپڑا میرے کپڑے سے اچھا ہے ان چیزوں کو دیکھ دیکھ کر میرے دل میں کڑھن پیدا ہوتی تھی کہ مجھے تو نہیں اور اسکو مل گیا لیکن بعد میں دنیاوی حیثیت سے جو کم مال والے تھے انکی صحبت اختیار کی اور ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے لگا تو فرماتے ہیں فَاسْتَرَحْتُ یعنی میں راحت میں آگیا اس واسطے کہ جس کو بھی دیکھتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ میں تو بہت خوش حال ہوں میرا کھانا بھی اس کے کھانے سے اچھا ہے، میرا کپڑا بھی اسکے کپڑے سے اچھا ہے، میرا گھر بھی اسکے گھر سے اچھا ہے میری سواری بھی اسکی سواری سے اچھی ہے اسلئے الحمدللہ اب میں راحت میں آگیا ہوں۔

ورنہ کبھی قناعت حاصل نہیں ہوگی

یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر عمل کرنے کی

برکت ہے، کوئی شخص تجربہ کرکے دیکھ لے۔ دنیا کے اندر اپنے سے اونچے کو دیکھتے رہو گے تو کبھی پیٹ نہیں بھرے گا، کبھی قناعت حاصل نہیں ہوگی کبھی آنکھوں کو سیری نصیب نہیں ہوگی، ہر وقت یہی فکر ذہن پر سوار رہیگی جس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

لَوْ كَانَ لِابْنِ آدَمَ وَادِيًا مِنْ ذَهَبٍ أَحَبَّ أَنْ يَكُونَ لَهُ وَادِيَانِ

(صحیح بخاری، کتاب الرقاق باب ما یتقی من فتنۃ المال، حدیث نمبر ۶۴۳۹)

اگر ابن آدم کو ایک وادی سونے کی بھر کر مل جائے تو وہ یہ کہے گا کہ دو وادیاں مل جائیں، اور جب دو مل جائینگی تو کہے گا کہ تین مل جائیں اور اسی طرح پوری زندگی اسی دوڑ میں صرف ہو جائے گی اور کبھی راحت کی منزل پر قناعت اور سکون کی منزل پر پہونچ نہیں پائے گا۔

مال و دولت کے ذریعہ راحت نہیں خریدی جاسکتی

میرے والد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ کیا اچھی بات فرمایا کرتے تھے لوح دل پر نقش کرنے کے قابل ہے، فرمایا کرتے تھے کہ راحت اور آرام اور چیز ہے اور اسبابِ راحت اور چیز ہیں۔ اسباب راحت سے راحت حاصل ہونا ضروری نہیں۔ راحت اللہ جل جلالہٗ کا عطیہ ہے اور ہم نے آج اسبابِ راحت کا نام راحت رکھدیا ہے۔ بہت سا روپیہ رکھا ہو تو کیا بھوک کے وقت وہ اسکو کھالے گا، کیا اگر کپڑے کی ضرورت ہوگی تو اسی کو پہن لیگا کیا گرمی لگنے کے وقت وہ پیسہ اسکو ٹھنڈ پہنچائے گا؟ بذات خود نہ تو یہ پیسہ راحت ہے اور نہ ہی اسکے ذریعہ تم راحت خرید سکتے ہو اور اگر اس کے ذریعہ تم نے اسباب راحت خرید بھی لئے مثلاً آرام کی خاطر تم نے اس کے ذریعہ کھانے پینے کی چیزیں خریدلیں، اچھے کپڑے خریدلئے، گھر کی سجاوٹ کا سامان خرید لیا لیکن کیا راحت حاصل ہوگئی؟ یاد رکھو محض ان اسباب کو جمع کر لینے سے

راحت کا مل جانا کوئی ضروری نہیں۔ مثلاً کہ ایک شخص کے پاس راحت کے تمام اسباب موجود ہیں لیکن صاحب بہادر کو گولی کھائے بغیر نیند نہیں آتی۔ آرام دہ ایرکنڈیشنڈ کمرہ اور نوکر چاکر سبھی موجود ہیں لیکن نیند نہیں آرہی۔ اب بتاؤ اسباب راحت سارے موجود لیکن نیند ملی یا راحت ملی؟ اور ایک وہ شخص ہے جس کے گھر پر نہ تو پکی چھت ہے بلکہ ٹین کی چادر ہے، نہ چارپائی ہے بلکہ فرش پر سو رہا ہے لیکن بس ایک ہاتھ اپنے سر کے نیچے رکھا اور سیدھا نیند کے اندر گیا اور آٹھ گھنٹے کی بھرپور نیند لیکر صبح کو بیدار ہوا۔ بتاؤ راحت اسکو ملی یا اُسکو ملی؟ اُس کے پاس اسباب راحت موجود تھے لیکن راحت نہیں ملی اور اس مزدور کے پاس اسباب راحت موجود نہیں تھے لیکن راحت مل گئی۔ یاد رکھو اگر دنیا کے اسباب جمع کرنے کی فکر میں لگ گئے اور دوسروں سے آگے بڑھنے کی فکر میں لگ گئے تو خوب سمجھ لو کہ اسباب راحت تو جمع ہو جائیں گے لیکن راحت پھر بھی حاصل نہ ہوگی

وہ دولت کس کام کی جو اولاد کو باپ کی شکل نہ دکھا سکے

حضرت والد قدس سرہ کے زمانے میں ایک صاحب تھے بہت بڑے مل اونر اور انکا کاروبار صرف پاکستان ہی نہیں بلکہ مختلف ممالک میں انکا کاروبار پھیلا ہوا تھا ایک دن والد صاحب نے پوچھا کہ آپکی اولاد کتنی ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ایک لڑکا سنگاپور میں ہے، ایک لڑکا فلاں ملک میں ہے سب دوسرے ملکوں میں ہیں۔ دوبارہ پوچھا کہ آپ کی اپنے لڑکوں سے ملاقات تو ہوتی رہتی ہوگی وہ آتے جاتے رہتے ہیں؟ انھوں نے بتایا کہ ایک لڑکے سے ملاقات ہوئے پندرہ سال ہو گئے۔ ۱۵ سال سے باپ نے بیٹے کی شکل نہیں دیکھی بیٹے نے باپ کی شکل نہیں دیکھی تو اب بتاؤ ایسا روپیہ اور ایسی دولت کس کام کی جو اولاد کو باپ کی شکل نہ دکھا سکے اور باپ کو اولاد کی شکل نہ دکھا سکے! ہماری

اسباب راحت کے لئے ہو رہی ہے لیکن راحت مفقود ہے، اچھی طرح یاد رکھو کہ راحت پیسے کے ذریعہ نہیں خریدی جا سکتی ہے۔

پیسے سے ہر چیز نہیں خریدی جا سکتی ابھی چند روز پہلے ایک صاحب نے ذکر کیا کہ وہ رمضان میں عمرے کو تشریف لے گئے اور ایک اور صاحب دولت مند بھی عمرے کو جا رہے تھے میں نے ان سے کہا کہ عمرے کو جا رہے ہو پہلے سے ذرا انتظام کر لینا تاکہ رہنے کے لئے اور کھانے پینے کے لئے صحیح انتظام ہو جائے وہ اپنی دولت کے گھمنڈ میں تھے کہنے لگے ارے میاں چھوڑو انتظام وغیرہ اللہ کا شکر ہے پیسے بہت موجود ہیں پیسے سے ہر چیز مل جاتی ہے آرام دہ رہائش بھی مل جاتی ہے کھانا بھی مل جاتا ہے، کوئی فکر کی بات نہیں ہمارے پاس پیسہ خوب ہے۔ دس ریال کی جگہ بیس ریال خرچ کر دیں گے۔ وہی صاحب بتا رہے تھے کہ میں نے دو دن کے بعد دیکھا تو حرم شریف کے دروازے پر سر جھکائے بیٹھے ہیں میں نے پوچھا بھائی کیا ہوا؟ کہنے لگے سحری میں اٹھے تھے لیکن ہوٹل میں کھانا نہیں ملا، کھانا ختم ہو گیا تھا۔ دماغ میں یہ گھمنڈ تھا کہ پیسے سے ہر چیز خریدی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دکھا دیا کہ دیکھو پیسہ تمہاری جیب میں رکھا رہ گیا اور روزہ بغیر سحری کے رکھنا پڑا۔

سکون حاصل کرنے کا راستہ یہ پیسہ، یہ ساز و سامان، یہ مال و دولت جو کچھ تم جمع کر رہے ہو یہ بذات خود راحت دینے والی چیز نہیں ہے راحت پیسے سے خریدی نہیں جا سکتی وہ محض اللہ تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ جب تک قناعت پیدا نہیں ہوگی اور جب تک یہ خیال پیدا نہیں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ حلال طریقے سے جتنا مجھے دے رہے ہیں اسی سے میرا کام چل رہا ہے اس وقت تک تمہیں سکون حاصل نہیں ہوگا ورنہ کتنے لوگ ایسے ہیں جنکے

پاس دولت بے حد و حساب ہے لیکن ایک لمحے کا سکون نہیں ایک لمحے کا قرار نہیں، رات کو نیند نہیں آتی، بھوک اڑی ہوتی ہے، یہ سب اس دنیا کی دوڑ کا نتیجہ ہے اسلئے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہیں کہ دنیا کے معاملے میں اپنے سے اونچے آدمی کو نہ دیکھو کہ وہ کہاں جارہا ہے بلکہ اپنے سے نیچے والوں کو دیکھو کہ ان کے مقابلہ میں تمھیں اللہ تعالے نے کیا کچھ دے رکھا ہے اس کے ذریعہ تمھیں قرار آئے گا، تمھیں راحت ملے گی اور سکون حاصل ہوگا۔ لیکن دین کے معاملہ میں اپنے سے اونچے کو دیکھو، کیوں؟ اسلئے کہ اس کے ذریعہ آگے بڑھنے کا جذبہ پیدا ہوگا اور آگے بڑھنے کی بے تابی تو ہوگی لیکن وہ بڑی لذیذ بے تابی ہے۔ دنیا جمع کرنے کی بیتابی اور بے چینی تکلیف دہ ہے، وہ پریشان کن ہے وہ راتوں کی نیند اڑا دیتی ہے اور بھوک اڑا دیتی ہے لیکن دین کے لئے جو بیتابی ہوتی ہے وہ بڑی مزیدار ہے بڑی لذیذ ہے اگر انسان ساری عمر اسی بے تابی میں رہے جب بھی وہ لذت میں رہے گا، راحت اور سکون میں رہے گا لیکن ہماری ساری زندگی کا پہیا الٹا چل رہا ہے۔ اللہ تعالےٰ ہماری فکر کو درست فرمائے، ہمارے دلوں کو درست فرمائے اور جو راستہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے اس پر اللہ تعالیٰ ہمیں چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اسی سلسلہ میں آگے یہ حدیثیں آرہی ہیں۔

فتنہ کا زمانہ آنے والا ہے

یہ پہلی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ :-

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ بَادِرُوْا بِالْاَعْمَالِ الصَّالِحَۃِ فَتَکُوْنُ فِتَنٌ کَقِطَعِ اللَّیْلِ الْمُظْلِمِ یُصْبِحُ الرَّجُلُ مُؤْمِنًا وَیُمْسِیْ کَافِرًا وَ یُمْسِیْ مُؤْمِنًا وَیُصْبِحُ کَافِرًا یَبِیْعُ دِیْنَہٗ بِعَرَضٍ مِّنَ الدُّنْیَا (صحیح مسلم کتاب الایمان)

باب الحث علی المبادرة بالاعمال قبل تظاهر الفتن حدیث نمبر ۳۱۸

فرمایا کہ نیک عمل جلدی جلدی کر لو جتنا وقت مل رہا ہے اسکو غنیمت جانو کیوں: اسلئے کہ بڑے فتنے آنے والے ہیں ایسے فتنے جیسے اندھیری رات کے ٹکڑے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ جب اندھیری رات شروع ہوتی ہے اور اسکا ایک حصہ گزر جاتا ہے تو اسکے بعد آنے والا دوسرا حصہ بھی رات ہی کا حصہ ہوتا ہے اور اسمیں تاریکی اور بڑھتی چلی جاتی ہے اور پھر تیسرے حصہ میں اندھیرا اور بڑھ جاتا ہے اب اگر آدمی اس انتظار میں رہے کہ ابھی مغرب کا وقت ہے تھوڑی سی تاریکی ہے کچھ وقت گزرنے کے بعد روشنی ہو جائے گی اس وقت کام کروں گا تو وہ شخص احمق ہے اس واسطے کہ اب جو وقت گزرے گا تو اور زیادہ تاریکی کا وقت آئے گا۔ لہذا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں کہ اگر تمھارے دل میں یہ خیال ہے کہ اور تھوڑا سا وقت گزر جائے پھر کام شروع کروں گا تو یاد رکھو کہ اور وقت جو آنیوالا ہے وہ اور زیادہ تاریکی والا ہے، آئندہ جو فتنے آنیوالے ہیں وہ بھی اندھیری رات کے ٹکڑوں کی طرح ہیں کہ ہر فتنے کے بعد بڑا فتنہ آنیوالا ہے۔ پھر آگے فرمایا کہ صبح کو انسان مومن ہوگا اور شام کو کافر ہو جائے گا یعنی ایسے فتنے آنیوالے ہیں جو انسان کے ایمان کو سلب کرلیں گے صبح کو مومن بیدار ہوا تھا لیکن فتنے کا شکار ہوکر شام کے وقت کافر ہو گیا اور شام کو مومن تھا صبح کافر ہو گیا اور یہ کافر اس طرح ہو جائے گا کہ اپنے دین کو دنیا کے تھوڑے سے ساز و سامان کے بدلے میں بیچ ڈالے گا، صبح کو مومن اٹھا تھا جب اور کاروبار زندگی میں پہنچا تو فکر لگی ہوئی تھی دنیا جمع کرنے کی اور مال و دولت جمع کرنے کی اور اس دوران مال و دولت حاصل کرنے کا ایک ایسا موقع سامنے آیا جس کے ساتھ شرط یہ تھی کہ دین چھوڑ دو تو تمھیں یہ دنیا مل جائیگی اب اس وقت دل میں کشمکش پیدا ہوئی کہ اپنے دین کو چھوڑ کر یہ مال

حاصل کروں یا اس مال پر لات مار کر دین کو اختیار کروں، لیکن چونکہ وہ شخص پہلے سے ٹلانے کا عادی بنا ہوا تھا اسلئے اس نے سوچا کہ دین کے بارے میں بازپرس معلوم نہیں کب ہوگی کب مریں گے اور کب حشر ہوگا کب ہمارا حساب کتاب ہوگا وہ تو بعد کی بات ہے ابھی فوری معاملہ تو یہ ہے کہ یہ مال حاصل کرلو، اب وہ دنیا کا ساز و سامان حاصل کرنے کے لئے اپنا دین بیچ ڈالے گا اسلئے فرمایا کہ صبح کو مومن اٹھا تھا اور شام کو کافر ہوکر سویا۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے اللہ تعالیٰ بچائے۔ آمین۔

ابھی تو جوان ہیں؟ شیطان کا دھوکہ ہے

لہٰذا کس چیز کا انتظار کر رہے ہو

اگر نیک عمل کرنا ہے اور مسلمان کی طرح زندہ رہنا ہے تو انتظار کس چیز کا جو عمل کرنا ہے بس جلدی کرلو اب ہم سب اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کر رہے ہیں یا نہیں؟ ہمارے دلوں میں دن رات یہ خیال آتا رہتا ہے اچھا ابھی نیک عمل کریں گے اور شیطان یہ دھوکہ دیتا رہتا ہے کہ ابھی تو بہت عمر پڑی ہے ابھی تو نوجوان ہیں ابھی تو ادھیڑ عمر کو پہنچیں گے اور پھر بوڑھے ہوں گے پھر اس وقت نیک اعمال شروع کر دیں گے نبی کریم سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جو حکیم ہیں اور ہماری رگوں سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ شیطان انکو اس طرح بہکائے گا اس لئے فرمادیا کہ جلدی جلدی کرلو اور جو نیک کاموں کی باتیں سن رہے ہو اس پر عمل کرتے چلے جاؤ کل کا انتظار مت کرو اس لئے کہ کل آنیوالا فتنہ تمھیں نجانے کہاں پہنچائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔ آمین۔

(جاری)